تالیف: حضرت علامہ عبدالحسین الامینی النجفیؒ

ترجمہ و تلخیص: ادیب عصر مولانا سید علی اختر رضویؒ شعورؔ گوپال پوری

سید شاہد جمال رضوی گوپال پوری

قال رسول الله :

يوم غدير خم افضل اعياد امتی وهو اليوم الذی امرنی الله تعالی ذِکره فيه بنصب اخی علی بن ابی طالب علماً لامتی، يهتدون به من بعدي وهو اليوم الذی اكمل الله فيه الدين و اتم علی امتی فيه النعمة و رضی لهم الاسلام دينا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''میری امت کے لئے افضل ترین عید ''غدیر خم'' کی عید ہے، اس دن خدا نے مجھے اپنے بھائی علی بن ابی طالب کو امت کا پرچم دار (امام) نصب کرنے کی تاکید فرمائی تاکہ اسی کے ذریعہ لوگ میرے بعد ہدایت پائیں ،خدا نے اس دن کی بدولت دین کامل کیا، امت پر اپنی نعمت تمام کی اور ان کے اسلام سے راضی ہوا''۔

(بحار الانوار ج ۳۷ ص ۱۰۹ (ج ۹۴ ص ۱۱۰)؛ بشارۃ المصطفیٰ ص ۴۹)

جلد ششم (۶)

تالیف

حضرت علامہ عبدالحسین الامینی النجفی رح

مترجم

سید شاہد جمال رضوی گوپال پوری

امینی، عبدالحسین، ۱۲۸۱۔۱۳۴۹
[الغدیر فی الکتاب والسنۃ والادب۔ اردو۔ تلخیص]
غدیر: قرآن، حدیث اور ادب میں/ مولف عبدالحسین الامینی النجفیؒ
ترجمہ: سید شاہد جمال رضوی گوپال پوری۔ ۱۴۳۱ق=۲۰۱۰م=۱۳۸۹
ج/۶
(جلد۶) ISBN: 978-600-92030-5-5
فہرست نویسی براساس اطلاعات فیپا
کتاب نامہ: بصورت زیرنویس
ا۔غدیر خم۔ ۲۔علی بن ابی طالب (ع) امام اول، ۲۳ قبل از ہجرت، ۴۰ق، اثبات خلافت۔ ۳۔غدیر خم۔شعر۔مجموع حا۔ ۴۔شعر مذہبی عربی۔
مجموع حا۔ الف۔ رضوی شعور، علی اختر مترجم۔ ب۔ عنوان ج. عنوان: الغدیر فی الکتاب والسنۃ والادب۔ اردو۔ تلخیص
BP۲۲۳/۵۴/۴۰۴۶۲غ۸الف ۲۹۷/۴۵۲

شناسنامہ کتاب

کتاب کا نام:	**غدیر**: قرآن، حدیث اور ادب میں (جلد ۶)
تالیف:	حضرت علامہ عبدالحسین الامینی النجفیؒ
ترجمہ و تلخیص:	سید شاہد جمال رضوی گوپال پوری
ناشر:	گلستان زہراؑ پبلی کیشنز، لاہور
ناشر ہمکار:	قرآن وعترت فاؤنڈیشن (علمی مرکز، مدرسہ حجتیہ، قم المقدسہ)
پیشکش:	مکتبہ مینار شعور گوپال پور (سیوان بہار)
اشاعت:	۱۳ رجب ۱۴۳۳ھ، ۴ جون ۲۰۱۲ طبع اول
تعداد:	۵۰۰ جلد
قیمت:	۵۰۰/= روپے

ملنے کا پتہ:

پاکستان: گلستان زہراؑ پبلی کیشنز، لاہور۔ ۵۴۰۰۰

ایران: ﴿قم﴾ دفتر قرآن وعترت فاؤنڈیشن، مدرسہ حجتیہ خیابان جحت پارک ۷ داخلی ۳۱۷، چہار راہ شہدا، قم المقدسہ۔

ہندوستان: ۱۔﴿بھیک پور﴾ جگن پور، سیوان، بہار، پن کوڈ، 8841286

۲۔﴿ممبئی﴾ (فاطمہ برقع کلیکشن، ۵۸ نشان پاڑہ روڈ، مسافر خانہ نخجنی (مقابل اجو امشائی) ڈونگری ممبئی ۴۰۰۰۰۹۔

فہرست مطالب

عرض مترجم

رسول اسلاؐم کی تیئس سالہ تبلیغی حیات میں بے شمار مواقع تلاش کئے جاسکتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ حضرت علیؑ کی جانشینی کے اظہار واعلان پر باقاعدہ خدا کی طرف سے مامور تھے، آپ نے اس اہم ذمہ داری کو انتہائی حساس طریقہ سے امت تک پہونچایا، گفتار وکردار سے، رمز وکنایہ سے، تمثیلی انداز میں، استعاری انداز میں، الفاظ ولہجہ کبھی بعنوان حقیقت ہوتا تھا اور کبھی بعنوان مجاز، کبھی بالواسطہ تو کبھی بلاواسطہ۔

چنانچہ خطبہ غدیر کے یہ فقرے ہر انسان کو لمحۂ فکریہ دے رہے ہیں:

''اے لوگو! خداوند عالم نے علی علیہ السلام کو امامت کے منصب پر فائز کیا ہے اور اس کی اطاعت واجب قرار دی ہے، اب اس کا حکم نافذ ہے، اس کی مخالفت کرنے والا ملعون اور تصدیق کرنے والا رحمت خداوندی سے نہال ہوگا، اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو، خدا تمہارا مولا اور علیؑ تمہارے امام ہیں، علیؑ کے صلب سے میرے فرزندوں میں قیامت تک امامت باقی رہے گی''۔

رسول خداؐ کی اس بے پناہ حساسیت کا مقصد یہ تھا کہ لوگ حضرت علیؑ کی ولایت وامامت پر متحد ہوجائیں اس لئے کہ امت مسلمہ کی کامیابی وسرفرازی اسی ولایت سے وابستہ ہے لیکن مفاد پرست مسلمانوں نے رسول خداؐ کی اس حساسیت کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ رکھا، آنحضرت کی آنکھیں بند ہوتے ہی انہوں نے اپنا اُلو سیدھا کرنا شروع کردیا اور اپنی من مانی اور من گھڑت تفسیروں کے ذریعہ اس اہم الٰہی منصب کے ساتھ کھلواڑ کرنے لگے، ان کی اس من مانی اور غلط تفسیر کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ بعض لوگوں کی نظر میں یہ امر مشتبہ ہوگیا اور وہ غلط کو صحیح سمجھ بیٹھے، بعد میں آنے والی نسلیں اسی اساس پر پروان چڑھنے لگیں۔ ایسے میں ضروری تھا کہ ان غلط اور بے بنیاد پروپگنڈوں سے غدیر وولایت کو محفوظ رکھا جائے اور لوگوں کے سامنے ایسا معیار پیش کیا جائے جس کے ذریعہ وہ حق وباطل اور صحیح وغلط میں تمیز پیدا کرسکیں۔

''الغدیر فی الکتاب والسنة والادب'' حق وباطل کا ایسا واضح وآشکار معیار ہے، جس میں

حق اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہے، اسی وقیع اور گرانقدر کتاب کی چھٹی جلد کا ترجمہ آپ کے پیش نظر ہے۔

اکثر سنتا تھا اور کتابوں میں گفتار مترجم کے ذیل میں پڑھتا بھی تھا کہ ترجمہ ایک سخت اور دشوار کام ہے، جب اس وادی میں قدم رکھا تو اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ واقعی ترجمہ ایک سنگلاخ وادی ہے، یہ کام تالیف سے بھی زیادہ سخت اور دشوار ہے، ترجمہ میں اصلی زبان کی خوبی و دل کشی کو برقرار رکھنا، جوئے شیر لانا ہے، ایک مترجم کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ دونوں زبانوں پر اس کی گرفت کس قدر ہے اور ساتھ ساتھ پیغام مضمون پر بھی اس کی کتنی پکڑ ہے، گرفت کا یہ امتزاج جس قدر قوی ہوگا ترجمہ میں جوہر پیغام بھی اسی قدر چاق و چوبند ہوگا۔

مجھے اپنی کم علمی کی وجہ سے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں متذکرہ بالا کسوٹی پر قطعی پورا نہیں اترتا، اسی لئے میں نے صرف نفس مضمون کو اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جسے آپ ترجمہ کا نام دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

کتاب میں موجود اشعار کا ترجمہ بہت سخت تھا، اگر لفظی ترجمہ کیا جاتا تو شاید نفس مضمون فوت ہو جاتا، اسی لئے لفظی پیچیدگیوں سے اغماض نظر کرتے ہوئے سلاست و روانی کا خیال رکھا گیا ہے اور ان کا مفہومی ترجمہ کیا گیا ہے نیز معدودے چند مقامات پر تلخیص سے بھی کام چلایا گیا ہے۔

بہر حال میری یہ ناچیز کاوش حاضر ہے، اگر خدا کا لطف و کرم شامل حال نہ ہوتا تو اتنا عظیم کام کرنا تو دور اس کے متعلق سوچنا بھی محال ہوتا، آپ کی اعلیٰ ظرفی سے امید ہے کہ معمولی غلطیوں سے غض بصر کر کے اہم غلطیوں سے مطلع فرمائیں گے۔

محتاج دعا

سید شاہد جمال رضوی گوپال پوری

حوزۂ علمیہ قم (۲۹/اپریل ۲۰۱۰ء)

عندلیبانِ غدیر

(آٹھویں صدی)

۱۔ابو محمد بن داوٗد حلی
۲۔جمال الدین خلعی
۳۔سریجی اوالی
۴۔صفی الدین حلی
۵۔امام شیبانی شافعی
۶۔شمس الدین مالکی
۷۔علاء الدین حلی

ابو محمد بن داؤد حلی

ولادت ۶۴۷ھ

واذا نظرت الی خطاب محمد	یوم الغدیر اذا ستقر المنزل
من کنت مولاہ فھذا حیدر	مولاہ لا یرتاب فیہ محصل
لعرفت نص المصطفی بخلافۃ	من بعدہ غراء لا یتاول

''جب آپ غدیر کے دن رسول خداؐ کے خطاب پر غور کریں گے کہ آپ نے وہاں ٹھہر کر فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ ''حیدر'' ولی ومولا ہیں، حق کے متلاشی کو اس میں تردد نہیں کرنا چاہئے، تو حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق رسول خداؐ کی تصریح واضح وآشکار ہو جائے گی، جس کی تاویل وتوجیہ نہیں کی جا سکتی''۔

ابن داؤد نے امامت علیؑ کے سلسلہ میں ایک طولانی نظم کہی ہے:

وقدجرت لی قصۃ غریبہ	قد نتجت قضیۃ عجیبہ
فاعتبروا فیھا ففیھا معتبر	یغنی عن الاعراق فی قوس النظر
حضرت فی بغداد دار علم	فیھا رجال نظر و فھم

اشعار کا ملخص ترجمہ:

میرے ساتھ ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا، جس کے نتائج وثمرات عجیب وغریب تھے، لہٰذا اس واقعہ سے گرانقدر نصیحت حاصل کریں جو علمی اور نظریاتی کم مائیگی سے بے نیاز کرتا ہے:

میں بغداد کے ایک ایسے علمی گھرانے میں پہونچا جس میں صاحبان فہم وفراست موجود تھے۔ وہ ہر روز بحث ومذاکرہ کا میدان گرم رکھتے اور بزرگان قوم اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اس علمی میدان میں کوئی استدلال وبرہان کی شمشیر آبدار سے مجروح ہوتا یا قتل ہوکر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا تھا۔ (یعنی بعض افراد، استدلال کے مدمقابل مغلوب ہوجاتے تھے)۔

چنانچہ بزم سخن آراستہ ہوئی، سواروں نے لباسِ جنگ زیب تن کیا اور چاروں اساتذہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) جمع ہوئے، جب میں وہاں پہونچا تو انہوں نے کہا: تم عظیم دانشور اور فقیہ ہو، بتاؤ کہ رسول اسلامؐ کے بعد امت کی ہدایت ورہبری کے لئے امامت کا کون زیادہ حقدار ہے اور کسے اولویت حاصل ہے؟

میں نے کہا: یہ اہم مسئلہ قابل غور ہے، جس میں ہٹ دھرمی کی قطعی گنجائش نہیں، ہم سب صاحب عقل وخرد اور دانشمند ہیں۔ یہ فرض کیا جائے کہ رسول اسلامؐ اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں اور عالم وجاہل افراد قرب وجوار سے جمع ہوکر آپ سے حل وفصل اور جستجو کے خواہاں ہیں، لہٰذا آپ کے لئے ضروری ہے کہ بزرگوں کے اخلاق وشرافت کو پیش نظر رکھ کر انصاف وعدالت کی رعایت کریں۔

جب رسول اسلامؐ کی وفات ہوئی تو اکثر لوگوں نے کہا: ابوبکر ہی لوگوں کے رہبر وامام ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا: لوگوں کی ہدایت ورہبری رسول اسلامؐ کے چچا حضرت عباس کا حق ہے، لیکن انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بقیہ افراد نے کہا: حضرت علیؑ خلافت وامامت کے زیادہ حقدار ہیں۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر آپ بتائیں کہ وفات کے وقت رسول اسلامؐ نے اپنے بعد خلیفہ کے متعلق کوئی وصیت فرمائی یا ان کی ترتیب امت مسلمہ پر چھوڑ دی تھی کہ وہ جسے چاہیں اپنی رائے کے مطابق منتخب کرلیں؟؟

یہ سن کر ان میں سے ایک نے کہا: رسول اسلامؐ نے ابوبکر کو معین کیا اور خلافت کے لئے انھیں کو مخصوص فرمایا۔ دوسروں نے کہا: عمر سے منقول باتوں کے پیش نظر یہ بات اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ عمر نے کہا تھا: اگر خلیفہ کا تعین میرے ذمہ ہے تو میں ابوبکر کی پیروی کرتا ہوں اور اگر اپنے بعد خلیفہ کے لئے وصیت ترک کروں تو

رسول اسلامؐ بھی ترک وصیت کے مرتکب ہوئے ہیں۔(۱) لہٰذا حق دونوں کے درمیان مشترک ہے۔

عمر نے یہ بھی کہا: ابوبکر کی بیعت بہت بڑی غلطی تھی۔ لہٰذا جس نے بھی اس عمل کی تکرار کی اس کا قتل حلال ہے۔(۲)

سلمان بولے: تم نے جو کیا وہ نہیں کے برابر ہے کیونکہ تم نے حضرت علیؑ کو خلافت سے معذول کر دیا۔

انصار کہنے لگے: ہم خیر کے طلبگار ہیں، لہٰذا ایک امیر ہمارا اور ایک تمہارا۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر اگر ابوبکر کے متعلق رسول اسلامؐ کی کوئی وصیت تھی تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ فاروق پر اعتراض کرو اور انھیں مورد الزام قرار دو۔ پھر مسلمانوں اور انصار پر بھی اعتراض کرو لیکن اصحاب وانصار پر الزام تراشی تمہارے اختیار (مذہب) میں نہیں ہے۔

یا ابوبکر کا اقالہ چاہنا (۳) (مجھے چھوڑ دو.....) اور بقول عمر: ان کی خلافت کا مشتبہ ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی بیعت صرف لوگوں کی رائے کی بنیاد پر ہوئی تھی، اگر ابوبکر کی خلافت نص رسولؐ کے ذریعہ متعین ہوتی تو وہ ''اقالہ'' نہ چاہتے اور ''اقیلونی'' نہ کہتے۔

یہ سن کر ان لوگوں نے وصیت رسولؐ کا انکار کرتے ہوئے اختیار امت کا اقرار کیا۔

۱۔ صحیح بخاری (جلد۶، ص۲۶۳۸، حدیث۶۷۹۲)؛ صحیح مسلم (جلد۴، ص۱۰۲، حدیث۱۱، کتاب الامارہ)۔ سنن ابی داؤد (جلد۳، ص۱۳۳، حدیث۲۹۳۹)؛ سنن ترمذی (جلد۴، ص۴۳۵، حدیث۲۲۲۵)۔ مسند احمد، جلد۱، ص۴۳، ۴۶، ۴۷۔ (جلد۱، ص۷۱، حدیث۳۰۱۔ ص۷۵، حدیث ۳۲۴، ص۷۷، حدیث۳۳۴)۔ سنن بیہقی، جلد۸، ص۱۴۸۔ تاریخ بغداد جلد۱، ص۲۵۸ (نمبر۸۶)۔ تیسیر الوصول جلد۲، ص۴۹، ۵۰۔ (جلد۲، ص۵۹، حدیث ۸، ۹)۔ البدایۃ والنہایۃ جلد۵، ص۲۵۰ (جلد۵، ص۲۷۰)۔

۲۔ صحیح بخاری، باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت جلد۱۰، ص۴۴، (جلد۶، ص۲۵۰۵، حدیث۶۴۴۲)۔ مسند احمد، جلد۱، ص۵۵۔ (جلد۱، ص۹۰، حدیث۳۹۳)۔ تاریخ طبری، جلد۳، ص۲۰۰، ۲۱۰۔ (جلد۳، ص۲۰۵، ۲۲۳، حوادث ۱۱ھ)؛ انساب بلاذری، جلد۵، ص۱۵۔ سیرۂ ابن ہشام جلد۴، ص۲۳۸ (جلد۴، ص۳۰۸) تیسیر الوصول، جلد۲، ص۴۲، ۴۴۔ (جلد۲، ص۵۱، ۵۳، حدیث۴)۔ تاریخ کامل جلد۲، ص۱۳۵۔ (جلد۲، ص۱۱، حوادث ۱۱ھ)۔ نہایہ ابن اثیر، جلد۳، ص۲۳۸ (جلد۳، ص۴۶۷)۔ ریاض النضرۃ جلد۱، ص۱۶۱ (جلد۱، ص۲۰۱)؛ البدایۃ والنہایۃ جلد۵، ص۲۴۶۔ (جلد۵، ص۲۶۶، حوادث ۱۱ھ)؛ سیرۂ حلبیہ جلد۳، ص۳۸۸، ۳۹۲ (جلد۳ ص۳۶۰، ۳۶۳)۔ صواعق محرقہ، ص۵، ۸، ۲۱۔ (ص۱۰، ۱۴، ۳۶)۔ تاج العروس جلد۱، ص۵۶۸

۳۔ الصواعق المحرقہ، ص۳۰ (ص۵۱)؛ الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۴ (ج۱، ص۲۰)۔

میں نے کہا: جب مسئلہ خلافت ہمارے اختیار پر چھوڑا گیا ہے تو پھر امت مسلمہ پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے: وہ افضل ترین اور بہترین فرد کو اختیار کرے یا ناقص، کم عقل اور مفضول کو منتخب کرے جس میں نہ حکومت کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی امامت ورہبری کی اہلیت...؟

انہوں نے بیک زبان کہا: امت کے لئے ضروری ہے کہ وہ افضل ترین فرد کو منتخب کرے۔

یہ سن کر میں نے کہا: اے قوم! مجھے بتاؤ، کیا صفات وکمالات کی بناء پر رہبر کا تعین نہیں ہونا چاہئے؟ اگر ایسا ہے تو ایمان و مہاجرت میں سبقت رکھنے والے شخص کو ایسے انسان پر مقدم رکھو جو ان دو فضیلتوں سے محروم ہے''۔

۶۵ / اشعار پر مشتمل یہ وقیع نظم ''اعیان الشیعہ'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔(۱)

شاعر کے حالات

نام ''تقی الدین ابو محمد حسن بن علی بن داؤد حلّی'' ہے، فقہ وحدیث، رجال وعربی اور دوسرے بہت سے علوم میں نابغہ روزگار تھے، اس بات پر کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ فرقہ ناجیہ کے بے نظیر و نایاب اور معروف دانشوروں میں سے ایک تھے، علماء نے کتب رجال واجازات میں ہر طرح سے ستائش کی ہے، اگر چہ بعض علماء نے ان کی کتاب رجال ''رجال ابن داؤد'' کے متعلق باتیں بنائی ہیں۔ بعض اس میں تاویل وتوجیہ کا نظریہ رکھتے ہیں۔(۲) اور بعض نے اعتراض کی بوچھار کردی ہے۔(۳) لیکن **خیر الامور اوسطھا** کے پیش نظر بہترین نظریہ اکثر علماء کا ہے کہ ان کی کتاب بھی دوسری کتابوں کی طرح علم رجال کے اصول وبنیاد میں شامل ہے جس پر کبھی اعتماد کیا گیا اور کبھی مورد نقد وانتقاد قرار دیا گیا۔ ہاں! شعراء نے آپ کی نظم کو ہر زمانے میں سراہا ہے اور تعریف وتمجید کی ہے۔

۱۔ اعیان الشیعہ، جلد۲۲، ص۳۴۳ (ج۵، ص۱۹۱)

۲۔ والد شیخ بہائی (شیخ حسین بن عبدالصمد) نے اپنی کتاب درایہ میں

۳۔ شیخ عبداللہ تستری نے شرح التھذیب میں پہلی حدیث کی شرح میں

۵/جمادی الثانی ۶۴۷ھ میں متولد ہوئے اور سید ابوالفضائل احمد بن طاؤس حلّی (متوفی ۶۷۳ھ) سے کسب علم کیا ہے اور ان سے روایت کی ہے۔

سید کے علاوہ جن علماء سے روایت کی ہے ان کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ محقق نجم الدین جعفر بن حسن حلی (متوفی ۶۷۶ھ)؛ قرأت کے استاد تھے۔

۲۔ شیخ نجیب الدین ابوذکریا یحیی بن سعید حلی (متوفی ۶۸۹ھ)؛

۳۔ خواجہ نصیر الدین طوسی (متوفی ۶۷۲ھ)؛

۴۔ سید غیاث الدین عبدالکریم بن ابوالفضائل احمد بن طاؤس حلّی (متوفی ۶۹۳ھ)؛

۵۔ شیخ سدید الدین یوسف بن علی مطہر حلی (علامہ حلی کے والد)؛

۶۔ شیخ مفید الدین محمد بن جہیم اسدی (ابن داؤد نے اپنی کتاب رجال میں ان کو اپنے استادوں میں شمار کیا ہے)؛

شاگرد و رواۃ

۱۔ شیخ رضی الدین ابوالحسن احمد مزیدی (متوفی ۷۵۵ھ)؛

۲۔ سید ابوعبداللہ محمد بن قاسم دیباجی حلی معروف بہ ''ابن معیہ'' (متوفی ۷۷۶ھ)؛

۳۔ زین الدین علی بن طراد مطارآبادی (متوفی ۷۹۴ھ)؛

گرانقدر تالیفات

۱۔ تحفۂ سعد
۲۔ عدۃ الناسک فی فضائل مناسک (منظوم)
۳۔ المعتبر
۴۔ المقتصر من المختصر
۵۔ اللؤلؤ فی خلاف اصحاب امامیہ
۶۔ کتاب الدرج

۷۔ کتاب الرابع
۸۔ خریدۃ الزہراء فی العقید الفرار
۹۔ کتاب کافی
۱۰۔ کتاب فقہ
۱۱۔ الدر الثمین فی اصول الدین
۱۲۔ البغیۃ فی القضایا
۱۳۔ کتاب الرجال
۱۴۔ عقد الجواہر فی الاشباہ والنظائر
۱۵۔ مختصر اسرار العربیہ
۱۶۔ حل الاشکال فی عقد الاشکال
۱۷۔ احکام القضیۃ فی احکام القضیۃ
۱۸۔ شرح قصیدۃ الساوی
۱۹۔ لمعہ (فی الصلاۃ)
۲۰۔ مختصر الایضاح
۲۱۔ الاکلیل
۲۲۔ الرائض فی الفرائض
۲۳۔ کتاب النکت
۲۴۔ حروف المعجم
۲۵۔ تحصیل المنافع
۲۶۔ خلاف المذاہب
۲۷۔ اصول الدین
۲۸۔ اللولوۃ (فی خلاف اصحابنا)
۲۹۔ الجوہرۃ فی نظم التبصرہ

وفات

ابن داؤد کی تاریخ وفات پردۂ خفا میں ہے۔ فقط اتنا علم ہے کہ یہ اپنی کتاب رجال کی تالیف سے ۷۰۷ھ میں فارغ ہوئے۔ میرزا عبداللہ آفندی صاحب ریاض العلماء (۱) نے مشہد الرضا (مشہد مقدس) میں شاعر کی تحریر کا ایک نسخہ دیکھا جس کے آخر میں لکھا تھا کہ اسے علی بن داؤد نے ۱۳ / رمضان المبارک ۷۴۱ھ کو تحریر کیا۔ (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن داؤد ۷۴۱ھ میں باحیات تھے اور ان کی زندگی کے ۹۴ سال گذر چکے تھے۔

۱۔ ریاض العلماء، (ج ۴، ص ۱۲۳)
۲۔ روضات الجنات، ص ۳۵۷، (ج ۴، ص ۲۲۴، نمبر ۳۸۴)

جمال الدین خلعی

وفات ۷۵۰ھ

فاح أريجُ الرّياضِ والشجر	ونبة الورق راقد السَّحر
واقتدح الصبح زند بهجته	فاشعلت في محاجر الزهر
وافتر ثغر النوار مبتسما	لما بكته مدامع المطر

''باغ و بہار کی خوشبو نے اپنی آمد سے خواب غفلت میں سوئی ہوئی ہر مخلوق کو بیدار کر دیا، وقت سحر مسرت وخوشحالی کی بجلی چمکی تو گلستاں میں غنچے وکلیاں روشن ومنور ہوگئیں؛ جس وقت ابر رحمت سایہ فگن ہوا تو دہانِ گل نے مسکراہٹیں بکھیر دیں، زمین نے پرورش میں خودنمائی کا مظاہرہ کیا تو گلوں کی عطرپاشی نے مشام جاں کو معطر کر دیا؛ پرندے شاخوں پر بیٹھ گئے جس کے بعد ان کے شکار کے لئے تیر وکمان کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔ بادصبا نے صبح ومسا اپنا دامن سمیٹنے کے لئے ہمیں آگاہ کر دیا۔ وہ وقت کتنا خوشگوار تھا جب ہم بالکونی کی بلندی پر بیٹھ کر سبزہ زار کی نمائش کر رہے تھے اور باران رحمت زمین پر برس کر اسے لباس سبز پہنا رہی تھی۔

ایسے میں اس مجلس کی کیا کیفیت رہی ہوگی جس کی قیادت ایسے جوان کو حاصل تھی جو ماہ تاباں کے مانند منور تھا اور ہم سب شرف ہمنشینی لئے بہترین خبر کے منتظر تھے۔ اس مجلس کا موضوع گفتگو موثق اور معتبر راویوں سے منقول رسول اسلامؐ کی باتیں اور غدیر تھا۔

رسول خداؐ اپنے آخری حج سے واپسی پر غدیر خم میں پالان شتر کے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

اے لوگو! بے شک خداوند عالم نے مجھ پر عظیم وحی کی تکرار فرمائی ہے کہ جس چیز پر مامور ہوں اگر اس کی تبلیغ میں کوتاہی کروں گا تو خداوند عالم پیغمبروں کے دفتر سے میرا نام خارج کر دے گا۔

فرمایا: اگر تم لوگوں کے مکر وفریب سے خوفزدہ ہو تو میں تمہاری حفاظت کروں گا، میں بہترین یار ومددگار ہوں، علیؑ کو ان کا امیر ورہبر مقرر کرو کہ میں نے اسے تمام انسانوں میں منتخب فرمایا ہے۔

اس کے بعد آیہ بلّغ ﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾(۱) کی تلاوت فرمائی جسے لوگوں نے سنا اور مشاہدہ کیا۔ پھر فرمایا: میری عمر رواں ختم ہونے کو آئی ہے، نزدیک ہے کہ آواز مرگ پر لبیک کہوں، کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ با اختیار نہیں؟ سب نے بیک زبان کہا: ہاں یا رسولؐ اللہ! آپ جو کچھ جانتے ہیں اس کا حکم فرمائیں؟

چنانچہ آنحضرت نے لوگوں کے درمیان فرمایا: جس کا میں مولا ہوں یہ ''علیؑ'' اس کے مولا و آقا ہیں، میرے بعد اس کی پیروی واطاعت کرنی چاہئے، خدایا! علیؑ کے ناصر ومددگار کی نصرت فرما اور اس کے دشمنوں کو تباہی کے گھاٹ لگا دے۔

اس کے بعد جب میں نے خدا اور رسولؐ کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کر لی تو کھڑا ہوا اور بولا: اے انسانوں میں سب سے بہتر! خلافت مبارک ہو، یہ منصب آپ کے شایان شان ہے، آپ ہمارے بھائی تھے، اب آقا ومولا ہوئے۔ آپ بہترین افتخارات پر فخر ومباہات کریں''۔

وہ اسی قصیدہ میں نغمہ سرا ہیں:

تاللہ ماذنب من یقیس الی ۔۔۔ نعلک من قدموا بمغتفر

انکر قوم عید الغدیر و ما ۔۔۔ فیہ علی المومنین من نکر

حکمک اللہ فی العباد بہ ۔۔۔ و سرت فیھم باحسن السیر

۱۔ سورہ مائدہ/۶۷

''خدا کی قسم! جو آپ سے مقدم افراد کا آپ کے نعلین مبارک سے مقابلہ کرے، اس کا گناہ قابل مغفرت نہیں۔ کچھ لوگوں نے عید غدیر کا انکار کیا حالانکہ آج مومنین میں ایسا کوئی نہیں جو اس عید کا انکار کرے، خداوند عالم نے اپنے بندوں میں آپ کو حکومت وامامت عطا فرمائی اور آپ نے بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک پیش کیا۔

خداوند عالم نے غدیر خم میں اپنے دین کی تکمیل فرمائی، خدا کا ارشاد ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۱) قرآن مجید، توریت اور نوحؑ وابراہیمؑ کے صحیفوں میں آپ کی تعریف وتمجید موجود ہے، بندوں کا حساب وکتاب آپ کے دست اختیار میں ہے، آپ جس کے حق میں چاہیں سود وزیان کا حکم صادر فرما سکتے ہیں، آپ جسے چاہیں تشنہ کام رکھیں اور جسے چاہیں سیراب کریں۔

اے وحشت ناک فریاد وفغاں کی پناہ گاہ اور اے دوستوں کے بہترین ذخیرہ! مجھے رافضی کہا گیا حالانکہ میرے لئے یہ لقب ناصبی سے بہتر ہے جو درحقیقت کفر ہے، ہاں! میں نے طاغوت کو چھوڑ کر اپنی محبت والفت، امامت کے درخشاں ستاروں کے لئے مخصوص کردی ہے''۔

(یہ قصیدہ ۱۵٦ اشعار پر مشتمل ہے)

یہ اشعار بھی آپ ہی کے ہیں:

حبذا یوم الغدیر یوم عید و سرور

اذ اقام المصطفی من بعده خیر امیر

قائلا هذا وصیی فی مغیبی و حضوری

''آفرین اور لاکھوں سلام ہو خوشحالی اور مسرت سے بھرپور روز غدیر پر جو عید کا دن ہے، جس دن رسول خداؐ نے اپنے بعد بہترین امیر ووصی کو منتخب فرمایا۔

۱۔ سورۂ مائدہ/۳

آپ نے فرمایا:

''یہ میری موجودگی اور غیر موجودگی میں میرا وصی و جانشین ہے، یہ میرا یار و مددگار، میرا وزیر و نگہبان اور میرے جیسا ہے۔ یہ میرے بعد اس قرآن کے ذریعہ ہدایت کرے گا جو دلوں کی روشنی کا وسیلہ ہے، یہ وہی ہے جسے خداوند عالم نے دنیا کے تمام علوم سے بہرہ مند فرمایا ہے، اس کی اطاعت تمام اہل زمین وزمان پر واجب ہے۔ لہٰذا تمہیں اس کی پیروی کرنی چاہئے تاکہ بہترین ہدف و مقصد تک رسائی حاصل کرسکو۔

لیکن لوگوں نے اوپری دل سے آپ کی خلافت قبول کی حالانکہ ان کے قلوب آپ کے خلاف کینہ وفریب سے بھرے ہوئے تھے۔

اے امیر نحل، اے وہ انسان جس کی محبت والفت میرے دل ودماغ اور باطن کی گہرائیوں میں محفوظ ہے؛ اے وہ شخص جو مجھے آتش جہنم کی سوزش سے نجات دلانے والا ہے؛ اے وہ عظیم انسان جس کی مدحت سرائی میری زندگی میں راحت جاں اور شب کی تنہائیوں میں میری ہمنشین ہے؛ اے حشر و قیامت کی ہنگامہ خیزیوں میں بہشت خالد کی راہنمائی کرنے والے اور اے بے پناہ علم ودانش کے مالک! میں نے اپنی ولایت و دوستی آپ سے مخصوص کردی ہے اور جو آپ کا دشمن ہے اس کے لئے میری لعنت وملامت اور بدگوئی ہمیشہ جاری وساری رہے گی۔ آپ کا بندۂ ناچیز ''خلیعی'' خوش وخرم قیامت کے دن پہونچ گیا''۔

۶۱/اشعار پر مشتمل آپ کا ایک اور قصیدہ ہے، جس کے ۳۶/اشعار قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں نقل کئے ہیں(۱) اور علامہ زنوزی نے پورا قصیدہ ریاض الجنۃ میں نقل کیا ہے؛ یہاں بطور نمونہ چند اشعار نقل کئے جارہے ہیں:

اسمائوک المشرقات فی اوجه　　　القرآن فی کل سورة غرر

سمائک رب العباد قسورة　　　من حیث فروا کانهم حمر

۱۔ مجالس المومنین ص ۴۶۳ (ج۲ ص ۵۵۶)

والعین والجنب والوجه انت | والهادی و لیل الضلال معتکر
یاصاحب الامر فی یوم الغدیرو | قد بخ بخ لمّا ولّیته عمر
لوشئت ما مد حبتر یده | لها و لا نال حکمها زفر
لکن تانیت فی الامور و لم | تعجل علیهم وانت مقتدر

''آپ کے شریف اور درخشاں اسماء قرآن مجید کے ہر سورہ میں آشکار و نمایاں ہیں، خداوند عالم نے شب تاریک میں آپ کو عین اللہ، جب اللہ، وجہ اللہ اور ہادی و رہنما کا نام دیا۔ اے صاحب ولایت وامامت! جب رسول خداؐ نے روز غدیر آپ کو ولی مقرر فرمایا تو عمر نے مبارک سلامت کی صدا بلند کی، اگر آپ چاہتے تو خلافت کے سلسلے میں دست ابوبکر دراز نہ ہوتا اور پھر یہ حکومت عمر تک نہ پہونچتی لیکن آپ اپنے کاموں میں صابر وشاکر تھے۔ چنانچہ بھرپور قدرت وطاقت کے باوجود آپ نے ان کے متعلق عجلت کا مظاہرہ نہیں فرمایا''۔

شاعر کے حالات

نام ''ابوالحسن جمال الدین علی بن عبد العزیز بن ابی محمد خلعی (خلیعی) موصلی حلی'' ہے، خاندان رسالت کے عظیم شاعر اور گرانقدر مداح ہیں؛ انہوں نے اہل بیت اطہار (علیہم السلام) کی مدح وستائش میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور حق مطلب کی ادائیگی کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان کے تمام اشعار میں خاندان رسالت کی مدحت سرائی اور سوگواری کے علاوہ کوئی دوسرا موضوع نہیں پایا جاتا۔

یہ تمام علوم وفنون میں ماہر اور مرد فاضل تھے، ان کے اشعار سلیس اور عام فہم ہوتے تھے۔ حلّہ میں سکونت کے دوران تقریباً ۷۵۰ھ میں فوت ہوئے اور وہیں پر سپرد خاک کئے گئے۔ وہاں ان کی مشہور ومعروف قبر ہے۔

یہ ناصبی والدین سے متولد ہوئے۔(۱)

سید نوزی ریاض الجنۃ کے روضۂ اوّل میں لکھتے ہیں:

ان کی ماں نے نذر مانی کہ اگر خداوند عالم نے ایک فرزند کی نعمت عطا فرمائی تو اسے سبط پیغمبر امام حسینؑ کے زائروں کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے لئے روانہ کرے گی۔ چنانچہ جب وہ پیدا ہوئے اور شعور و ادراک کی منزل پر پہونچے تو نذر و عہد کی ادائیگی کے لئے روانہ کر دیا۔

کربلا کے نزدیک ''مسیتب'' کے اطراف میں پہونچ کر زائروں کی گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ لیکن اچانک ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور قافلہ آگے نکل گیا اور قافلہ سے اٹھتی گرد و غبار ان پر آپڑی۔ خواب میں دیکھا کہ ہر طرف قیامت کا سماں ہے، حکم دیا گیا ہے کہ انہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے لیکن آگ اس خاک کی وجہ سے اپنا اثر دکھانے سے قاصر رہی جو قافلہ کے ذریعہ ان پر پڑی تھی۔

وہ حیران و پریشان خواب سے بیدار ہوئے، اپنے ناپاک ارادوں سے توبہ کی اور خاندان رسولؐ کے دل و جان سے شیدائی ہوگئے۔ وہ اسی خوف و ہراس کے عالم میں حرم امام حسینؑ میں پہونچے، لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اسی وقت دو بیت کہے جس پر شاعر بدیع حاج مہدی فلوجی (متوفی ۱۳۵۷ھ) نے مخمس کہا ہے، مخمس کے ساتھ دو بیت پیش خدمت ہے:

اراک بحیرة ملاتک رینا — و شتتک الهوی بینا فبینا

فطب نفسا وقر بالله عینا — اذا شئت النجدة فزر حسینا

لکی تلقی الاله قریر عین

اذا علم الملائک منک عزما — تروم مزاره کتبوک رسما

و حرمت الجحیم علیک حتما — فان النار لیس تمس جسما

علیه غبار زوار الحسین

۱۔ مجالس المومنین، قاضی نور اللہ شوشتری، ص ۴۶۳، (ج ۲، ص ۵۵۵)۔

''تمہیں حیران وسرگرداں دیکھ رہا ہوں، شک وشبہ نے تمہیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور ہوا وہوس نے پراگندہ وپریشان کر رکھا ہے، تم ان دونوں کے درمیان پس وپیش میں مبتلا ہو۔ لہٰذا اپنے دل ودماغ کو پاک کرو، آنکھوں کو خدا کے نور سے روشن ومنور کرو۔ اگر نجات کے خواہاں ہو تو امام حسینؑ کی زیارت کرو تاکہ نورانی آنکھوں سے خدا کا دیدار کر سکو۔

اگر فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ تم امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہو تو وہ تاکید کے ساتھ تم پر آتش جہنم کی حرمت لکھ دیں گے اس لئے کہ جہنم کی آگ ایسے اجسام کو اپنا ہدف قرار نہیں دیتی جن پر امام حسینؑ کے زائروں کی گرد وغبار موجود ہو''۔

ان کے عادات واطوار سے خاندان رسالت کی والہانہ دوستی ومحبت نمایاں تھی۔ اہل بیت کرامؑ بھی اس محبت کے عوض آپ پر خاص الطاف وعنایات روا رکھتے تھے چنانچہ علامہ نوری ''حبل المتین فی معجزات امیر المومنینؑ'' سے نقل کرتے ہیں کہ جب وہ امام حسینؑ کے حرم مقدس میں داخل ہوئے اور آنحضرت کی مدح وستائش میں قصیدہ پڑھنا شروع کیا تو حرم کے دروازوں کا ایک پردہ ان کے اوپر گر پڑا۔ اسی دن سے خلیعی یا خلعی کے نام سے موسوم ہو گئے۔ یہ اپنے اشعار میں ''خلیعی'' تخلص رکھتے تھے۔(۱)

علامہ نوری نے ملاّ محمد جیلانی کے ذریعہ "حبل المتین" سے نقل کیا ہے کہ جمال الدین خلعی اور ابن حماد میں فخر ومباہات ہونے لگا۔ دونوں کا یہ خیال تھا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کے متعلق ان کے مدحیہ اشعار دوسرے سے بہتر ہیں، لہٰذا دونوں نے قصیدہ کہہ کر ضریح مقدس میں ڈال دیا تاکہ امامؑ ان کے قصیدے سے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ تھوڑی دیر بعد خلعی کا قصیدہ باہر آیا جس پر سونے کے پانی سے تحریر تھا: "احسنت" شاباش! تم نے بہت اچھا کہا۔ اور ابن حماد کے قصیدہ پر چاندی کے پانی سے یہی الفاظ تحریر تھے۔

اس صورت حال سے ابن حماد کافی غمگین ہوئے، امیر المومنینؑ سے عرض کی: آقا! میں آپ کا

۱۔ دار السلام، ص ۱۸۷، (ج ۲ ص ۶۸)

پرانا نمک خوار ہوں، یہ (جمال الدین) تو جلد ہی آپ کے چاہنے والوں میں داخل ہوا ہے (پھر میرے ساتھ ایسا کیوں؟) آنحضرتؑ نے خواب میں آکر فرمایا: یہ سچ ہے کہ تم ہمارے پرانے محب ہو اور اس نے جلد ہی ہماری ولایت قبول کی ہے لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ رعایت سے کام لیں۔(۱)

انہوں نے تقریباً (۳۴) اشعار پر مشتمل امام حسینؑ کا مرثیہ کہا ہے جس کے بعض اشعار کا ترجمہ پیش ہے:

أيُّ عـذر لـمهـجةٍ لا تـذوبَ ‌ ‌ ‌ ‌ وحشـاً لايشـبُّ فيهـا لهيـب؟
ولـقـلـب يـضيق من الم الحزن ‌ ‌ ‌ ‌ و عيـن دمـوعهـا لا تـصـوب
وابـن بنت النبي بالطف مطروح ‌ ‌ ‌ ‌ لـقـى والـجبيـن مـنـه تـريـب

''گوشۂ دل کے لئے کون سا عذر ہے کہ وہ پانی پانی نہ ہو اور امام حسینؑ کے آتش غم میں شعلہ ور نہ ہو؟ کون سا دل ہے جو اس غم میں حیران و پریشان نہیں یا کون سی آنکھ ہے جو اشک آلود نہیں؟ ہاں! سبط رسولؐ زمین کربلا پر خاک و خون میں آغشتہ پڑے ہوئے تھے، ان کے اطراف میں ان کے بھائی اور خاندان کے جوان و پیر موجود تھے جنہیں موت کے شکنجے نے زمین بوس کیا ہوا تھا؛ ناموس رسولؐ اپنے عزیز اور نو جوانوں کے داغِ مفارقت سے بے حال گریہ کناں تھیں، ان کی چادروں کو دشمنوں نے لوٹ لیا تھا۔

کوئی جگر خراش آواز میں بھائی کہتی تھیں تو کوئی ہائے بابا کی صدا بلند کرتی تھیں، لیکن وہ اپنی کھلی آنکھوں سے کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔

میرا دل غم سے پھٹا جا رہا ہے کہ امام کا فرزند نازنین ان کے ہاتھوں پر جاں بلب تھا اور گلوئے مبارک سے خون جاری تھا، ان کی خواہر عزیز جناب زینب پر افسوس جو اشکوں کے سایہ میں یتیموں کی پناہ گاہ تھیں۔

۱۔ دار السلام، ص ۱۸۳، (ج ۲، ص ۵۹/۶۰)

جناب فاطمہؑ کے مصائب سے میرا دل چھلنی ہے جو اسیری کے خوف سے وحشت زدہ تھیں، ان کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا، امّ کلثوم پر افسوس جن کے رخسار مبارک گریہ وزاری اور سیلان اشک سے مجروح ہو چکے تھے، وہ فریاد کناں تھیں: اے میرے تنہا والی و وارث اور اے میرے فریاد رس بھائی! ہمارے مصائب وآلام کا خاتمہ کیجئے۔ اس کے بعد گریاں و بریاں رسول اسلامؐ سے شکوہ کرنے لگیں:

اے نانا! کاش آپ دیکھتے کہ ہمیں کس طرح اسیر کیا گیا اور ہم پر مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے گئے۔ اے نانا! آپ کی نصیحتیں اور ہمارے متعلق آپ کی سفارشات لوگوں پر اثر انداز نہ ہوئیں اور تمام تر تاکید کو پس پشت ڈال کر امام حسینؑ کی غربت وتنہائی پر ذرا بھی رحم نہ کیا گیا۔ اے نانا! آپ کہاں ہیں، آکر دیکھئے آپ کا حسینؑ شہید ہو چکا ہے اور علی بن حسینؑ پر تازیانوں کی بارش ہو رہی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آپ کا نواسہ قربان گاہ میں بے گور وکفن پڑا ہوا ہے۔ اے کاش! آپ دیکھتے ہم ذلت وخواری کے ساتھ دشمنوں کے درمیان اسیر تھے اور ان کے دل ہمارے لئے پتھر ہو چکے تھے“۔

یہ اشعار بھی آپ کے ہیں:

یا بنی طٰهٰ ویاس — ین وحامیم ونون
بکم استعصمت من — شر خطوبٍ تعترینی
فاذا خفت فانتم — لنجاتی کالسفین

”اے طٰہٰ ویسین اور حم ونون کے فرزند! میں زمانہ کے حوادث سے آپ ہی کی پناہ کا خواستگار ہوں، آپ حضرات خوف وہراس کے عالم میں میرے لئے کشتی نجات ہیں۔ میزان اعمال آپ کے دست اختیار میں ہے لہٰذا اپنے بندۂ ناچیز (خلعی) کو اصحاب یمین کے ہمراہ محشور فرما کر نجات دیجئے اور میری کم مایہ مدحت کو شرف قبولیت عطا فرمایئے۔

اے صاحب اسرار خدا! میں نے ایسے افراد کے ساتھ مدارا کیا ہے جو مجھے مار ڈالنے کا ارادہ رکھتے تھے، میں صادق وامین عالم کے قول کا شیدائی تھا کہ انہوں نے فرمایا: تقیہ کرو کہ یہ میرا اور میرے اباؤ

اجداد کا دین ہے۔

میں نے آپ کے اوصاف کے متعلق اپنے اشتیاق کو مہمیز کر کے آپ کی مدحت کے ذریعہ اپنے ظاہر و باطن کو آشکار کر دیا، میرے پوشیدہ اسرار و رموز کا گواہ آپ کا علم لدنی میرے لئے کافی ووافی ہے۔

خدا کی محکم رسّی پر اعتراض کرنے سے اس کی پناہ چاہتا ہوں کہ نا اہل اور فاقد کمالات کو صاحب فضل وکمال کے برابر کا درجہ دوں۔ کیا "اقیلونی" (مجھے چھوڑ دو) کے قائل اور "سلونی" (مجھ سے پوچھلو) کے قائل کے درمیان برابری کا عقیدہ رکھا جا سکتا ہے (خدا کی پناہ)"۔

شجاع بنی ہاشم جناب مسلم کا مرثیہ

المسلم بن عقیل قام الناعی — لمّا استهلت ادمع الاشياع

مولی دعاء ولیه وامامه — فاجاب دعوته بسمع واع

حفظ الوداد لذی القرابة فاقتنی — شرفا علی الاهلين و الاتباع

"کیا اس وقت مسلم بن عقیل کے لئے قاصد مرگ بلند ہوا جب شیعوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا، ہاں! وہ ایسے سردار تھے جن کے امام نے جب آواز دی تو انہوں نے دل وجان سے لبیک کہا اور اپنی محبت کو خاندان کے والی و وارث کے لئے مخصوص کر کے اپنے اہل وعیال اور چاہنے والوں میں بہترین شرافت وعظمت کا انتخاب فرمایا۔

قربان جاؤں ایسے آزاد اور پاکیزہ مرد مومن پر جو صاحب عزم راسخ اور ہمیشہ رکوع وسجود کرنے والا تھا؛ میری جان فدا ہو ایسے دلیر وشجاع پر جو بہت زیادہ وفا شعار تھا۔ افسوس! اس مسلم پر جس پر شمشیروں اور نیزوں کی بوچھار ہو رہی تھی لیکن آنکھوں میں خوف و دہشت کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہاں! طولانی جنگ وجدال کے بعد دشمنان بدخصال نے آپ پر غلبہ حاصل کر لیا اور ابن زیاد کے پاس لے گئے

مگر اس مرد شجاع اور قلب محکم کی بات نے اس ملعون کو خشم آلود کر دیا، آپ نے ابن زیاد سے پوشیدہ طور پر وصیتیں کیں لیکن اس بد شعار نے آشکار کر دی۔

آپ کے جسم مطہر کو قصر کی بلندی سے نیچے گرا دیا گیا، لوگوں کی ساعتوں نے آپ کی روح پاک سے تکبیر و تحلیل کی آوازیں سنی۔

افسوس! حضرت محمدؐ کی شمشیر آبدار پر جو اپنا کام نہ کر سکی، اس ٹھنڈے پانی پر افسوس جو آپ کے خون سے رنگین ہو گیا، حیف آپ کے شکستہ دندان مبارک پر اور افسوس اس پر جو زمین گرم پر پڑا ہوا تھا۔

اے میرے آقا، اے فرزند عقیل! آپ کا دن، دلوں کو مصائب و آلام کا ہدف قرار دینے کا دن ہے، ہمارے اشک رواں آپ کے باقی ماندہ افراد کو سیراب کریں اور آپ کے خانۂ جدید (قبر) پر بارش کا کام کریں۔ یہ بارش ہانی بن عروہ کو بھی سیراب کرے جس نے آواز دینے والے کی آواز پر لبیک کہا۔

آپ کا غلام (خلعی) اس غم انگیز داستان کو عقرب صفت اور بد خصال دشمنوں کے زہر سے اور ان کے وسیلے سے بیان کرتا ہے''۔

میں خلیعی کے بہت سے قصائد سے واقف ہوں جو سب کے سب اہل بیت کرامؑ کی مدح و ستائش پر مشتمل ہیں، اگر انھیں یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان تیار ہو جائے گا۔ یہاں صرف نجف اشرف اور کاظمین سے محصول خطی نسخوں کی فہرست مطالعہ کی غرض سے پیش کی جا رہی ہے:

مطلع قصائد

۱۔ لم أبكِ عافی دمنةٍ وطلول	وشموسَ ركبٍ آذنت برحيل	۲۷/اشعار
۲۔ أضرمتْ نار قلبی المحزونِ	صادحاتُ الحمامِ فوق الغصون	۵۶/اشعار
۳۔ طِلابُ العلی بالسمهریّ المقوّمِ	وضربُ الطُّلی مرمیً الی كلِّ مغنم	۵۰/اشعار
۴۔ جعلت النوحَ فی عاشورَدأبی	فزادَ أليم وجدی واكتئابی	۳۰/اشعار
۵۔ يا عينُ بالدمع الغزير	جودی علی الطهر المزور	۳۱/اشعار
۶۔ أرَقی لابن النبیِّ	لا لبرق حاجری	۳۱/اشعار
۷۔ عرِّج علی أرضِ كربلاءِ	وامزج الدمع بالدماءِ	۲۳/اشعار
۸۔ ذكرت المصارعَ فی كربل	فزاد بقلبی عظيمُ البل	۲۳/اشعار
۹۔ ألحاظُ ساكنةِ الخبا	فتكتك أم مُقَلُ الظبا	۴۴/اشعار
۱۰۔ فرطُ وجدی قد حلالی	ما لعذّالی ومالی	۵۱/اشعار
۱۱۔ ليته زار لما ما	فاهتدی جفنی المناما	۵۹/اشعار
۱۲۔ زاد همی و شجونی	وجفانومی جفونی	۶۶/اشعار
۱۳۔ طال حزنی والكتئابی	فجعلت النوح دابی	۳۵/اشعار
۱۴۔ هاج لی نوح الحمام	فرط وجدی و غرامی	۲۹/اشعار

۱۵۔ ماذا یرید النوی من قلبی العانی	اماتناهت صباباتی و اشجانی	۹۰/اشعار
۱۶۔ اکفکف دمعی و هولایسام الوکفا	و اخفی غرامی و الصبابه لا تخفی	۳۵/اشعار
۱۷۔ سلام اللـه ذی الحبیب	علی زوار فی رجب	۳۷/اشعار
۱۸۔ قل و لا تخش فی المعاد اثاما	لا سقی شانئی علی غماما	۳۷/اشعار
۱۹۔ لم اطل فی عرصه الدمن	وقفه الباکی علی السکن	۲۵/اشعار
۲۰۔ یا زائرا حرم الوصی	الطاهر العلم الامام	۲۳/اشعار
۲۱۔ ینبغی بزورته الرضا	و الامن فی یوم الزحام	۳۲/اشعار
۲۲۔ یا عین لا لمرابع و خیام	اودت بساکنها ید الایام	۳۸/اشعار
۲۳۔ یا عین لا لخلو الربع والدمن	باکی الرزایا سوی الباکی علی السکن	۳۸/اشعار
۲۴۔ سل جیرة القاطنین ما فعلوا	و هل اقاموا بالحی ام رحلو	۵۵/اشعار
۲۵۔ العین عبری و دمعها مسفوح	والقلب من الم الاسی مقروح	۳۲/اشعار
۲۶۔ اعاذلی :ذکر کربلا حزنی	فسح دمعی کالعارض الهتین	۲۹/اشعار
۲۷۔ الا مالجفنی بالسهاد موکل	و قلبی لاعباء الهوی یتحمل	۳۹/اشعار
۲۸۔ لم ابك ربعا دارس العرصات	اضحت معارفه من النکرات	۲۶/اشعار
۲۹۔ لم ابك من وقفة علی الدمن	و لا لخل نای و لا سکن	۵۱/اشعار
۳۰۔ هاج حزنی وزاد حر لهیبی	و شجانی ذکر القتیل الغریب	۳۹/اشعار
۳۱۔ جفون لا تمل من الهمول	و جسم لا یفك من التحول	۳۹/اشعار
۳۲۔ ما هاجنی ذکر مربع خصب	و لا شجانی وجدی و لا طربی	۴۶/اشعار
۳۳۔ یا لدمعی لم یطف حر غلیلی	للقتیل الظامی و ای قتیل	۵۸/اشعار
۳۴۔ هاج حزنی و غلیلی	ذکر عطشان قتیل	۲۸/اشعار

۳۵۔ ھجرت مقلتی لذیذ کراھا	لمصائب الشھید من آل طاھا	۵۲/اشعار
۳۶۔ عذرتك لو تخدی ملامہ لوم	علی اللوم للمضنی الکئیب المتیم	۵۵/اشعار
۳۷۔ لست ممن یبکی رسوما محول	و دیارا اعفی البلاد و طلولا	۵۳/اشعار
۳۸۔ جعلت النوح ادمانا	لما نال ابن مولانا	۳۰/اشعار
۳۹۔ ھو الحمی و بانہ	لا نفرت غزلانہ	۳۷/اشعار

ہماری معلومات کے مطابق خلیعی (۱۶۵۶) اشعار کے مالک تھے۔

اعیان الشیعہ میں ''شیخ حسن خلیعی'' کے عنوان سے ان کی سوانح حیات موجود ہے۔(۱)

۱۔اعیان الشیعہ، ج۲۱، ص۲۴۹، (ج۵، ص۶۳)

سریجی اوالی

(وفات ۷۵۰ھ)

ان لم أُفِضْ فی المغانی ماءَ أجفانی	فما أفظَّ اذن قلبی وأجفانی
و کیف لا یهمل الدمع الهتون فتی	امسی اسیر صبابات و احزان
یا ربة السجف هلا کنت قاضیة	دینا واقلعت عن مطل ولیان

''اگر پلکوں سے آب پاشی نہ کروں تو میرے قلب وابرو کتنے سخت جان ہیں، ایسا جوان جو کسی کے عشق واندوہ کے دام میں گرفتار ہو وہ اشک بارانی کیوں نہ کرے، اے پردہ نشین خاتون! کاش تو نے وعدہ خلافی وکینہ توزی کو پس پشت ڈال کر دین کے حقوق کی ادئیگی کی ہوتی اور عہد بلقیس میں ہوتی تو وہ جناب سلیمان کے لئے والہانہ پن کا مظاہرہ نہ کرتی۔

اے دل ناداں! مجھے خوبصورت چہروں کے خیال خام میں کب تک گرفتار کرتا رہے گا حالانکہ عقل سلیم اس کی سختی سے مخالفت کر رہی ہے۔ امیر المومنینؑ حیدر کی محبت مجھے لہو ولعب اور بزم طرب سے باز رکھتی ہے، اے راتوں کی تنہائی! خاک وتل اور خوش آرائیوں کی باتیں چھوڑ کر مجھ سے ان کے فضائل ومناقب بیان کر۔

وہ شجاعان وقت کو تباہی گھاٹ لگانے والے، سرکشوں کا قلع قمع کرنے والے، بہترین بخشش وعطا کا مظہر اور خوف زدہ گنہگاروں کی پناہ گاہ ہیں۔ انہوں نے بتوں کو توڑ کر زمین بوس کیا، ان کی شمشیر آبدار سے اسلام مستحکم واستوار ہوا، اسلام کا بانی اور بتوں کو توڑنے والا کتنا بلند و برتر ہے۔

اے مجھے اپنی ملامت وسرزنش کا ہدف قرار دینے والے! احد اور بدر وخیبر کے متعلق سوال کر، اس صفین کے بارے میں پوچھ جب دلوں پر خوف طاری تھی اور دو گروہ آپس میں نبرد آزما تھے؛ عمر بن عبدود کے دن (روز خندق) کو یاد کر جب ایک شمشیر نے برہنہ تلوار پر ایسی ضرب لگائی کہ شجاعان عرب کو موت کا فرشتہ آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگا۔

رسول خداؐ نے غدیر کے دن آپ کے فضائل ومناقب بیان فرمائے۔ فرمایا: ''جس کا میں مولا ہوں تو بھی اس کا مولا ہے، خداوند عالم تیری ذات سے حیران وسرگرداں افراد کی ہدایت فرماتا ہے'' یہ سن کر کینہ توزوں کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

اے علیؑ! تم میرے نزدیک ایسے ہی ہو جیسے ہارونؑ موسیٰ کے لئے تھے بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آفتاب کا پلٹنا آپ کے فضائل وکمالات کی ایسی نشانی ہے جس سے دوسرے تمام انسان قاصر وعاجز ہیں، بے شک افعی اور اس کے موزے میں داخل ہونے کے عظیم واقعہ میں کینہ توزوں اور احمقوں کی ہدایت پوشیدہ ہے۔ کینہ ودشمنی میں آپ کی راہ سے منحرف ہونے والے افراد کے لئے داستان طیور (حدیث طیر) میں راہنمائی موجود ہے۔

اس دن کے متعلق سوال کرو جب حضرت منبر پر موجود تھے اور لوگ ایک سانپ سے بری طرح خوف زدہ تھے، آپ نے فرمایا: میری طرف آنے کے لئے راستہ دو، تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچے گا! سانپ منبر کے زینوں سے ہوتا ہوا اوپر پہونچا اور اپنی خاضع زبان میں حضرت کی مدح وستائش کرنے لگا۔

ان کے علاوہ کون ہے جس کی ذات دانش وتقویٰ سے بھرپور ہے، ان کے علاوہ کس نے بانگ دہل آواز لگائی: مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں؛ کون ہے جس نے کفار ومشرکین کے حصار کے بعد بھی بستر رسولؐ پر سو کر اپنی جان قربان کردی؛ کون ہے جس نے حالت رکوع میں صدقہ دیا اور کبھی بتوں کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا؛ کون ہے جس کا زچہ خانہ خدا کا گھر قرار پایا اور

خداوندعالم نے اسے دشمنوں کی دشمنی وزیادتی سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔

ان کے علاوہ کون ہے جس نے خداوندعالم سے گفتگو کا شرف حاصل کیا اور پوشیدہ اوراعلانیہ ہر طرح اس کی ذات سے رسالت کوتقویت ملی؛ خیبر کی ہنگامہ خیز جنگ میں پرچم کسے دیا گیا، کس کی دعاؤں کے فیضان سے دست بریدہ اپنی جگہ پرآ گیا اور نابینا کی آنکھیں روشن ومنور ہوگئیں، وہ کون ہے جس کے لئے وحی نازل ہوئی کہ مسجد کی طرف اس کا دروازہ کھلا رہے اور دوسرے تمام دروازے بند کردیئے جائیں؛ کون ہے جسے مشرکین کے درمیان سورۂ برأت کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا؟؟

جنت وجہنم کا بانٹنے والا اور ساقی کوثر کون ہے، کس نے رسول اسلامؐ کوغسل وکفن دیا، کون ہے جس نے ہواؤں کے دوش پر بیٹھ کرحکومت کی یہاں تک کہ اصحاب کہف کے پاس آیا جو مدتوں خواب میں پڑے ہوئے تھے۔اصحاب کہف نے بیدار ہوکر کہا: آپ علم وایقان کی وجہ سے رسول خداؐ کے حقیقی وصی و جانشین ہیں''۔

شعری تتبع

اس قصیدہ میں مولائے متقیان حضرت امیرالمومنینؑ کے بعض فضائل وکمالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس سے قبل بعض فضائل کے متعلق تفصیلی بحث پیش کی گئی، یہاں شاعر نے اپنے شعر:

من کان حرم الرحمن مولده و حاطه الله من باس وعدوان

میں امیرالمومنینؑ کی جس فضیلت کی جانب اشارہ کیا ہے اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے:

شاعر نے اس شعر میں حضرت کی خانۂ کعبہ میں ولادت باسعادت کے عظیم واقعہ کو بیان کیا ہے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ کے لئے دیوار کعبہ شگافتہ ہوئی اور جیسے ہی داخل ہوئیں دیوار کعبہ پھر سے استوار ہوگئی۔آپ اس میں موجودتھیں کہ خانۂ خدا کوشرافتوں اور عظمتوں سے ہمکنار کرنے والے مولودمسعود کی ولادت ہوئی، آپ نے جنت کے میوہ جات نوش فرمائے اور جب تک دنیا کواپنے نورانی وجود سے منور

نہ کرلیا اور آپ کے پیکر اقدس کی عطر وخوشبو فضائے عالم میں منتشر نہ ہوئی صدف کعبہ شگافتہ نہ ہوا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے اثبات پر شیعہ وسنّی دونوں گروہ نے اتفاق کیا ہے، اثباتی احادیث وروایات سے کتابیں بھری پڑی ہیں لہٰذا اس تاریخی واقعہ کے تواتر واتفاق کے متعلق شیعہ وسنّی دونوں کی توضیح واضح کے بعد ہمیں یاوہ گو اور بے ہدف باتیں بنانے والوں کی داد وفریاد کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔

حاکم مستدرک میں لکھتے ہیں: متواتر روایات سے ثابت ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ، جناب فاطمہ بنت اسد کے بطن سے خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔(۱)

حافظ گنجی شافعی ''کفایۃ'' میں ابن نجار کے طریق سے حاکم نیشا پوری سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: حضرت امیر المومنینؑ ۱۳؍رجب المرجب ۳۰ عام الفیل شب جمعہ بیت اللہ الحرام میں متولد ہوئے، ان سے قبل یا بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں، یہ شرف آپ ہی سے مخصوص ہے۔(۲)

احمد بن عبد الرحیم معروف بہ شاہ ولی اللہ ابن عبد العزیز دہلوی نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنی کتاب ''ازالۃ الخلفاء'' میں لکھا ہے کہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت اسد کے بطن سے جوف کعبہ میں حضرت امیر المومنینؑ کی ولادت ہوئی، آپ ۱۳؍رجب المرجب ۳۰ عام الفیل کو پیدا ہوئے، وہاں نہ اس سے پہلے اور نہ آپ کے بعد ہی کسی کی ولادت ہوئی۔(۳)

شہاب الدین سید محمود آلوسی ''صاحب تفسیر'' لکھتے ہیں:

''عبد الباقی آفندی عمری کے پاس ایک شاعر نے یہ شعر پڑھا:

أنت العليُّ الذی فوق العلیٰ رُفِعا ببطن مكّةَ عند البيتِ اذ وُضعا

''آپ ایسے علیؑ ہیں جو بلندیوں سے بھی بلند وبرتر ہیں، اس لئے کہ آپ کی ولادت قلب مکہ

۱۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۸۳ (ج ۳ ص ۵۵۰ حدیث ۶۰۴۴)

۲۔ کفایۃ الطالب، (ص ۴۰۷)

۳۔ ازالۃ الخفا (ج ۲ ص ۲۵۱)

معظمہ میں خانۂ خدا کے نزدیک واقع ہوئی''۔

جوف کعبہ میں حضرت امیر المومنینؑ کی ولادت باسعادت عالم فانی کا مشہور واقعہ ہے، شیعہ وسنّی دونوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے''۔(۱)

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

''آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے متعلق یہ بات مشہور نہیں ہوئی، اگر کسی نے بے سر کی اڑائی بھی ہے تو اس کی بات پر اتفاق نہیں ہوا ہے۔ ہاں! اماموں کے امام اور رہبروں کے رہبر کے لئے کتنا مناسب ہے کہ اس کی ولادت ایسی جگہ واقع ہو جو مومنین کا قبلہ قرار پائے؛ پاک وپاکیزہ ہے وہ خدا جس نے ہر شی کو اس کی واقعی جگہ پر قرار دیا ہے اور وہی احکم الحاکمین ہے''۔

یہ شعر بھی کہا:

أنت أنت الذی حطّت له قدمٌ　　　فی موضعٍ یدَہُ الحمنُ قد وُضعا

''آپ ہی وہ ہیں جنہوں نے بت شکنی کے لئے ایسی جگہ قدم رنجہ فرمایا جہاں دست خدا برقرار تھا''۔(۲)

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کو یہ بات بے حد محبوب تھی کہ خانۂ کعبہ میں جہاں آپ کی ولادت ہوئی تھی اسے بتوں سے پاک کریں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ خانۂ کعبہ نے خداوند عالم سے بتوں کی پرستش کی شکایت کرتے ہوئے کہا: اے مالک ومختار! میرے اطراف میں ان بتوں کی کب تک پرستش ہوتی رہے گی؟ خداوند عالم نے فرمایا: عنقریب وہ جگہ بتوں اور بت پرستوں سے پاک ہوجائے گی۔

علامہ رضا ہندی نے بھی اپنے اشعار میں اسی واقعہ کی منظر کشی کی ہے:

لَمّا دعاکَ اللہُ قدماً لأن　　　تولد فی البیت فلبّیتہ

شکرتہ بین قریشٍ بأن　　　طهّرتَ من أصنامِهِمْ بیتہ

۱۔شرح الخریدہ فی شرح القصیدہ العینیہ، ص۱۵

۲۔شرح الخریدفی شرح القصیدہ العینیہ، ص۷۵

''جب خداوند عالم نے عہد قدیم میں آپ کو خانۂ کعبہ میں ولادت کے لئے آواز دی تو آپ نے اجابت فرمائی اور قریش میں آپ ہی نے خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے سلسلے میں شکریہ ادا کیا''۔(۱)

خانۂ کعبہ میں ولادت باسعادت، امیر المومنینؑ کے مسلمہ فضائل ومناقب میں سے ہے جسے اکثر علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، بعض یہ ہیں:

۱۔ابی الحسن علی بن حسین مسعودی ہذلی نے مروج الذہب میں؛(۲)

۲۔سبط ابن جوزی حنفی نے تذکرۃ الخواص الامۃ میں؛(۳)

۳۔ابن صباغ مالکی نے فصول المھمہ میں؛(۴)

۴۔ نورالدین علی حلبی نے سیرۃ النبویہ میں؛(۵)

۵۔شیخ علی قاری حنفی نے شرح شفا میں؛(۶)

۶۔ابوسالم محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السؤال میں؛(۷)

۷۔شیخ علاء الدین سکتوری نے محاضرۃ الدوائل میں؛(۸)

۸۔میرزا محمد بدخشی نے مفتاح النبی فی مناقب آل عبا میں؛(۹)

۹۔امیر محمد صالح ترمذی نے المناقب میں؛

۱۰۔شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوۃ میں؛(۱۰)

۱۱۔عبدالرحمٰن صفوری شافعی نے نزہۃ المجالس میں؛(۱۱)

۱۔دیوان سید رضا ہندی، (ص۲۵)
۲۔مروج الذہب، ج۲، ص۲، (ج۲، ص۳۶۶)
۳۔تذکرہ خواص الامہ ص۷ (ص۱۰)
۴۔فصول المھمہ ص۱۴ (ص۲۹)
۵۔سیرۃ النبویہ ج۱، ص۱۵۰ (ج۱، ص۱۳۹)
۶۔شرح شفا ص۱۵۱
۷۔مطالب السؤال ص۱۱
۸۔محاضرۃ الدوائل ص۱۲۰
۹۔مفتاح النبی فی مناقب آل عبا (ص۱۸، باب۳، فصل۱)
۱۰۔مدارج النبوۃ (ج۲، ص۳۰۸)
۱۱۔نزہۃ المجالس ج۲، ص۲۰۴

۱۲۔شاہ محمد حسین چشتی نے آئینۂ تصوف میں؛(۱)

۱۳۔صدر الدین احمد بردوانی نے روائح المصطفیٰؐ میں؛(۲)

۱۴۔سید علی جلال الدین نے کتاب الحسین میں؛(۳)

۱۵۔شیخ حبیب اللہ سنقیطی نے کفایۃ الطالب میں؛(۴)

۱۶۔سید محمد مومن شبلنجی نے نور الابصار میں؛(۵)

شیعوں کے جید علماء کی کثیر تعداد نے بھی اس عظیم تاریخی واقعہ کو نقل کیا ہے؛ جن میں بعض یہ ہیں:

۱۔حسن بن محمد بن حسن قمی نے تاریخ قم میں ذکر کیا ہے، جس کا فارسی ترجمہ حسن بن علی بن حسن قمی نے ۸۶۵ھ میں کیا ہے، ترجمۂ فارسی ص ۱۹۱ پر ملاحظہ کریں۔

۲۔شریف رضی (متوفی ۴۰۶ھ) نے خصائص الائمہ ص ۳۹ پر نقل کر کے لکھا ہے کہ میں خانۂ کعبہ میں آنحضرت کے علاوہ کسی اور کی ولادت سے واقف نہیں۔

۳۔شیخ الامۃ، معلم انسانیت شیخ مفیدؒ (متوفی ۴۱۳ھ)؛ وہ لکھتے ہیں: حضرت علیؑ کے قبل و بعد کسی کی خانۂ کعبہ میں ولادت نہیں ہوئی۔(۶)

۴۔شریف مرتضیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) نے شرح قصیدۂ بائیہ حمیری ص ۵۱ پر نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: اس فضیلت و برتری میں ان کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے۔(شریف مرتضیٰ کی معرکۃ الآراء نظم، ان کے حالات زندگی کے ساتھ جلد چہارم میں گذر چکی ہے)۔

۱۔آئینۂ تصوف ص ۱۳۱۱

۲۔روائح المصطفیٰ ص ۱۰

۳۔کتاب الحسین ج ۱، ص ۱۶

۴۔کفایۃ الطالب ص ۳۷

۵۔نور الابصار ص ۷۶ (ص ۱۵۶)

۶۔مسار الشیعہ، ص ۵۱، (مجلد ۷، ص ۵۹)؛ الارشاد، ص ۳، (مجلد ۱۱، ج ۱، ص ۵)؛ المقنعہ، (مجلد ۱۴، ص ۴۶۱)

۵۔ نجم الدین شریف ابوالحسن علی بن ابی الغنائم محمد۔ یہ ابن صوفی کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''المجدی'' میں نقل کیا ہے۔(۱)

۶۔ شیخ ابوالفتح کرجکی (متوفی ۴۴۶ھ) نے کنزالفوائد میں؛(۲)

۷۔ حسن بن عبدالوہاب نے عیون المعجزات میں؛(۳) آپ شریف مرتضیٰ کے ہم عصر ہیں۔

۸۔ شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے تہذیب، مصباح المتہجد اور الامالی میں نقل کیا ہے۔(۴)

۹۔ امین الاسلام فضل بن حسن طوسی (متوفی ۵۴۸ھ) اعلام الوریٰ میں لکھتے ہیں: کعبہ میں ان سے پہلے اور بعد کسی کی ولادت نہیں ہوئی ہے۔(۵)

۱۰۔ ابن شہرآشوب ساروی (متوفی ۵۸۸ھ) نے ''المناقب'' میں؛(۶)

۱۱۔ ابن بطریق شمس الدین ابوالحسین یحیٰ بن حسن حلی (متوفی ۶۰۰ھ) اپنی کتاب ''عمدہ'' میں لکھتے ہیں: خانۂ کعبہ میں ان سے پہلے اور ان کے بعد کوئی متولد نہیں ہوا۔(۷)

۱۲۔ رضی الدین علی بن طاؤس (متوفی ۶۶۴ھ) نے اقبال میں؛(۸)

۱۳۔ عمادالدین حسن طبری آملی اپنی کتاب تحفۃ الابرار باب چہارم کے فصل ہشتم میں۔

۱۴۔ بہاءالدین اربلی (متوفی ۶۹۲ھ) نے اپنی کتاب کشف الغمہ میں نقل کر کے لکھا ہے: حضرت کے قبل و بعد کوئی بھی خانۂ کعبہ میں متولد نہیں ہوا، خداوند عالم نے بزرگی و عظمت کے پیش نظر

۱۔ المجدی فی انساب الطالبین، (ص۱۱)

۲۔ کنزالفوائد، ص۱۱۵ (ج۱، ص۲۵۵)

۳۔ عیون المعجزات، (ص۲۹)

۴۔ التہذیب، ج۲ (ج۶، ص۱۹)؛ مصباح المتہجد ص۵۶۰ (ص۷۴۱)؛ امالی طوسی، ص۲۸۰ (ص۷۰۶، حدیث ۱۵۱۱)

۵۔ اعلام الوریٰ، ص۹۳ (ص۱۵۹)

۶۔ مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص۳۵۹؛ ج۲، ص۵ (ج۲، ص۱۹۸، ۱۹۷، ج۳، ص۳۰۹)۔

۷۔ العمدۃ، (ص۲۴)

۸۔ الاقبال ص۱۴۱ (ص۶۵۵)

اس عظیم فضیلت کو انہیں سے مخصوص فرمایا ہے تا کہ اُن کی عظمت ومنزلت آشکار ہو سکے۔(۱)

۱۵۔ابوعلی بن فتال نیشاپوری نے روضۃ الواعظین میں نقل کیا ہے۔(۲)

۱۶۔ہندوشاہ بن عبداللہ صاحبی نخجوانی نے تجارب السلف ص ۳۷ پر۔

۱۷۔علامہ حسن بن یوسف حلی (متوفی ۷۲۶ھ) نے اپنی دو کتابوں ''کشف الحق'' اور ''کشف الیقین'' میں نقل کیا ہے اور صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ آپ سے قبل و بعد کسی نے بھی خانۂ کعبہ میں آنکھیں نہیں کھولیں۔(۳)

۱۸۔جمال الدین بن عنبہ (متوفی ۸۲۸ھ) نے عمدۃ الطالب میں؛(۴)

۱۹۔شیخ علی بن یونس عاملی بیاضی (متوفی ۸۷۷ھ) نے اپنی کتاب ''صراط المستقیم'' میں؛(۵)

۲۰۔سید محمد بن احمد بن عمید الدین علی حسینی نے المشجر الکشاف الاشرف میں؛(۶)

۲۱۔تقی الدین کفعمی نے المصباح ص۵۱۲ پر (ان کے حالات اسی جلد میں آئیں گے)۔

۲۲۔احمد بن محمد بن عبدالغفار غفاری قزوینی نے تاریخ نگارستان میں؛(۷)

۲۳۔قاضی نوراللہ شوستری نے احقاق الحق (۸) میں (ان کی سوانح حیات ''شہداء الفضیلۃ'' میں مذکور ہے)۔

۲۴۔عبدالنبی جزائری (متوفی ۱۰۲۱ھ) نے حاوی الاقوال میں؛

۱۔کشف الغمہ ص۱۹ (ج۱، ص۶۱)

۲۔روضۃ الواعظین، ص۶۷ (ص۷۶)

۳۔نہج الحق وکشف الصدق، ص۲۳۳؛ کشف الیقین فی فضائل امیر المومنینؑ ص۱۷

۴۔عمدۃ الطالب، ص۴۱ (ص۵۸)

۵۔الصراط المستقیم، (ج۱، ص۳۳۱)

۶۔المشجر الکشاف الاشرف ص۲۳۰

۷۔تاریخ نگارستان، (ص۱۲)

۸۔احقاق الحق (ج۵، ص۵۶)

۲۵۔ شیخ محمد بن علی لاہیجانی نے محبوب القلوب میں؛(۱)

۲۶۔ ملاّ محسن کاشانی (متوفی ۱۰۹۱ھ) نے تقویم المحسنین میں؛(۲)

۲۷۔ نظام الدین محمد بن حسین تفرشی ساوجی شاگرد شیخ بہائی نے اپنی تالیف تکملۃ الجامع العباسی میں نقل کیا ہے۔

۲۸۔ شیخ ابوالحسن شریف (متوفی ۱۱۰۰ھ) نے اپنی گرانقدر کتاب ضیاء العالمین میں نقل کر کے کہا ہے کہ یہ واقعہ صدر اول اسلام میں کافی مشہور تھا۔

۲۹۔ سید ہاشم توبلی بحرانی (متوفی ۱۱۰۷ھ) غایۃ المرام میں لکھتے ہیں: یہ واقعہ متواتر ہے، شیعہ اور سنی دونوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔(۳)

۳۰۔ علامہ مجلسیؒ (متوفی ۱۱۱۰ھ) نے جلاء العیون میں نقل کیا ہے(۴) وہ لکھتے ہیں: راویوں اور تذکرہ نگاروں میں یہ بات مشہور ہے کہ امیر المومنینؑ خانۂ کعبہ میں متولد ہوئے۔

۳۱۔ سید نعمت اللہ جزائری (متوفی ۱۱۱۲ھ) نے انوار نعمانیہ میں؛(۵)

۳۲۔ سید علی خان شیرازی (متوفی ۱۱۱۸ھ) نے ''حدائق الندیہ فی شرح فوائد الصمدیہ'' میں؛(۶)

۳۳۔ سید محمد طباطبائی جد آیۃ اللہ بحر العلوم (متوفی ۱۱۲۶ھ)؛

۳۴۔ سید عباس بن علی بن نور الدین موسوی حسینی مکی (متوفای ۱۱۷۹ھ) نے ''نزہۃ الجلیس'' میں؛(۷)

۱۔ محبوب القلوب (ج۲، ص۳۴۷/۳۴۸)

۲۔ تقویم المحسنین، (ص۱۷)

۳۔ غایۃ المرام، (ج۱، ص۱۳)

۴۔ جلاء العیون، (ص۷۹)

۵۔ الانوار النعمانیۃ، (ج۱، ص۳۷۰)

۶۔ الحدائق الندیۃ فی شرح الفوائد الصمدیۃ، (ص۶)

۷۔ نزہۃ الجلیس ج۱ ص۶۸ (ج۱ ص۱۰۳)

۳۵۔ابوعلی حائری (متوفی ۱۲۱۵ھ) نے ''منتہی المقال'' میں؛(۱)

۳۶۔سید محسن اعرجی (متوفی ۱۲۲۷ھ) نے ''عمدۃ الرجال'' میں؛

۳۷۔شیخ خضر بن شکال عفکاوی نجفی (متوفی ۱۲۵۵ھ) نے ''ابواب الجنان وبشائر رضوان'' میں؛(۲)

۳۸۔سید حیدر حسنی حسینی کاظمی (متوفی ۱۲۶۵ھ) ''عمدۃ زائر'' میں؛(۳)

۳۹۔سید مہدی قزوینی (متوفی ۱۳۰۰ھ) نے ''فلک النجاۃ'' میں؛(۴)

۴۰۔مولانا سید محمد بن محمد علی بن محمد باقر نے تحفۃ السلاطین ج ۲ میں لکھا ہے کہ امیر المومنین کا واقعۂ تولد نصف النہار کے سورج کی طرح واضح وآشکار ہے۔

۴۱۔مولانا سلطان محمد بن تاج الدین حسن نے تحفۃ المجالس میں؛(۵)

۴۲۔سید میرزا حسن زنوزی نے وقیع کتاب ''بحرالعلوم'' میں؛

۴۳۔ملاّ شریف شیروانی نے ''شہاب الثاقب'' میں؛

۴۴۔ملاّ علی اصغر بروجردی نے ''عقائد الشیعہ'' میں؛(۶)

۴۵۔میرزا حبیب اللہ خوئی نے ''شرح نہج البلاغہ'' میں؛(۷)

۴۶۔ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن جعفر حسینی اعرجی نے ''مناہل الضرب فی انساب العرب'' میں؛

۴۷۔شیخ عباس قمی (متوفی ۱۳۵۹ھ) نے ''سفینۃ البحار'' میں؛(۸)

۱۔منتہی المقال، ص۴۶ (ص۶۶)

۲۔ابوب الجنان وبشائر الرضوان (ص۴۴)

۳۔عمدۃ الزائر ص۵۴

۴۔فلک النجاۃ ص۳۲۶

۵۔تحفۃ المجلس، ص۸۸

۶۔عقائد الشیعہ، ص۳۱، (ص۴۱)

۷۔منھاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغہ ج۱، ص۴۱ (ج۱، ص۲۱۶)

۸۔سفینۃ البحار، ج۲، ص۳۲۹ (ج۶، ص۳۷۵/۳۷۶)

۴۸۔ سید محسن امین حسینی عاملی نے ''اعیان الشیعہ'' میں؛ (۱)

۴۹۔ شیخ جعفر نقدی نے ''نزھۃ المحبین فی فضائل امیر المومنین'' میں؛ (۲)

۵۰۔ شیخ اردوبادی نے اس موضوع پر وقیع کتاب تالیف فرمائی ہے اور تحقیق و جستجو میں دوسروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، ان کی کتاب کے عناوین اس طرح ہیں:

۱۔ حضرت کا واقعۂ تولد اور اس کا تواتر

۲۔ امت مسلمہ کے درمیان واقعہ تولد کی شہرت

۳۔ خبر ولادت اور محدثین

۴۔ واقعہ ولادت اور دانشوران علم انساب

۵۔ واقعہ ولادت اور مورخین

۶۔ واقعہ ولادت اور شعراء

۷۔ واقعہ ولادت اور اتفاق علماء

قاضی ابوالبختری نے ولادت امیر المومنینؑ کے متعلق ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جسے شیخ الطائفہ اور نجاشی نے ذکر کیا ہے۔ (۳)

ابو محمد علوی حسن بن محمد نے حجر سے، ابن محمد ساقی نے رجاء سے اور ابن سہل صفائی نے ابوالبختری سے اس کی روایت کی ہے۔ (۴)

نجاشی نے امیر المومنینؑ کی ولادت سے متعلق ابن بابویہ صدوق کی کتاب کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (۵)

۱۔ اعیان الشیعہ، ج۳، ص۳ (ج۱، ص۳۲۳)

۲۔ نزھۃ المحبین فی فضائل امیر المومنین، ص۸/۲ (۳/۲)

۳۔ الفہرست، (ص۱۷۳، نمبر۷۵۷)؛ رجال نجاشی، (ص۴۳۰، نمبر۱۱۵۵)

۴۔ تاریخ بغداد، ج۷، ص۴۱۹،)

۵۔ رجال نجاشی، ص۲۷۹، (ص۳۹۲، نمبر۱۰۴۹)

بہت سے شیعہ علماء وشعراء نے بھی اس تاریخی واقعہ کو نظم کے پیرائے میں بیان کیا ہے؛ ان میں بعض کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ سید حمیری (متوفی ۱۷۳ھ)؛ وہ نغمہ سرا ہیں:

ولدتْهُ في حرمِ الالهِ وأمنِهِ — والبيتِ حيث فناؤه والمسجد

بيضاءُ طاهرةُ الثيابِ كريمة — طابتْ وطاب وليدُها والمولدُ

في ليلةٍ غابتْ نحوسُ نجومِها — وبدتْ مع القمرِ المنيرِ الأسْعِد

۲۔ محمد بن منصور سرخسی؛ مناقب بن شہر آشوب میں ولادت امیر المومنینؑ سے متعلق آپ کے اشعار ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔(۱)

۳۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (متوفی ۶۳۲ھ)؛

۴۔ مشہور عارف، مولانا رومی (متوفی ۶۳۲ھ)؛

۵۔ ملا محمد بن عبد اللہ کاشی نیشا پوری (متوفی ۸۸۹ھ)؛ ان کا قصیدہ مجالس المومنین میں موجود ہے۔(۲)

۶۔ مولانا اہلی شیرازی (متوفی ۹۴۲ھ)؛

۷۔ مرزا محمد علی تبریزی؛ تخلص صائبؔ تھا، عہد سلیمان کے شاعر ہیں، ان کا ایک مشہور قصیدہ ہے جس میں مکہ مکرمہ کی تعریف وتوصیف اوراس کی عظمتوں کو بیان کیا گیا ہے، ان میں حضرت علیؑ کا واقعہ ولادت نمایاں حیثیت کا حامل ہے، پورا قصیدہ فزانہ العامدہ ص ۲۹۱ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۸۔ سید محمد باقر ابن محمد حسینی استر آبادی معروف بہ داماد (متوفی ۱۰۴۱ھ)؛

۹۔ ملا محمد مصلح شیرازی (متوفی ۱۱۲۷ھ)؛ (ان کا قصیدہ اور حالات زندگی بارہویں صدی ہجری کے عندلیبان غدیر میں بیان کئے جائیں گے)۔

۱۔ مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص ۳۶۰ (ج ۲، ص ۲۰۰)

۲۔ مجالس المومنین (ج ۲، ص ۶۶۱)

۱۰۔ سید محضر اللہ مدرس حایری؛ ۱۱۶۰ھ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ بارہویں صدی کے شاعر غدیر ہیں۔

۱۱۔ ملا رضا محزونی اپنی کتاب مثنوی میں؛

۱۲۔ مرزا نصر اللہ شہاب؛

۱۳۔ شریف محمد بن فلاخ کاظمی؛ انہوں نے واقعۂ ولادت کو قصیدۂ کراریہ میں بیان کیا ہے۔

۱۴۔ شیخ محمد رضا نحوی؛ تیرہویں صدی کے شاعر غدیر ہیں، تفصیلی تذکرہ آئندہ آئے گا۔

۱۵۔ شیخ حسین نجفی (متوفی ۱۲۵۲ھ)؛ یہ اپنے معرکۃ الآراء قصیدہ میں فرماتے ہیں:

جعلَ اللهُ بيتَهُ لعليٍّ	مولداً ياله علاً لا يُضاهي
لم يشاركْهُ في الولادة فيه	سيِّدُ الرسلِ لا ولا أنبياها
علم اللهُ شوقَها لعليٍّ	علمه بالذي به من هواها

''خداوند عالم نے اپنے گھر کو علیؑ کے لئے جائے ولادت قرار دیا، اس فضیلت میں کوئی ان کا مثل ونظیر نہیں۔ خانۂ کعبہ میں ولادت کی اس عظیم فضیلت میں سید المرسلینؐ وانبیاء کرام بھی شریک نہیں ہیں۔ خداوند عالم علیؑ کے سلسلے میں بیت معمور کے اشتیاق اور والہانہ پن سے واقف ہے۔ جو شخص اس گھر سے عشق و وابستگی رکھتا ہے خدا اس سے خوب واقف ہے''۔

۱۶۔ مرزا عباس دامغانی نشاط (متوفی ۱۲۶۲ھ)؛

۱۷۔ سید محمد تقی قزوینی (متوفی ۱۲۷۰ھ)؛ شاعر غدیر ہیں، تفصیلی تذکرہ تیرہوین صدی ہجری کے شعراء میں آئے گا۔

۱۸۔ حسین بن علی فتونی عاملی ہمدانی حایری؛ یہ بھی تیرہویں صدی کے شاعر غدیر ہیں۔

۱۹۔ حاج محمد خان دشتی اپنے مطبوعہ دیوان میں؛

۲۰۔ حاج مرزا اسماعیل شیرازی؛ ولادت امیر المومنینؑ کے متعلق آپ کا بہترین قصیدہ ہے جس کے بعض اشعار کا ترجمہ پیش ہے:

رغدَ العیشُ فزدهُ رغدا بسُلافٍ منه تشفی سقمی
طرب الصب علی وصل الحبیب وهنی العیشُ علی بُعد الرقیب
وفّنی من أکؤسِ الراحِ النصیب وائشنی توءمًا بھا لا مفردا
فالھنا کلُّ الھنا فی التوأمِ

''زندگی عیش وعشرت اور آسائش سے مملو ہے لہٰذا بہترین شربت اور آب حیات سے میری آسائش میں اضافہ کرو تا کہ بیماری سے شفائے کامل نصیب ہو۔ عاشق، وصال محبوب کے سبب مسرت وشادمانی سے باغ باغ ہوگیا اور نگہبان ورقیب کی دوری نے اس کی زندگی کو مزید خوشگوار بنا دیا؛ میرے حصے کے جام سے مجھے سیراب وسرشار کرو اور دو دو جام پلاؤ نہ ایک ایک، اس لئے کہ کمال مسرت دو جام ومینا پینے میں ہے۔

مجھے ایسی شراب دو جس سے آگ بھی پانی پانی ہو جائے اور شعلہ ور آگ کو اپنی لپیٹ میں لے لے، پلاؤ مجھے اور میرے شب نشین ساتھیوں کو۔ خدا کی قسم! یہ ایسے دلوں کی تشنگی کو دور کرتا ہے جو عشق وعاشقی میں شعلہ ور ہوتے ہیں۔

ملیح صورت والوں کے ہاتھوں سے شراب ومئے کا حصول کتنا خوشگوار ہے، کتنا روح پرور، جانفزا اور نشاط ومسرت سے بھر پور ہے، لہٰذا اسے صبح وشام اس آفتاب کی مانند پھراؤ جو کوہ صرخد (مکہ کی ایک پہاڑی) پر روشن ومنور رہتا ہے اور محبتیں اسے چمکتے ستاروں کے مانند آراستہ وپیراستہ کرتی ہیں۔

میری روح وجان نے کعبہ سے ایسا نور محسوس کیا ہے جیسا نور حضرت موسیٰ نے طور سینا سے درک کیا تھا، اس دن عالم کون ومکاں پر خوشحالی اور مسرت مسلط تھی، حریم مکہ کے کنارے ایک حیرت انگیز صدا سماعتوں کو پھاڑے دے رہی تھی۔

یہ فاطمہ بنت اسد ہیں جو لاہوت ابدی کو حمل کئے ہوئے آئی ہیں، لہٰذا خاضعانہ اور خاکسارانہ انداز میں ان کے ہمراہ سجدہ کرو، اس لئے کہ جب اس کا نور عالم کون ومکاں میں جلوہ گر ہوا تو فرشتے بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

ہاں! ایمان وایقان کا ضیابار چراغ روشن ہوا، خورشید ہدایت کا محل طلوع آشکار ہوا، اس کے بعد تیرو تار اور سیاہ رات روشن ومنور ہوگئی۔

لن ترانی کی ابدی نفی منسوخ ہو چکی ہے، خداوند عالم نے اپنے وجہ منیر کی نشاندہی کر دی ہے۔ اے کاش! حضرت موسیٰ ہمارے درمیان ہوتے اور طور سینا پر اصرار کے ساتھ جس چیز کی خواہش ظاہر کی تھی اس کا مشاہدہ کرتے، لیکن وہ تو دست خالی واپس ہو گئے تھے۔

کیا مادر عظمت جانتی ہیں کہ انہوں نے کس کو جنم دیا، کیا پستان ہدایت واقف ہیں کہ کس کی دودھ بڑھائی کی اور کیا دست خرد سمجھتا ہے کہ اس نے کس کا بار گراں اُٹھایا، کیا صاحبان عقل وفہم جانتے ہیں کہ عالم وجود میں کون رونق افروز ہوا، علم وآگہی کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ وہ کتنا بزرگ وبرتر ہے۔

اگر خداوند عالم کے لئے صاحب اولاد ہونا ممکن ہوتا جیسا کہ یہود ونصاریٰ عقیدہ رکھتے ہیں تو اس کے لئے زیادہ مناسب تھا جس کی اس کے گھر میں ولادت ہوئی ہے نہ عزیز ابن مریم۔

وہ عرش اعلیٰ سے تحت ثریٰ تک خدا اور رسولؐ کے بعد سب سے افضل ہے، مکہ معظمہ نے اس کی بزرگی وعظمت کسب کر لی ہے، وہ ہمیشہ اس کے اطراف کی حمایت کرتا رہے گا، یہ ایسی جگہ ہے جہاں لوگ بغیر احرام کے نہیں آتے۔

عالم غیب وشہود میں اس نے تمام دنیا والوں پر سبقت حاصل کر لی، اس کائنات میں ہر چیز اس کے دست برکت کا فیض ہے، اس لئے کہ وہ ید اللہ ہے اور دست خدا نعمتوں کی بارش کرنے والا ہے۔

وہ ایسے آقا ومولیٰ ہیں جن کی وجہ سے مطر بن عدنان صاحب فضیلت ہوئے اور عظمت وفضیلت کے سبب وہ تمام انسانوں سے بہتر ہو گیا۔ ان کا چہرہ عرش علا پر ماہ تاباں کی طرح چمکتا رہتا ہے پس لوگ اس کی وجہ سے ہدایت یافتہ ہوئے نہ ستاروں کی وجہ سے۔

وہ ماہ تمام اور اس کی ذرّیت ہلال۔ آج کی مائیں اس کا مثل ونظیر لانے سے قاصر ہیں۔ کعبہ زائرین کا مرکز دل ہے، جو شخص ہر ماہ زیارت کی غرض سے اس کے پاس جاتا ہے وہ کامیاب وکامران ہے، خواہ طواف کے ذریعہ یا بوسہ دینے کے ذریعہ۔ اے وہ شخص! جس کا دیدار موت کے وقت امر مسلم

ہے اور ایسی موت جس میں تیری زیارت و دیدار ہو وہ عین زندگی ہے۔

کاش! موت عجلت کا مظاہرہ کرتی تو شاید اپنی موت میں زندگی کا دیدار کر پاتا''۔

۲۱۔ مرزا ابوالقاسم حسینی شیرازی؛

۲۲۔ سراج الدین محمد بن حسن قرشی اموی؛ فدا حسین ہندی کے نام سے معروف ہیں، انہوں نے واقعۂ ولادت امیرالمومنینؑ کو (۱۳۱۱) اشعار پر مشتمل قصیدۂ غدیریہ میں بیان کیا ہے۔

۲۳۔ حجۃ الاسلام مرزا محمد تقی نے اپنے مطبوعہ دیوان میں؛

۲۴۔ وقیع شاعر محمد یزدی جیحونی (متوفی ۱۳۱۸ھ) اپنے مطبوعہ دیوان میں؛

۲۵۔ سید مصطفیٰ ابن سید حسن کاشانی نجفی (ان کا قصیدہ اور حالات زندگی چودھویں صدی ہجری کے شعراء میں آئندہ آئے گا)۔

۲۶۔ میرزا حبیب اللہ خراسانی، آپ کے حالات واشعار ہماری کتاب ''شہداء الفضیلہ'' میں موجود ہیں۔

۲۷۔ شیخ علی ملقب بہ شیخ الرئیس خراسانی (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے تنبیہ الخاطر فی احوال المسافر ص۴ پر؛

۲۸۔ شیخ محمد عباس عاملی (متوفی ۱۳۵۲ھ)؛ یہ شاعر غدیر ہیں۔

۲۹۔ سید حسن آل بحرالعلوم (متوفی ۱۳۵۵ھ)؛ یہ بھی شاعر غدیر ہیں، چودھویں صدی ہجری میں ان کا تفصیلی تذکرہ آئے گا۔

۳۰۔ حاج محمد حسین اصفہانی (متوفی ۱۳۶۱ھ)؛ یہ بھی شاعر غدیر ہیں، تفصیلی تذکرہ آئندہ آئے گا۔

۳۱۔ سید میر علی نجفی (متوفی ۱۳۶۱ھ)؛ شاعر غدیر ہیں، ان کا قصیدہ آئندہ آئے گا۔

۳۲۔ سید رضا ہندی نجفی (متوفی ۱۳۶۲ھ) یہ بھی شاعر غدیر ہیں، چودھویں صدی ہجری کے شعراء میں ان کا تذکرہ آئے گا۔

۳۳۔ سید محسن امین عاملی؛ شاعر غدیر ہیں، تفصیل آگے آئے گی۔

۳۴۔ محمد صالح مازندرانی؛ شاعر غدیر ہیں، ان کے حالات آئندہ آئیں گے۔

۳۵۔مرزا محمد علی اردباری: انہوں نے جشن ولادت کو چند قصائد میں نظم کیا ہے۔ ان سب میں آپ نے امیر المومنینؑ کی مدح وستائش کی ہے:

سبق الکرامُ فھا ھمُ لم یلحقوا ... فی حلبةِ العلیاءِ شأو کُمَیته

اذ خصَّه المولی بفضلٍ باھر ... فیه یمیز حیّهُ مِنْ مَیّتِہٖ

لم یتخذ ولدا و ما ان یتخذ ... الا و کان ولاده فی بیته

''وہ کریموں میں سابق ہیں، جان لو کہ جن لوگوں نے میدان مسابقہ میں ان تک پہونچنے کی کوشش کی وہ پہونچنے سے قاصر رہے؛ مولا (خدا) نے انہیں ایسے فضائل وکمالات سے مختص فرمایا ہے جو زندوں کو مردوں سے ممتاز بناتے ہیں، نہ کوئی فرزند منتخب ہوا اور نہ اس نے کسی کا انتخاب کیا مگر یہ کہ ان کی ولادت باسعادت خدائے مہربان کے گھر میں واقع ہوئی''۔

۳۶۔شیخ محمد ساوی نجفی: شاعر غدیر ہیں، تذکرہ آئندہ آئے گا۔

۳۷۔محمد علی یعقوبی نجفی: شاعر غدیر ہیں، تذکرہ آگے آئے گا۔

۳۸۔شیخ جعفر نقدی: شاعر غدیر ہیں، تذکرہ آئندہ آئے گا۔

۳۹۔مرزا محمد خلیلی نجفی: شاعر غدیر ہیں، تذکرہ آئندہ آئے گا۔

۴۰۔سید علی النقی لکھنوی ہندی: (شاعر غدیر ہیں، تفصیلی ذکر آئندہ آئے گا)، انہوں نے ولادت امیر المومنینؑ کے سلسلے میں بہترین قصیدہ کہا ہے۔ ہمارے استاد معظم ''مرزا علی شیرازی'' نے اس قصیدہ پر انہیں تبریک وتہنیت بھی پیش کی ہے، وہ قصیدہ یہ ہے:

من بدا فاز دھرَ البیتُ الحرام ... وزھت منه لیالی رجب

طربَ الکونُ لبشر ... وھنا اذ بدا الفخرُ بنورٍ وسنا

وأتی الوحیُ ینادی معلنا ... قد اتاکم حجّةُ اللهِ الامام

وأبو الغرِّ الھدلةِ النجُبِ

''ان کی پیدائش پر خانہ خدا سایہ فگن ہوگیا اور اس سے ماہ رجب کی راتیں روشن ومنور ہوگئیں؛ جب وہ نورانی شریف وجود ظاہر ہوا تو اس کی بشارت پر کائنات نے مسرت وشادمانی کا اظہار کیا، وحی نے آ کر بانگ دہل آواز دی: تمہارے امام وقائد اور اچھے چہروں والے رہبروں کے والد محترم جلوہ افروز ہوئے۔

خداوند عالم نے آپ کو نمایاں فضیلتوں اور واضح امتیازات سے مختص فرمایا؛ کعبۂ محترم کے ذریعہ آپ کی عظمت ورفعت آسمان چہارم تک پہونچ گئی، ان کی جائے پیدائش دنیا کی بہترین جگہ تھی۔ آسمان کے سرہائے مقدس اس میں رونق افروز ہوئے۔

بے شک تمام انسانوں کے لئے وہی پہلا گھر بنا ہے لہٰذا پورا عالم انسانیت اس کے مدمقابل خاضع ہے، حاضر وغائب سب پر فریضہ حج واجب ہے، یہ ایسی عبادت ہے جو افضل ترین قرب الٰہی کا حامل ہے، ہر نماز میں اسے قبلہ کی حیثیت حاصل ہے۔

وہ ایسی پناہ گاہ ہے جس سے نجات کی امیدیں وابستہ ہیں، خداوند عالم نے اسے امن وامان سے مخصوص فرمایا ہے تاکہ عاشق دین یہاں دست دعا بلند کرے اور اس کی دعا مستجاب ہو۔

یہ فاطمہ بنت اسد ہیں، جنہوں نے بے پناہ غم واندوہ اور بے چینی کے عالم میں خانہ کعبہ کا رُخ کیا اور مضمحل دل سے خداوند بے نیاز کو آواز دی جس سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔

آپ نے فرمایا:

خدایا! تو تمام عالم کا پروردگار ہے، بے چاروں اور مظلوموں کی حاجت روائی کرنے والا، غم واندوہ کو برطرف کرنے والا اور گداگروں کی اجابت کرنے والا ہے؛ میں لوگوں کو چھوڑ کر تیرے حضور آئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ میرے غم واندوہ اور پریشانیوں کو برطرف کردے۔

جب آپ خداوند عالم سے راز ونیاز کی باتیں کررہی تھیں اور اس کے حضور اپنی مصیبتیں بیان کر رہی تھیں، اسی وقت دیوار کعبہ کی نمایاں مسکراہٹ نے بشارت دے کر ان کے پورے وجود کو انبساط سے بھر دیا۔

خانۂ خدا نے مخصوص انداز میں اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا، تاکہ یہاں صاحب عظمت حضرت علیؑ کی پیدائش سے میری عظمت واہمیت میں چار چاند لگ جائے اور ارکان خانہ بلندترین مقام ومنزلت تک پہونچ سکیں۔

جناب فاطمہ بنت اسد داخل ہوئیں اور دیوار اپنی سابقہ حالت پر واپس ہوگئی؛ جب نور جلوہ گر ہوا تو اس ماہ تمام کے نور کامل سے تمام اسرار و رموز آشکار ہو گئے، تاریکیاں برطرف ہوئیں اور تمام لوگوں نے آپ کے وسیلے سے ضلالت وگمراہی سے نجات حاصل کی۔

اس دنیا میں ایسا پاک بچہ رونق افروز ہوا جو مقام ومنزلت کے اعتبار سے عرش اعظم سے بھی بلند و برتر ہے، اسی لئے فرشتے خضوع وخشوع کا مظاہرہ کرتے ہیں، پیغمبروں نے اس کی آمد کی بشارت دی اور امتوں نے سالہائے گذشتہ خوشی ومسرت کا اظہار کیا، اس نے خدا کی اُس وقت معرفت حاصل کی جب نہ زمین تھی اور نہ آسمان کے سات طبقے سایہ فگن تھے، اسی لئے پیغمبروں پر نازل ہونے والی کتابوں کی ان سے پہلے تلاوت فرمائی۔

اگر خانۂ کعبہ لوگوں کا طواف گاہ ہے تو یہ حضرت علیؑ کی معراج ہے اس لئے کہ انہیں کی برکت سے خانۂ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور رکن ومقام کی سعی کی جاتی ہے۔ ہاں! خانۂ کعبہ کتنا نازاں ہے۔

خانۂ کعبہ میں اس کے علاوہ کسی اور کی ولادت نہیں ہوئی اگر اس کے علاوہ بھی کوئی صاحب منزلت ہے تو اسے پیش کرو۔ وہ خدائی علم ودانش کا مالک ہے، اس کی غذا علم ہے، اس نے دودھ سے زیادہ علم وعمل کی غذا حاصل کی ہے۔ ہاں! بے شک اس نے خوشگوار شربت نوش فرمایا ہے۔

اس کی سیادت اور عزم وہمت کے آگے یہ کائنات بہت چھوٹی ہے، وحی ترجمان نے اس کے خاندان اور خمیر کی پاکیزگی کی اطلاع دی ہے۔ شیعیان حیدر کرارؑ کو ان کی ولادت مبارک ہو، ساتھ ہی ساتھ سرچشمۂ علم وادب واخلاق علامہ شیرازی کا شکریہ ادا کرو''۔

امیر المومنینؑ کی ولادت باسعادت سے متعلق سید العلماء نے ایک دوسرا قصیدہ بھی کہا ہے، جس کی ردیف لست ادری (میں نہیں جانتا) ہے، اس کے بعض اشعار کا ملخص ترجمہ پیش ہے:

طرب الكونُ من البشْرِ وقد عمّ السرور غدا القمری يشدو فی انتسام للزهور

وتهانت ساجعاتٍ فی ذری لأبكِ الطيوز لِمَ ذا البشرُ؟ وما هذا التهانی؟ لستُ أدری

''عالم کون ومکاں خوش خبریوں سے خوشحال ہوگئی اور مسرت وشادمانی نے سب کا احاطہ کرلیا؛ قمری نے شگوفۂ گل کی مسکراہٹ پر چہچہ کراپنی خوشی کا اظہار کیا، خوش الحان پرندے درختوں پر بیٹھ کر شوروغل کرنے لگے، یہ بشارت اور مبارک وسلامت کس لئے اور اس مسرت وانبساط کی علت واقعی کیا ہے؟ میں نہیں جانتا۔

ہوا بہت شدید تھی، وہاں ایک بڑا درخت رقص وسرور کی حالت میں بلند تھا، اس درخت پر پرندے بال وپر کھولے خوشی کا اظہار کررہے تھے، بلبل اپنی خوش بیانی سے زندگی کے تاروپود بکھیر رہی تھی، اس درخت کا رقص وسرور کس لئے؟ میں نہیں جانتا۔

زمین موسم بہار کے دلکش لباس سے پوشیدہ تھی اور شاخیں پھولوں اور پھلوں سے بارآور تھیں۔ باد صبا گلوں کی سماعت میں آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی، تھوڑی دیر بعد محسوس ہوا کہ وہ خوشحالی سے خنداں ہیں، یہ خوشحالی اور جشن وسرور کس لئے؟ میں نہیں جانتا۔

میں بلند ہوا تاکہ ان سے پوچھ کر اس راز سے پردہ اٹھاؤں لیکن میں نے دیکھا کہ میری طرح سب ہی مضطرب ہیں، اسی لئے فکریں ایک دوسرے کی مخالفت میں برسرپیکار ہیں، بدلتی تمام چیزوں کو دیکھ کر آخرکار اس نے کہا: میں نہیں جانتا۔

اس وقت میرے جذبات واحساسات نے آگاہ کیا اور عقل ودانش نے چشمۂ یقین کے ذریعہ گمان کیا کہ حضرت امیرالمومنینؑ کی ولادت باسعادت کی خوشی ہے۔ لہٰذا جاہلوں کو اپنے اس قول کے ذریعہ چھوڑ کردو کہ میں نہیں جانتا۔

خانہ خدا میں ان کے علاوہ کسی کی ولادت نہیں ہوئی کیونکہ مخلوقات میں وہی مقام ومرتبہ کے اعتبار سے سب سے بلند وبرتر ہیں۔ نے قرآن مجید میں مسلسل ان کا تذکرہ فرمایا ہے، کیا اس کے بعد بھی تم اسے فریب پر محمول کروگے؟ میں نہیں جانتا۔

حضرت علیؑ پاک وپاکیزہ متولد ہوئے، بلند کرداری اور عظمت ومقام میں کون ان کی برابری کرسکتا ہے، ان کے ذریعہ بعض لوگوں نے ہدایت حاصل کی، بعض حیران وسرگرداں رہے اور بعض اس خیال میں کہ وہی خدا ہیں گمراہی وضلالت کی گہری کھائی میں گر گئے۔ کیا اس جنون عشق کی کوئی سزا نہیں؟ میں نہیں جانتا''۔

وقیع شاعر، استاد مسیحی ''لولس سلامہ'' نے عید غدیر نامی قصیدۂ عربی میں حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت کو نظم کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں:

سمع اللیل فی الظلام المدید	همسةً مثلَ أنةِ المفؤود
من خفّی الآلام والکبتِ فیها	ومن البشرِ والرجاءِ السعید

شاعر کی شخصیت:

نام ''سید عبدالعزیز بن محمد بن حسن بن ابی نصر حسینی سریجی اوالی'' ہے، علامہ سماوی نے ''الطلیعۃ من شعراء الشیعہ'' میں شاعر کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ مرد فاضل، برجستہ ادیب اور ظریف شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے فن میں بھرپور مہارت رکھتے تھے، تقریباً ۷۵۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

صفی الدین حلی

۶۷۷/۷۵۲ھ

خمدتْ لفضلِ ولادِکَ النیران	وانشقَّ من فرَحٍ بک الایوانُ
وتزلزلَ النادی وأوجسَ خفیفةً	من هول رؤیاه انوشروان
فتاول الرویا سطیح و بشرت	بظهورک الرهبان والکهان

''آپ کی ولادت باسعادت کی فضیلت پر آگ خاموش ہوگئی اور ایوان مدائن فرط مسرت سے زمین بوس ہوگیا؛ فریاد وفغاں کرنے والے لرزہ براندام ہوگئے اور نوشیروان اپنے وحشت آمیز خواب سے خوف زدہ ہوگیا۔ وہ خواب مرحلہ تعبیر تک پہونچا تو دو جادوگروں نے آپ کے ظہور پرنور کی بشارت دی۔

ارمیا وشعیا پیغمبروں نے آپ کی حمد وثنا کی اور ان کے علاوہ حزقیل نے آپ کی ان فضیلتوں کا اعتراف کیا جن پر صحف ابراہیمؑ، توریت موسیٰؑ، انجیل مسیحؑ اور قرآن مجید گواہ ہیں۔

آپ خدائے معبود کا سجدہ کرتے ہوئے عالم امکان میں جلوہ افروز ہوئے، آپ کے ظہور نور پر کائنات کے ذرے ذرے نے اپنی خوشی کا اظہار کیا، آپ کامل واکمل دنیا میں آئے، شرافت کے پیش نظر نہ آپ کی ناف کاٹی گئی اور نہ ہی ختنہ انجام پزیر ہوا۔(۱)

جناب آمنہ نے شام کے محلوں کو دیکھ کر لوگوں کی نظروں سے آپ کو پوشیدہ کرلیا جب کہ ارکان

۱۔ دلائل النبوۃ (ج۱، ص۱۱۴)؛ مستدرک علی الصحیحین (ج۲، ص۶۵۷، حدیث۴۱۷۷)؛ تاریخ ابن عساکر (ج۳، ص۸۰)؛ مختصر تاریخ ابن عساکر (ج۲، ص۳۲)۔

کعبہ پوشیدہ تھے،(۱) حلیمہ سعدیہ نے آ کر جناب آمنہ کے فرزند ارجمند کے چہرۂ پرنور کی زیارت کی اور اس قدر خوشحال ہوئیں کہ جذبات بھی ان کی ترجمانی سے عاجز ہیں۔

پانچ سال کی عمر میں شدت گرمی کی وجہ سے ابر سایہ فگن تھا؛ سات سال کی عمر میں آپ کا گذر دیر راہب سے ہوا تو دیوار دیر نے خم ہو کر تعظیم وتکریم کی اور بزرگان مسیح نے اسلام قبول کیا۔ ۲۵ رسال کی عمر میں راہب اپنے برے افکار سے منحرف ہوا کیونکہ اس کے دل پر آپ کا رعب طاری تھا۔ اور چالیس سال کی تکمیل کے بعد آفتاب رسالت روشن ہوا، قرآن مجید نازل ہوا اور پھر تیر وکمان اور پتھروں نے شیاطین کو اپنا ہدف بنایا، اصنام آپ کے خوف سے زمین بوس ہو گئے۔

زمین آپ پر سلام کے لئے گویا ہوئی، درختوں، پتھروں اور سنگریزوں نے آپ پر درود وسلام بھیجا، ولی زہد نے تمام خزانوں کی کنجی پیش کی لیکن آپ کی معرفت نے اس کے حصول سے باز رکھا۔

آپ کی پشت پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوا کہ وہاں ایک ایسی واضح مہر ہے جو تمام شکوک وشبہات کو برطرف کرتی ہے۔ وسیع زمین آپ کے لئے مسجد کی حیثیت رکھتی تھی لہذا پوری زمین جائے نماز قرار پائی۔

دشمنوں پر رعب ودحشت اور سختی کے ذریعہ آپ کی مدد ہوئی۔ فرشتوں نے جنگوں میں آپ کی نصرت کی، عبد السلام نامی جوان نے آپ کے پاس اسلام قبول کیا اور سلمان بھی مسلمان ہوئے، علی الصباح اونٹوں اور پرندوں نے آپ سے گفتگو کی، سانپ، شیر اور لومڑیوں نے بھی آپ سے گفتگو کا شرف حاصل کیا۔

بر سر منبر جانے کی خوشی میں ستونوں نے درود وسلام کی آوازیں بلند کی، سنگریزوں نے آپ کے ہاتھوں پر تسبیح پڑھی۔ لشکریوں نے جب اپنی تشنگی کی شکایت کی تو آپ کی انگشت مبارک سے چشمۂ آب جاری ہو گیا، قتادہ کی بینائی آپ کی وجہ سے واپس آ گئی۔

۱۔ البدایۃ والنھایۃ ج ۲، ص ۲۶۴، (ج ۲، ص ۳۲۳)۔

جس گوسفند کے ذریعہ آپ کو زہر دیا گیا تھا اس نے صاحب زبان کی طرح اس سازش کی اطلاع دے دی، خدا کے حسب منشا آپ نے پشت براق پر آسمانوں کی سیر کی۔

چاند دو ٹکڑے ہوا، آفتاب غروب ہونے کے بعد دوبارہ ظاہر ہوا۔ یہ ایسے فضائل و مناقب ہیں جن کی صداقت کی سب نے گواہی دی ہے۔ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

آپ کے دین کی وجہ سے گذشتہ ادیان اور کتب سماوی منسوخ ہوئیں جو آپ کی پیغمبری پر دلیل قاطع کی حیثیت رکھتی ہے، تمام پیغمبروں نے فقط آپ ہی کو وسیلہ قرار دیا تا کہ خدا ان کی نصرت فرمائے: خدا نے آپ کی حیات سے قبل سارے پیغمبروں سے آپ کے متعلق عہد و پیمان لیا۔

آپ کے وسیلے سے حضرت آدمؑ نے اپنے گناہ کی خداوند عالم سے مغفرت طلب کی، شدید ترین طوفان میں جب موج دریا نے کشتی کا سینہ چاک کر دیا تھا، اس وقت حضرت نوحؑ نے آپ ہی کی پناہ پکڑی، حضرت ایوبؑ نے بلاؤں سے نجات کے لئے آپ ہی کو وسیلہ قرار دے کر خدا سے دعا کی اور ان کی پریشانیاں دور ہو گئیں، آپ کی وجہ سے حضرت خلیلؑ آتش نمرود سے ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، جناب یوسفؑ نے زندان میں آپ کو وسیلہ قرار دے کر خدا سے درخواست کی، آپ ہی کے وسیلے سے جناب عیسیٰؑ نے دعا کی تو خدا نے مردے کو زندگی عطا فرمائی حالانکہ اس کا کفن بالکل میلا ہو چکا تھا۔

اگر میں چاہوں کہ آپ کے صفات و کمالات کا حق ادا کروں تو میری بات ختم ہو جائے گی، قافیوں کے دائرے تنگ ہو جائیں گے لیکن تمام فضائل بیان نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ پر ہمارا درود و سلام ہو اور آپ کے خاندان پاک پر بھی جو حق کی واضح نشانی ہیں۔

آپ کے بھائی اور وارث علم پر سلام جس کی بے پناہ قدرت و طاقت سے شجاعان عرب ذلیل و خوار ہوئے، اور ان کے ذریعہ غدیر کے دن نور ہدایت آشکار ہوا۔

آپ کے ان چاہنے والوں پر سلام جنہوں نے خدا کے ذریعہ راہ ہدایت کی نشاندہی کے بعد اس کی پیروی کی۔

اے خاتم الانبیاءؐ! اے نعمتوں کو وسعت دینے والے اور اے عظیم احسانات کرنے والے! میں

اپنے گناہوں اور لغزشوں کی آپ سے شکایت کرتا ہوں، آپ اس بندے کی شفاعت کیجئے جس کا کام ہی گناہ اور لغزش ہے، بے شک گناہ بندوں کو رسوا اور بدنام کر دیتا ہے۔

ہاں! میزان حساب اور پل صراط کے پر ہول موقعوں پر دوستوں کے لئے آپ ہی کی شفاعت کافی ووافی ہے''۔

یہ اشعار بھی آپ کے ہیں:

تــوالِ عــلیاً وأبنـاءه ۔۔۔ تـفُـز فـی الـمعادِ وأهوالـهِ

امـام لـه عـقـد یوم الغدیر ۔۔۔ بـنـصّ الـنبـیّ وأقوالـه

لـه فـی التشهدِ بعد الصلاة ۔۔۔ مـقـامٌ یـخبّـر عـن حـالـهِ

فهل بعد ذکـرِ الهِ السما ۔۔۔ وذکــر الـنبّـی سـوی آلــه

''حضرت علیؑ اور ان کے فرزندوں سے الفت ومحبت کا مظاہرہ کرو تا کہ قیامت اور اس کی وحشتوں سے نجات حاصل کر سکو، رسول اسلامؐ کی نص جلی کے ذریعہ اس امام ورہبر کے لئے غدیر خم کے دن عہد و پیمان لیا گیا۔ رسول اسلامؐ کے بعد تشھد میں ان کا ایسا مقام ومرتبہ ہے جو ان کی منزلت کی نشاندہی کر رہا ہے۔ لہٰذا کیا خدائے ارض وسما اور پیغمبر اکرمؐ کے ذکر خیر کے بعد اس خاندان کے علاوہ کوئی دوسرا ہے جس کا ذکر خیر کیا جائے''۔

شاعر کے حالات

نام ''صفی الدین عبدالعزیز بن سرایا بن علی بن ابی القاسم بن احمد بن نصر بن عبدالعزیز بن سرایا بن باقی بن عبداللہ بن عریض حلّی طائی سنبسی'' ہے (طے کے سنبس نامی قبیلہ کی فرد تھے)۔

یہ متضاد لغت کے برجستہ شاعر تھے، لفظی چاشنی، معنوی باریکی اور منفرد اسلوب کی وجہ سے ان کے اشعار الگ ہی مقام ومرتبہ کے حامل تھے۔

انہوں نے لفظی خوبیوں میں معنوی برکات ومحسنات کی رعایت کرکے بہترین ایجاد میں سبقت کا مظاہرہ کیا ہے، اسی لئے انہیں شعری اقسام وفنون میں دوسرے ماہرین ادب پر تقدم حاصل ہے، اسی لئے شیعوں کے ان معدودے چند علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے جنہیں ادب وفن پر مہارت حاصل تھی۔

مجد الدین فیروز آبادی کا بیان ہے کہ میں نے شہر بغداد میں ادیب وشاعر صفی الدین سے ۷۴۲ھ میں ملاقات کی، وہ ایسے بزرگ استاد تھے جنہیں نظم ونثر دونوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔

علوم عربی اور شعر گوئی سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ان کے اشعار نسیم صبح سے زیادہ لطیف اور خوبصورت چہروں سے زیادہ شاداب ہوتے تھے۔ (۱)

وہ مخلص شیعہ اہل بیتؑ تھے، ان کی صورت دیکھنے کے بعد کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ انہوں نے صدف میں چمکتے موتیوں کے مانند اشعار کہے ہیں۔

ابن حجر کہتے ہیں: آپ ادب وفن میں بے پناہ محنت کے بعد استاد ہوئے، شعر اور معانی وبیان کے تمام اقسام کی تعلیم حاصل کی اور ان اہم موضوعات پر دو مفید کتابیں تالیف فرمائی۔

انہوں نے تجارت کے سلسلے میں کافی زحمتیں برداشت کیں، چنانچہ شام ومصر اور مادرین وغیرہ صرف تجارت کی غرض سے مسافرت کی، اس کے بعد جب وطن واپس ہوئے تو ایک قصیدہ میں ناصر محمد بن قلاون اور مویّد اسماعیل کی مدح وستائش کی۔

ان پر شیعیت کا الزام تھا خود بھی اپنے اشعار میں اس بات کا کھلا اعلان کرتے تھے جو لوگ انہیں رافضی کہتے ان سے بری طرح بیزاری کا اظہار کرتے تھے، ان کے اشعار میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ (۲)

۷۲۳ھ میں پہلی مرتبہ قاہرہ میں پہونچے، وہاں علاء الدین ابن اثیر کی مدح میں قصیدہ کہا اور انہیں سے وابستہ ہوگئے، ان کے توسط سے سلطان وقت تک رسائی حاصل کی۔ اس درمیان ابن سید، ابی حیان اور

۱۔ مجالس المومنین، ص ۴۷۱ (ج ۲، ص ۵۷۶)

۲۔ الدرر الکامنۃ (ج ۲، ص ۳۶۹)

دوسرے بہت سے علماء وافاضل عصر جمع ہوئے اور سب نے ان کے فضائل وکمالات کا اعتراف کیا۔ اس وقت شمس الدین عبداللطیف کو صدارت حاصل تھی، وہ معتقد تھے کہ مجموعی طور پر ان کی طرح کسی نے بھی شعر نہیں کہا۔

ان کا دیوان مشہور ومعروف ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ فنون ادب پر مشتمل تھا، ان کے دیوان کی غرابت بھی زبان زد خاص وعام تھی، اس میں مذکور ہے کہ اس کے مطالب تقریباً ایک سو چالیس کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں۔

علامہ امینی فرماتے ہیں: صفی الدین کے ہم عصر صفدی ہیں، یہ ۷۳۱ کی بات ہے، انھوں نے ''الوافی بالوفیات'' میں ان سے روایت کی ہے اور محقق نجم الدین سے علم دانش حاصل کیا اور تاج الدین معیہ نے خود ان سے تعلیم حاصل کی ہے۔

علامہ فرماتے ہیں: ہمارا یہ قول کہ ''انھوں نے محقق حلی سے علم حاصل کیا.... الخ اسے ہم نے امل الآمل سے نقل کیا ہے اور اس کی ان تمام افراد نے پیروی کی ہے جنھوں نے صفی الدین کے حالات زندگی قلم بند کئے ہیں مثلاً صاحب روضات، صاحب اعیان الشعیہ، عباس قمی وغیرہ، حالانکہ یہ قطعی صحیح نہیں، اس لئے کہ محقق نجم الدین حلی کی وفات ۶۷۶ میں ہوئی اور صفی الدین اس کے ایک سال بعد ۶۷۷ میں متولد ہوئے۔ جس صفی الدین نے محقق نجم الدین حلی سے شرف تلمذ حاصل کیا، وہ صفی الدین محمد بن شیخ نجیب الدین یحیٰ ہیں اور یہی بعد میں تاج الدین کے استاد ہوئے۔ چنانچہ کتب رجال وتراجم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ (۱)

علامہ شیخ محمد علی معروف بہ شیخ علی حزیں (متوفی بنارس ۱۱۸۱ھ) نے ان کے اخبارات اور شعری نوادرات کے سلسلے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

۱۔ فوات الوفیات، ج۱، ص۴۷۹ (ج۲، ص۳۳۵، نمبر۲۸۶)؛ مجالس المومنین، ص۴۷۰ (ج۲، ص۵۷۵)؛ امل الآمل (ج۲، ص۱۴۹، نمبر۴۴۳)؛ البدر الطالع، ج۱، ص۳۵۸؛ وجدی کی دائرۃ المعارف، ج۵، ص۵۲۵؛ ریاض العلماء (ج۳، ص۱۲۷)؛ روضات الجنات، ص۴۴۲ (ج۵، ص۸۰، نمبر۴۴۴)؛ اعلام زرکلی، ج۲، ص۵۲۵ (ج۴، ص۱۷)؛ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، ج۳، ص۱۲۸ (مجلد۱۴، ص۴۱۲) سبھی نے ان کی اسی طرح تعریف وتمجید کی جس کے وہ مستحق تھے۔

آثاروکارنامے

۱۔منظومة فی علم العروض؛ صاحب ریاض العلماء نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔العاطل الحالی؛

۳۔الخدمة الجلیلہ ؛ گولیوں سے شکار کے سلسلے میں ایک رسالہ ہے۔

۴۔درر النحور فی مدائح الملک المنصور؛

یہ کتاب ۲۹ر قصائد پر مشتمل ہے، اسے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، حروف کے اعتبار سے اول وآخر یکسان ہے، ہر قصیدہ میں ۲۹راشعار شامل ہیں۔

۵۔شعری دیوان؛

کتبی لکھتے ہیں: انہوں نے اپنے اشعار کو دو جلدوں میں مرتب کیا ہے، دونوں جلدیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں لیکن صرف ایک ہی جلد طبع ہوئی ہے شاید ان کے بعض اشعار کا مجموعہ ہے یا مختصر دیوان ہے جسے بعد کے مولفین نے دیوان کبیر کے بعد ذکر کیا ہے۔

۶۔رسالة الدارعن محاورة الفار؛

۷۔رسالة المہملة ؛ اسے بادشاہ وقت ناصر محمد بن قلدون کے لئے ۷۲۳ھ میں تحریر فرمایا۔

۸۔رسالة الثومیة ؛

۹۔الکافیہ

یہ آپ کا مشہور بدیعیہ ہے جس میں (۱۰۱) محاسن بدیع شامل ہیں البسیط کے بہر میں ۱۴۵راشعار میں حضرت محمد مصطفیؐ کی مدح وستائش کی ہے، آپ کے دیوان میں بھی یہ بدیعیہ موجود ہے جس کا مطلع ہے:

ان جئت سلعا فسل عن جیرة العلم　　و اقر السلام علی عرب بذی سلم

ابن ذاکور ابوعبداللہ محمد بن قاسم بن زاکور فاسی مالکی (متوفی ۱۱۲۰ھ) نے اس کی شرح کی ہے۔

۱۰۔شرح کافیہ؛

۱۳۱۶ھ کو مصر میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی، کتب رجال میں ہے کہ آپ نے اس حیرت انگیز بدیعیہ کو نظم کرنے میں ان تمام افراد پر سبقت و برتری حاصل کر لی ہے جنہوں نے اس سلسلے میں طبع آزمائی کی ہے لیکن سچ ہے کہ امین الدین علی نے عثمان بن علی بن سلیمان اردبیلی شاعر صوفی (متوفی ٦٧٠ھ) اس کی طرف پیش قدمی کا مظاہرہ کیا، الوافی بالوفیات میں یہ اشعار مذکور ہیں (۱) اور سید علی خان نے انوار البدیعیہ میں اسے تحریر کیا ہے (۲) بقیہ تمام افراد نے انہیں دونوں کی پیروی کرتے ہوئے محاسن بدیع کو نظم کے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

ان شعراء میں بعض یہ ہیں:

۱۔شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن علی ہواری مالکی (متوفی ۷۸۰ھ): شاعر غدیر ہیں اسی جلد میں ان کا تذکرہ آئے گا۔

آپ کا بدیعیہ ''بدیعیۃ العمیان'' کے نام سے مشہور ہے، جس میں رسول اسلامؐ کی مدح وستائش کی ہے، اس کا پہلا مصرع ہے:

بطیبعة انزل و یمم سید الامم

۲۔شیخ عزالدین علی بن حسین بن علی بن ابی بکر محمد بن ابی الخیر (متوفی ۷۸۹ھ):

ان کے بدیعیہ کا مطلع ہے:

براعة تستهل الدمع فی العلم　　　عبارة عن نداء المفرد العلم

۳۔شیخ وجیہ الدین یمنی (متوفی ۸۰۰ھ): ان کا بدیعیہ علم الادب ج ۱، ص ۲۴۴ پر مذکور ہے۔

۴۔شرف الدین عیسیٰ بن حجاج سعدی مصری حنبلی (متوفی ۸۰۷ھ):

۱۔الوافی بالوفیات (ج ۲۱، ص ۳۰۰، نمبر ۲۰۱)

۲۔انوار البدیعیہ (ج ۱، ص ۳۱)

ن کے بدیعیہ کا مطلع ہے:(۱)

سل ماحوی القلب فی سلمی من العبر فکلما خطرت أمسی علی خطر

۵۔سید جمال الدین عبدالھادی بن ابراہیم حسینی صفانی یمانی زیدی (متوفی ۸۲۲ھ):

بدیعیہ کا پہلا مصرع ہے:(۲)

سری طیف لیلی فابتهجت به وجدا

٦۔ادیب شعبان بن محمد قرشی مصری (متوفی ۸۲۸ھ): ان کا بدیعیہ کشف الظنون میں مذکور ہے(۳)

۷۔شرف الدین اسماعیل بن ابی بکر مقری یمنی (متوفی ۸۳۷ھ):

ان کا بدیعیہ کشف الظنون، بقیۃ الدعا اور شذرات میں مذکور ہے۔(۴)

۸۔تقی الدین ابی بکر علی بن عبداللہ مقری (متوفی ۸۳۷ھ): خزانۃ الادب میں ''التقدیم'' نامی بدیعیہ موجود ہے،(۵) مطلع ہے:

لی فی ابتدا مدحکم یا عرب ذی سلم براعة تستحل الدمع فی العلم

۹۔ابن الخراط زین الدین ابوالفضل عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان حموی شافعی (متوفی ۸۴۰ھ):

ان کا بدیعیہ اور شرح ''الصباح المکنون ج۱،ص۱۷۳'' پر ہے۔

۱۰۔شیخ محمد مقری ابن شیخ خلیل حلبی (متوفی ۸۳۹ھ): ان کے بدیعیہ کا پہلا شعر ہے:

عجبی عراقی فعج بی نحو ذی سلم واجنح لسکانها بالسلم والسلم

۱۔شذرات الذهب ج۷،ص۷۱(ج۹،ص۱۰۹،حوادث ۸۰۷ھ)۔

۲۔کشف الظنون ج۱،ص۱۷۲

۳۔کشف الظنون ج۱،ص۱۹۱(ج۱،ص۲۳۴)

۴۔بغیۃ الوعاۃ،ص۱۹۳(ج۱،ص۴۴۴،نمبر۹۰۹)؛ شذرات الذهب ج۷،ص۲۳۱(ج۹،ص۳۲۲،حوادث ۸۳۷ھ)

۵۔خزانۃ الادب ص۵۷۱

۱۱۔ شیخ بدالدین حسن بن مخزون طحان: ان کے بدیعیہ کو کفعمی نے فرج الکرب میں نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ صفی الدین کے بدیعیہ کی تخمیس ہے۔

۱۲۔ شیخ ابراہیم کفعمی حارثی: شاعر غدیر ہیں، اسی جلد میں ان کا تذکرہ آئے گا۔ ان کے بدیعیہ کا پہلا مصرع ہے:

ان جئت سلمی فسل من فی خیامهم

۱۳۔ جلال الدین ابوبکر سیوطی (ولادت ۸۳۹ھ، وفات ۹۱۱ھ): ان کا بدیعیہ "نظم البدیع فی مدح خیر الشفیع" کے نام سے معروف ہے۔

۱۴۔ باعونیہ عائشہ بنت یوسف بن احمد بن ناصر بن حنفیہ دمشقیہ (متوفی ۹۲۲ھ): ان کے بدیعیہ کا مطلع ہے: (۱)

فی حسن مطلع اقمار بذی سلم   اصبحت فی زمرة العشاق کالعلم

۱۵۔ شیخ عبدالرحمن بن احمد بن حمیدی (متوفی ۱۰۰۵ھ): شاعر غدیر ہیں، گیارہویں صدی کے شعراء میں ان تذکرہ آئے گا، ان کے بدیعیہ کا نام "تملیح البدیع بدح الشفیع" ہے، پہلا شعر ہے:

رد ربع اسماء واسمی ما یرام رم   وحی حیا حواها معدن الکرم

ان کا دیوان، المنظم فی مدح النبی الاعظم ص۱۴۹ پر مذکور ہے۔

۱۶۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن بن محمد حموی مکی حنفی (متوفی ۱۰۱۷ھ): ۱۴۸ر اشعار پر مشتمل قصیدہ ہے جسے ایضاح ج۱ ص۲۷۱ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۷۔ سید علی خان (متوفی ۱۰۱۸ھ): شاعر غدیر ہیں، تذکرہ آئندہ آئے گا، ۱۴۸ر اشعار پر مشتمل حیرت انگیز قصیدہ ہے، اس کی شرح "انوار الربیع" کے نام سے معروف ہے۔

۱۔ الدرر المکنورفی طبقات ربات الخدور، ص۲۹۳۔

۲۔ بدر طالع ج۱ ص۲۷۱

۱۸۔ شیخ عبد القادر بن محمد طبری مکی شافعی؛ بدر طالع میں ان کا حیرت انگیز قصیدہ موجود ہے، (۲) مطلع ہے:

حسن ابتداء مدیحی حی ذی سلم ابدی براعة الاستهلا فی العلم

۱۹۔ شیخ احمد بن محمد مقری تلمسانی (متوفی ۱۰۴۱ھ)؛ ان کے بدیعیہ کا پہلا شعر ہے:

شارفت ذرعاً فذر عن مائها الشبم وجزت نملی فنم لا خوف فی الحرم

۲۰۔ شیخ محمد بن عبد الحمید بن عبد القادر معروف بہ حکیم؛ آپ نے قصیدۂ بدیعیہ ۱۰۵۹ھ میں کہا۔ جس کا مطلع ہے:

حسن ابتدائی بذکر البان والعلم حلا لمطلع أقمار سلم

۲۱۔ شیخ ابوالفاء عرضی حلبی؛ جن کے قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

براعتی فی ابتدا مدحی بذی سلم قد استهلت لدمع فاض کالعلم

۲۲۔ شیخ عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی حنفی نابلسی دمشقی (ولادت ۱۰۵۰ھ، وفات ۱۱۴۳ھ)؛ قصیدۂ بدیعیہ کا پہلا شعر ہے:

یا منزل الرکب بین البان والعلم من سفح کاظمة حییت بالدیم

اس کی شرح "نفحات الازھار" کے نام سے معروف ہے، مطلع ہے:

یا حسن مطلع من اهوی بذی سلم براعة الشوق فی استهلالها بدم

۲۳۔ شیخ قاسم بن محمد بکرہ چی حلبی حنفی (متوفی ۱۱۶۹ھ)؛
رسول اسلام کی مدح میں آپ کے بدیعیہ کا مطلع ہے:

من حسن مطلع اهل البان والعلم براعتی مستهلٌ فی دمعها بدم

۲۴۔ سید حسن بن میر رشید رضوی ہندی متوفای ۱۱۵۶ھ، قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

حیاً الحیا عهد احبابٍ بذی سلم   وملعب الحی بین البان و العلم

۲۵۔ شیخ عبداللہ بن یوسف بن عبداللہ حلبی (متوفی ۱۱۹۴ھ):

ان کا بدیعیہ اور اس کی تشریح ایضاح میں موجود ہے۔(۱)

۲۶۔ خوری یوسف بن ارانیوس بن ابراہیم مسیحی فاخوری (ولادت ۱۲۱۸ھ، وفات ۱۳۰۱ھ)

بدیعیہ کا پہلا شعر ہے:

براعة المدح فی نجم ضیاه سمی   تهدی بمطلعها من عن سناه عمی

۲۷۔ شیخ عبد القادر حسینی ازہری طرابلی؛ انہوں نے ''ترجمان الخیر فی مدح الهادی البشیر'' نامی قصیدۂ بدیعیہ ۱۳۰۸ھ میں کہا۔

۲۸۔ شیخ محمد بن عبداللہ ضریر ازہری (متوفی ۱۳۱۳ھ)؛ ان کا قصیدہ ''الفرر فی اسانید الائمہ الاربعۃ عشر'' کے نام سے معروف ہے۔

۲۹۔ شیخ احمد بن صالح بن ناصر بحرانی (ولادت ۱۲۵۴ھ، وفات ۱۳۱۵ھ):

''المراثی الاحمدیہ'' کے نام سے ان کا مشہور قصیدہ ہے، مطلع یہ ہے:

بدیع مدحِ علیٍّ مذ علی قلمی   براعةٍ تستهلُّ الفیضَ من کلمی

۳۰۔ شیخ محمد بن حمزہ شوشتری حلی معروف بہ ابن ملا (متوفی ۱۳۲۲ھ)؛ شاعر غدیر ہیں، ان کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

۳۱۔ مولی داؤد ابن حاج قاضی خراسانی معروف بہ ملاباشی (متوفی ۱۳۲۵ھ):

۳۲۔ شیخ طاہر بن صالح بن احمد جزایری دمشق (ولادت ۱۲۶۸ھ، وفات ۱۳۳۸ھ)

ان کا قصیدہ شام میں زیور طبع سے آراستہ ہوا، قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

بدیع حسن بذور نحو ذی سلم   قد راقنی ذکره فی مطلع الکلم

۱۔ ایضاح ج۱، ص۱۷۴

۳۳۔شیخ محمد بن صالح میرزا فضل اللہ مازندرانی حایری (ولادت ۱۲۹۷ھ)
شاعر غدیر ہیں، چودھویں صدی ہجری کے شعراء میں ان کا تذکرہ آئے گا، ان کے قصیدہ بدیعیہ کا پہلا شعر ہے:

من حسن مطلع سلمی مستهل دمی لله من دم ذی سلم بذی سلم

۳۴۔عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر؛ (۱۳۹) اشعار پر مشتمل قصیدۂ بدیعیہ میں رسول خداؐ کی مدح وستائش کی ہے۔اس کا پہلا شعر ہے:

یا عامل اليعملات الكوم فی الأكم بالعيس بالعيس عرج نحو ذی سلم

قصیدہ کا آخری بیت ہے:

صلّی علیه الله العرش ما لمعت ببعض الكواعب فی سودٍ من الظلم

۳۵۔واردی مقری؛ سید احمد عطار کی مدح میں قصیدۂ بدیعیہ کہا ہے، یہ قصیدہ الرائق جلد دوم میں موجود ہے، تقریباً (۱۴۵) پر مشتمل اس قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

ان ذرت سلمی فسل ما حلّ بالعلم وحیّ سلعاً وسل عن حیّ ذی سلم

قصیدہ کے آخر میں نغمہ سرا ہیں:

والهُ وهم الآلُ الهدلة ومن بهل اتی قد اتی تنكيت مدحهم

ولادت ووفات

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ شاعر اہل بیت ''صفی الدین'' ۵/ ربیع الثانی ۶۷۷ھ میں متولد ہوئے اور بغداد میں وفات پائی، لیکن ان کی تاریخ وفات ۷۵۰/۷۵۲ کے درمیان اختلاف ہے، آپ جس تاریخ کو چاہیں اختیار کرلیں اس لئے کہ ان دونوں تاریخ کا مآخذ ایک ہی ہے، پہلی تاریخ کے قائل ''زین الدین طاہر بن حبیب'' ہیں، اور دوسری تاریخ صفدی کا نظریہ

ہے۔(۱) واللہ اعلم

صفی الدین نے اپنے بعض اشعار میں ابن معتز عباسی کے قصدہ کا جواب دیا ہے، اس کا پہلا شعر ہے:

الا من لعينٍ وتسكابها   تشكّى القذى وبكاها بها

ترامت بنا حادثات الزمان   ترامى القسى بنشابها

''کیا اس کے رواں اشک کے لئے کوئی نہیں کہ جب اپنے گریہ وزاری اور آنکھوں میں خار کی چبھن کی شکایت کررہا ہے، ہم پر حوادث زمانہ کی بجلی گری جس طرح تیر اپنے کمان سے گر جاتی ہے، کتنی ایسی زبانیں ہیں جو شمشیر کے مانند اپنے احباب کی گردنوں کو کاٹ دیتی ہیں''۔

وہ اسی قصیدہ میں کہتا ہے:

ونحن ورثنا ثياب النبى   فكم تجذبون باهدابها

لكم رحم يا بنى بنته   ولكن بنو العم اولى بها

قتلنا امية فى دارها   ونحن احق باسلابها

اذا ما دنوتم تلقيتم   زبونا اقرت بجلابها

''ہم لباس پیغمبرؐ کے وارث ہیں لہٰذا تم لوگ کب تک دامن کشی کرتے رہو گے۔ اے ان کی بیٹی کے فرزندو! تم لوگ صرف ان کے رشتہ دار ہو لیکن ہم چچازاد ہونے کی حیثیت سے اس لباس کے زیادہ مستحق ہیں''۔

''ہم نے بنی امیہ کو ان کے گھروں میں قتل کردیا، ہم ان کے لباسوں کی لوٹ مار کے زیادہ حقدار ہیں، تم جب بھی قریب آئے تو ایسی پرہول جنگ رونما ہوئی کہ بردہ فروشوں اور غلاموں کو خوشی کا سامان فراہم ہو گیا''۔

صفی الدین نے جواب میں یہ اشعار کہے:

۱۔ فوات الوفیات (ج۲، ص۳۳۵۔۳۵۰، نمبر۲۸۶)

ألاقل لشرّ عبید الالٰهِ وطاغی قریشٍ و کذابها
و باغی العباد و باغی العناد و هاجی الکرام و مغتابها
اانت تفاخر آل النبی و تجحدها فضل احسابها

''خبردار! اے خدا کے بدترین بندو! قریش کے شیطانوں، جھوٹوں اور ستمگروں کے متعلق کچھ کہو جو بزرگوں کی بدنامی کا ذریعہ اور ان کی غیبت کرنے والے ہیں۔

کیا تم خاندان رسولؐ کی وجہ سے فخر و مباہات کر رہے ہو اور ان ذوات مقدسہ کی اصالت و پاکیزگی کا انکار کر رہے ہو، یہ بتاؤ رسول خداؐ نے نجران سے تمہارے ہمراہ مباہلہ کیا یا ان کے ہمراہ؟ اور انہوں نے دشمنوں کو دائمی ناخوشی کے ساتھ واپس کر دیا۔

کیا خداوند عالم نے تم لوگوں سے پلیدگیوں کی نفی کی یا ان ذوات مقدسہ سے؟

کیا کثافت و قمار بازی تمہاری خصلت نہیں ہے اور کثرت عبادت و اطاعت ان کی عادت نہیں ہے؟

تم نے کہا کہ لباس پیغمبرؐ کے ہم وارث ہیں لہٰذا تم لوگ کب تک دامن کشی کرتے رہو گے؟ حالانکہ تمہاری ہی جعلی حدیث ہے کہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ پس لباس خلافت کس طرح تمہاری میراث قرار پائی، تم نے دونوں حالت میں اپنی ہی تکذیب و تردید کی اور زہر و عسل میں تمیز نہ کر سکے۔

کیا اس لاف گزائی اور بکواس سے تمہارے جد ''ابن عباس'' راضی ہیں؟ ان کے لئے کوئی ایسا دن نہیں تھا جس میں وہ مردد و مشکوک ہوں، وہ جنگ صفین میں طاغوتوں سے نبرد آزمائی کے لئے حضرت علیؑ کے لشکر میں شامل تھے۔ نوک نیزہ و شمشیر انہیں تہدید کر رہے تھے لیکن وہ حضرت علیؑ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت نے انھیں حکمیت کے لئے انتخاب فرمایا تا کہ خلافت اس کے واقعی اہل تک پہونچ سکے لیکن کینہ توزوں نے ان کی حکمیت کا انکار کر دیا۔ انہوں نے لوگوں کے ہمراہ تمام زندگی حضرت علیؑ کی قیادت میں نماز ادا کی۔

بتاؤ تمہارے جد ابن عباس نے لباس خلافت زیادہ مستحق ہونے کے باوجود اسے زیب تن کیوں نہیں کیا؟ جب عمر نے خلافت کا مسئلہ شوریٰ کے حوالے کیا تو کیا تمہارے جد شوریٰ میں شامل

نہیں تھے، کیا وہ پانچویں یا چھٹی فرد نہیں تھے؟

تم نے کہا کہ تم لوگ ان کی بیٹی کے فرزند ہو لیکن ہم اس (خلافت) کے زیادہ حقدار ہیں؟ بیٹی کے فرزند بھی تو چچا کے فرزند کے مانند ہیں اور یہی انساب نبوت سے زیادہ قریب تر ہیں لہٰذا تم خلافت کو انہیں کے حوالے کر دو۔ تم میں خلافت کی قطعی صلاحیت واہلیت نہیں، تمہیں لباس خلافت نہیں پہننا چاہیے۔

خلافت نے ایک لحہ بھی تمہیں آواز نہ دی، تم اسباب خلافت کے اہل نہیں تھے۔ وہ تم سے مختص کیسے ہوگئی حالانکہ تم آداب خلافت سے قطعی ناواقف ہو۔

تم نے کہا کہ تم جنگوں میں بنی امیہ کے قاتل ہو۔ تم جھوٹے ہو، بکواسی ہو اور خود کو عیب گوئی سے نہ روک سکے۔ اگر ابو مسلم کی شمشیر نہ ہوتی تو دعوی کرنے والوں کی کوشش پر کتنا گراں گزرتا۔

یہ بنی امیہ کا غلام تھا نہ تمہارا، اس نے تمہارے قریبی انساب کا پاس ولحاظ رکھا، تمہیں بوسیدہ محلوں اور زندانوں نے کمزور کر دیا تھا، تمہیں باہر لایا گیا، خلافت کی پیش کش کی گئی اور جامۂ خلافت پہنا دیا گیا لیکن تم غرور وتکبر اور بے دادگری کا ثبوت دیتے ہوئے بدترین سزا سے ہمکنار ہوئے۔

لہٰذا تم خلافت کو ایسے افراد کی ذمہ داری پر چھوڑ دو جو اپنے مقدر کی روزی پر راضی وخوشنود ہیں، یہ عبادت گذار، پارسا، پرہیزگار اور محرابوں میں سجدہ کرنے والے ہیں، یہی روزہ دار، قیام کرنے والے اور آداب خلافت کے داناترین افراد ہیں، یہی دین خدا کی ملت کے قطب ہیں، دین کی چکی انہیں کے اردگرد گھومتی رہتی ہے۔

تمہیں لہو ولعب اور ناچنے والیوں میں مشغول رہنا چاہیے، اور عالی ترین کاموں کو ان کے اہل پر چھوڑ دینا چاہیے۔

تم پر کمسن دوشیزاؤں، قمار بازوں اور ملک وزمین کی تعریف وتوصیف زیب دیتی ہے۔ تمہارے اشعار بے نمازیوں، شراب کی بوتلوں اور دوسرے لغویات کی تعریف پر مشتمل ہیں، یہ سب تمہارے کارنامے ہیں، نہ ان افراد کے جو نیکیوں اور بلندیوں کے خوگر ہیں''۔(۱)

۱۔ دیوان صفی الدین حلی، (ص۹۲)

امام شیبانی شافعی

ے۰۳/ےےی

ســا حـمـدُ ربّـی طـاعةً وتعبداً	وأنـظـم عـقـداً فـی العقیدۃِ أحدا
افـادتـکـم الـنـعـمـاء منی ثلاثة	یـدی و لـسـانی والضمیر محجبا
و اشهـد ان الـلـه لا رب غـیـره	تـعـزز قـدمـا بـالـبـقـا و تـفـردا

’’اپنی عبادت واطاعت کے لئے خداوند متعال کی حمد وثنا بجا لاتا ہوں اور صرف اپنے عقائد ومسلمات کو نظم کے پیرائے میں بیان کررہا ہوں، اپنی تین نعمتوں ہاتھ، زبان اور قلب سلیم کو آپ پر قربان کرتے ہوئے خدا کی یکتائی اور وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں۔ وہ زمانہ قدیم سے واحد ہے، بغیر کسی اول وآخر کے ایسا اول ہے جو ہمیشہ اور بطور ابدیت باقی رہے گا، وہ سمیع وبصیر، عالم ومتکلم اور قادر مطلق ہے، وہ جن وانس کو ایسے پلٹائے گا جیسے اس نے شروع کیا ہے، وہ ایسا مرید ہے جس نے موجودات عالم کا بروقت ارادہ کیا ہے۔ وہ قدیم ہے، جس چیز کو چاہتا ہے خلق فرماتا ہے اور عالم وجود میں لے آتا ہے‘‘۔

بیان عقائد اور تینوں خلفاء کی مدح وستائش کے بعد کہتے ہیں:

ولا تنس صهر المصطفیٰ وابن عمّه	فـقـد کـان بـحـراً لـلعموم مسدّدا
وافـدی رسـول الـلـه حـقا بنفسه	عشیة لـمـا بـالـفـراش تـوشـدا
و مـن کـا ن مـولاه النبی فقد غدا	عـلـی لـه بـالـحـق مولی و منجدا

''داماد پیغمبرؐ اوران کے چچازاد بھائی کوفراموش نہ کرو، وہ علوم ومعارف کے بحر ذخار اور بہترین رہبر تھے، انھوں نے پرہول رات میں بستر رسولؐ پر شیر ببر کے مانند سوکر رسول خداؐ پر اپنی جان نثار کردی، جس کے مولا رسولؐ ہیں حضرت علیؑ بھی اس کے مولا وآقا ہیں۔

ان کے اہل بیتؑ، انصار اور اطاعت گزاروں کوفراموش نہ کرو جوراہ ہدایت پر گامزن ہیں، ان پر خدا اور رسولؐ نے درود وسلام کے بعد لوگوں کو اس سلسلے میں تاکید فرمائی ہے، لہٰذا رافضی نہ بن جاؤ اور تجاوز کرنے لگو۔ اس کائنات میں اس شخص پر وائے ہو جو قانون سے تجاوز کرتا ہے۔

ان کے خاندان اور اصحاب کی دوستی ومحبت میرا مذہب ہے، کل قیامت کے دن ان سے ابدی نعمتوں کی امیدیں وابستہ ہیں، صحابہ کی آپسی جنگوں کے سلسلے میں خاموشی اختیار کرو کیوں کہ جو کچھ رونما ہوا وہ اجتہاد محض تھا۔ بے شک صحیح حدیث ہے کہ ان (صحابہ) میں قاتل ومقتول دونوں جنت ماویٰ میں رہنے والے ہیں، ہمارے امام شافعی کا یہی عقیدہ ہے اور مالک، ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں''۔

شعری تتبع

متذکرہ اشعار ایک ہزار شعروں پر مشتمل قصیدہ سے منتخب کئے گئے ہیں، یہ قصیدہ امام ابی عبداللہ محمد شیبانی شافعی کے نام سے شائع ہوا ہے اور صاحب کشف الظنون نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔(١)

بعض علمائے شافعی نے اس قصیدہ پر شرحیں لکھی ہیں، ان میں بعض یہ ہیں:

١۔ نجم الدین محمد عبداللہ اذرعی عجلونی شافعی (متوفی ٨٧٦ھ):

انہوں نے ١١ رجب ٨٥٩ھ کو اس کی شرح سے فارغت حاصل کی اور اس کا نام ''بدیع المعانی فی شرح قصیدۂ شیبانی'' رکھا، یہ اس قصیدہ کی پہلی شرح ہے جو مرحلہ تالیف سے گذری۔

١۔ کشف الظنون (ج٢، ص١٣٣٠)

وہ شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

شاعر (شیبانی) نے اپنے شعر:

من کان مولاہ النبی لقد غدا (علی) لہ بالحق مولا و منجدا

میں رسول خدا کی صحیح حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ محی الدین نووی کہتے ہیں: موثق علماء کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا ناصر، مولا، دوست اور ہمدم میں ہوں یہ علیؑ بھی اسی طرح ہیں...الخ۔ شاید شاعر نے بھی "منجداً" کو "مولاہ" پر عطف کر کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے، اس طرح یہ عطف "عطف تفسیری" ہوا۔ اس ارشاد رسول کو سننے کے بعد حضرت عمر نے کہا: "حنیئاً لک اصبحت مولا کل مومن و مومنہ" مبارک ہو آج آپ تمام مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ (۱)

۲۔ شیخ علوان علی بن عطیہ حموی شافعی (متوفی ۹۳۶ھ):

ان کی شرح کا نام "بدیع المعانی فی شرح قصیدۃ شیبانی" ہے۔ (۲) شذرات اور قاموس میں اس کا نام "بیان المعانی فی شرح قصیدۃ شیبانی" مذکور ہے۔ (۳)

۳۔ ابوالبقاء احمدی شافعی،

ان کی شرح کا نام "المعتقد الایمانی علی عقیدۃ الشیبانی" ہے۔

۴۔ محمد بن علی بن علان (متوفی ۱۰۵۷ھ): ان کی شرح کا نام بھی "بدیع المعانی" ہے۔

شاعر کی شخصیت

نام "محمد بن احمد بن ابی بکر بن عرام بن بن ابراہیم بن یاسین بن ابی القاسم بن محمد ربعی شیبانی

۱۔ بدیع المعانی فی شرح عقیدۂ شیبانی، ص ۷۵

۲۔ کشف الظنون (ج ۲، ص ۱۳۴۰)

۳۔ شذرات الذھب ج ۸، ص ۲۱۸؛ قاموس الاعلام، ج ۲، ص ۶۸۲ (ج ۴، ص ۳۱۲)

اسلوانی اسکندرانی شافعی تقی الدین ابوعبداللہ امام‘‘ ہے، محدث، مفتی، فقیہ اور امام تھے، ۸رشوال ۳۰۷ھ کو متولد ہوئے۔ بہت سے علماء وفضلاء کا یہی نظریہ ہے۔(۱)

معظم، ابن عبدالدائم، ابن نحاس، یحیی بن سعد اور رضی الدین ابواسحاق ابراہیم طبری مکی کے علاوہ دوسرے علماء نے انہیں اجازۂ روایت دی ہے۔

ابن حجر نے درر میں لکھا ہے: شیبانی نے حدیث بیان کی، فتویٰ دیا اور تدریس وتالیف کے فرائض انجام دیئے، وہ مسموعات میں بہت سی چیزوں کی ایجاد واختراع میں یگانہ روزگار ہیں، انہوں نے ۷۷۷ھ میں وفات پائی۔(۲)

ان کے حالات زندگی کے کچھ نمونے شذرات الذہب میں ملاحظہ کیئے جاسکتے ہیں۔(۳)

۱۔علامہ رشید الدین اسماعیل بن عثمان معروف بہ ابن معلم حنفی (متوفی ۷۱۴ھ)؛ حسن بن عمر کردی ابومقیم مصر (متوفی ۷۲۰ھ)؛ حجار شہاب الدین ابی العباس احمد بن ابی طالب (متوفی ۷۳۰ھ)؛ شریف موسیٰ ابن ابی طالب عز الدین ابی القاسم موسوی (متوفی ۷۱۵ھ)؛ تاج الدین ابن دقیق العید احمد بن علی (متوفی ۷۲۳ھ)؛ احمد بن محمد بن کمال الدین (متوفی ۷۱۸ھ)؛ شریف علی زینبی؛ عمر ختنی رکن الدین بن محمد قرشی (متوفی ۷۳۱ھ)؛ زینب بنت احمد بن عمر بن ابی بکر بن شکر مقدسی (متوفی ۷۲۲ھ) وغیرہ ان علماء وفضلاء میں شامل ہیں: الدرر الکامنۃ، ج۳، ص۳۷۲

۲۔الدرر الکامنۃ (ج۳، ص۳۷۳، نمبر ۹۸۶)

۳۔کشف الظنون (ج۲، ص۱۳۴۰)؛ شذرات الذہب ج۶، ص۲۵۲ (ج۱۰، ص۳۰۵، حوادث ۹۳۶ھ، ج۸، ص۲۳۶، حوادث ۷۷۷ھ)

شمس الدین مالکی

وفات ۷۸۰ھ

وان علیاً کان سیف رسولہ	وصاحبہ السامی لمجدٍ مشیّد
وصھر النبی المجتبیٰ وابن عمّہ	أبو الحسنینالمحتوی کلَّ سودد
و زوجہ رب السما من سمائہ	و ناھیک تزویجا من العرش قد بدی

''بے شک حضرت علیؑ، رسولؐ کی شمشیر آبدار اور شرافت و بزرگی میں ان کے نامور ساتھی ہیں، وہ رسول خداؐ کے منتخب داماد، ان کے بھائی اور حضرات حسنینؑ کے والد محترم ہیں جن سے تمام تر سیادت و عظمت منسوب ہیں۔ خداوند عالم نے آسمان سے آپ کی شادی کی، عرش اعظم کی یہ شادی ہی کافی ہے، انہوں نے بہترین خاتون جنت سے عقد کیا جو عظمت کی واضح علامت ہے۔

حضرت علی و فاطمہ (علیہا السلام) سوئے، لباس تقوی ان کا بہترین لباس تھا، انھوں نے اپنی خوراک نیاز مندوں کے حوالے کر کے ایثار کا مظاہرہ کیا۔ ہاں! انہوں نے اس تقوی و پارسائی کے عوض زیوروں کے بدلے جنت ماویٰ کا انتخاب فرمایا۔

رسول خداؐ نے فرمایا: میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ، پہلے دروازے میں داخل ہو پھر میرے پاس آنے کی کوشش کرو؛ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کے مولا و آقا ہیں، اپنے مولا کا ارادہ کرو کیوں کہ آقا کی محبت والفت ہی تیری ہدایت کا ضامن ہے، اے علیؑ! تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون جناب موسیٰ کے لئے، بجز رسالت و نبوت، لھذا خدا کی حمد و ثناء کرو۔

وہ بچپنے ہی سے دین کے امور میں پیش قدم تھے، کسی عالم نے ان پر سبقت حاصل نہیں کی۔ رسول خداؐ اس حالت میں تشریف لائے کہ حضرت علیؑ سے راضی وخوشنود تھے لیکن وہ خود جناب زہرا (س) سے شرمندہ۔ رسول خداؐ نے ان کے چہرے سے مٹی صاف کر کے زمین سے بلند فرمایا حالانکہ وہ تنہائیوں میں اس (خاک) سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے تھے۔

ان کے دو فرزندوں کے متعلق رسول اسلامؐ نے فرمایا: دونوں جنت میں تمہارے آقا و سردار ہیں، خدا کی جانب سے رسول اسلامؐ بعنوان مبلّغ و رسول ارسال کئے گئے۔ یہ اہم فضیلت وخصوصیت صرف انہیں سے مخصوص ہے۔ انہوں نے فرمایا: کیا میری تبلیغ و رسالت ایسے شخص کے لئے شائستہ ہے جو لوگوں میں میرے خاندان سے نہیں ہے لہٰذا میری اقتدا کرو۔

ایک سائل آ کر عبداللہ سے سوال کرنے لگا تو آپ نے جواب میں کہا: رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کی منزلت پہچانو، ان کی معرفت حاصل کرو اور اس کی گواہی دو۔ وہ ہمیشہ روزہ دار اور اپنے خدا کی جانب رجوع کرنے والے ہیں، وہ خدا کے لئے قیام کرتے ہیں اور اس کی بھرپور بندگی کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے حصہ کی روزی پر قناعت کرتے ہیں اور مال دنیا سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

بے شک انہوں نے دنیا کو تین طلاقیں دیں، وہ دنیا کو اپنے قریب دیکھ کر فرماتے تھے: دور ہو جا۔ وہی حق سے سب سے زیادہ قریب تھے، سبھی صاحب حق ہیں لیکن وہ ہدایت سے سب سے زیادہ نزدیک تھے''۔

شاعر نے اس قصیدہ میں ان دس افراد (عشرۂ مبشرہ) کی مدح وستائش کی ہے جنہیں رسول خداؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔

سب سے پہلے ابوبکر بن ابو قحافہ کے مخصوص فضائل کو (۱۴) اشعار میں بیان کیا ہے، پہلا شعر یہ ہے:

فمنهم ابو بكرٍ خليفته الّذی　　　له الفضل و التقديم فی كلّ مشهد

''انہیں میں خلیفہ ابوبکر ہیں جنہیں ہر مقام پر تقدم وبرتری حاصل ہے''۔

اس کے بعد عمر بن خطاب کے مخصوص مناقب کو ۲۲؍ابیات میں بیان کیا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

ویتبعه فی فضله عمر الّذی   رمی عن قسیّ الصدق سهمَ مسدّد

''فضیلت و برتری میں ان کے پیرو کار عمر ایسے شخص ہیں جنہوں نے صداقت کی کمان سے محکم تیر پھینکا''۔

اس کے بعد عثمان کے مناقب کو پندرہ اشعار میں نظم کیا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:

وحبّي عثمان بن عفان انه   علیه اعتمادی وهوسؤلی ومقصدی

''میری محبت والفت عثمان بن عفان سے مخصوص ہے کیوں کہ ان پر میرا اعتماد قائم ہے اور وہی میرے مقصود اصلی ہیں''۔

حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل بیان کرنے کے بعد سبطین رسول حسن و حسین (علیہما السلام) کے مناقب کو ان اشعار میں بیان کیا ہے:

وبالحسنین السیدین توسّلی   بجدّهما فی الحشر عند تفردی

هما قرتا عین الرسول و سیدا   شباب الوری فی جنة و تخلد

و قال هما ریحانتای احب من   احبهما فاصدقهما الحب تسعدَ

هما اقتسما شبه الرسول تعادلا   و ما ذا عسی یحصیه منهم تعددی

فمن صدره شبه الحسین اجله   و للحسن الاعلی و حسبک فاعدد

و للحسن السامی مزایا کقوله   هو ابنی هذا سید و ابن سید

سیصلح تب العالمین به الوری   علی فرقة منهم و عظم تبدد

حسنؑ و حسینؑ قیامت کی تنہائیوں میں میرا وسیلہ ہیں، یہ دونوں رسول خداؐ کے خنکی چشم اور جنت ماویٰ میں جوانوں کے سید و سردار ہیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا: یہ دونوں میری خوشبو ہیں، جو انھیں دوست رکھتا ہے میں بھی اسے دوست رکھتا ہوں، لہٰذا تم انھیں سے محبت کرو تا کہ سعادتمندی سے ہمکنار ہوسکو۔

ان دونوں نے رسول خداؐ کی شجاعت کو مساوی انداز میں تقسیم کیا ہے، اس بات کا امکان نہیں کہ ان سے تجاوز کا مشاہدہ کیا جائے۔ سینہ سے لے کر پیر تک امام حسینؑ اور سینے سے اوپر امام حسنؑ شبیہ ہیں۔(۱) تمہاری آمادگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ رسول خداؐ کے ارشاد سے امام حسنؑ کی عظمت آشکار ہوتی ہے کہ فرمایا: یہ میرا فرزند سید بن سید ہے۔ خداوند عالم بہت جلد اس کی برکت سے کائنات کے اختلافات کی اصلاح فرمائے گا"۔

اس کے بعد امام حسینؑ کی شان میں یہ اشعار کہے:

و کان الحسین الصارم الحازم الذی   متی یقصر الابطال فی الحرب یشدد

شبیہ رسول اللہ فی الباس و الندی   و خیر شھید ذاق طعم المھند

لمصرعہ تبکی العیون و حقھا   فللہ من جرم و عظم تودد

فبعدا و سحقا للیذید و شمرہ   و من سار مسری ذلک المقصد الردی

"حسین دور اندیش تھے، جب شجاعان وقت جنگ سے کوتاہی کرتے تو وہ سخت ترین جنگ کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ وہ بخشش وعطا اور جنگ میں رسول اسلامؐ کی شبیہ تھے، وہ تلوار سے شہید ہونے والے شہیدوں کے سردار تھے، ان کے مقتل کے لئے آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور یہی مناسب ہے، خداوند عالم پر اس کی جزا ہے، لہٰذا ان کی محبت ودوستی کو اہمیت دو۔ یزید وشمر اور ان تمام افراد پر خداوند عالم کا دردناک عذاب نازل ہو جنہوں نے پست ترین مقصد کے لئے اقدام کیا"۔

اسی قصیدہ میں سید الشہداء جناب حمزہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

و من مثل لیث اللہ حمزۃ ذی الندی   مبید العدی ماوی الغریب المطرد

فکم حز اعناق العداۃ بسیفہ   و ذب عن المختار کل مشدد

فقال رسول اللہ ھذا امرتہ   ولی اسد ضار لدی کل مشھد

---

(۱) تاریخ ابن عساکر، ج۴، ص۳۱۴ (ج۱۴، ص۱۲۳، نمبر ۱۵۶۶)؛ مختصر تاریخ ابن عساکر (ج۷، ص۱۱۷)

''شیر خدا، صاحب جود وسخا جناب حمزہ کے مانند کون ہے جو دشمنوں کا تیا پانچہ کرنے والے اور بے آسرا غریبوں کی پناہ گاہ تھے۔ دشمنوں کی کتنی ہی گردنیں ان کی شمشیر آبدار کا شکار ہوئیں؛ کیا خوب کہ ہر سختی ومصیبت میں رسول خداؐ کا دفاع کیا، اسی لئے آنحضرت نے فرمایا: میں نے انہیں فرمانروا بنایا، وہ میرے لئے ہر میدان میں شیر ببر ہیں۔

جنگ احد میں سات افراد کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے؛ وہ کامیاب وکامران اور سید الشہداء ہیں، وہ فرشتوں کے درمیان تلایا پھرتے ہیں۔ رسول اسلامؐ نے ستر مرتبہ ان پر نماز ادا کی اور بقیہ شہداء پر صرف ایک مرتبہ۔ آپ نے فرمایا: شہادت حمزہ کے مانند کوئی مصیبت نہیں، اگر ایک دن میرے اختیار میں ہوتا تو میں ان بدکرداروں کو بدترین سزا دیتا''۔

اسی قصیدہ میں رسول اسلامؐ کے چچا حضرت عباس کا چند اشعار میں تذکرہ کیا ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

وقد بلغ العباس فی المجد رتبةً　　　　تقول لبدرِ التمّ قصّرت فابعد

شاعر کے مذہب وعقیدہ کے بارے میں قاری کو آگاہ کرنے کے لئے ہمارے لئے یہ قصیدہ کافی ہے جسے نفح الطیب سے نقل کیا گیا ہے۔(۱)

شعری تتبع

شمس الدین مالکی نے اپنے اشعار میں امیر المومنینؑ کے بعض فضائل ومناقب کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں ان کی قوم کے بہت سے حفاظ اور ائمہ حدیث نے صحاح اور مسانید میں رسول خداؐ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ وہ مناقب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **حدیث تزویج:** خداوند عالم نے عرش اعظم پر حضرت علیؑ سے جناب فاطمہ(س) کا عقد فرمایا

۱۔ نفح الطیب، ج۴، ص۶۰۳/۶۰۷ (ج۱۰، ص۲۲۴)۔

تفصیل جلد دوم میں گذر چکی ہے۔(۱)

۲۔حدیث: ''انا مدینة العلم و علی بابها'' میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ:

وقال رسول اللہ: انّی مدینة من العلم وهو الباب والباب فاقصد

ہم نے تیسری جلد میں امیر المومنینؑ کے علم کے بارے میں تفصیلی بحث کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طبری، ابن معین، حاکم، خطیب اور سیوطی نے اس حدیث فضیلت کی تصریح کر کے اسے صحیح تسلیم کیا ہے، یہاں اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی جائے گی کہ اس حدیث کو بہت سے حفاظ اور ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے، گذشتہ صدیوں میں بہت سے افراد نے اس سے احتجاج کیا ہے اور قطعی انداز میں اس کی نسبت رسول خداؐ کی طرف دی ہے، ساتھ ہی یاوہ گو مخالفین کی باتوں کا دفاع کیا ہے۔

۱۔حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (متوفی ۲۱۱ھ)، حاکم نے مستدرک میں ان سے روایت کی ہے۔(۲)

۲۔حافظ یحیی بن معین ابو ذکریہ بغدادی (متوفی ۲۳۶ھ): مستدرک حاکم اور تاریخ خطیب میں موجود ہے۔(۳)

۳۔ابوعبداللہ (ابوجعفر) محمد بن جعفر قیدی (متوفی ۲۳۶ھ): ابن معین نے ان سے روایت کی ہے۔

۴۔ابومحمد سعید بن سعید ہروی (متوفی ۲۴۰ھ): مسلم اور ابن ماجہ کے استاد ہیں، ابن کثیر نے تاریخ میں ان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔(۴)

۵۔امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) نے اپنے مناقب میں؛(۵)

۱۔کفایۃ الطالب، ص۱۶۴ (ص۳۰۰، باب ۷۹)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۳۱؛ تاریخ بغداد، ج۴، ص۱۲۹؛ نزھۃ المجالس، ج۲، ص۲۲۵؛ فرائد السمطین، باب ۱۸ (ج۱، ص۹۵، حدیث ۶۴)۔

۲۔مستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۲۷ (ج۳، ص۱۳۸، حدیث ۴۶۳۹)۔

۳۔مستدرک علی الصحیحین، (ج۳، ص۱۳۷، حدیث ۴۶۳۷، ۴۶۳۸)؛ تاریخ بغدادی (ج۱۱، ص۴۹، حدیث ۵۷۲۸)

۴۔البدایۃ والنھایۃ ج۷، ص۳۵۸ (ج۷، ص۳۹۵، حوادث ۴۰ھ)

۵۔فضائل علی، (ص۱۳۸، حدیث ۲۰۳)

۶۔عباد بن یعقوب رواجنی اسدی؛ بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ کے استاد ہیں، حافظ گنجی نے کفایہ میں روایت کی ہے۔(۱)

۷۔حافظ ابو عیسیٰ محمد ترمذی (متوفی ۲۷۹)، جامع صحیح میں منقول ہے۔(۲)

۸۔حافظ ابو علی حسین بن محمد بن فہم بغدادی (متوفی ۲۸۹)؛ حاکم نے مستدرک میں ان سے روایت کی ہے۔(۳)

۹۔حافظ ابو بکر احمد بن عمر بصری بزار (متوفی ۲۹۲)؛

۱۰۔حافظ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰)؛ انہوں نے تہذیب الآثار میں نقل کر کے صحیح کہا ہے۔(۴) بہت سے علماء نے ان سے حکایت کی ہے۔

۱۱۔ابو بکر محمد بن محمد بن باغندی واسطی بغدادی (وفات ۳۱۲)؛ ابن مغازلی نے مناقب میں ان سے روایت کی ہے۔(۵)

۱۲۔ابو طیب محمد بن عبد الصمد دقاق بغوی (وفات ۳۱۹)؛(۶)

۱۳۔ابو العباس محمد بن یعقوب اموی نیشاپوری (وفات ۳۴۶)؛ حاکم، نے مستدرک ان سے روایت کی ہے۔(۷)

۱۴۔ابو بکر محمد بن عمر بن محمد تمیمی بغدادی ابن جمالی (وفات ۳۵۵)؛ انہوں نے پانچ طرق سے نقل کیا ہے۔(۸)

۱۔کفایۃ الطالب (ص ۲۲۰، باب ۵۸)

۲۔سنن ترمذی (ج ۵، ص ۵۹۶، حدیث ۳۷۲۳)۔

۳۔مستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۱۲۷ (ج ۳، ص ۱۳۷، حدیث ۴۶۳۸)۔

۴۔التھذیب الآثار، (ص ۱۰۵، نمبر ۱۷۳، مسند علی)۔

۵۔مناقب علی بن ابی طالب، (ص ۸۱، حدیث ۱۲۲)

۶۔تاریخ خطیب بغدادی ج ۲، ص ۳۷۷

۷۔مستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۲۶ (ج ۳، ص ۱۳۷، حدیث ۴۶۳۷)۔

۸۔مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۲۶۱ (ج ۲، ص ۳۴)

۱۵۔ابوالقاسم سفیان بن احمد بن طبرانی (وفات ۳۶۰)؛ معجم کبیر اور اوسط میں نقل کیا ہے۔(۱)

۱۶۔ابو بکر محمد بن علی بن اسماعیل شاشی (وفات ۳۶۶)؛ مستدرک حاکم میں ان سے روایت کی گئی ہے۔(۲)

۱۷۔حافظ ابو محمد عبد اللہ بن جعفر بن حیان اصفہانی (وفات ۳۶۹)؛(۳)

۱۸۔حافظ ابو محمد عبد اللہ بن عثمان واسطی معروف بہ ابن سقا واسطی (وفات ۳۷۳)؛ مناقب ابن مغازلی میں ان سے روایت کی گئی ہے۔(۴)

۱۹۔حافظ ابولیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی (وفات ۳۷۹) نے مجالس میں؛

۲۰۔حافظ ابو حسین محمد بن مظفر بزاز بغدادی (وفات ۳۷۹)؛(۵)

۲۱۔حافظ ابو حفص بن احمد بن عثمان بغدادی ابن شاہین (وفات ۳۸۵) نے چار طرق سے نقل کیا ہے۔

۲۲۔حافظ ابو عبد اللہ عبید اللہ بن محمد (وفات ۳۸۷) نے چھ طرق سے روایت کی ہے۔

۲۳۔حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری (وفات ۴۰۵) نے مستدرک میں؛(۶)

۲۴۔حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ (وفات ۴۱۶)؛ بہت سے افراد نے ان سے حکایت کی ہے۔

۲۵۔حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی (وفات ۴۳۰) نے معرفۃ الصحابہ میں؛(۷)

۱۔معجم الکبیر (ج۱۱،ص۵۵،حدیث۱۱۰۶۱)

۲۔مستدرک علی الصحیحین، ج۳،ص۱۲۷(ج۳،ص۱۳۸،حدیث۴۶۳۹)۔

۳۔مقاصد الحسنہ (ص۱۲۳،حدیث۱۸۹)۔

۴۔مناقب علی بن ابی طالب، (ص۸۰،حدیث۱۲۰)

۵۔مناقب علی بن ابی طالب، (ص۸۱،حدیث۱۲۲)

۶۔مستدرک علی الصحیحین، ج۳،ص۱۲۶(ج۳،ص۱۳۷،حدیث۴۶۳۷)

۷۔معرفۃ الصحابہ (ج۱،ص۳۰۸)

۲۶۔ فقیہ شافعی ابوالحسن احمد بن مظفر عطار (وفات ۴۴۱)؛ ابن مغازلی نے مناقب میں ان سے روایت کی ہے۔(۱)

۲۷۔ ابوالحسن علی بن حبیب بصری شافعی (وفات ۵۴۰)؛(۲)

۲۸۔ حافظ ابوبکر بن احمد بن حسین بن علی بیہقی (وفات ۴۵۸):(۳)

۲۹۔ ابوغالب بن محمد احمد (وفات ۴۶۲)؛ ابن مغازلی نے مناقب میں روایت کی ہے۔(۴)

۳۰۔ حافظ بن ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (وفات ۴۶۳)(۵)

۳۱۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر قرطبی (وفات ۴۶۳) نے استیعاب میں نقل کیا ہے۔(۶)

۳۲۔ ابومحمد حسن بن احمد بن موسیٰ غندجانی وفات ۴۶۷ھ، ابن مغازلی نے مناقب میں ان سے روایت کی ہے۔ (۷)

۳۳۔ فقیہ ابوالحسن علی بن محمد بن طیّب جلالی مغازلی (وفات ۴۸۲) نے اپنے مناقب میں سات طرق سے نقل کیا ہے۔(۸)

۳۴۔ ابومظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار سمعانی شافعی (وفات ۴۸۹)؛(۹)

۳۵۔ حافظ ابومحمد بن احمد سمرقندی (وفات ۴۹۱)؛(۱۰)

۱۔ مناقب علی بن ابی طالب، (ص ۸۰، حدیث ۱۲۰) ۲۔ مناقب آل ابی طالب، ج ۱ ص ۲۶۱ (ج ۲، ص ۴۲)

۳۔ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۴۳ ۴۔ مناقب علی بن ابی طالب، (ص ۸۵، حدیث ۱۲۶)

۵۔ تاریخ بغدادی ج ۳ ص ۳۴۸، ج ۲، ص ۳۷۷، ج ۷، ص ۱۷۲، ج ۱۱، ص ۲۰۴،

۶۔ استیعاب ج ۲، ص ۴۶۱ (القسم الثالث، ص ۱۱۰۲، نمبر ۱۸۵۵)

۷۔ مناقب علی بن ابی طالب، (ص ۸۴، حدیث ۱۲۵)۔

۸۔ مناقب علی بن ابی طالب، (ص ۸۰، حدیث ۱۲۰/۱۲۶)

۹۔ مناقب آل ابی طالب، (ج ۲، ص ۴۲)۔

۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ (ج ۴، ص ۱۲۳۱، نمبر ۱۰۴۷)

۳۶۔ابو علی اسماعیل بن احمد بن حسین بیہقی (وفات ۵۰۹)؛(۱)

۳۷۔ابوشجاع ہمدانی دیلمی (وفات ۵۰۹)(۲)

۳۸۔ابومحمد احمد بن محمد بن علی عاصمی نے زین الفتی میں؛

۳۹۔ابوالقاسم زمخشری (وفات ۵۳۸)،الفائق میں مدینۃ العلم کا ایک باب قائم کیا ہے۔(۳)

۴۰۔حافظ ابومنصور شہردار ہمدانی دیلمی (وفات ۵۵۸) نے اپنی کتاب مسند الفردوس میں نقل کیا ہے۔

۴۱۔حافظ ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی (متوفای ۵۶۲)؛

یہ انساب میں لکھتے ہیں: ''شہید کے نام سے بعض علماء مشہور ہوئے اس لئے کہ وہ قتل کئے گئے، ان شہداء کی پہلی فرد باب مدینۃ العلم کے فرزند ہیں.....الخ''۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ حدیث ''انا مدینة العلم و علی بابها'' علماء وحفاظ کے نزدیک ثابت ہے۔(۴)

۴۲۔حافظ اخطب خوارزم ابوالموید موفق بن احمد مکی حنفی (وفات ۵۶۸)؛(۵)

۴۳۔حافظ ابوالقاسم علی بن حسن معروف بہ ابن عساکر دمشقی (وفات ۵۷۱) نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔(۶)

۴۴۔ابوحجاج یوسف بن محمد نبوی اندلسی معروف بہ ابن شیخ نے؛(۷)

۴۵۔ابوالسعادات مبارک بن محمد بن حرزی شافعی (وفات ۶۰۶)؛(۸)

۱۔مناقب خوارزمی (ص۸۲،حدیث ۶۹)

۲۔الفردوس بمأثور الخطاب (ج۱،ص۴۴،حدیث ۱۰۶)۔

۳۔الفائق ج۱،ص۲۸ (ج۲،ص۳۶)

۴۔الانساب (ج۳،ص۴۷۵)

۵۔مناقب خوارزمی (ص۸۲،حدیث ۶۹)

۶۔مختصر تاریخ ابن عساکر،(ج۱۸،ص۱۷)؛ تاریخ ابن عساکر حالات حضرت علی، محقق"،(ص۱۰۰۶،۹۹۱)

۷۔الف باء ج۱ص۲۲۲

۸۔جامع الاصول (ج۲،ص۴۷۳،حدیث ۶۴۸۹)

۴۶۔ حافظ ابوالحسن علی بن محمد بن اثیر حرزی (وفات ۶۲۰)؛(۱)

۴۷۔ محی الدین محمد بن علی بن عربی طائی اندلسی (وفات ۶۲۸) نے ''المکنون والجواہر المصون'' میں؛(۲)

۴۸۔ حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار بغدادی (وفات ۶۴۳) نے تاریخ بغداد میں؛

۴۹۔ ابوسالم محمد بن طلحہ شافعی (وفات ۶۵۱)؛(۳)

۵۰۔ شمس الدین ابومظفر بن قزاوعلی سبط ابن جوزی حنفی (وفات ۶۵۴)؛(۴)

۵۱۔ حافظ ابوعبداللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی (وفات ۶۵۸) نے کفایہ میں چند طرق سے نقل کر کے لکھا ہے:

''یہ حدیث حسن وعالی ہے....اسی لئے صحابہ، تابعین اوران کے اہل بیت علیؑ کے تقدم، کثرت علم، بے پناہ حکمت وفراست، ادارت اوران کی صلابت رائے کے قائل ہیں، بے شک ابوبکر، عمر، عثمان اور دوسرے تمام صحابہ احکام میں ان سے مشورہ کرتے تھے، نقض واثبات کے سلسلے میں انہیں کے قول کو اختیار کرتے تھے، یہ اس لئے تھا کہ وہ بے پناہ علم وفضل اورفہم وفراست کے مالک تھے، یہ حدیث ان کے حق میں مبالغہ نہیں ہے اس لئے کہ ان کا مقام ومرتبہ خدا، رسول اسلامؐ اور بندگان خدا کے یہاں اس سے کہیں زیادہ ہے۔(۵)

۵۲۔ ابومحمد شیخ عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام سلمی شافعی (وفات ۶۶۰)؛ شھاب الدین احمد نے توضیح الدلائل میں حکایت کی ہے۔

۱۔ اسد الغابۃ ج۴، ص۲۲ (ج۴، ص۱۰۰، نمبر ۳۷۸۳)

۲۔ ینابیع المودۃ (باب ۶۹، ج۳، ص۶۷)

۳۔ مطالب السئول ص۲۲؛ ینابیع المودۃ ص۶۵ (باب ۱۴، ج۱، ص۶۴)

۴۔ تذکرۃ الخواص ص۲۹ (ص۴۸)

۵۔ کفایۃ الطالب، ص۹۸/۱۰۲ (باب ۵۸، ص۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۳)

۵۳۔ حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ طبری شافعی مکی (وفات ۶۹۴) نے ریاض النضرۃ اور ذخائر العقبی میں اس کی روایت کی ہے۔(۱)

۵۴۔ سعید الدین محمد بن احمد فرغانی (وفات ۶۹۹) نے شرح تائیہ ابن فارض میں مندرجہ ذیل شعر کی تشریح کے دوران نقل کیا ہے:

کراماتهم من بعض ما خصهم به بما خصهم من ارث کل فضيلة

اور فارسی میں مندرجہ ذیل شعر کی شرح میں حدیث کو نقل کیا ہے:

و اوضح بالتاويل ما كان مشكلا علی بعلم ناله بالوصية

۵۵۔ حافظ ابو محمد بن ابی حمزہ ازدی اندلسی (وفات ۶۹۹)؛(۲)

۵۶۔ صدر الدین سید حسین بن محمد ہروی فوزی (وفات ۷۱۸ھ)؛(۳)

۵۷۔ شیخ الاسلام ابراہیم بن محمد حموی جوینی (وفات ۷۲۲ھ)؛(۴)

۵۸۔ نظام الدین محمد بن احمد بن علی نجاری (وفات ۷۲۵ھ) شیخ عبد الرحمٰن چشتی نے ''مرات الاسرار عن سیرۃ اولیا'' میں ان سے روایت کی ہے۔

۵۹۔ حافظ ابو الحجاج یوسف بن عبد الرحمٰن مزی (وفات ۷۴۲)؛(۵)

۶۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی (وفات ۷۴۸ھ)(۶)

۶۱۔ حافظ جمال الدین محمد بن یوسف زرندی انصاری (وفات ۷۰۷ھ)؛(۷)

۱۔ ریاض النضرۃ ص۱۹۲ (ج۳، ص۱۴۰)

۲۔ بہجت النفوس ج۲، ص۱۷۵؛ ج۴، ص۷۸

۳۔ نزھۃ الارواح، (ص۱۳)

۴۔ فرائد السمطین (باب ۱۸، ج۱، ص۹۸، حدیث ۶۷)۔

۵۔ تہذیب الکمال (ج۲۰، ص۴۸۵، نمبر ۴۰۸۹)

۶۔ تذکرۃ الحفاظ ج۴، ص۲۸ (ج۴، ص۱۲۳۱، نمبر ۱۰۴۷)۔

۷۔ نظم درر السمطین (ص۱۱۳)

۶۲۔ حافظ صلاح الدین ابوسعید خلیل عفونی دمشقی شافعی (وفات ۷۶۱ھ) نے حکایت کی ہے اور ان کے مذہب کے بہت سے علماء نے ابن معین کے حوالے سے صحیح تسلیم کیا ہے، وہ کہتے ہیں: یہ قطعی بعید نہیں کہ رسول خداؐ حضرت علیؑ کے حق میں ایسی حدیث بیان فرمائیں، جو اس کی تکذیب کرے وہ پکا جھوٹا ہے۔(۱)

۶۳۔ سید علی بن شہاب الدین ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں نقل کیا ہے۔(۲)

۶۴۔ بدرالدین محمد ابوعبداللہ زرکشی مصری شافعی (وفات ۷۹۴ھ):

وہ کہتے ہیں: یہ بہترین حدیث ہے جس سے استدلال واحتجاج کیا جاتا ہے، یہ وضعی اور جعلی ہونا تو دور ضعیف بھی نہیں ہے۔(۳)

۶۵۔ حافظ ابوالحسن علی بن ابوبکر ہیثمی (وفات ۸۰۷)؛(۴)

۶۶۔ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری (وفات ۸۰۸)؛(۵)

۶۷۔ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی (وفات ۸۱۶) نے اپنی کتاب نقد الصحیح میں؛

۶۸۔ امام الدین محمد ہجروی لاہجی؛ کتاب اسماء السنن وخلفاء الاربعہ میں ان سے حکایت کی ہے۔

۶۹۔ شیخ یوسف واسطی اعور، اس نے ردشیعہ میں لکھے گئے رسالہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۰۔ شمس الدین محمد بن محمد جزری (وفات ۸۳۲)؛ نے اسنی المطالب میں؛(۶)

۷۱۔ شیخ زین الوفی ابوبکر محمد بن محمد علی خوافی (وفات ۸۳۸)؛ نے اسے حدیث مرسل کی حیثیت سے نقل کیا ہے اور اس کے ذریعہ حضرت کے مخصوص علم ودانش اور حکمت کا استدلال کیا ہے۔ شیخ شہاب الدین

۱۔ اللآلی المصنوعۃ (ج۱،ص۳۳۳)

۲۔ مودۃ القربیٰ، مودۃ ۷

۳۔ فیض القدیر ج۳،ص۴۷

۴۔ مجمع الزوائد ج۹،ص۱۱۴

۵۔ حیات الحیوان ج۱،ص۵۵ (ج۱،ص۷۹)

۶۔ اسنی المطالب ص۱۴ (ص۷۰)

نصر نے توضیح الدین میں ان سے حکایت کی ہے۔

۷۲۔ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی معروف بہ حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲) نے تہذیب التھذیب میں نقل کیا ہے۔(۱) اور لسان المیزان میں کہتے ہیں کہ مستدرک حاکم میں اس حدیث کے بہت سے طرق بیان کئے گئے ہیں لہٰذا اسے جعلی کہنا قطعی صحیح نہیں۔(۲)

۷۳۔ شہاب الدین بن شمس الدین زاولی دولت آبادی (وفات ۷۴۹) نے ہدایۃ الشھداء میں نقل کیا ہے۔

۷۴۔ شہاب الدین احمد نے توضیح الدلائل میں نقل کیا ہے۔

۷۵۔ نور الدین علی بن محمد بن صباغ مالکی مکی (وفات ۸۵۵) نے فصول المہمہ میں؛(۳)

۷۶۔ بدر الدین محمود بن احمد موسیٰ حنفی عینی (وفات ۸۵۵) نے عمدۃ القاری میں؛(۴)

۷۷۔ شیخ عبد الرحمٰن بن محمد بن علی بسطامی حنفی (وفات ۸۵۸) نے اپنی کتاب دائرۃ المعارف الالھیہ میں ذکر کیا ہے۔(۵)

۷۸۔ شمس الدین محمد بن یحییٰ جیلانی لاہجی نور بخش نے مفتاح الاعجاز میں؛(۶)

۷۹۔ شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی مصری (وفات ۹۰۲) نے المقاصد الحسنہ میں نقل کرکے اسے حسن کہا ہے۔(۷)

۱۔ التھذیب التھذیب ج ۷، ص ۳۲۷ (ج ۷، ص ۲۹۶)۔

۲۔ لسان المیزان (ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۲۰۴۴)؛ مستدرک علی الصحیحین، (ج ۳، ص ۱۳۷، حدیث ۴۶۳۷/ ۴۶۳۸، ص ۱۳۸، حدیث ۴۶۳۹)۔

۳۔ الفصول المہمۃ، (ص ۳۶)۔

۴۔ العمدۃ القاری ج ۷، ص ۶۳۱ (ج ۱۶، ص ۲۱۵)

۵۔ ینابیع المودۃ (باب ۶۷، ج ۳، ص ۵۲)

۶۔ مفاتیح الاعجاز (ص ۱۰۱)

۷۔ مقاصد الحسنہ (ص ۱۲۳/ ۱۲۴، حدیث ۱۸۹)

۸۰۔ حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱) نے جامع صغیر کے علاوہ چند کتابوں میں نقل کر کے اس کی صحت کا حکم لگایا ہے۔ (۱)

۸۱۔ سید نورالدین علی بن عبداللہ سمہودی شافعی (وفات ۹۱۱) نے جواھر العقدین میں نقل کیا ہے۔

۸۲۔ فضل بن روزبہان نے علامہ حلی کی کتاب نہج الحق کی رد میں لکھی گئی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور بغیر کسی ردوقدح کے اسے قبول کیا ہے۔ نیز کہا ہے کہ ترمذی کے حوالے سے حضرت علیؑ کے بارے میں دونوں حدیثیں ''اقضاکم علی ؛ انا مدینة العلم و علی بابها '' ثابت ہیں۔

۸۳۔ حافظ عزالدین عبدالعزیز معروف بہ ابن فهد ہاشمی مکی شافعی (وفات ۹۲۲) نے چند اشعار میں امیرالمومنینؑ کی مدح کی ہے اس میں اس حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے:

لیث الحروب المدرهُ الضرغامُ من بحسامه جاب الدیاجی والظلم

صهرُ الرسول أخوه باب علومِه أقضی الصاحبةِ ذوالشمائل والشِّیَمْ

۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی مصری شافعی (وفات ۹۲۳) نے مواھب اللدنیہ میں رسول اکرمؐ کے اسماء میں ''مدینة العلم'' کا بھی تذکرہ کیا ہے چنانچہ زرقانی نے اس کی شرح میں نقل کیا ہے۔ (۲)

۸۵۔ مولا جلال الدین محمد بن اسعد دوانی (وفات ۹۲۸) نے رسالہ زوراء میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۸۶۔ قاضی کمال الدین حسین بن حسین میبذی (وفات ۹۳۲)؛ (۳)

۸۷۔ حاج عبدالوہاب بن محمد بخاری (وفات ۹۳۲) نے اپنی تفسیر انوری میں آیہ شریفہ ﴿قل

۱۔ جامع الصغیر ج۱، ص۲۱۴ (ج۱، ص۴۱۵، حدیث ۲۷۰۵)؛ کنز العمال (ج۱۳، ص۱۴۸، حدیث ۳۶۴۶۳/۳۶۴۶۴)؛ التھذیب الآثار، (ص۱۰۵، حدیث ۱۷۳، مسند علی)؛ مستدرک علی الصحیحین، (ج۳، ص۱۳۷، حدیث ۴۶۳۷)

۲۔ المواھب الدینیۃ ج۳، ص۱۴۲ (ج۲، ص۲۰)

۳۔ شرح دیوان امیرالمومنینؑ (ص۳)

لاأسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی ﴾ کے ذیل میں ابن مغازلی کے حوالے سے جابر سے نقل کیا ہے، انہوں نے اس کے ساتھ امیر المومنینؑ کے چند دوسرے فضائل و مناقب کو بیان کر کے کہا ہے: جان لو کہ حضرت علیؑ کے بارے میں رسول اسلامؐ کی یہ احادیث وارد ہوئی ہیں۔

۸۸۔ حافظ محمد بن یوسف شافعی (وفات ۹۴۲) نے سبل الھدی والارشاد فی سیرۃ خیر العباد میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حق تو یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ حافظ علائی اور حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے.....الخ۔(۱)

۸۹۔ شیخ ابو الحسن علی بن محمد بن عراق کنانی (وفات ۹۶۳) نے ''تنزیہ الشریعۃ'' میں؛(۲)

۹۰۔ شہاب الدین احمد بن محمد بن ابن حجر ہیثمی (وفات ۹۷۴) نے ''الصواعق'' اور ''شرح ہمزیہ'' میں مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کے ذیل میں نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے:

کم ابانت آیاته من علوم ‏ ‏ ‏ ‏ عن حروف ابان عنها الهجاء

و وزیر ابن عمه فی المعالی ‏ ‏ ‏ ‏ و من الاهل تسعد الوزراء

لم یزده کشف الغطاء یقینا ‏ ‏ ‏ ‏ بل هو الشمس ما علیه غطاء (۳)

اور حاشیہ صواعق ''تطہیر الجنان'' میں نقل کر کے کہا ہے: یہ حدیث حسن بلکہ حاکم کے بقول صحیح ہے۔(۴)

۹۱۔ علی بن حسام الدین معروف بہ متقی ہندی (وفات ۹۷۵) نے ''اکمال جمع الجوامع سیوطی'' میں؛(۵)

۱۔ سبل الھدی والرشاد (ج۱۱،ص۲۹۲)

۲۔ تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الشنیعۃ (ج۱،ص۳۷۸/۳۷۷،حدیث۱۰۳)۔

۳۔ الصواعق المحرقۃ ص۷۴(ص۱۲۲)؛ شرح الھمزیہ (ص۱۹۵/۲۴۶)؛

۴۔ تطہیر الجنان مطبوع برحاشیہ صواعق محرقہ،ص۷۴(ص۳۵)؛ الفتاوی الحدیثیہ،ص۱۲۶/۱۹۷(ص۱۷۲/۲۶۹)۔

۵۔ کنز العمال ج۶،ص۱۵۶(ج۱۱،ص۶۱۴،حدیث۳۲۹۷۸/۳۲۹۷۹)۔

۹۲۔ شیخ ابراہیم بن عبداللہ وصابی یمنی نے ''الاکتفاء'' میں ابونعیم، حاکم اور خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں پس و پیش کئے بغیر اس سے حضرت علیؑ کے علم کے متعلق احتجاج کیا ہے۔

۹۳۔ جمال الدین محمد ی طاہر ہندی (وفات ۹۸۶) نے تذکرۃ الموضوعات میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، جو اسے جعلی کہے وہ پکا جھوٹا ہے۔(۱)

۹۴۔ میرزا مخدوم عباس بن معین الدین جرجانی (وفات ۹۸۸) نے نواقض الروافض کے فصل دوم میں نقل کیا ہے اور ترمذی کے حوالے سے امیر المومنینؑ کے دوسرے فضائل کو بھی بیان کیا ہے۔

۹۵۔ شیخ بن عبد اللہ عیدروس (وفات ۹۹۰) نے ''العقد النبوی والسر المصطفوی'' میں بزاز، طبرانی، حاکم عقیلی، ابن عدی اور ترمذی کے طریق سے نقل کیا ہے۔

۹۶۔ جمال الدین محدث عطاء اللہ بن فضل اللہ شیرازی (وفات ۱۰۰۰) نے اپنی کتاب اربعین میں نقل کیا ہے۔(۲)

۹۷۔ ابوالعصمہ محمد معصوم بابا سمرقندی نے فصول الاربعہ کے فصل دوم میں اس حدیث کو نقل کیا ہے

۹۸۔ شیخ علی قاری ہروی حنفی (وفات ۱۰۱۴) نے اپنی کتاب المرقاۃ میں؛(۳)

۹۹۔ حافظ شیخ عبدالرؤف بن تاج العارفین شافعی (وفات ۱۰۳۱) نے فیض القدیر اور تیسیر میں نقل کیا ہے۔

وہ فیض القدیر میں لکھتے ہیں: بے شک رسول خداؐ تمام علوم و معارف کے شہر ہیں اور ہر شہر میں دروازے سے داخل ہونے کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہوتی، اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ علیؑ اس شہر کے دروازہ ہیں، اب ان کے راستہ کا انتخاب کر کے شہر میں داخل ہوا وہ کامیاب ہے اور جس نے اس راہ سے انحراف کیا وہ خطا کار ہے۔

۱۔ تذکرۃ الموضوعات (ص ۹۵)

۲۔ الاربعین فی فضائل امیر المومنینؑ (ص ۴۷، حدیث ۱۶)

۳۔ المرقاۃ فی شرح المشکاۃ (ج ۱۰، ص ۴۷۰، حدیث ۶۰۹۶)

کلاباذی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے معاویہ سے مسئلہ پوچھا، معاویہ نے کہا: جاؤ علیؑ سے پوچھو ،وہ مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ اس نے کہا: میں آپ کا جواب جاننا چاہتا ہوں۔ معاویہ نے کہا: تجھ پر تف ہے، تو ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جسے رسول خداؐ اس کے علم کی وجہ سے پسند فرماتے تھے۔

تمام صحابہ ان کے علم کا اعتراف کرتے تھے، عمر کو جب بھی مشکل پیش آتی وہ ان سے سوال کرتے تھے۔ ایک شخص نے عمر سے سوال کیا، عمر نے کہا: یہاں علیؑ موجود ہیں ان سے سوال کرو۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی عمر نے کہا: دفعان ہو جا، میں تیری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔

متعدد طرق سے منقول ہے کہ عمر ہمیشہ کہتے تھے: میں ایسے لوگوں سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں جن میں علیؑ نہ ہوں، وہ مشکل مسئلوں میں حضرت علیؑ سے مشورہ کرتے تھے۔

حافظ عبد الملک بن سلیمان سے منقول ہے کہ عطا سے کہا گیا: کیا صحابہ میں علیؑ سے زیادہ کوئی عالم تھا؟ کہا: خدا کی قسم! نہیں۔ حرالی کا بیان ہے کہ تمام متقدمین و متاخرین جانتے ہیں کہ کتاب خدا کی تفہیم، حضرت علیؑ کے علم پر منحصر ہے، جو اس سے ناواقف ہو وہ گمراہ ہے۔ (۱)

۱۰۰۔ مولی یعقوب لاہوری نے رسالۂ عقائد میں؛

۱۰۱۔ شیخ احمد بن فضل بن محمد باکثیر مکی شافعی (وفات ۱۰۴۷) نے ''وسیلۃ المآل فی عدّ مناقب الآل'' میں؛ (۲)

۱۰۲۔ شیخ محمود بن محمد بن علی شیخانی قادری نے اپنی تالیف ''الصراط السوی فی مناقب آل النبی'' میں احمد و ترمذی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اسی لئے ابن عباس کہتے تھے: جو علم کا طالب ہے وہ دروازہ تک آئے اور وہ علی بن ابی طالب ہیں۔ (۳)

۱۔ فیض القدیر شرح جامع الصغیر (ج ۳ ص ۴۶)؛ التیسیر شرح الجامع الصغیر (ج ۱، ص ۳۷۷)
۲۔ وسیلۃ المآل فی عد مناقب الآل (ص ۱۲۳، باب ۴)
۳۔ فضائل علی (ص ۱۳۸، ح ۲۰۳)؛ سنن ترمذی (ج ۵ ص ۵۹۶ ح ۳۷۲۳)

۱۰۳۔عبدالحق دہلوی (وفات۱۰۵۲) نے''اللمعات فی شرح المشکاۃ'' اور''مدارج النبوۃ''
میں؛(۱)

۱۰۴۔سید محمد بن سید جلال بن بخاری نے''تذکرۃ الابرار''میں؛

۱۰۵۔اللہ دیا بن عبدالرحیم بن بینا حکیم چشتی عثمانی نے''سرالاقطاب''میں؛

۱۰۶۔عبدالرحمٰن بن عبدالرسول بن قاسم چشتی نے''مرآۃ الاسرار''میں؛

۱۰۷۔شیخ بن علی بن محمد جفری (وفات۱۰۶۳) نے''کنزالبراھین''میں؛

۱۰۸۔ حافظ علی احمد عزیزی شافعی (وفات ۱۰۷۰) نے''سراج المنیر فی شرح جامع الصغیر''
میں؛(۲)

۱۰۹۔ابوضیاء نورالدین علی بن علی شبراملسی قاہری شافعی (وفات۱۰۸۲) نے حاشیہ الموجب اللدنیہ
''تیسر المطالب السنیہ بکشف اسرار الموجب اللدنیہ''میں؛

۱۱۰۔تاج الدین سنبھلی نے رسالہ اشغال نقشبندیہ میں؛

۱۱۱۔ابراہیم بن حسن کردی کورانی شافعی (وفات ۱۱۰۱) نے''البراس لکشف الالتباس الواقع فی
الاساس''میں؛

۱۱۲۔شیخ اسماعیل بن سلیمان کردی بصری نے''جلاء النظر فی شبہات ابن حجر''میں نقل کر کے
حدیث شریف کو مشتبہ قرار دینے والوں پر اس حدیث سے دلیل قائم کی ہے۔(۳)

۱۱۳۔شیخ محمد بن عبدالرسول برزنجی مدنی (وفات۱۱۰۳) نے رسالہ الاشاعر فی اشراط الساعہ میں؛

۱۱۴۔شیخ محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی مالکی (وفات۱۱۲۲) نے شرح مواہب میں؛(۴)

۱۱۵۔شیخ سالم بن عبداللہ بن سالم بصری شافعی نے رسالہ الامداد بمعرفۃ الاستاد میں؛

۱۔مدارج النبوۃ (ج۱،ص۱۵۳)

۲۔السراج المنیر ج۲،ص۶۳ (ج۲،ص۶۸)

۳۔الفتاوی الحدیثیہ (ص۲/۱۷۲/۲۶۹)

۴۔شرح مواہب ج۳،ص۱۴۳

۱۱۶۔میرزا محمد بن معتمد خان بدخشانی نے نزل الابرا میں؛(۱)

۱۱۷۔شیخ محمد صدر العالم نے ''المعارج العلی فی مناقب المرتضیٰ'' میں؛

۱۱۸۔شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم دہلوی (وفات ۱۱۷۶) نے قرۃ العین میں چند مقامات پر نقل کیا ہے۔(۲)

۱۱۹۔شیخ محمد بن سالم مصری حنفی (وفات ۱۱۸۱) نے شرح جامع صغیر میں؛(۳)

۱۲۰۔شیخ محمد بن محمد امین سندی نے ''دراسات اللبیب'' میں؛(۴)

۱۲۱۔امیر محمد بن اسماعیل بن صلاح یمنی صنعانی (وفات ۱۱۸۲) نے الروضۃ الندیہ فی شرح التحفہ العلویۃ میں نقل کر کے حاکم، ابن جریر اور سیوطی کی پیروی کرتے ہوئے صحت حدیث کا حکم لگایا ہے۔(۵)

۱۲۲۔شیخ سلیمان جمل نے ''الفتوحات الاحمدیہ بالمنح المحمدیہ'' میں؛

۱۲۳۔مولی سید قمر الدین حسین اورنگ آبادی (وفات ۱۱۹۲) نے ''نور الکریمتین'' میں؛(۶)

۱۲۴۔شہاب الدین احمد بن عبدالقادر عجیلی شافعی؛ شاعر غدیر ہیں، تیرہویں صدی کے شعراء میں ان کا تذکرہ آئے گا۔انہوں نے ''ذخیرۃ المال فی شرح عقد الاملاک'' میں حدیث شریف نقل کی ہے۔

۱۲۵۔شیخ محمد بن علی صبان (وفات ۱۲۰۵) نے بزاز، طبرانی، حاکم، عقیلی، ابن عدی اور ترمذی کے حوالے سے اسعاف الراغبین میں؛(۷)

۱۲۶۔شیخ مبین بن محب اللہ سہالوی (وفات ۱۲۲۵) نے امام علیؑ کے علم پر وسیلۃ النجاۃ میں احتجاج کیا ہے۔پھر وہ لکھتے ہیں: حاکم کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور ابن حجر کے بقول: یہ حدیث حسن ہے۔(۸)

۱۔نزل الابرار ص ۲۷ (ص ۷۵)

۲۔قرۃ العینین (ص ۲۳۵)؛ ازالۃ الخفا، (ج ۲، ص ۲۶۲)۔

۳۔شرح جامع صغیر ج ۲، ص ۶۳؛ حاشیۃ الحفنی علی شرح الجامع الصغیر۔

۴۔دراسات اللبیب (ص ۵۰)

۵۔الروضۃ الندیۃ فی شرح التحفۃ العلویۃ (ص ۱۷۹)

۶۔نور الکریمتین (ص ۴۹)

۷۔اسعاف الراغبین ص ۱۵۶

۸۔وسیلۃ النجاۃ (ص ۱۳۶)

۱۲۷۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (وفات ۱۲۲۵) نے ''سیف المسلول'' میں چند مقامات پر نقل کیا ہے۔ پھر حاکم کی تصحیح کا تذکرہ کر کے جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے ان کی تضعیف کی ہے اس کے بعد ابن حجر کے نظریہ حسن کو اختیار کیا ہے۔

۱۲۸۔ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی؛ (۱)

۱۲۹۔ شیخ جواد ساباط بن ابراہیم ساباطی حنفی نے ''البراھین الساباطیہ'' میں؛

۱۳۰۔ عمر بن احمد خرپوتی حنفی نے ''قصیدہ الشہدہ فی شرح قصیدہ البردہ'' نے مندرجہ ذیل شعر کی شرح کے ذیل میں نقل کیا ہے:

فاق النبیین فی خلق و فی خلق   و لـم یـدانـوه فـی عـلـم و لا کـرم

جان لیجئے کہ آیہ مبارکہ ﴿و عـلـمـک مـا لـم تـکن تعلم﴾ (۲) اور حدیث ''انـا مـدینة العلم'' کے ذریعہ حضرت علیؑ کا علم ثابت ہے۔ (۳)

۱۳۱۔ قاضی محمد بن علی شوکانی صفانی (وفات ۱۲۵۰) نے ''الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ'' میں نقل کر کے اسے حسن کہا ہے۔ (۴)

۱۳۲۔ محمد رشید الدین خان دہلوی نے ''ایضاح المطافۃ المقال'' میں؛

۱۳۳۔ جمال الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالعلی قرشی معروف بہ میرزا حسن علی لکھنوی نے ''تفریح الاحباب بمناقب الآل والاصحاب'' میں اسے مناقب امیرالمومنینؑ میں شمار کیا ہے۔

۱۳۴۔ نورالدین اسماعیل بن سلیمانی نے ''درالیتیم میں ابونعیم، حاکم اور خطیب حوالے سے نقل کیا ہے۔

۱۳۵۔ ولی اللہ بن حبیب اللہ بن محب اللہ بن ملا احمد عبدالحق سہاوی لکھنوی (وفات ۱۲۷۰) نے

۱۔ ملاحظہ ہو: عبقات الانوار ج۵ ص۴۷۹؛ (تلخیص المیلانی ج۱۰ ص۳۵۵)

۲۔ نساء/۱۱۳ ۳۔ عصیدۃ الشہدہ فی شرح قصیدہ البردہ (ص۸۱)

۴۔ الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ (ص۳۷۴، حدیث ۵۳)

''مرأۃ المومنین'' میں اس حدیث کو مناقب امیر المومنینؑ میں شمار کیا ہے۔(۱)

۱۳۶۔ شہاب الدین سید محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی (وفات ۱۲۷۰) نے ''تفسیر روح المعانی'' میں حضرت علیؑ کو باب مدینۃ العلم کا نام دیا ہے۔(۲)

۱۳۷۔ شیخ سلیمان بن ابراہیم حسینی بلخی قندوزی (وفات ۱۲۹۳) نے ینابیع المودۃ میں متعدد طرق سے نقل کیا ہے۔(۳)

۱۳۸۔ شیخ سلامہ اللہ بدایونی؛

۱۳۹۔ سید احمد زینی دحلان مکی شافعی (وفات ۱۳۰۴) نے فتوحات الاسلامیہ میں؛ (۴)

۱۴۰۔ مولوی حسن الزمان نے ''القول المستحسن فی فخر الحسن'' میں؛ (۵)

۱۴۱۔ شیخ علی بن سلیمان مغربی مالکی شاذلی نے ''نفع قوت المغتذی علی صحیح ترمذی'' میں؛ (۶)

۱۴۲۔ شیخ عبدالغنی آفندی غنیمی نے سلیم محمد آفندی سے قرۃ الاعیان میں نقل کیا ہے۔

۱۴۳۔ شیخ محمد حبیب اللہ بن عبداللہ یوسفی مدنی شنقیطی مصری نے ''کفایۃ المطالب لمناقب علی بن ابی طالب'' میں؛ (۷)

توجہ:

حجۃ المجاہد میر حامد حسین موسوی لکھنوی (وفات ۱۳۰۶) کی وقیع کتاب ''عبقات الانوار'' کی پانچویں جلد میں متذکرہ حدیث کے راویوں کے بہت سے کلمات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مرأۃ المومنین (۶۷) ۲۔ روح المعانی، ج ۲۷، ص ۳

۳۔ ینابیع المودۃ، ص ۶۵، ص ۲۷، ص ۴۰۰، ص ۴۱۹، (باب ۱۴، ج ۱، ص ۶۴/۷۰/۷۱؛ باب ۶۷، ج ۳، ص ۵۲، باب ۶۹، ص ۶۷)۔

۴۔ الفتوحات الاسلامیہ ج ۲، ص ۵۱ (ج ۲، ص ۳۳۷)

۵۔ القول المستحسن فی فخر الحسن (ص ۶۵/۲۶)

۶۔ نفع قوت المغتذی علی صحیح ترمذی (ص ۱۳۹) ۷۔ کفایۃ المطالب لمناقب علی بن ابی طالب ص ۴۸

صحت حدیث پر ایک نظر

بہت سے علماء نے سند کے اعتبار سے صحت حدیث کی تصریح کی ہے، بعض نے صحت کو اختیار کیا ہے اور اکثر نے اسے حسن کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے نیز جن لوگوں نے اس پر طعن وطنز کے نشتر چلائے ہیں ان کے فاسد ہونے کی تصریح کی ہے اور اس کی تضعیف کرنے والوں کے قول کو باطل قرار دیا ہے، ان میں سرفہرست یہ ہیں:

۱۔ حافظ ابوزکریا یحیٰ بن معین بغدادی (متوفی ۲۳۳) نے صحت حدیث کی تصریح کی ہے چنانچہ خطیب ابوالحجاج فری اور ابن حجر وغیرہ نے تذکرہ کیا ہے۔(۱)

۲۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰) نے تہذیب الآ ثار میں صحیح تسلیم کیا ہے۔(۲)

۳۔ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵) نے مستدرک میں صحت کا حوالہ دیا ہے۔(۳)

۴۔ حافظ خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳)؛

۵۔ حافظ ابومحمد حسن سمرقندی (متوفی ۴۹۱) نے بحرالاسانید میں؛

۶۔ مجدالدین فیروزآبادی (متوفی ۸۱۵) نے نقد صحیح میں؛

۷۔ حافظ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱) نے جمع الجوامع میں؛

۸۔ سید محمد بخاری نے تذکرۃ الابرار میں؛

۱۔ الصواعق المحرقۃ (ص۱۲۲)

۲۔ التہذیب الآ ثار (ص۱۰۴، حدیث ۱۷۳، مسند علی)

۳۔ المستدرک علی الصحیحین، (ج۳، ص۱۳۷، حدیث ۴۶۳۷/۴۶۳۸)

۹۔ امیر محمد یمانی صنعانی (متوفی ۱۱۸۲) نے الروضۃ الندیہ میں؛
۱۰۔ مولوی حسن زمان؛(۱)
۱۱۔ ابو سالم محمد بن طلحہ قرشی (متوفی ۶۵۲)؛
۱۲۔ ابو المظفر یوسف قزاوغلی (متوفی ۶۵۴)؛
۱۳۔ حافظ ابو عبد اللہ گنجی (متوفی ۶۵۸)؛
۱۴۔ حافظ صلاح الدین علائی (متوفی ۷۶۱)؛
۱۵۔ شمس الدین محمد جزری (متوفی ۸۳۲)؛
۱۶۔ شمس الدین محمد سخاوی (متوفی ۹۰۲)؛
۱۷۔ فضل اللہ بن روزبہان شیرازی؛
۱۸۔ متقی ہندی علی بن حسام الدین (متوفی ۹۷۵)؛
۱۹۔ میرزا محمد بدخشانی؛
۲۰۔ میرزا محمد صدر العالم؛
۲۱۔ ثناء اللہ پانی پتی ہندی؛

لفظ حدیث کا تحلیلی جائزہ

عاصم سے اور انہوں نے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: خداوند عالم نے مجھے اور علی کو ایک درخت سے خلق فرمایا، میں اس درخت کا اصل واساس اور علیؑ اس کی شاخ ہیں، حسنؑ اور حسینؑ اس کے پھل اور شیعہ اس کے پتے ہیں، کیا پاک سے پاک کے علاوہ کوئی دوسری چیز باہر آتی ہے۔ پھر فرمایا: **انا مدینة العلم وعلی بابها فمن اراد المدینة فلیاتها من بابها** ''میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں پس جو شہر کا قصد رکھتا ہے اسے چاہئے کہ دروازے سے داخل ہو''۔

۱۔ القول المستحسن فی فخر الحسن ص ۲۶، ۶۵

حضرت علیؑ سے مروی حذیفہ کے الفاظ ہیں:

''انا مدینة العلم وعلی بابها ولا توتی البیوت الا من ابوابها''۔

آنحضرتؐ کے دوسرے الفاظ ہیں:

انا مدینة العلم وانت بابها کذب من زعم انه یصل الیٰ المدینة الا من قبل الباب ''میں شہر علم ہوں اور تم اس کے دروازہ ہو جو یہ خیال کرتا ہے کہ دروازے کے علاوہ بھی شہر میں پہونچا جاسکتا ہے تو وہ جھوٹا ہے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

''انا مدینة العلم وانت بابها کذب من زعم انه یدخل المدینة بغیر الباب قال الله عزّ وجل: واتوا البیوت من ابوابها''۔

ابن عباس سے مروی ہے:

''انا مدینة العلم وعلی بابها فمن اراد العلم فلیات بابه''.

سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

''یا علی انا مدینة العلم وانت بابها ولن تؤتی المدینة الا من قبل الباب''.

جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول خداؐ کو حضرت علیؑ کا دست مبارک پکڑ کر فرماتے سنا:

هذا امیر البررہ وقاتل الفجرہ منصور من نصرہ مخذول من خذله،ثم مد بها صوته فقال:انا مدینة العلم وعلی بابها فمن اراد البیت فلیات الباب ''یہ نیک خصلتوں کے رہبر و امام اور بدکاروں کے قاتل ہیں، ان کی نصرت کرنے والوں کی نصرت کی جاتی ہے اور ان کو چھوڑنے والا ذلیل و رسوا ہوا جاتا ہے۔ پھر آپ نے بلند آواز سے فرمایا: میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں پس جو شہر کا قصد رکھتا ہے اسے دروازے سے آنا چاہئے''۔

علمائے اعلام نے اپنی گرانقدر تالیفات میں دوسری احادیث بھی نقل کی ہیں جو اس حدیث کو

تقویت پہونچاتی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔انا دار الحکمة وعلی بابها۔(۱)

۲۔"انا دار العلم وعلی بابها" میں علم کا گھر اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔(۲)

۳۔"انا میزان العلم وعلی کفتاه"۔(۳)

۴۔"انا میزان الحکمة وعلی لسانه"۔(۴)

۵۔"انا المدینة وانت الباب ولایوتی المدینة الامن بابها"۔(۵)

۶۔ایک حدیث کے الفاظ ہیں: فهو باب "مدینة" علمی۔(۶)

۷۔"علی اخی منی وانا من علی فهو باب علمی ووصی"۔

۸۔"علی باب علمی ومبین لاُمّتی ما اُرسلت به من بعدی"۔(۷)

۹۔"انت باب علمی" ۔آنحضرت نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہے جسے خرکوشی، ابونعیم، دیلمی، خوارزمی، ابو العلاء ہمدانی، ابو حامد، ابوعبد اللہ گنجی اور سید شہاب الدین صاحب توضیح الدلائل اور قندوزی نے نقل کیا ہے۔

۱۰۔"یا ام سلمه! اشهدی واسمعی هذا امیر المومنین وسید المسلمین وعیبة علمی وباب الذی اوتی منه" "اے امّ سلمہ! سنو اور گواہی دو کہ یہ علیؑ مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا سردار، میرا ظرف علم اور ایسا دروازہ ہے جس سے لوگ داخل ہوتے ہیں"۔

۱۔سنن ترمذی، ج۲، ص۲۱۴، (ج۵، ص۵۹۶، حدیث ۳۷۲۳)؛ حلیة الاولیاء، ج۱، ص۶۴؛ مصابیح السنة، (ج۴، ص۱۷۴، حدیث ۴۷۷۲)
۲۔ذخائر العقبیٰ، ص۷۷، منقول از مصابیح السنة۔
۳۔فردوس الاخبار، (ج۱، ص۴۳، حدیث ۱۰۷)؛ کشف الخفاء، ج۱، ص۲۰۴، (حدیث ۶۱۸)
۴۔میبذی کی شرح "دیوان" منسوب بہ حضرت علی علیہ السلام (ص۳)
۵۔زین الفتی فی شرح سورۂ ھل اتی۔
۶۔ینابیع المودة، ص۷۱، (باب۱۴، ج۱، ص۶۹)؛ مناقب ابن مغازلی، (ص۵۰، حدیث ۷۳)؛ مناقب خوارزمی، (ص۱۲۹، حدیث ۱۴۳)
۷۔کنز العمال، ج۶، ص۱۵۶، (ج۱۱، ص۶۱۴، حدیث ۳۲۹۸۱)، سیوطی کی القول الجلی فی فضائل حضرت علی حدیث ۳۸

مندرجہ ذیل لوگوں نے اس حدیث کا اخراج کیا ہے:

ابونعیم، خوارزمی نے مناقب میں، رافعی نے تدوین میں، گنجی شافعی نے مناقب میں، حموی نے فرائد السمطین میں، حسام الدین محلی نے، شہاب الدین نے توضیح الدلائل میں اور شیخ محمد حنفی نے شرح جامع صغیر میں۔(۱)

شیخ محمد حنفی حاشیہ شرح عزیزی میں لکھتے ہیں: حدیث عیبۃ یعنی میرا ظرف علم ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے چونکہ وہ شہر علم ہے اس لئے تمام اصحاب مشکلات وصعوبات میں اس کے محتاج و نیاز مند ہیں۔

معاویہ نے بھی حضرت سے اپنی مشکلات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب کے ذریعہ اس کی مشکل حل کی جسے دیکھ کر آپ کے چاہنے والوں نے کہا: آپ دشمنوں کو کیوں جواب دے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ وہ لوگ ہمارے محتاج و نیاز مند ہیں۔

حضرت عمر نے مشکلات کے وقت انہیں کی پناہ پکڑی اور کہا: خدا مجھے باقی نہ رکھے جب میں یہ محسوس کروں کہ لوگوں کے درمیان حضرت علیؑ موجود نہیں۔ یا خدا سے یہ دعا کی: علیؑ کے بعد میں زندہ نہ رہوں۔

اس کے بعد بعض قضاوتوں کو ذکر کیا جس میں حدیث عیبۃ بھی ہے کہ عمر نے ایک بدکار حاملہ عورت کے متعلق سنگسار کرنے کا حکم جاری کر دیا (تفصیل آگے آئے گی) اس وقت عمر نے کہا: **''لولاک علی لھلک عمر''**۔(۲)

مناوی فیض القدیر میں لکھتے ہیں: **علی عیبة علمی**، علی میرا ظرف علم ہے یعنی میری روشن گوئی کا محل گمان، میرے اسرار و رموز کی جایگاہ اور میری اشیاء کا معدن ہے۔ عیبہ یعنی ایسا ظرف جس میں قیمتی چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔(۳)

۱۔ مناقب خوارزمی، (ص۱۴۲، حدیث۱۶۳)؛ التدوین فی اخبار قزوین (ج۱، ص۸۹)؛ کفایۃ الطالب (باب۴۸ ص۱۹۸)؛ فرائد السمطین (باب۲۹ ج۱ ص۱۵۰ حدیث۱۱۳)؛ حاشیۃ الحفنی علی شرح الجامع الصغیر، (ج۲ ص۴۵۸)

۲۔ حاشیۃ شرح العزیزی، ج۲، ص۴۱۷

۳۔ فیض القدیر، ج۴، ص۳۵۶

شرح قصیدۂ ہمزیہ میں ہے:

معاویہ حضرت علیؑ کے پاس خطوط بھیج کر ان سے مشکل مسائل کا حل دریافت کر لیتا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ کے ایک فرزند نے کہا: آپ اپنے دشمن کو جواب ارسال کر رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: کیا یہ کافی نہیں کہ دشمن ہمارا محتاج ہے اور ہم سے سوال پوچھ رہا ہے۔(۱)

۱۱۔ ''انا مدینۃ الفقہ وعلی بابھا'' میں فقہ و دانش کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔(۲)

۱۔ شرح الھمزیہ، (ص ۱۹۲)

۲۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۹، (ص ۴۸)؛ تنزیہ الشریعۃ، (ج ۱، ص ۳۷۷، حدیث ۱۰۳)

اے کاش! اس نیرنگ زمانہ کو نہ دیکھتا

میں حیران ہوں، اس روشن فکر اور آزاد خیال انسان کے بارے میں کیا کہوں جو اپنے آپ کو دین اسلام کا ایک فقیہ کہتا ہے لیکن حضرت علیؑ کی وراثت علمی کے متعلق مروی صحیح الاسناد احادیث و روایات، جنہیں ہم نے یہاں اور کچھ تیسری جلد میں پیش کیا، سے چشم پوشی کرتے ہوئے امت و صحابہ بلکہ عہد حاضر تک کے تمام افراد میں امیر المومنین حضرت علیؑ سے بھی زیادہ عالم و فقیہ کی نشاندہی کرتا ہے۔

میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں جس نے شرم آگیں، بیہودہ اور بے بنیاد مطالب پر مشتمل ایک کتاب تالیف کر کے انجام سے بے خبر اس کا نام ''الوشیعہ'' رکھا ہے۔ وہ اس کے نقصانات سے بھی وحشت زدہ نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ شیعوں کی تردید پر اپنے ہم مسلکوں میں کہیں زیادہ خوش و خرم ہے۔

وہ احمق نہیں جانتا کہ اس جھوٹ اور ''وشیعہ'' نامی افترا پردازی کے ذریعہ ان کی نیک نامی اور تاریخی چہرے کو تاریک کرنے کا مرتکب ہو رہا ہے، اسے اس بات کا احساس نہیں کہ جستجو کا خوگر ذہین طالب علم اس کی دروغ گوئی اور تہمت طرازیوں کا پردہ فاش کر کے رسوا کر سکتا ہے۔

وہ کہتا ہے:

''عمر اپنے دور میں بطور مطلق تمام اصحاب میں اعلم اور فقیہ تھے، وہ قرآن و حدیث کے سلسلے میں تمام فقہاء میں معرفت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، پوری زندگی کتاب و سنت پر عمل پیرا رہے، وہ سنت کی معرفت رکھتے تھے اور معانی قرآن کو پوری طرح سمجھتے تھے''۔

متذکرہ جملے یاوہ گوئی کے مجموعہ ''الخلافۃ الراشدہ'' سے تحریر کئے گئے ہیں، درحقیقت ہم عمر بن خطاب کے فقہ وعلم کے منکر نہیں ہیں اس لئے کہ جس مسلمان نے رسول کا نورانی عہد درک کیا ہے، ان کے ہمراہ زندگی گذاری ہے اور اگر وہ بازار میں دلالی وچمچہ گیری کی وجہ سے مصروف ومشغول نہیں رہا ہے تو وہ یقیناً عالم وفقیہ ہوگا۔ ہمارا مطمع نظر تو صرف یہ ہے کہ ہم اس شخص کی بکواس کا کچا چھٹا پیش کریں اور کتب تاریخ کے متون سے حقیقت حال کا پردہ فاش کریں۔ اس شخص نے جن باتوں سے صرف نظر کیا ہے اس کی طرف تاریخ صحیح ہمیں متوجہ کرتی ہے چنانچہ تاریخ کے جھروکوں سے خود خلیفۂ محترم کی بات ہماری سماعت سے ٹکراتی ہے: **کُلّ الناس افقه من عمر حتی ربات الحجال** ''یعنی تمام انسان عمر سے زیادہ عالم وعقلمند ہیں یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین بھی''۔

لہٰذا ہم محقق کی خدمت میں ایسے آثار وکارنامے پیش کررہے ہیں جن سے راہ صواب کی معرفت کے بعد حقیقت حال سے پردہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

علم عمر کے نایاب کارنامے

ا۔ فاقد آب کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

مسلم نے اپنی صحیح میں عبد الرحمٰن بن ابزی سے چار طرق سے نقل کیا ہے: ایک شخص نے عمر کے پاس آ کر کہا: میں مجنب ہوں اور پانی بھی دستیاب نہیں ہے۔ عمر نے کہا: نماز نہ پڑھو۔

یہ سن کر عمار نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ ایک جنگ میں ہم اور آپ دونوں شریک تھے؛ ہم دونوں مجنب ہوئے اور پانی بھی دستیاب نہیں تھا تو آپ نے نماز ادا نہیں کی لیکن میں نے خاک مل کر نماز پڑھی۔

اس کے بعد رسول خداؐ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: تمہارے لئے یہی کافی ہے البتہ دونوں کف دست کو زمین پر مارو پھر پھونک مار کر اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ کا مسح کرو۔

عمر نے کہا: اے عمار! خدا سے خوف کرو۔ عمار نے کہا: اگر چاہو تو میں دوسروں سے بیان نہ کروں۔

دوسری راویت کے الفاظ ہیں: عمار نے کہا: اے امیر المومنین! چونکہ خداوند عالم نے میری گردن پر آپ کا حق رکھا ہے اس لئے اگر آپ چاہیں تو میں کسی سے بیان نہ کروں۔ چنانچہ عمار نے کسی سے بیان نہ کیا۔(۱)

ا۔ صحیح مسلم (کتاب الحیض، ج۱، ص۳۵۵، حدیث۱۱۲)؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۵۳، (ج۱، ص۸۸، حدیث۳۲۳)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۲۰۰، (ج۱، ص۱۸۸، حدیث۵۶۹)؛ مسند احمد، ج۴، ص۲۶۵، (ج۵، ص۳۲۹، حدیث۱۷۸۶)؛ سنن بیہقی، ج۱، ص۲۰۹، (ج۱، ص۱۳۳، حدیث۳۰۵/۳۰۳)

دوسری صورت: ہم عمر کے پاس تھے، ایک شخص نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! ہمیں تقریباً ایک مہینہ سے پانی دستیاب نہیں ہے۔

عمر نے کہا: جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھو۔

یہ سن عمار نے کہا: اے مسلمانوں کے رہبر! آپ کو یاد ہے ہم ایک جگہ اونٹ چرا رہے تھے، اس وقت ہم مجنب تھے؟ عمر نے کہا: ہاں، مجھے یاد ہے۔ عمار نے کہا: میں نے خود کو خاک آلود کر لیا (یعنی تیمم کے ذریعہ نماز پڑھ لی)۔

جب رسول خداؐ کی خدمت پہونچے تو ہم نے سارا ماجرا بیان کیا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا: وہ پاک مٹی تمہارے لئے کافی ہے، پھر دست مبارک کو خاک پر مارا اور پھونک مار کر دونوں ہاتھ کی ہتھیلی سے پیشانی اور ہاتھ کے بعض حصوں کا مسح فرمایا۔

عمر نے کہا: اے عمار! خدا سے ڈرو۔

عمار نے کہا: اے امیر المومنین! آپ چاہتے ہیں کہ میں جب تک زندہ رہوں کسی سے بیان نہ کروں۔

عمر نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسا ہی چاہتا ہوں، اگر تم نے کسی سے بیان کیا تب تم سے پوچھوں گا۔(۱)

تحریف اور دروغ سازی

بخاری نے اس روایت کو اپنی صحیح میں اس طرح نقل کیا ہے: کیا اپنی دونوں ہتھیلیوں پر پھونک ماری۔ بعد کے ابواب میں خلیفہ نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس میں تحریف کر دیا، اسی لئے انہوں نے عمار کے جواب "لا تصل" یا "امّا انا فلم اکن لا صلّی" کو قطعی حذف کر دیا۔(۲)

۱۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۳۱۹، (ج ۵، ص ۴۱۷، حدیث ۱۸۴۰۳)؛ سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵۳، (ج ۱، ص ۸۸، حدیث ۳۲۲)؛ سنن نسائی، ج ۱، ص ۶۰، (ج ۱، ص ۱۳۳، حدیث ۳۰)

۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۵، (ج ۱، ص ۱۲۹، حدیث ۳۳۱)

وہ اس بات سے غافل رہ گئے کہ اس حذف واضافہ کی صورت میں جناب عمار کی بات بالکل بے ربط رہ جائے گی۔

بیہقی نے اسی تحریف شدہ روایت کو ذکر کیا ہے۔(۱) نسائی نے بھی اسے نقل کیا ہے لیکن عمر کے جواب کی جگہ لکھ مارا: وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کہیں۔(۲)

بغوی نے اسے نقل کرتے ہوئے اخبار صحیحہ میں شمار کیا ہے لیکن اوائل حدیث کو حذف کر دیا اور صرف رسول خداؐ کی خدمت میں عمار کے آنے کی بات بیان کی ہے۔(۳)

ذہبی کا نظریہ ہے کہ اس روایت میں تحریف کی گئی ہے۔اس کے فوراً ہی بعد کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان سے کہا: یہ کیسے صحیح ہے کہ عمار اس طرح کی باتیں کریں، جس کی وجہ سے ان پر علم کا چھپانا جائز ہو جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کتمان علم سے مربوط نہیں ہے، کیوں کہ انہوں نے اس کی روایت کی، آپس میں ربط دیا اور خدا کا شکر کہ امیر المومنین کی مجلس میں نقل کر دیا۔ بے شک حضرت عمر نے ان کے علم کی وجہ سے ان پر مہربانی کا مظاہرہ کیا، اسی لئے انہوں نے خوف خطا کی وجہ سے زیادہ حدیث گوئی سے منع کیا تھا تا کہ کہیں لوگ حدیث وسنت میں مشغول ہو کر قرآن کو فراموش نہ کر جائیں۔(۴)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

اس مقام پر بہت سے لچر اور بیہودہ باتیں پائی جاتی ہیں جسے سادہ لوح افراد کو صحیح تاریخ سے منحرف کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔اے کاش! میں جان پاتا کہ کس چیز نے قول عمر "لا تصلّ" یا "اما انا فلم اکن لا صلّی" سے ان لوگوں کو غافل کر دیا ہے، یہ جملے حضرت عمر نے اس وقت ادا کئے جب وہ مسلمانوں کے رہبر اور پیشوا تھے اور مسئلہ بھی بہت آسان اور لوگوں کے درمیان رائج تھا؟؟

۱۔سنن بیہقی، ج۱،ص۲۰۹،(نقل از مسلم وبخاری)

۲۔سنن نسائی، ج۱،ص۶۰،(ج۱،ص۱۳۴،حدیث ۳۰۴)

۳۔مصابیح بغوی، ج۱،ص۲۶،(ج۱،ص۲۳۹،حدیث ۳۶۶)

۴۔تذکرۃ الحفاظ ج۳ص۱۵۲(ج۳،ص۹۵۱،نمبر ۸۹۷)

کس چیز نے انہیں عمار سے کی گئی بات ''اتق اللہ یا عمار '' اور اسلام میں دو طہور پانی اور مٹی کے ہوتے ہوئے شبخون میں نماز کی ادائیگی سے غافل کر دیا؟ وہ لوگ حضرت عمر کی آیہ تیمم (۱) اور کلمہ قرآن ناواقفیت کے غافل رکھا؟ انہوں نے رسول خداؐ کی تعلیم سے عمر کی نادانی کو کیسے نظر انداز کر دیا؟ کس چیز نے انھیں اس عظیم بدبختی سے غافل کر دیا کہ وہ جناب عمار اور ان کی باتوں میں پھنس کر رہ گئے۔

ہاں! یہ صحیح ہے کہ محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔

''من کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الآخرة واض سبیلا'' جو اس دنیا میں نابینا ہے اور کور باطنی کا شکار ہے، وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ محشور ہوگا۔ (۲)

عینی اور ابن حجر سے روایت میں موجود عمر کے دو جملے (**لا تصل؛ امّا انا فلم اکن لا صلّی**) کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، اسی لئے ان دونوں نے اسے عمر کا فتویٰ اور نظریہ قرار دیا ہے۔ (۳)

عینی کہتے ہیں: اس روایت کے مطابق عمر جنب شخص پر تیمم کو ضروری نہیں سمجھتے تھے چنانچہ عمار کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے: ''آپ نے نماز نہیں پڑھی''۔

وہ کہتے ہیں: ''عمر کی دانست میں آیہ تیمم حدث اصغر سے مخصوص ہے اسی لئے ان کے ذاتی اجتہاد نے حالت جنابت میں تیمم نہ کرنے پر مجبور کیا''۔

ابن حجر کا بیان ہے: یہ عمر کا مشہور و معروف فتویٰ ہے۔

متذکرہ روایت اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ رسول خداؐ کے زمانے میں بھی خلیفہ کا اجتہاد جاری و ساری تھا، جو کائنات کی ساعت تک پہونچنے والی عجیب ترین چیز ہے۔

خداوند عالم نے کس طرح دین کی تکمیل فرمائی حالانکہ تیمم کا مسئلہ رائج الوقت ہونے کے باوجود زمانہ رسالت میں لوگ اس سے ناواقف تھے؟

۱۔ (آیہ تیمم) أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ (سورۂ نساء آیت ۴۳)

۲۔ اسراء/۷۲

۳۔ عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۱۷۲، (ج ۴، ص ۱۸/۱۹)؛ فتح الباری ابن حجر، ج ۱، ص ۳۵۲، (ج ۱، ص ۴۴۳)

کیا خلیفہ کے لئے اس بات کا امکان ہے کہ وہ مسئلہ سے جاہل رہے یا اس سلسلے میں اپنے ذاتی اجتہاد کا مظاہرہ کرے؛ انہوں نے امت مسلمہ پر باب اجتہاد کیسے وا کر دیا حالانکہ ان کے درمیان رسول خداؐ موجود تھے؟

جب یہ دونوں (عمار اور خلیفہ) مجنب ہوئے تو عمار نے انہیں مطلع نہیں کیا اور ر رسول خداؐ نے رہنمائی کرتے ہوئے ان کو تیمم کی تعلیم عطا فرمائی ؟ کیا رسول خداؐ اس سے واقف نہیں تھے کہ حضرت عمر جب بھی مجنب ہوئے اور پانی دستیاب نہیں ہوا تو انہوں نے اہم ترین اور کامل ترین واجب عمل ''نماز'' کی ادائیگی نہیں کی ؟ اور کیا انہوں نے شریعت مقدس کے واجب فریضہ کی اطلاع دی ؟

کیا حضرت عمر نے اس کے بعد رسول خداؐ سے ان لوگوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جنہوں نے ان کے نظریہ کی مخالفت کی تھی ، جیسے امیر المومنین ، ابن عباس ، ابو موسی اشعری اور عبد اللہ بن مسعود کے علاوہ دوسرے بہت سے صحابہ؟

کیا فاقد آب شخص کے لئے تیمم کے قائل یہ متذکرہ افراد کا عمل مسلمہ سنت کی پیروی میں تھا یا پھر ذاتی اجتہاد؟ جس دن عمار نے خلیفۂ محترم کو سنت رسولؐ سے باخبر کیا تو کیا ان کو عمار پر اعتماد نہیں تھا اور کیا ابن مسعود نے نہیں دیکھا کہ عمر عمار کی بات سے پوری طرح مطمئن تھے؟ (۱)

کیا خلیفہ وہ روایت فراموش کر گئے جسے بخاری نے عمران بن حصین سے نقل کیا ہے: رسول خداؐ نے لوگوں کی جماعت سے الگ گوشہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو نماز نہیں پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتا؟

اس نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! میں مجنب ہوں اور پانی بھی دستیاب نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

۱۔ صحیح بخاری، (ج۱، ص۱۳۲، حدیث ۳۳۸)؛ صحیح مسلم، (ج۱، ص۳۵۴، حدیث ۱۱۰، کتاب الحیض)؛ سنن بیہقی، ج۱، ص۲۲۶؛ تیسیر الوصول ج۳، ص۹۷، (ج۳، ص۱۱۴، حدیث ۶)

تم مٹی استعمال کرو تمہارے لئے یہی کافی ہے۔(۱)

کیا خلیفۂ محترم وہ روایت بھول گئے جسے سعید بن میسّب نے ابو ہریرہ سے نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص نے رسول خداؐ کی خدمت میں آ کر کہا: ہم ایک صحرا میں تھے، ہمارے درمیان حائض، نفساء اور مجنب عورتیں تھیں، پانی نہ ہونے کی وجہ سے تقریباً چار ماہ ایسے ہی رہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تمہارے لئے مٹی کافی ہے (یعنی تم لوگ تیمم کے ذریعہ واجبات کی ادائیگی کر سکتے ہو)۔

ایک دوسری روایت میں ہے: رسول خداؐ کی خدمت میں کچھ عربی آئے اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! ہم صحرا میں زندگی بسر کرتے ہیں، تقریبا تین چار مہینے سے پانی دستیاب نہیں ہے، ہمارے درمیان حائض، نفساء اور مجنب عورتیں بھی موجود ہیں، ہم اپنے فرائض کیسے بجالائیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: تمہارے لئے زمین (تیمم) کافی ہے۔

اعمش کے الفاظ ہیں: کچھ عرب رسول خداؐ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے: یا رسول اللہؐ! ہم صحرا میں رہتے ہیں، تقریباً دو تین مہینے سے پانی دستیاب نہیں ہے، حالانکہ ہمارے ساتھ کچھ حائض اور نفساء عورتیں بھی ہیں، ہم اپنے فرائض کیسے بجالائیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: تمہارے لئے خاک کی طہارت کافی ہے۔(۲)

کیا ان کے گوشۂ ذہن میں رسول خداؐ کی وہ روایت نہیں تھی جسے جناب ابوذر نے نقل کیا ہے:

میں اپنے عیال کے ساتھ تھا اور پانی سے بہت دور تھا، اسی دوران میں مجنب ہو گیا اور طہارت کے بغیر نماز پڑھ لی، تقریبا ظہر کے وقت رسول خداؐ کی خدمت میں پہونچا، آپ کچھ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۱۲۹، (ج۱، ص۱۳۴، حدیث۳۴۱)؛ صحیح مسلم، (ج۲، ص۱۳۱، حدیث۳۱۲، کتاب المساجد)؛ مسند احمد، ج۴، ص۴۳۴، (ج۵، ص۶۰۰، حدیث۱۹۳۹۷)؛ سنن نسائی، ج۱، ص۱۷۱، (ج۲، ص۱۳۶، حدیث۳۱)؛ سنن بیہقی، ج۱، ص۲۱۹؛ تیسیر الوصول ج۳، ص۹۸، (ج۳، ص۱۱۵، حدیث۱۱)

۲۔ سنن بیہقی، ج۱، ص۲۱۶/۲۱۷

میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! میں تباہ و برباد ہو گیا۔ آنحضرت نے پوچھا: کیا ہوا؟ میں نے سارا ماجرا بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے طہارت کے بغیر نماز پڑھ لی۔

رسول خداؐ نے حکم دیا کہ میرے لئے پانی کی سبیل کی جائے، ایک سیاہ کنیز ایک ظرف میں پانی لے کر آئی، میں نے شتر کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور واپس خدمت رسول میں پہونچا۔ آنحضرت نے فرمایا: اے ابوذر! پاک مٹی، طاہر اور پاک کرنے والی ہے، چاہے دس سال تک پانی سے محروم رہو۔ اس کے بعد جب بھی پانی دستیاب ہو اسے اپنے بدن پر ڈال لو۔ (۱)

کیا وہ اسقع کی روایت سے بھی ناواقف تھے، جس میں اسقع کا بیان ہے: میں رسول خداؐ کے لئے بار برداری کا کام انجام دیتا تھا، اسی دوران مجنب ہو گیا، آنحضرت نے فرمایا: اے اسقع! میرا سامان لے جاؤ۔ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں مجنب ہوں اور پانی کی کوئی سبیل بھی نہیں ہے، میں کیا کروں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے اسقع! میرے ساتھ آؤ میں تمہیں تیمم کی اسی طرح تعلیم دوں جس طرح جبرئیل نے مجھے تعلیم دی ہے، اس کے بعد آنحضرتؐ نے مجھے تیمم کا طریقہ سکھایا۔ (۲)

ان تمام باتوں سے قبل خود قرآن میں تیمم کے سلسلے میں دو آیتیں موجود ہیں:

۱۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ ''ایمان والو! خبردار نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک کہ ہوش نہ آجائے کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی مگر یہ کہ راستہ سے گزر رہے ہو جب تک غسل نہ کر لو اور اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں

۱۔ سنن بیہقی، ج۱، ص۲۱۷، ۲۲۰

۲۔ تاریخ خطیب بغدادی، ج۸، ص۲۷۷، (نمبر ۴۳۷۷)

ہو اور کسی کے پیخانہ نکل آئے یا عورتوں سے باہمی جنسی ربط قائم ہو جائے اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو اس طرح کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو بیشک خدا بہت معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے''۔(۱)

امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں: یہ آیت مسافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کرتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اور جب پانی مل جاتا ہے تو غسل کرلیتا ہے۔(۲)

۲۔﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ﴾ ''ایمان والو جب بھی نماز کے لئے اٹھو تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھو اور اپنے سر اور گٹے تک پیروں کا مسح کرو اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرو اور اگر مریض ہو یا سفر کے عالم میں ہو یا پیخانہ وغیرہ نکل آیا ہے یا عورتوں کو باہم لمس کیا ہے اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو اس طرح کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلو''۔(۳)

مذکورہ بالا سورۂ نساء کی آیت میں ملامسہ سے مراد ''آمیزش'' ہے، چنانچہ امیرالمومنینؑ، ابن عباس اور اشعری سے یہی منقول ہے اور اس مسئلے میں حسن بصری، عبیدہ، شعبی اور دوسرے افراد نے ان کی پیروی کی ہے، یہ ان تمام افراد کا نظریہ ہے جنہوں نے عورت سے مباشرت میں وضو کی ممانعت کی ہے جیسے ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد، زفر، ثوری اور اوزاعی وغیرہ۔

اس کی علت یہ ہے کہ خداوند عالم نے حکم جنابت کو پانی کی موجودگی پر مقدم رکھا ہے یعنی پہلے

۱۔سورہ نساء/۴۳

۲۔سنن بیہقی، ج۱، ص۱۱۶

۳۔سورہ مائدہ/۹

فرمایا: ﴿حَتّىٰ تَغْسِلُوا﴾ ''یہاں تک کہ جب تم غسل کرو''۔ پھر فرمایا: ﴿فَاطَّهَّرُوا﴾ ''پس طہارت کرو''۔ اس کے بعد پانی کے عدم استعمال کی صورتیں مثلاً بیماری، مسافرت یا پانی کی عدم موجودگی وغیرہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ یہاں اپنے قول ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ کے ذریعہ حدث اصغر کے ذکر سے گریز فرمایا ہے۔

پھر حکم جنابت کو ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ کے ذریعہ بیان فرمایا۔ اگر جماع کے علاوہ کوئی دوسری چیز مقصود ہوتی تو اسے اپنے ماقبل سے علحدہ طور پر بیان کیا جاتا۔

جماع کو لمس سے تعبیر کیا گیا ہے جو ملامسہ اور آمیزش کا ہم ردیف ہے۔(۱) جس سے ہمیشہ جماع کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی دوسری آیتیں اس بات پر دلالت کررہی ہیں:

۱۔ ﴿لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ﴾ ''اگر تم نے اپنی بیبیوں کو ہاتھ تک نہ لگایا ہو اور اس سے قبل ہی تم نے ان کو طلاق دے دیا ہو تو تم پر کچھ (مزا) ہی نہیں''۔(۲)

۲۔ ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ﴾ ''اگر تم نے لمس (آمیزش) سے قبل طلاق دے دیا''۔(۳)

۳۔ ﴿ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ﴾ ''پھر جماع و آمیزش سے قبل تم نے ان کو طلاق دے دیا''۔(۴)

اہلسنت کے بعض فقہاء نے اس سلسلے میں بہت کچھ کہا ہے جو حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہیں، ہم ان میں سے صرف ابی بکر جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) کے قول پر اکتفا کررہے ہیں، وہ کہتے ہیں:

۱۔ لسان العرب، (ج ۱۲، ص ۳۲۶)؛ تاج العروس، (ج ۴، ص ۲۴۸)

۲۔ سورہ بقرہ/۲۳۶

۳۔ سورہ بقرہ/۲۳۷

۴۔ سورہ احزاب/۴۸

''آیۂ مبارکہ ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا﴾ میں موجود ''ملامسہ'' کے سلسلے میں متقدمین نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہے، جیسے ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، حسن، عبیدہ اور شعبی کہتے ہیں: یہ جماع و آمیزش کا کنایہ ہے، ان کی نظر میں اپنی عورت کو لمس کرنے والے شخص پر وضو واجب نہیں ہے۔

لیکن عمر اور عبداللہ ابن مسعود کا بیان ہے کہ اس سے مراد ہاتھوں کا لمس ہے ان کی نظر میں عورت کو چھونے والے پر وضو واجب نہیں ہے اور نہ مجنب پر تیمم۔

لہٰذا جن صحابہ نے مخصوص جماع و آمیزش کی تاویل کی ہے انہوں نے اس آمیزش پر وجوب وضو کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور جن لوگوں نے اسے ہاتھ سے لمس پر حمل کیا ہے انہوں نے عورت کو چھونے پر وضو کو واجب قرار دیتے ہوئے مجنب پر حرمت تیمم کا فتویٰ دیا ہے۔(۱)

پھر ثابت کیا ہے کہ عورت کو چھونے پر وضو واجب نہیں، چاہے از روی شہوت ہو یا غیر شہوت۔

اس کے بعد کہتے ہیں: یہاں لمس سے جماع اور مخصوص آمیزش کا احتمال ہوتا ہے، چنانچہ حضرت علی، ابن عباس اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ نے یہی تاویل کی ہے اور ہاتھ سے لمس کا بھی احتمال ہوتا ہے چنانچہ عمر اور عبداللہ ابن مسعود سے یہی مروی ہے۔

اسی لئے رسول خداؐ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بعض بیبیوں کو بوسہ دیا پھر بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ یہ روایت خدائے متعال کے مقصود کو واضح کرتی ہے۔

دوسری صورت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس (ملامسہ) سے مراد ''جماع و آمیزش'' ہے، اس لئے کہ لمس درحقیقت ہاتھ سے محقق ہوتا ہے، چونکہ اس کی اضافت دوسری چیز کی طرف دی گئی ہے اس لئے ملامسہ سے جماع اور آمیزش ہی لازم آتا ہے، جیسے راستہ چلنے میں ''وطیٔ'' (پائمال) پیروں کے ذریعہ محقق ہوتا ہے چونکہ اس کی اضافت عورت کی طرف دی گئی ہے اس لئے غیر از جماع مراد لینا غیر معقول ہے۔

۱۔احکام القرآن، ج۲، ص۴۵۰/۴۵۶، (ج۲، ص۳۶۹)

اس کے علاوہ رسول خداؐ نے اخبار صحیحہ میں حکم فرمایا ہے کہ مجنب کو تیمم بجالانا چاہیے اور جب رسول خداؐ سے کوئی حکم صادر ہو اور آیت کے الفاظ بھی اس پر دلالت کریں تو وہ فعل واجب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ رسول خداؐ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور آیۂ مبارکہ ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا ﴾(۱) بھی اسی حکم پر دلالت کرتی ہے تو ایسی صورت میں یہ فعل حکیمانہ اور معقول قرار پائے گا۔

اسی طرح تمام احکام اور قوانین کو رسول خداؐ نے کتاب خدا سے اخراج فرمایا ہے۔

اور ''لامستم'' سے مراد جماع ہے، صرف ہاتھ سے چھونا مراد نہیں ہے، اس بات پر خداوند عالم کا ارشاد بھی دلالت کر رہا ہے: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ.. وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ اور اسے آیۂ مبارکہ ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ.. ﴾ پر عطف کیا اور پھر فرمایا: ﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا ﴾ یعنی خداوند عالم نے حدث کے حکم کی، پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں تکرار فرمائی ہے۔

اس طرح ﴿أَوْ لامَسْتُمُ النِّسَاءَ ﴾ کو جنابت پر حمل کرنا واجب ہو جاتا ہے تاکہ آیۂ کریمہ پانی کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں حالتوں کی بیان گر ہو۔

اگر ہاتھ سے لمس کرنا مقصود ہوتا تو ذکر تیمم حدث کی حالت پر منحصر ہوتا نہ جنابت پر، تو پانی نہ ہونے کی صورت میں جنابت کے لئے مفید نہ ہوتا جب کہ آیۂ شریفہ کو ایک فائدے کے بجائے دو فائدوں پر حمل کرنا زیادہ بہتر ہے اور چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے جماع مراد ہے، اس لئے ہاتھ سے لمس کرنے کی بات منتفی ہو جاتی ہے۔

اس مقام پر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اگر اسے ہاتھ سے لمس پر حمل کیا جائے تو وہ لمس حدث کا بھی فائدہ پہونچائے گا اور اگر صرف جماع پر حمل کیا جائے گا تو دوسرا فائدہ مفقود ہو جائے گا، لہٰذا دو فائدوں کے اعتبار سے آپ کے قضیہ پر لازم یہ آتا ہے کہ اسے دونوں پر حمل کیا جائے تو اس سے لمس حدث،

۱۔ سورہ مائدہ/۳۸

مجنب کے لئے جواز تیمم کا فائدہ دے گا۔

اگر دونوں پر حمل کرنا جائز نہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ متقدمین اتفاق رکھتے ہیں دونوں امر مراد نہیں ہے اور ایک ہی لفظ کا حقیقت ومجاز اور کنایہ وصریح ہونا ممنوع ہے، اسی طرح ہم ایک جدید فائدہ کے اثبات میں آپ کے مساوی وہم پلّہ ہوگئے وہ یہ کہ ہاتھ سے لمس کو حقیقت لفظ پر محمول کریں تو مجنب کے لئے تیمم بہتر نہیں محسوس نہیں ہوتا؟؟

جواب: خدا کا ارشاد: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ..﴾ پانی کی موجودگی کی صورت میں تمام حدث کے حکم کا افادہ پہونچاتا ہے اور ساتھ ہی جنابت کی بھی تصریح ہوتی ہے۔ خداوندعالم کے ارشاد﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنكُمْ مِنَ الْغَائِطِ..﴾اور﴿أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾میں بہتر یہ ہے کہ پانی کی موجودگی میں حدث اور جنابت دونوں پر حمل کیا جائے جیسا کہ ابتدائے آیت میں پانی کی موجودگی کی صورت میں دونوں کے حکم کو ثابت کیا گیا ہے اور آیت میں تمام نجاستوں کا تفصیلی بیان نہیں ہے وہ فقط حکم جنابت کو بیان کررہی ہے، حالانکہ تم نے لمس کو حدث پر حمل کر کے ظواہر سے اجتناب کرلیا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں ہمارا بیان زیادہ بہتر ہے۔

آیت کے مفہوم کے سلسلے میں ہمارے نظریہ پر ایک دوسری دلیل بھی ہے، وہ یہ کہ متذکرہ آیت کی دوطریقے سے قرأت کی گئی ہے: ﴿أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاءَ، لَمَسْتُم﴾ جس نے ﴿او لاَمَسْتُمْ﴾ قرأت کی ہے اس سے جماع مراد ہے نہ دوسرا معنی، کیوں کہ دو افراد کی موجودگی کے بغیر مفاعلہ متحقق نہیں ہوسکتا، ہاں! چند امور مستثنیٰ ہیں، جیسے خداوندعالم کا ارشاد: ﴿قاتله الله وجازاه وعافاه الله﴾ اس کے علاوہ کچھ دوسرے الفاظ ہیں جو اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن مفاعلہ میں اصل یہ ہے کہ دو افراد پائے جائیں جیسے عرب کا قول "قاتله، ضاربه، سائمه، صالحه وغیرہ"۔

لہٰذا اس لفظ کے حقیقی معنی کے پیش نظر﴿ او لاَمَسْتُمْ﴾ کو جماع پر حمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے جو مرد وعورت دونوں کی مشارکت سے انجام پاتا ہے۔

یہ بات بھی مسلم ہے کہ عرب کبھی یہ نہیں کہتے: لامست رجل "میں نے ایک مرد کو لمس کیا"

لامست الثوب ''میں نے لباس کولمس کیا''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿لامَسْتُمْ﴾ ﴿اوجامعتم النساء﴾ کے معنی میں ہے جس کی حقیقت جماع ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ﴿او لامَسْتُمْ﴾ کی قرأت میں لمس بادست اور جماع دونوں کا احتمال ہے تو مناسب یہ ہے کہ جس معنی کا زیادہ احتمال پایا جارہا ہے اس پر حمل کیا جائے۔ اس لئے کہ جس کلمہ کا ایک معنی ہو اسے محکم کہتے ہیں اور جس میں دو معانی کا احتمال پایا جائے اسے متشابہ کہا جاتا ہے۔

خداوند عالم نے متشابہ کو محکم پر حمل کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ﴾ ''وہ خدا ایسا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس کی بعض آیتیں تو محکم ہیں وہی اصل کتاب ہیں''۔(۱)

چونکہ محکم کو متشابہ کے لئے اصل واساس قرار دیا گیا ہے اور ہمیں حکم ہوا ہے کہ متشابہ آیات کو محکم پر حمل کریں۔ جو لوگ احکامات کے حصول میں متشابہ آیات پر اکتفا کرتے ہیں ان کی مذمت کرتے ہوئے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ ''جن کے دلوں میں انحراف اور بے راہ روی ہے وہ متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں''۔(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ ﴿او لَمَسْتُمْ﴾ دو معنوں پر حمل ہونے کی وجہ سے متشابہ ہے اور ﴿او لامَسْتُمْ﴾ ایک ہی معنی ومفہوم ہونے کی وجہ سے محکم ہے لہٰذا ضروری ہے کہ محکمات، متشابہات کو واضح وروشن کریں۔

لمس (چھونا) حدث نہیں ہے، اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ حدث کے سلسلے میں مرد وعورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر کوئی عورت دوسری عورت کو چھولے تو یہ حدث نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی مرد دوسرے مرد کو چھولے یا مرد وعورت ایک دوسرے کو بھی چھولیں تو یہ حدیث نہیں ہے۔

آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ خلیفہ کا نظریہ قرآن، سنت، اجماع امت اور اجتہادِ محض کے برخلاف

۱۔سورہ آل عمران/٦

۲۔سورہ آل عمران/۷

ہے اس لئے امت مسلمہ نے روز اوّل ہی سے ان کی مخالفت کی ہے اور سب نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ جس مجنب کو پانی دستیاب نہیں اس پر تیمم واجب ہے، عبداللہ ابن مسعود کے علاوہ کسی اور نے عمر کے ذاتی اجتہاد کی پیروی نہیں کی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آیۂ تیمم کے سلسلے میں متذکرہ اجتہاد اور ﴿لامستم﴾ کے قول کی تاویل وتوجیہ، تابعین اور ایسے افراد کے جہل کا نتیجہ ہے جو عمر کے بعد عالم وجود میں آئے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کے مفاد پر تمام اصحاب کو اتفاق رہا ہے، اس سلسلے میں وہ سب ایک زبان تھے، صرف عمر اور ان کے اکلوتے پیروکار (عبداللہ بن مسعود) نے پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں مجنب کے لئے تیمم کو ناپسند کیا ہے۔

شقیق کا بیان ہے: میں، عبداللہ ابن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ کے ساتھ تھا، ابوموسیٰ اشعری نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص مجنب ہو اور ایک مہینہ تک پانی میسر نہ ہو تو وہ نماز کیسے بجالاتا ہے؟ ابن مسعود نے کہا: چاہے ایک مہینہ تک پانی نہ ملے اسے تیمم نہیں کرنا چاہئے۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: قرآن مجید کی آیۂ مبارکہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ کی کیا توجیہ کروگے؟

عبداللہ ابن مسعود نے کہا: اس آیت میں اجازت دی گئی ہے کہ اگر پانی سرد ہو جائے تو مٹی پر تیمم کیا جاسکتا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: اس سے صرف تیمم کی کراہت ثابت ہوتی ہے اور بس۔

عبداللہ ابن مسعود نے کہا: ہاں۔

ابوموسیٰ اشعری نے عبداللہ ابن مسعود سے کہا: کیا تم نے عمار کی بات نہیں سنی جو اس نے عمر سے کہی تھی کہ رسول خداؐ نے مجھے ایک جگہ روانہ کیا، وہاں میں مجنب ہوگیا اور پانی بھی موجود نہیں تھا جس سے غسل کرتا اسی لئے میں نے جانوروں کی طرح خود کو خاک آلود کرلیا۔

جب سارا واقعہ آنحضرتؐ سے بیان کیا تو فرمایا: تمہارے لئے یہی کافی ہے پھر انہوں نے دونوں

ہاتھوں کو زمین پر مارا، اس کی مٹی جھاڑ کر اپنے بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ کی پشت کا مسح کیا اور پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت کا مسح کیا اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کا مسح فرمایا۔

عبداللہ ابن مسعود نے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عمر عمار کے بیان سے مطمئن نہیں تھے۔

بخاری کی دوسری صورت

شقیق کا بیان ہے: میں، عبداللہ ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری کے پاس تھا، ابو موسیٰ اشعری نے کہا: اے عبداللہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اگر کوئی مجنب ہو اور پانی بھی دستیاب نہ ہو تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

عبداللہ ابن مسعود نے کہا: جب تک پانی کی سبیل نہ ہو اس کے اوپر سے نماز ساقط ہے۔

ابو موسیٰ اشعری نے کہا: ایسی صورت میں عمار کے بیان کا کیا کرو گے کہ جب رسول خداؐ نے فرمایا: تمہارے لئے کافی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مار کر اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو؟

عبداللہ ابن مسعود نے کہا: لیکن عمر اس حدیث سے مطمئن نہیں تھے۔

ابو موسیٰ اشعری نے کہا: عمار کی روایت کو چھوڑو، تیمم سے متعلق آیۂ شریفہ کا کیا کرو گے؟

عبداللہ ابن مسعود لاجواب ہو کر کہنے لگے: ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ اگر پانی سرد ہو جائے تو غسل چھوڑ کر تیمم کرنا چاہئے۔ یہ سن کر میں (ابو موسیٰ) نے شقیق سے کہا: اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلے میں عبداللہ بن مسعود کراہت کے قائل ہیں؟ شقیق نے کہا: ہاں۔ (۱)

۲۔ احکام شکیات سے خلیفہ کی جہالت

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں مکحول سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جب بھی تم میں

۱۔ صحیح بخاری ج۱ص۱۲۸/۱۲۹ (ج۱ص۱۳۲حدیث۳۳۹)؛ صحیح مسلم، ج۱ص۱۱۰ (ج۱،ص۳۵۴ حدیث۱۱ کتاب الحیض)؛ سنن ابی داؤد ج۱ص۵۳، (ج۱ص۸۷، حدیث۳۲۱)؛ تیسیر الوصول ج۲ص۹۷ (ج۳ص۱۱۴)؛ سنن بیہقی ج۱ص۲۲۶

سے کوئی اثنائے نماز شک کرے پس اگر ایک اور دو میں شک ہو تو اسے رکعت اول قرار دینا چاہئے، دو اور تین میں شک ہو تو رکعت دوم قرار دینا چاہئے، تین اور چار میں شک ہو تو اسے رکعت سوم قرار دینا چاہئے، یہاں تک کہ اگر زیادہ رکعتوں میں شک ہو تو سلام سے پہلے دو سجدے بجالا کر سلام انجام دینا چاہئے۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے: حسین بن عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ کیا اس کی نسبت تمہاری طرف دی گئی ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا: لیکن اس نے تو مجھ سے کہا ہے کہ ابن اسحاق نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ میں عمر بن خطاب کے پاس بیٹھا تھا کہ انہوں نے کہا: ابن عباس! اگر کسی مرد کو نماز میں شک وشبہ ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ زیادہ انجام دیا ہے یا کم (تو کیا کرنا چاہئے)؟

میں نے کہا: امیر المومنین! کیا آپ اس مسئلے سے واقف نہیں ہیں؟

عمر نے کہا: خدا کی قسم! کچھ نہیں جانتا۔

بیہقی کے الفاظ ہیں: خدا کی قسم! میں نے رسول خداؐ سے اس سلسلے میں کچھ نہیں سنا ہے۔

ہم ابھی اسی پس وپیش میں تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے آ کر کہا: آپ لوگ کس مسئلے پر بحث کر رہے ہیں؟

عمر نے کہا: ہم شکیات نماز کے سلسلے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: میں نے رسول خداؐ سے یہ حدیث سنی ہے۔(۱)

مسند احمد کی دوسری عبارت:

ابن عباس سے مروی ہے کہ عمر نے مجھ سے کہا: اے جوان! کیا تم نے رسول خداؐ یا کسی صحابی سے سنا ہے کہ اگر نماز کے درمیان شک ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ابھی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے آ کر کہا: آپ لوگ کس مسئلے پر بات کر رہے ہیں؟

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج۱، ص۱۹۳، (ج۱، ص۳۱۷، حدیث ۱۶۸)

عمر نے کہا: میں نے اس جوان سے دریافت کیا کہ کیا تم نے رسول خداؐ یا کسی صحابی سے شکیات نماز کے متعلق کوئی حدیث سنی ہے، عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: میں نے رسول خداؐ کو فرماتے سنا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو نماز کے درمیان شک ہو......الخ۔(۱)

کیا آپ کو خلیفہ پر تعجب نہیں جو شکیات نماز سے بھی واقف نہیں ہیں حالانکہ شب و روز پانچوں میں اس سے سابقہ پڑا رہتا ہے اور رسول خداؐ سے سوال بھی نہیں کرتے تاکہ وہ ایک جوان سے عمل رسولؐ کے بارے میں سوال کرنے سے بچ جائیں۔

میں نہیں جانتا کہ مومنین کو نماز پڑھاتے وقت کسی نماز میں شک ہوا ہوگا تو انہوں نے کیا کیا ہوگا؟ اور یہ بھی طے ہے کہ انسان فطری طور پر ان امور میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

میں ایسے شخص کی اعلمیت پر حیرت زدہ اور مبہوت ہوں جس کے علم اور احکام پر اس کی وسعت علمی کی یہ کیفیت ہے؟؟ آفرین ہے اس امت پر جس کے اعلم کی شان و منزلت یہ ہے۔

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾

''یہ بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے کہ یہ جھوٹ کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں کرتے''۔(۲)

۳۔ کتاب خدا سے خلیفہ کی نادانی

حافظ ابن ابی حاتم اور بیہقی نے دئلی سے نقل کیا ہے:

عمر بن خطاب کے پاس ایک ایسی عورت لائی گئی جس کے یہاں چھ ماہ میں ولادت ہوئی تھی؛ انہوں نے اُسے سنگسار کرنے کا حکم صادر کردیا۔

۱۔مسند احمد، ج۱،ص۱۹۰/۱۹۵،(ج۱،ص۳۱۲،حدیث ۱۶۵۹ص ۳۱۹،حدیث ۱۶۹۱)؛سنن بیہقی، ج۲،ص۳۳۲

۲۔سورہ کہف/۵

جب یہ واقعہ علی بن ابی طالبؑ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: اس عورت پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی۔ عمر نے ایک شخص کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر سوال کیا کہ اس عورت کو سنگسار نہ کرنے کی علت کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ "ماؤں کو چاہئے کہ وہ دو سال مکمل دودھ پلائیں"۔(۱) اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ "حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہیں"۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ مہینے حمل کی مدت اور دو سال دودھ پلانے کی مدت ہوتی ہے اور دونوں کی مجموعی مدت تیس مہینے ہوتی ہے۔

یہ سن کر عمر نے اس عورت کو آزاد کر دیا۔

حاکم نیشاپوری اور حافظ گنجی کے الفاظ ہیں: عمر نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: لولا علی لهلک عمر "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔

سبط بن جوزی کے الفاظ ہیں: عمر نے اس عورت کو آزاد کرتے ہوئے کہا: اللّهم لا تبقی لمعضلة لیس لها ابن ابی طالب "خدایا! مجھے ایسی مشکل میں نہ چھوڑ دینا جسے حل کرنے کے لئے علی ابن ابی طالبؑ نہ ہوں"۔

دوسری صورت:

حافظ عبد الرزاق، عبد اللہ بن حمید اور ابن منذر نے دئلی سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے عمر بن خطاب کی خدمت میں ایک ایسی عورت کا واقعہ بیان کیا جس کے یہاں چھ مہینے میں ولادت ہوئی تھی؛ عمر نے اسے سنگسار کرنا چاہا یہ دیکھ کر اس عورت کی بہن نے علی بن ابی طالبؑ کی خدمت میں عرض کی: عمر میری بہن کو سنگسار کرنا چاہتے ہیں، میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ میری بہن کو بچا لیجئے۔

۱۔ سورہ بقرہ/۲۳۳

۲۔ سورہ احقاف/۱۵

حضرتؑ نے فرمایا: بے شک اس کے بچنے کی صورت موجود ہے، اس عورت نے اللہ اکبر کی ایسی صدا بلند کی کہ عمر اور آس پاس بیٹھے تمام لوگوں نے سنی، وہ عورت عمر کے پاس آ کر کہنے لگی، حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میری بہن کے بچنے کی صورت ہے۔ عمر نے حضرت علیؑ کو بلا کر سوال کیا کہ اس عورت کے بچنے کی کیا صورت ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

خدا کا ارشاد ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ ''ماؤں کو چاہئے کہ وہ دو سال مکمل دودھ پلائیں''۔(۱) اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ ''حمل اور دودھ پلانے کی مدّت تیس مہینے ہیں''۔(۲)

اس طرح حمل کی مدت چھ مہینے قرار پاتی ہے۔ یہ سن کر عمر نے اس عورت کو آزاد کر دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس عورت نے چھ مہینے میں ایک دوسرے بچے کو جنم دیا۔(۳)

تیسری صورت:

حافظ عقیلی اور ابی سمان نے ابی جزم بن اسود سے نقل کیا ہے کہ عمر نے چھ مہینے میں بچہ پیدا کرنے والی ایک عورت کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

خدا فرماتا ہے: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ ''حمل اور دودھ پلانے کی مدّت تیس مہینے ہیں''۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ ''اور دو سال میں اس کی دودھ بڑھائی ہوئی''۔

اس طرح حمل کی مدت چھ مہینے اور دودھ بڑھائی کی مدت دو سال قرار پائی۔

۱۔ سورہ بقرہ/۲۳۳

۲۔ سورہ احقاف/۱۵

۳۔ المصنف، (ج۷، ص۳۵۰، حدیث ۱۳۴۴۴)

یہ سن کر عمر نے سنگسار کرنے کا حکم ملتوی کرتے ہوئے کہا: **لولا علی لھلک عمر** ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے''۔(۱)

عجیب ترین عجوبہ

حفاظ حدیث نے بعجہ بن عبد اللہ جہنی سے نقل کیا ہے:

راوی کا بیان ہے کہ ہم میں سے ایک شخص نے قبیلۂ جہنیہ کی ایک عورت سے شادی کی، زناشوئی کے چھ مہینے بعد اس عورت نے ایک بچہ کو جنم دیا۔ اس کے شوہر نے عثمان سے سارا واقعہ بیان کیا جسے سن عثمان نے سنگسار کرنے حکم صادر کر دیا۔

یہ خبر حضرت علیؑ کو معلوم ہوئی، آپ نے فرمایا: تم کیا کر رہے ہو، اس عورت کا کوئی قصور نہیں ہے؟!

خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُونَ شَهْرًا﴾۔(۲)

دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾۔(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ بڑھائی کی مدت چوبیس مہینے ہیں اور حمل کی مدت چھ مہینے ہوئی۔

عثمان نے کہا: خدا کی قسم! یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔ پھر اس عورت کو واپس لانے کا حکم دیا، اتنی دیر میں لوگوں نے اس عورت کو سنگسار کرنا شروع کر دیا گیا تھا، اس عورت نے اپنی بہن سے رو کر کہا: میری بہن! غمزدہ نہ ہو، خدا کی قسم! شوہر کے علاوہ کسی غیر مرد نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔

۱۔ سنن بیہقی، ج۷، ص۴۴۲؛ مختصر جامع العلم، ص۱۵۰، (ص۲۶۵)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۴، (ج۳، ص۱۴۲)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۲؛ تفسیر کبیر، ج۷، ص۴۸۴، (ج۲۸، ص۱۵)؛ اربعین رازی، ص۴۶۶؛ تفسیر نیشاپوری، (ج۶، ص۱۲۰)؛ کفایۃ الطالب، ص۱۰۵، (ص۲۲۶)؛ مناقب خوارزمی، ص۵۷، (ص۹۴، حدیث۹۴)؛ تذکرۃ الخواص۸۷، (ص۱۴۸)؛ در منثور، ج۱، ص۲۸۸، ج۶، ص۴۰، (ج۱، ص۶۸۸؛ ج۷، ص۴۴۱)؛ کنز العمال، ج۳، ص۹۶/۲۲۸، (ج۵، ص۴۵۷، حدیث ۱۳۵۹۸؛ ج۶، ص۲۰۵، حدیث ۱۵۳۶۴)۔

۲۔ سورہ احقاف/۱۵

۳۔ سورہ بقرہ/۲۳۳

راوی کا بیان ہے: وہ بچہ جب بڑا ہوا تو اس شخص نے اقرار کیا کہ یہ بچہ میرا ہے کیونکہ وہ اس سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔ راوی کے بیان کے مطابق جس شخص نے اس عورت سے ناروا باتیں منسوب کی تھیں اس کے تمام اعضائے بدن پارہ پارہ ہو کر اس کی خواب گاہ میں بکھر گئے۔ (۱)

کیا باعث ننگ و عار نہیں کہ ایسے افراد رسول خداؐ کی خالی جگہ کو پر کریں جن کے فیصلے اور علم کی یہ کیفیت ہو؟ کیا ایسی ہی عدالت لوگوں کے جان و مال پر مسلط ہونی چاہئے؟ اور ایسے افراد کی علمی اطلاعات کیا یہی ہونی چاہئے؟ کیا یہ انصاف ہے کہ اسلامی نوامیس، امت کی روش اور مسلمانوں کی باگ ڈور کو ایسے خلفا کے دست اختیار میں دے دیا جائے جن کے رفتار و کردار کا یہ عالم ہے؟

حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ''اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا پاک اور کہیں برتر ہے''۔ (۲)

دوسری جگہ فرماتا ہے: ﴿وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ﴾ ''آپ اس وقت نہیں تھے جب یوسفؑ کے بھائی باہم اپنے کام میں مشورہ کر رہے تھے اور مکر و فریب کی تدبیریں کر رہے تھے''۔ (۳)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''انہوں نے دنیا میں اپنے کام کا مزہ چکھا اور آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔ (۴)

۱۔ موطا، ج ۲، ص ۱۷۶، (ج ۲، ص ۸۲۵، حدیث ۱۱)؛ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۴۴۲؛ جامع بیان العلم، ص ۱۵۰، (ص ۳۱۱، حدیث ۱۵۶۲)؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۱۵۷؛ تیسیر الوصول ج ۲، ص ۹، (ج ۲، ص ۱۱)؛ عمدۃ القاری، ج ۹، ص ۶۴۲، (ج ۲۱، ص ۱۸)؛ درّ منثور، ج ۶، ص ۴۰، (ج ۷، ص ۴۴۱)

۲۔ سورہ قصص/۶۸

۳۔ سورہ یوسف ۱۰۲

۴۔ سورہ تغابن/۵

۴۔ایک دوسری عورت جس نے چھ مہینے میں بچہ کو جنم دیا

عبدالرزاق اور ابن منذر نے نافع بن جبیر سے نقل کیا ہے:

ابن عباس کو خبر دی گئی کہ ایک انسان کو عمر کے پاس لایا گیا ہے جس کی بیوی نے چھ مہینے میں بچہ پیدا کیا ہے، لوگ اس کا انکار کر رہے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔

میں نے عمر سے کہا: ظلم و زیادتی نہ کرو؛ انہوں نے پوچھا: یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے کہا: آیہ کریمہ:
﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُونَ شَهْرًا ﴾ ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾
میں حول کی مدت کتنی ہے؟ کہا: ایک سال۔ میں نے پوچھا: ایک سال میں کتنے مہینے ہوتے ہیں؟ کہا: بارہ مہینے۔ میں نے کہا: تو پھر چوبیس مہینے کے دو سال کامل ہوئے۔ خداوند عالم حمل کی مدت کو مقدم و موخر کرسکتا ہے۔(۱)

۵۔کل الناس افقہ من عمر

مسروق بن اجداع کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب نے منبر پر جا کر خطبہ دیا:

''اے لوگو! اپنی عورتوں کا مہر کتنا بڑھا رہے ہو، حالانکہ رسول خداؐ اور ان کے اصحاب کے زمانے میں چار سو درہم یا اس سے بھی کم مہر تھا، اگر مہر میں زیادتی باعث عظمت ہوتی تو رسول خداؐ اور آپؐ کے اصحاب اس سلسلے میں پیش قدمی کا مظاہرہ کرتے، اب اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے مہر کی رقم چار سو درہم سے زیادہ معین کی تو میں اسے سزا دوں گا اور اس پر حد جاری کروں گا''۔

اس کے بعد وہ منبر سے نیچے آئے۔ ایک قریشی عورت نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے لوگوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر ادا کرنے کی ممانعت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

۱۔ المصنف عبد الرزاق، (ج۷، ص۳۵۲، حدیث ۱۳۴۴۹)؛ درّ منثور، ج۶، ص۴۰، (ج۷، ص۴۴۲)؛ جامع بیان العلم، ص۱۵۰، (ص۳۱۱، حدیث ۱۵۶۲)

اس عورت نے کہا: کیا قرآن مجید کی آیت آپ کی نظروں سے نہیں گذری؟ عمر نے پوچھا: کون سی آیت؟

اس عورت نے جواب دیا: خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿ وَ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا.. ﴾۔(۱)

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر عمر نے کہا: خدایا! مجھ کو معاف کرنا اور پھر کہا: **کُلّ الناس افقه من عمر حتی ربات الحجاب** ''یعنی تمام انسان عمر سے زیادہ عالم و عقلمند ہیں یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین بھی''۔

اس کے بعد وہ منبر پر دوبارہ تشریف لے گئے اور کہا: اے لوگو! میں نے مہر کی رقم چار سو درہم سے زیادہ ادا کرنے کی ممانعت کی تھی، لیکن اب میں کہتا ہوں کہ جو جتنا چاہے ادا کرے، کوئی روک تھام نہیں۔(۲)

ابن درویش حوت کا بیان ہے: ''**کُلُّ احد اعلم و افقه من عمر**''۔ عمر نے اس وقت کہا جب انہوں نے مہر کی زیادتی کی ممانعت کی تھی اور ایک عورت نے قرآن کی آیت کے ذریعہ ان کی تردید کی۔

ابو معین نے اس کی روایت کی ہے، اس کی سند بہت معتبر ہے اور بیہقی کے نزدیک قطعی ہے۔

دوسری صورت:

عبد اللہ بن مصعب سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے کہا: اپنی عورتوں کے مہر کو چالیس وقیہ (عراقی پیمانہ) سے زیادہ نہ کرو، چاہے وہ کتنی ہی ذی حیثیت لڑکی کیوں نہ ہو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو میں رقم لے کر بیت المال میں بھر دوں گا۔

یہ سن کر طویل صف سے ایک عورت کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: آپ کو قطعی اس کا حق حاصل نہیں ہے،

۱۔ سورہ نساء/۲۰

۲۔ مسند ابو یعلی، سنن سعید بن منصور، (ج۱، ص۱٦٦، حدیث۵۹۸)؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۱۲۹ (ص۱۳۷)؛ تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۴٦۷؛ مجمع الزوائد ج۴ ص۲۸۴؛ درّ منثور، ج۲ ص۱۳۳ (ج۲، ص۴٦٦)؛ کنز العمال، ج۸، ص۲۹۸، (ج۱٦ ص۵۳۵، حدیث۴۵۷۹۰)؛ در منتشرہ، ج۵، ص۲۴۳، (ص۱۵۲، حدیث۴۸۸)؛ فتح القدیر شوکانی، ج۱، ص۴۰۷، (ج۱، ص۴۴۳)؛ کشف الخفاء عجلونی، ج۱، ص۲٦۹)؛ اسنی المطالب، ص۱٦٦، (ص۳۳۵، حدیث۱۰۸۲)؛ سنن بیہقی، (ج۷، ص۲۳۳)

عمر نے کہا: کیوں؟ اس عورت نے جواب دیا، خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا.. ﴾

یہ سن کر عمر نے کہا: عورتیں ہمیشہ صحیح ہوتی ہیں، مرد لوگ غلطی کر ہی جاتے ہیں۔ (۱)

تیسری صورت:

بیہقی ''سنن کبریٰ'' میں شعبی سے روایت کرتے ہیں: عمر نے لوگوں کے درمیان خطبہ پڑھا، خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا: خبردار! اپنی عورتوں کے مہر میں زیادہ روی نہ کرو، اگر تم میں سے کسی نے زیادہ مہر دیا اور مجھے اطلاع ہوئی تو میں اضافی رقم کو بیت المال میں بھر دوں گا۔

منبر سے نیچے آنے کے بعد قریش کی ایک عورت نے اعتراض کیا: اے مسلمانوں کے رہبر! کتاب خدا کی پیروی بہتر ہے یا آپ کے فرمان کی؟

عمر نے کہا: کتاب خدا کی، تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: ابھی آپ نے زیادہ مہر ادا کرنے کی ممانعت کی ہے، حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ﴾ یہ سن کر عمر نے کہا: ہر شخص عمر سے زیادہ جانکار ہے۔ تین مرتبہ اس جملے کی تکرار کی۔ (۲)

چوتھی صورت:

عمر نے لوگوں کو خطاب کیا:

اے لوگو! اپنی عورتوں کے مہر میں زیادہ روی نہ کرو، کیوں کہ اگر یہ عمل خدا کے نزدیک باعث کرامت ہوتا تو رسول خداؐ سب سے پہلے اس پر عمل کرتے۔ کسی کو حق نہیں کہ وہ اپنی بیوی کا مہر ۱۲ اوقیہ

۱۔ جامع بیان العلم، (ص ۱۵۸، حدیث ۷۹۹)؛ مختصر جامع بیان العلم، (ص ۱۲۰)؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص ۱۲۹، (ص ۱۳۶)؛ الاذکیاء، ص ۱۶۲، (ص ۲۶۶)؛ () تفسیر قرطبی، ج ۵، ص ۹۹، (ج ۵، ص ۶۶)؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۴۶۷؛ درّ منثور، ج ۲، ص ۱۳۳، (ج ۲، ص ۴۶۶)؛ کنز العمال، ج ۸، ص ۲۹۸، (ج ۱۶، ص ۵۳۸، حدیث ۴۵۸۰۰)؛ حاشیہ سندی بر ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۸۴؛ کشف الخفاء عجلونی، ج ۱، ص ۲۷۰، (ج ۲، ص ۱۱۸)؛

۲۔ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۲۳۳؛ کنز العمال ج ۸، ص ۲۹۸، (ج ۱۶، ص ۵۳۶، حدیث ۴۵۷۹۶)؛ سنن سعید بن منصور، (ج ۱، ص ۱۶۶، حدیث ۵۹۸)؛ حاشیہ سندی بر ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۸۳؛ کشف الخفاء عجلونی، ج ۱، ص ۲۹۶، (ج ۲، ص ۱۱۸)

سے زیادہ قرار دے۔

یہ سن کر ایک عورت کہنے لگی: اے امیر المومنین! آپ ہم سے ہمارا وہ حق کیوں چھین رہے ہیں جسے خداوند عالم نے ہمارے لئے قرار دیا ہے۔ خدا کا ارشاد ہے: ﴿وأتیتم احداھن قنطارا...﴾ اس کی بات سن کر عمر نے کہا: کل احد افقہ من عمر "ہر شخص عمر سے زیادہ عالم ہے"۔ پھر اصحاب سے مخاطب ہوئے: تم لوگ مجھ سے ایسی باتیں سن میری مخالفت کیوں نہیں کرتے تا کہ کوئی عورت اس پر اشکال نہ کر سکے۔(۱)

پانچویں صورت:

حافظ عبدالرزاق اور ابن منذر نے عبدالرحمٰن سلمی سے نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا: اپنی عورتوں کے مہر میں زیادہ روی کا مظاہرہ نہ کرو۔

ایک عورت نے کہا: آپ کو مخالفت کا ذرا بھی حق نہیں، خدا کا ارشاد ہے: ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾ یہ سن کر عمر نے کہا: ایک عورت نے عمر بن خطاب سے نزاع کیا اور وہ ان پر کامیاب ہوگئی۔(۲)

چھٹی صورت:

عمر نے منبر کی بلندی پر کہا: اپنی عورتوں کے مہر میں زیادہ روی نہ کرو۔ یہ سن کر ایک عورت نے کہا: آپ کے گفتار کی پیروی کی جائے یا خداوند عالم کے فرمان کی ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾ عمر نے کہا: کل احد اعلم من عمر "ہر شخص عمر سے زیادہ جانکار ہے"۔ جیسے چاہو شادی کرو اور زندگی گذارو۔(۳)

۱۔ تفسیر کشاف، ج۱، ص۳۵۷، (ج۱، ص۴۹۱)؛ ارشاد الباری، ج۸، ص۵۷، (ج۱۱، ص۴۹۲)

۲۔ المصنف، (ج۶، ص۱۸۰، حدیث ۱۰۴۲۰)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۴۶۷؛ ارشاد الباری، ج۸، ص۵۷، (ج۱۱، ص۴۹۲)؛ حاشیہ سندی بر ابن ماجہ، ج۱، ص۵۸۳؛ کنز العمال، ج۸، ص۲۹۸، (ج۱۶، ص۵۳۸، حدیث ۴۵۷۹۹)؛ کشف الخفاء، ج۱، ص۲۶۹/ ج۲، ص۱۱۸

۳۔ تفسیر نسفی مطبوع بر حاشیہ تفسیر خازن، ج۱، ص۳۵۳، (ج۱، ص۲۱۶)؛ کشف الخفاء، ج۱، ص۳۸۸

ساتویں صورت:

عمر نے منبر سے کہا: اپنی عورتوں کے مہر کو زیادہ نہ کرو۔ یہ سن کر ایک عورت نے کہا: اے ابن خطاب! خدا ہمیں عطا کر رہا ہے اور آپ اس کی ممانعت کر رہے ہیں اور پھر متذکرہ آیت کی تلاوت کی۔

عمر نے کہا: کل الناس افقه منک یا عمر ''اے عمر! تمام لوگ تم سے زیادہ اعلم ہیں''۔(۱)

آٹھویں صورت:

عمر نے ایک مرتبہ کہا: مجھ تک ایسی عورت کی خبر نہ آئے جس کا مہر رسول خداؐ کی ازواج سے زیادہ ہو۔

ایک عورت نے کہا: خداوند عالم نے ایسا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا ہے، اس کا ارشاد ہے: ﴿وَ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾۔

یہ سن کر عمر نے کہا: کل الناس افقه من عمر حتی ربات الحجاب ''تمام لوگ عمر سے زیادہ عقلمند ہیں حتی پردہ پوش خواتین''۔

کیا آپ کو ایسے رہبر پر تعجب نہیں جو غلطی کرنے کے بعد بھی صحیح العقیدہ عورت سے اختلاف کر بیٹھتا ہے؟

ایک دوسری روایت میں ہے: وہ عورت اس پر کامیاب ہوگئی۔

خازن کے الفاظ ہیں: ایک عورت صحیح ہوتی ہے اور رہبر خطائیں کرتا ہے۔

قرطبی کی عبارت ہے: ایک عورت صحیح العقیدہ ہوتی ہے لیکن عمر غلطیاں کرتے ہیں۔

فخر رازی کی تعبیر ہے: کل الناس افقه من عمر حتی محذرات فی البیوت۔(۲)

باقلانی کے الفاظ ہیں: ایک عورت حقیقت تک پہونچ گئی اور ایک شخص سے غلطی سرزد ہوئی۔ ایک

۱۔ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۹۹، (ج۵، ص۶۶)؛ تفسیر نیشا پوری، (ج۲، ص۳۷۷)؛ تفسیر خازن، ج۱، ص۳۵۳، (ج۱، ص۳۳۹)؛ الفتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۷۷، (ج۱، ص۳۱۲)

۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۶۱ / ج۳، ص۹۶، (ج۱، ص۱۸۲، خطبہ۳ / ج۱۲، ص۱۷)؛ تفسیر خازن، ج۱، ص۳۵۳، (ج۱، ص۳۳۹)؛ تفسیر قرطبی، (ج۵، ص۶۶)؛ اربعین رازی، ص۴۶۷۔

رہبر نے رقابت میں شکست کھائی۔(۱)

نویں صورت:

عمر نے منبر کی بلندی پر کہا: اے لوگو! اپنی عورتوں کے مہر کو چار سو درہم سے زیادہ نہ کرو، اگر کسی نے زیادہ کیا تو اضافی رقم کو بیت المال میں ڈال دوں گا۔ لوگوں کے درمیان ایک عورت کھڑی ہوئی اور کہا: یہ کام آپ کے لئے جائز نہیں ہے، خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾۔

عمر عورت کی بات سے لاجواب ہو کر کہنے لگے: ایک عورت حق پر ہوتی ہے اور مرد غلطی کر جاتا ہے۔(۲)

حاکم نیشاپوری نے عمر کے خطبہ کو تفصیل سے نقل کر کے لکھا ہے: ان مطالب کے اسناد صحیح اور متواتر ہیں۔(۴) ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس کا اقرار کیا ہے، خطیب بغدادی نے مختلف طرق سے نقل کیا ہے۔(۳)

شاید خلیفہ محترم کو بھی اسی عورت کی بات بھا گئی تھی اسی لئے انہوں نے ام کلثوم سے شادی کی اور ان کا مہر چالیس ہزار مقرر کیا۔(۴)

۶۔ مفہوم اب سے خلیفہ کی جہالت

انس بن مالک سے مروی ہے:

عمر نے منبر پر جا کر اس آیت کی تلاوت کی: ﴿فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا، وَعِنَبًا وَقَضْبًا، وَزَيْتُونًا

۱۔ تمہید باقلانی، ص۹۹

۲۔ مستدرک، ج۲، ص۱۷۷، (ج۲، ص۱۹۳، حدیث ۲۷۲۸)

۳۔ تاریخ خطیب بغدادی، ج۳، ص۲۵۷

۴۔ تاریخ ابن عساکر، ج۷، ص۸۱، (ج۷، ص۹۳)؛ الاصابہ، ج۴، ص۴۹۲؛ فتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۷۲، (ج۲، ص۳۰۸)

وَنَخْلًا، وَحَدَائِقَ غُلْبًا، وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ ''لہٰذا ہم نے اسی میں اناج، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجوریں، گھنے گھنے باغ، میوے اور چارہ کو اگایا''۔(۱)

انہوں نے کہا: ہم نے ان میں سے ہر ایک کی معرفت حاصل کر لی لیکن یہ ''اب'' کیا ہے؟ پھر ہاتھ میں موجود عصا کو زمین پر پھینک کر کہا: خدا کی قسم! یہ ایک مشکل کام ہے، اگر تم کو نہ پہچان سکو تو عیب نہیں، قرآن کریم میں موجود آیات پر عمل کرو اور جس کی معرفت نہیں اسے خداوند عالم پر چھوڑ دو۔

دوسری عبارت ہے: انس کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا، وَعِنَبًا وَقَضْبًا، وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا، وَحَدَائِقَ غُلْبًا، وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ اس کے بعد کہا: میں ان میں سے ہر چیز کو جانتا ہوں لیکن ''اب'' سے واقف نہیں۔

راوی کا بیان ہے: ان کے ہاتھ میں عصا تھا اسے زمین پر پھینک کے کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ ایک دشوار گذار اور سخت مرحلہ ہے، اے لوگو! قرآن میں تمہارے لئے جو بیانات ہیں، اس کی پیروی کرو اور جس کی معرفت نہیں، اسے اپنے پروردگار پر چھوڑ دو۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں: عمر نے تلاوت کی: ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ پھر کہا: اس فاکہہ کو جانتا ہوں کہ میوہ ہے لیکن ''ابّا'' کیا ہے؟ تھوڑی دیر بعد کہا: خاموش رہو، ہمیں سخت کاموں کی ممانعت کی گئی ہے۔

نہایہ میں ہے: ہم پر اس کی تکلیف عائد نہیں۔

دوسری تعبیر میں ہے: عمر نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد کہا: میں ان تمام چیزوں کو جانتا اور پہچانتا ہوں لیکن یہ ''اب'' کیا ہے؟ پھر ہاتھ میں موجود عصا کو پھینک کر کہا: خدا کی قسم! یہ ایک دشوار گذار کام ہے۔ اے عمر! اگر تم ''اب'' کی حقیقت سے ناواقف تو یہ مشکل نہیں۔

اس کے بعد کہا: قرآن میں تمہارے لئے جو بیان ہوا ہے اس کی پیروی و اطاعت کرو اور جو سمجھ میں نہ آئے اسے چھوڑ دو۔

۱۔ سورہ عبس/۲۸۔۲۳

محب طبری کے الفاظ ہیں: اس کے بعد کہا: ہماری آسائش کی وجہ سے مشکل کاموں اور مرحلوں سے منع کیا گیا ہے، اے عمر! اگر تمہیں ''اب'' کی حقیقت معلوم نہیں تو یہ مشکل نہیں۔

ثابت سے مروی ہے: ایک شخص نے ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ کے متعلق سوال کیا کہ ''اب'' کیا ہے؟ عمر نے جواب میں کہا: ہمیں تیز طراری اور سخت کاموں سے منع کیا گیا ہے۔(۱)

ابن حجر کہتے ہیں: کہا گیا ہے کہ ''اب'' عربی لفظ نہیں ہے، چنانچہ ابوبکر و عمر جیسے لوگوں پر اس کا مخفی رہنا اس بات کی تائید کر رہا ہے۔(۲)

علامہ امینی فرماتے ہیں:

میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ابن حجر نے جو بکواس کی ہے وہ ائمہ لغت سے کیسے پوشیدہ رہ گئی اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ''اب'' عربی لفظ نہیں تو کیا قرآن مجید کی آیت اور اس سے ماقبل کی عبارت ﴿متعاً لک ولا نعامکم﴾ ''تمہاری اور تمہارے جانوروں کی خوراک ہے''۔ بھی عربی نہیں ہے؟ ایسی صورت میں ابوبکر و عمر پر ان الفاظ کے مخفی رہنے کے سلسلے میں کون سا بہانہ ہے؟ اور قائل کے قول کی کس طرح توجیہ کی جا سکتی ہے؟

ہاں! ابن حجر کو یہ بات پسند تھی کہ وہ ان دونوں افراد کا جانبدارانہ دفاع کریں خواہ وہ ہٹ دھرمی کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو؟

انہوں نے اپنی کتب میں کسی اشارہ کے بغیر لکھ دیا۔

۱۔ روایت کے مآخذ: طبقات ابن سعد، (ج۳، ص۳۲۷)؛ شعب الایمان، (ج۲، ص۴۲۴، حدیث۲۲۸۱)؛ تفسیر طبری، ۳۸/۳ (مجلد۱۵، ج۳، ص۵۹)؛ المستدرک علی الصحیحین، ۵۱۴/۲ (ج۲، ص۵۵۹، حدیث۳۸۹۷)؛ تفسیر کشاف، (ج۴، ص۷۰۴)؛ ریاض النضرۃ، (ج۲، ص۳۲۳)؛ الموافقات، (ج۱، ص۴۹)؛ تاریخ عمر بن خطاب، (ص۱۴۵)؛ النہایۃ، (ج۱، ص۱۳)؛ مقدمہ فی اصول التفسیر، (ص۴۷/۴۸)؛ تفسیر خازن، (ج۴، ص۳۵۴)؛ درّ منثور، (ج۸، ص۴۲۱)؛ کنز العمال، (ج۲، ص۳۲۸، حدیث۴۱۵۴)؛ المصنف، (ج۱۰، ص۵۱۲، حدیث۱۰۱۵۴)؛ تفسیر ابی السعود، (ج۹، ص۱۱۲)؛ ارشاد الباری، (ج۱۵، ص۲۸۸، حدیث۷۲۹۳)؛ عمدۃ القاری، (ج۲۵، ص۳۵، حدیث۶۴)

۲۔ فتح الباری، ج۱۳، ص۲۳۰، (ج۱۳، ص۲۷۰/۲۷۲)

قابل توجہ:

بخاری(۱) نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن کلمہ ''اب'' سے خلیفہ کی جہالت و نادانی پر پردہ ڈالتے ہوئے حدیث کے ابتدائی فقرے اڑا دیئے ہیں اور بیچ اور آخر کے فقروں کو لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ انہوں نے دینی امور میں ہٹ دھرمی کی ممانعت کرتے ہوئے دراصل اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی نظر میں ایسے مواقع پر امت کی نادانی زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے، چنانچہ راوی کا بیان ہے کہ ہم عمر کے پاس تھے، انہوں نے کہا: ہمیں مشکل کاموں سے منع کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں تحریف کے ایسے بہت سے نمونے ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، کچھ نمونے آئندہ پیش کئے جائیں گے۔

۷۔ عورت کے بارے میں خلیفہ کا فیصلہ

ابن عباس سے مروی ہے ایک پاگل عورت کو عمر کے پاس لایا گیا جو زنا کی مرتکب ہوئی تھی، انہوں نے چند افراد سے مشورہ کرنے کے بعد اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت علیؑ کی طرف سے اس عورت کا گذر ہوا، آپ نے سوال کیا: اس بے چاری کی خطا کیا ہے؟ کہا گیا: یہ فلاں قبیلہ کی پاگل عورت ہے جو زنا کی مرتکب ہوئی ہے، خلیفہ نے سنگسار کرنے حکم دیا ہے۔

آپ نے فرمایا:

اسے واپس لے جاؤ۔ پھر عمر کے پاس آ کر فرمایا: اے مسلمانوں کے رہبر! کیا آپ کو رسول خداؐ کی حدیث نہیں معلوم، آپ نے فرمایا: تین لوگوں سے تکلیف ساقط ہے:

۱۔ نابالغ بچہ؛

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، (ج۶، ص۲۶۵۹، حدیث ۶۸۶۳)

۲۔خواب غفلت میں پڑا ہوا شخص؛

۳۔دیوانہ اور پاگل؛

یہ فلاں قبیلہ کی پاگل عورت ہے،شاید دیوانگی کی حالت میں زنا کی مرتکب ہوئی ہو،لہٰذا اسے آزاد کردو۔یہ سن کر عمر نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا شروع کردیا۔

دوسری صورت:

ابی ظبیان سے مروی ہے: میں عمر کے پاس تھا،اسی وقت ایک زانیہ کو لایا گیا،عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا،لوگ اسے سنگسار کرنے لے جارہے تھے کہ راستہ میں حضرت علیؑ سے مڈ بھیڑ ہوگئی۔

پوچھا:اس بیچاری کی خطا کیا ہے؟

لوگوں نے کہا: زنا کی مرتکب ہوئی ہے اور سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے،حضرت علیؑ نے عمر کے پاس بھیج دیا،لوگوں نے واپس جا کر کہا:ہمیں علیؑ نے واپس کردیا ہے۔

عمر نے کہا:علیؑ نے ایسا کیوں کیا؟ پھر ایک آدمی بھیج کر بلوایا،جب حضرت تشریف لائے تو پوچھا: آپ نے اس گنہگار کو واپس کیوں کردیا؟

آپ نے فرمایا: کیا تم نے رسول خداؐ کی حدیث نہیں سنی: **رفع القلم عن ثلاثة وعن النائم حتى يستقيظ، وعن الصغير حتى يكبر وعن المجنون حتى يعقل** ۔عمر نے کہا:ہاں! میں نے سنی ہے۔

حضرت نے فرمایا:یہ فلاں قبیلہ کی پاگل عورت ہے،ممکن ہے دیوانگی کی حالت میں یہ فعل سرزد ہوا ہو؟

عمر نے کہا: میں نہیں جانتا۔حضرت نے بھی فرمایا: میں بھی نہیں جانتا۔یہ سن کر عمر نے سنگسار کرنے کا حکم واپس لے لیا۔

ابوظبیان کوفی (متوفی ۹۰ھ) نے ابن عباس سے اسی واقعہ کی روایت کی ہے۔

تیسری صورت:

عمر نے زانیہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، ادھر سے حضرت علیؑ کا گذر ہوا، آپ نے اسے نجات دلائی، جب عمر کو معلوم ہوا تو کہا: ان کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

جب سوال کیا گیا تو فرمایا: وہ فلاں قبیلہ کی پاگل عورت ہے ممکن ہے پاگل پن کی حالت میں یہ فعل سرزد ہوا ہو۔

یہ سن کر عمر نے کہا: **لولا علی لهک عمر۔**

چوتھی صورت:

ایک پاگل عورت کو عمر کے پاس لایا گیا جو زنا کی مرتکب ہوئی تھی، انہوں نے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا، ادھر سے حضرت علیؑ کا گذر ہوا، دیکھا کہ چند بچے اس کے تعاقب میں ہیں۔

فرمایا: اس عورت کا کیا ماجرا ہے؟ کہا گیا: خلیفہ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: اسے واپس لے جاؤ۔

آپ اس عورت کے ہمراہ عمر کے پاس تشریف لئے گئے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تین لوگوں سے تکلیف ساقط ہے: نابالغ بچہ، پاگل.....الخ

حاکم کی نظر میں یہ حدیث صحیح ہے، شعبہ نے اعمش سے مزید الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

پانچویں صورت:

بیہقی کے الفاظ ہیں: علی بن ابی طالبؑ کی طرف سے ایک پاگل عورت کو لے جایا گیا، جس پر زنا کا الزام تھا اور خلیفہ نے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

حضرت نے عمر سے فرمایا:

اے مسلمانوں کے امیر! آپ نے فلاں عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا رسول خداؐ کی حدیث آپ کے ذہن میں نہیں ہے: **"رفع القلم عن ثلاثة وعن النائم حتی یستقیظ، وعن الصغیر حتی یکبر وعن المجنون حتی یفیق"** ۔ یہ سن کر عمر نے اسے آزاد

کرنے کا حکم دیا۔(۱)

توجہ طلب:

بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن جب دیکھا کہ خلیفہ کی کرامت وعزت کے برخلاف ہے تو خلیفہ کی عظمت کا تحفظ کرتے ہوئے واقعہ کا ابتدائی حصہ حذف کردیا ہے۔ انہیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ امت مسلمہ کو معلوم ہو کہ خلیفہ محترم، معروف ومشہور سنت سے جاہل تھے، اسی لئے انہوں نے حدیث نقل کرتے ہوئے لکھا کہ علی بن ابی طالبؑ نے عمر سے فرمایا: کیا آپ نہیں جانتے کہ تکلیف کا حکم تین افراد سے ساقط ہے: دیوانہ؛ نابالغ بچہ اور خواب غفلت میں پڑا ہوا شخص۔(۲)

۸۔تاویل کتاب سے خلیفہ کی نادانی

ابی سعید خدری کا بیان ہے: ہم عمر بن خطاب کے ساتھ حج کرنے گئے، انہوں نے طواف کرتے ہوئے حجر اسود کا رخ کرکے کہا: میں جانتا ہوں کہ یہ صرف ایک پتھر ہے جو نہ نقصان پہونچاتا ہے اور، فائدہ۔ اگر میں نے رسول خداؐ کو بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا ہو ہرگز بوسہ نہ لیتا۔

یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا: اے مسلمانوں کے رہبر! یہ نقصان دہ بھی ہے اور نفع بخش بھی، اگر کتاب خدا کی معرفت حاصل کی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ میری باتیں صحیح ہیں، خدا کا ارشاد ہے:

۱۔سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۴۷، (ج۴، ص۱۴۰، حدیث۴۳۹۹/ ۴۴۰۱)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۲۷، (ج۱، ص۶۵۹، حدیث۲۰۴۲)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۵۹، ج۴، ص۳۸۹، (ج۲، ص۶۸، حدیث۲۳۵۱، ج۴، ص۴۳۰، حدیث۸۱۶۹)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۶۴؛ تیسیر الوصول ج۲، ص۵، (ج۲، ص۸)؛ جامع الاصول، (ج۴، ص۲۷۱، حدیث۱۸۲۴)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۶(ج۳، ص۱۴۴)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۱؛ ارشاد الباری، ج۱۰، ص۹، (ج۱۴، ص۲۵۹)؛ فیض القدیر، ج۴، ص۲۵۷؛ حاشیۃ الحفنی علی شرح الجامع الصغیر، ج۲، ص۴۱۷، (ج۲، ص۴۵۸)؛ مصباح الظلام، ج۲، ص۵۶، (ج۲، ص۱۳۶)؛ تذکرۃ الخواص، ص۵۷، (ص۱۴۷)؛ فتح الباری، ج۱۲، ص۱۰۱، (ج۱۲، ص۱۲۱)؛ عمدۃ القاری، ج۱۱، ص۱۵۱، (ج۲۳، ص۲۹۲)

۲۔صحیح بخاری کتاب المحاربین باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ، (ج۶، ص۲۴۹۹)

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِی آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ...﴾ ''اور جب تمھارے پروردگار نے فرزندان آدم علیہ السلام کی پشتوں سے انکی ذریت کو لے کر انھیں خود ان کے اوپر گواہ بنا کر سوال کیا کہ کیا میں تمھارا خدا نہیں ہوں تو سب نے کہا بیشک ہم اس کے گواہ ہیں، یہ عہد اس لئے لیا کہ روز قیامت یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے''۔(۱)

لہٰذا اس کتاب میں پتھر کو رشد و ترقی کی حیثیت سے یاد کیا گیا ہے، یہ سن کر عمر نے کہا: **لا ابقانی اللہ بارض لست فیها یا ابا الحسن** ''خدا مجھے ایسی زمین پر باقی نہ رکھے جہاں اے ابوالحسنؑ! آپ نہ ہوں''۔

دوسری عبارت میں ہے کہ عمر نے کہا: میں ایسے افراد کے درمیان زندگی بسر کرنے سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں جن میں آپ نہ ہوں۔(۲)

۹۔ شتر مرغ کے انڈے کے کفارہ سے خلیفہ کی جہالت

محمد بن زبیر کا بیان ہے:

میں شام کی مسجد میں داخل ہوا، وہاں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کے سینہ کی ہڈی ضعیفی کی وجہ سے نمایاں تھی۔ میں نے کہا: اے پیر مرد! تم نے اپنی زندگی میں کس کا زمانہ دیکھا ہے؟ کہا: عمر بن خطاب کا۔ میں نے کہا: کس جنگ میں شرکت کی؟ کہا: جنگ یرموک میں۔ میں نے کہا: مجھ سے کوئی واقعہ بیان کرو؟

۱۔ سورہ اعراف/۱۷۲

۲۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۱، ص۴۵۷، (ج۱، ص۶۲۸، حدیث۱۶۸۲)؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۱۰۶، (ص۱۱۵)؛ اخبار مکہ، (ج۱، ص۳۲۳)؛ عمدۃ القاری، ج۴، ص۶۰۶، (ج۹، ص۲۴۰)؛ کنز العمال، (ج۳، ص۳۵، حدیث۱۲۵۲۱)؛ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، (ج۹، ص۱۳۰، حدیث۳۸۲۱/۳۸۲۲)؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۲۲، (ج۱۲، ص۱۰۰، خطبہ۲۲۳)؛ الفتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۸۶، (ج۲، ص۳۱۹)

اس نے کہا: میں فقیہ کے ساتھ حج کے ارادہ سے باہر نکلا، راستے میں شترمرغ کا انڈا دستیاب ہوا، حالت احرام میں ہونے کے باوجود ہم نے اسے کھالیا، جب مناسک حج سے فراغت ہوئی تو سارا واقعہ عمر سے بیان کیا گیا، انہوں نے جواب دینے کے بجائے ہماری طرف رخ کر کے کہا: میرے ہمراہ آؤ، ہم عمر کے ساتھ رسول خداؐ کے بیت المقدس تک آئے، ایک کمرے میں دق الباب کیا، جب عورت آئی تو پوچھا: ابوالحسنؑ موجود ہیں؟

کہا: جنگل کی طرف تشریف لے گئے ہیں، ہم علی بن ابی طالبؑ کے پاس پہنچے، جو اپنے ہاتھوں سے مٹی ہموار کر رہے تھے۔ عمر نے کہا: اس جماعت کو حالت احرام میں شترمرغ کا انڈا دستیاب ہوا ہے، مسئلہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: مجھے بلا بھیجا ہوتا میں آجاتا۔ عمر نے کہا: میرے لئے زیادہ مناسب ہے کہ میں آپ کی قدم بوسی کروں۔ حضرت نے فرمایا: تخم کی تعداد کے مطابق جوان نر و مادہ کو آپس میں ملا دو جو نتیجہ دیں اور جتنے بچے پیدا ہوں انھیں بیت اللہ میں ہدیہ کے طور پر پیش کر دو۔

یہ سن کر عمر نے کہا: خدایا! کوئی ایسا دشوار اور سخت امر در پیش نہ ہو جسے حل کرنے لئے حضرت علیؑ نہ ہوں۔(۱)

۱۰۔ کل الناس افقہ من عمر

تشنگی کے عالم میں عمر بن خطاب کا گذر ایک انصاری جوان کے پاس سے ہوا، انہوں نے پانی طلب کیا، اس جوان نے شہد کا شربت عمر کی خدمت میں پیش کیا، عمر نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا: خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾ ''تم نے اپنے سارے مزے دنیا ہی کی زندگی میں لے لئے اور وہاں آرام کرلیا''۔ اس جوان نے کہا: یہ آیت آپ کے یا آپ کے

۱۔ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۵۰، ۱۹۴؍، (ج۲، ص۳۲۵، ج۳، ص۱۴۲)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۲؛ کفایۃ شنقیطی، ص۵۷

قبیلے والوں (مسلمانوں) کے لئے نازل نہیں ہوئی ہے۔

آیت کا سیاق وسباق ملاحظہ فرمایئے: ﴿یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِینَ کَفَرُوا عَلَی النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَیِّبَاتِکُمْ فِی حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا..﴾ اور جس دن کفار جہنم کے سامنے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی زندگی میں اپنے مزے اڑا چکے اور اس میں خوب آرام کرلیا''۔(۱)

یہ سن کر عمر نے کہا: کل الناس افقه من عمر ''تمام لوگ عمر سے زیادہ عقلمند ہیں''۔(۲)

۱۱۔ایک ماں اور بیٹے کا اختلاف واقعہ اور خلیفہ کا فرمان قتل

محمد بن عبداللہ بن ابی رافع نے اپنے والد سے کہا: انصار کے ایک جوان نے عمر بن خطاب کے پاس اپنی ماں سے اختلاف کرلیا، اس کی ماں نے انکار کرتے ہوئے کہا: یہ میرا فرزند نہیں۔ عمر نے لڑکے سے گواہ طلب کیا لیکن اس کے پاس گواہ نہیں تھا، ادھر عورت نے کئی گواہ پیش کردیئے کہ یہ ایک باکرہ لڑکی ہے، اس نے ابھی شادی بھی نہیں کی اور اس جوان نے اتہام طرازی کی ہے۔ یہ سن کر عمر نے اس جوان کے قتل کا فرمان صادر کردیا۔

حضرت علیؑ کی نگاہ پڑی، آپ نے واقعہ پوچھا اور حالات سے آگاہی ہوئی۔

آپؑ نے مسجد رسولؐ میں بیٹھ کر عورت سے پوچھا لیکن اس نے پھر انکار کرتے ہوئے کہا: یہ میرا فرزند نہیں ہے۔ آپؑ نے جوان سے فرمایا: جس طرح اس عورت نے انکار کیا ہے تم بھی اس کا انکار کردو۔ جوان نے کہا: اے رسول خداؐ کے بھائی! یہ میری ماں ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: پھر بھی انکار کردو۔ میں تمہارا باپ اور حسن وحسین علیہما السلام تمہارے بھائی ہیں۔

جب اس نے انکار کردیا تو حضرتؑ نے حاضرین مجلس سے فرمایا: تم لوگ گواہ رہنا میں نے اس

۱۔سورہ احقاف/۲۰

۲۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۶۱، (ج۱، ص۱۸۲، خطبہ۳)

جوان کی شادی اس عورت کے ساتھ کردی ہے۔اے قنبر! جاؤ اور درہم کی تھیلی لے آؤ۔قنبر دوڑ کر درہم کی تھیلی لے آئے، اس میں چار سو درہم موجود تھے، اسے عورت کے دامن میں ڈال کر جوان سے فرمایا: اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ، دوبارہ ملاقات پر شادی کا اثر نمایاں رہنا چاہئے۔جیسے ہی اس جوان نے عورت کا ہاتھ پکڑا، وہ چیخنے لگی: اے ابوالحسنؑ! اللہ اللہ یہ آگ ہے، خدا کی قسم! یہ میرا فرزند ہے۔(۱)

۱۲۔ مفاد کلمات سے خلیفہ کی جہالت:

۱۔عمر بن خطاب نے ایک شخص سے سوال کیا: تم کیسے ہو؟ کہا: میں فتنوں کو پسند کرتا ہوں، حق کو مکروہ سمجھتا ہوں اور نادیدہ چیزوں کی گواہی دیتا ہوں۔ یہ سن کر عمر نے قید کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت علیؑ نے اسے واپس لانے کی فرمائش کی اور فرمایا: وہ مال و فرزند کو پسند کرتا ہے، خدا کا ارشاد ہے: ﴿انما اولادکم فتنة﴾ ''بے شک تمہاری اولاد و اموال تمھارے لئے فتنہ ہیں''۔ وہ موت سے کراہت رکھتا ہے اور یہ صحیح ہے، وہ گواہی دیتا ہے محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور اس نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔

عمر نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا اور کہا: ''**اللہ یعلم حیث یجعل رسالته**''(۲)

۲۔حذیفہ بن یمان سے مروی ہے: انہوں نے عمر بن خطاب سے ملاقات کی۔عمر نے کہا: اے ابن یمان! کیسے صبح کی؟

انہوں نے کہا: کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ کیسے صبح کی، خدا کی قسم! اس حالت میں صبح ہوئی کہ حق کو مکروہ جانتا ہوں، فتنہ کو پسند کرتا ہوں، نادیدہ چیزوں کی گواہی دیتا ہوں، غیر مخلوق کی حفاظت اور بغیر وضو کے نماز ادا کرتا ہوں اور روئے زمین پر میرے پاس ایسی شی ہے جو آسمان پر خدا کے پاس نہیں۔

یہ سن کر عمر غصہ سے لال بھبھوکا ہوگئے، عجلت میں واپس ہوئے تا کہ حذیفہ کو ان کی باتوں پر اذیت

۱۔الطرق الحکمیہ ابن قیم جوزی، ص ۴۵

۲۔الطرف الحکمیہ ابن قیم جوزی، ص ۴۶

ناک سزا دیں، راستہ میں حضرت علیؑ سے ملاقات ہوگئی، پوچھا: کیا واقعہ ہے، غصے کا سبب کیا ہے؟

کہا: میں نے ابھی حذیفہ سے ملاقات کی، صبح کے متعلق سوال کیا تو کہنے لگا: میں نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ حق کو ناپسند کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا: وہ صحیح کہتا ہے، وہ موت کو ناپسند کرتا ہوں اور یہ حق ہے۔

عمر نے کہا: وہ کہتا ہے کہ فتنہ کو پسند کرتا ہوں؟

حضرت نے فرمایا: وہ صحیح کہتا ہے، وہ مال وفرزند کو پسند کرتا ہے، خدا کا ارشاد ہے: ﴿انما اولادکم فتنة﴾

وہ کہتا ہے: نادیدہ چیزوں کو گواہی دیتا ہوں۔

فرمایا: وہ صحیح کہتا ہے، وہ توحید خدا، موت، بعثت، قیامت اور جنت وجہنم کی گواہی دیتا ہے اور اس نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔

کہا: اے علیؑ! وہ کہتا ہے میں غیر مخلوق کی حفاظت کرتا ہوں۔

فرمایا: وہ صحیح کہتا ہے، وہ کتاب خدا کی حفاظت کرتا ہے جو مخلوق نہیں۔

کہا: وہ کہتا ہے کہ بغیر وضو کے نماز ادا کرتا ہوں۔

فرمایا: وہ رسول خداؐ پر بغیر وضو کے صلوات بھیجتا ہے جو جائز ہے۔

کہا: اے ابوالحسنؑ! اس سے بڑی بکواس کرتا ہے۔

پوچھا: کیا؟

کہا: وہ کہتا ہے کہ میں روئے زمین پر ایسی چیز کا مالک ہوں جو آسمان میں خدا کے پاس نہیں۔

فرمایا: وہ صحیح کہتا ہے، وہ صاحب زن وفرزند ہے اور خداوند عالم ان چیزوں سے پاک ومنزہ ہے۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتے۔(۱)

۳۔ مروی ہے کہ ایک شخص کو عمر بن خطاب کے پاس لایا گیا جس کی خطا یہ تھی اس نے لوگوں کے

۱۔ کفایۃ گنجی، ص ۹۶، (ص ۲۱۸)؛ فصول المھمۃ ابن صباغ مالکی، ص ۱۸، (ص ۳۴)

سوال ''کیسے صبح کی؟'' کے جواب میں کہہ دیا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ فتنہ کو پسند کرتا ہوں اور حق کو ناپسند کرتا ہوں، یہود ونصاری کی تصدیق کرتا ہوں اور نادیدہ چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں اور ایسی چیزوں کا اقرار کرتا ہوں جس کی خلقت نہیں ہوئی۔

عمر نے الجھی ڈوری کو سلجھانے کے لئے حضرت علیؑ کو بلا بھیجا۔

آپ نے فرمایا: صحیح کہتا ہے: یہ فتنہ کو پسند کرتا ہے جس کے متعلق خدا کا ارشاد ہے: ﴿انما اموالکم و اولادکم فتنة﴾ حق کو مکروہ جانتا ہے یعنی وہ موت کو ناپسند کرتا ہے، خدا فرماتا ہے: ﴿وَجَائَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَق﴾۔(۱)

یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے جس کے متعلق خدا فرماتا ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ﴾۔(۲)

خداوند عالم پر ایمان رکھتا ہے اور ایسی چیز کا اقرار کرتا ہے جو خلقت کے مرحلے تک نہیں پہونچی یعنی قیامت کا۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے، خدایا! ایسی مشکل سے پناہ چاہتا ہوں جس کے حل کے لئے علی نہ ہوں۔(۳)

۴۔ ابن شیبہ، عبد حمید اور ابن منذر نے ابراہیم تیمی سے نقل کیا ہے:

وہ کہتا ہے کہ ایک شخص نے عمر کے پاس آکر کہا: خدایا! مجھے قلیل میں قرار دے۔ عمر نے کہا: یہ کون سی دعا ہے؟ اس نے کہا: میں نے قرآن مجید میں خدا ارشاد پڑھا ہے: ﴿وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ ''میرے بہت کم بندے شکر گذار ہیں''۔(۴)

۱۔ سورۂ ق/۱۹

۲۔ سورہ بقرہ/۱۱۳

۳۔ مقدار الاشعار شبلنجی، ص۷۹، (ص۱۶۱)

۴۔ سورہ سبا/۱۳

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے اس قلیل میں قرار دے۔
یہ سن کر عمر نے کہا: **کل الناس افقه من عمر** ''تمام لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں''۔
قرطبی کے الفاظ ہیں: **کل الناس اعلم منک یا عمر** ''اے عمر! ہر شخص تم سے زیادہ عالم ہے''۔

زمخشری کی تعبیر ہے: **کل الناس اعلم من عمر** ''تمام لوگ عمر سے زیادہ دانا ہیں''۔(۱)
۵۔ایک عورت عمر بن خطاب کے پاس آ کر کہنے لگی: اے مسلمانوں کے امیر! میرا شوہر دن میں روزے رکھتا ہے اور راتیں عبادتوں میں بسر کرتا ہے۔
عمر نے اس عورت سے کہا: تمہارا شوہر لائق ستایش ایمان کا حامل ہے، اسی مجلس میں کعب نامی ایک شخص بیٹھا تھا بولا: اے امیر المومنین! یہ عورت اپنے شوہر کی بے رخی اور عدم مباشرت کی شکایت کر رہی ہے۔عمر نے کہا: جب تم ان کی بات سے واقف ہو تو ان کے درمیان قضاوت کرو۔
کعب نے اس کے شوہر کو بلا کر کہا: یہ عورت تمہاری شکایت کر رہی ہے؟ اس نے کہا: کیا یہ خوراک و پوشاک کی شکایت کر رہی ہے؟ کعب نے کہا: نہیں! بلکہ تیری بے رخی اور آمیزش سے غفلت کی شکایت کر رہی ہے۔
اس عورت نے اس وقت یہ دو بیت گنگنائے:

یاایها القاضی الحکیم انشده ۔۔۔ الهی خلیلی عن فراش مسجد
نهاره ولیله لا یرقده ۔۔۔ وفی کتاب الله تخویف یحل

''اے قاضی حکیم! اسے قسم دو کہ آیا میرے رفیق و شوہر کو اس کی مسجد نے آمیزش سے غافل کر رکھا ہے، وہ رات دن خواب غفلت میں پڑا رہتا ہے، میری نظر میں وہ عورتوں کے امور میں لائق ستائش نہیں''۔

۱۔تفسیر قرطبی، ج۱۴، ص۲۷۷، (ج۱۴، ص۱۷۸)؛ تفسیر کشاف، ج۲، ص۴۴۵، (ج۳، ص۵۷۳)؛ تفسیر درّ منثور سیوطی، ج۵، ص۲۲۹، (ج۶، ص۶۸۲)

یہ سن کر اس کا شوہر گنگنانے لگا:

زهدی فی فرشها والحل انی امرؤ اذ ذهلنی ما قد نز

فی سورة النمل وفی سبع الطول وفی کتاب الله تخویف یحل

''میں اس کی مباشرت اور زینت وآرائش سے دل برداشتہ ہوں، اس لئے کہ میں ایسا مرد ہوں جسے سورۂ نمل اور بڑے سوروں میں نازل شدہ اموراور باتوں نے پریشان کررہا ہے، کتاب خدا ایسا خوف ہے جس سے میں ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہوں۔

یہ بیت بازی دیکھ کر قاضی بھی گنگنانے لگا:

اِنَّ لها علیک حقاً لو یزل فی أربع نصیبها لمن عقل

''بے شک تمہارے کاندھے پر اس کا عظیم حق ہے، جو سمجھ دار اور عقلمند ہے اسے معلوم ہے کہ چار شبوں میں سے اس کا بھی حق ہے''۔

اس کے بعد کہا: خداوند عالم نے تمہارے اوپر دو تین عورتوں کو حلال کیا ہے لہٰذا تمہارے تین شبانہ روز میں سے اس کے لئے ایک شب وروز ہے۔

یہ تمام باتیں عمر نے سن کر کہا: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں سے کس پر تعجب کروں، عورت کی بات پر یا ان کے درمیان تمہاری قضاوت پر، جاؤ میں نے تمھیں بصرہ کا والی مقرر کیا۔

دوسری صورت:

قتادہ اور شعبی سے مروی ہے: ایک عورت نے عمر کے پاس آکر کہا: میرا شوہر راتیں قیام وقعود میں گذارتا ہے اور دن میں روزے رکھتا ہے۔

عمر نے کہا: کتنی اچھی بات ہے، تمہارے شوہر کو سلام۔ کعب بن سوار نے کہا: یہ اپنے شوہر کی شکایت کررہی ہے۔ عمر نے کہا: کیسے؟ کہا: وہ کہنا چاہتی ہے کہ اسے اس کے شوہر سے کوئی فائدہ نہیں۔ عمر نے کہا: اگر اتنا سمجھ گئے ہو تو ان کے درمیان قضاوت کرو۔

کعب نے کہا: اے امیر! خداوند عالم نے اس شخص کے لئے چار عورتیں حلال کی ہیں اور ہر چار روز میں سے ایک دن اس عورت یا چار راتوں میں سے ایک رات اس سے مخصوص کی ہے۔

استیعاب میں ابی عمر کی تعبیر ہے:

ایک عورت نے عمر سے اپنے شوہر کی شکایت کی: میرا شوہر دن میں روزے رکھتا ہے اور راتیں عبادتوں میں بسر کرتا ہے اور مجھے پسند نہیں کہ آپ سے اس کی شکایت کروں کیوں کہ وہ خدا کی اطاعت بجالاتا ہے۔ لیکن حضرت عمر اس عورت کی بات سمجھنے سے قاصر رہے۔

دوسری تعبیر: عمر نے کعب بن سوار سے کہا: تم ان کے درمیان فیصلہ کرو کیونکہ تم نے وہ بات سمجھ لی ہے جو میری سمجھ سے باہر ہے۔

ابوعمر کا بیان ہے: یہ مشہور و معروف واقعہ ہے۔

شعبی سے مروی ہے کہ ایک عورت عمر کے قریب آ کر کہنے لگی: اے امیر المومنین! شوہر کے سلسلے میں میری مدد کیجئے، وہ راتوں کو نہیں سوتا اور دن میں روزے رکھتا ہے اور رات میں نمازیں پڑھتا ہے۔ عمر نے کہا: تو کیا کہنا چاہتی ہو، کیا میں اس شخص کو عبادت خدا سے منع کروں۔ (۱)

۱۳۔ قرأت نماز اور خلیفہ کا اجتہاد

۱۔ عبدالرحمن بن حنظلہ بن راہب سے مروی ہے:

عمر بن خطاب نے مغرب کی نماز پڑھی اور پہلی رکعت میں حمد و سورہ کی تلاوت کرنا بھول گئے، جب دوسری رکعت میں پہنچے تو سورۂ حمد کی دو مرتبہ تلاوت کی اور نماز کے اختتام پر دو سجدۂ سہو بجالائے۔

ابن حجر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: اس حدیث کے تمام رواۃ قابل اعتماد ہیں

۱۔ الکنی والالقاب، دولابی ج۱ ص۱۹۲؛ استیعاب (القسم الثالث، ص۱۳۱۸، نمبر۲۱۹۵)؛ الاذکیاء ابن جوزی، ص۴۹/۱۴۲، (ص۸۸/ ۲۶۷)؛ المستطرف ابشیہی، ج۱ ص۷۰، (ج۱، ص۵۶)؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۰۵، (ج۱۲، ص۴۶، خطبہ۲۲۳)؛ تاریخ الخلفاء، ص۹۶ (ص۱۳۲)؛ الاصابہ ج۳، ص۳۱۵، (نمبر۷۴۹۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ حضرت عمر کا عقیدہ تھا۔(۱)

بیہقی کے الفاظ ہیں:

عمر بن خطاب نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی، لیکن پہلی رکعت میں کوئی سورہ نہیں پڑھا اور دوسری رکعت میں حمد و سورہ کو دو مرتبہ پڑھا اور نماز کے بعد دو سجدۂ سہو بجا لائے۔(۲)

دوسری عبارت ہے: دو سجدے کے بعد سلام پڑھا۔(۳)

۲۔ ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن کا بیان ہے: عمر بن خطاب لوگوں کے ہمراہ مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے لیکن حمد و سورہ کی تلاوت نہیں کی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا: آپ نے قرأت کیوں نہیں کی؟ پوچھا: رکوع و سجود کی کیا کیفیت تھی؟ کہا گیا: ٹھیک تھے۔ کہا: ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بیہقی کا بیان ہے: شافعی کہتے ہیں کہ ابو سلمہ اس واقعہ کو مدینہ میں عمر کے خاندان کے سامنے بیان کرتا تھا اور کوئی اس کا انکار نہیں کرتا تھا۔ اس کی سند صحیح اور تمام رواۃ قابل اعتماد ہیں۔(۴)

۳۔ علی بن ابراہیم نخعی کا بیان ہے:

عمر بن خطاب نے نماز مغرب پڑھی اور کوئی سورہ نہیں پڑھا۔ لوگوں نے کہا: آپ نے کسی سورہ کی تلاوت نہیں کی۔ عمر نے کہا: میں نے نماز کے دوران ایک قافلہ شام کی طرف روانہ کیا، منزل بہ منزل پڑاؤ ڈال کر شام پہنچایا اور اونٹوں اور ان پر بار تمام چیزوں کو فروخت کیا۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے دوبارہ نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی دوبارہ نماز ادا کی۔

شعبی سے مروی ہے: ابو موسیٰ اشعری نے عمر بن خطاب سے کہا: اے مسلمانوں کے رہبر! کیا آپ نے اپنے دل میں پڑھا تھا؟ کہا: نہیں۔ پھر اذان کہنے کا حکم دیا اور اذان و اقامت کے بعد لوگوں کے

۱۔ فتح الباری، ج۳، ص۶۹، (ج۳، ص۹۰)

۲۔ سنن بیہقی، ج۲، ص۳۸۲

۳۔ کنز العمال، ج۴، ص۲۱۳، (ج۸، ص۱۳۲، حدیث ۲۲۲۵۵)

۴۔ روایت کے مدارک: سنن بیہقی، ج۲، ص۳۴۷/۳۸۱؛ المصنف عبد الرزاق (ج۲، ص۱۲۲، حدیث ۲۷۴۸)؛ کنز العمال، ج۴، ص۲۱۳، (ج۸، ص۱۳۳، حدیث ۲۲۲۵۶)

ہمراہ نماز ادا کی۔(۱)

ان واقعات اور تکرار قصہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ خلیفۂ محترم نے ان دونوں نمازوں میں مسلّم اصل سے استناد نہیں کیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ پہلی رکعت میں کسی سورہ کی قرأت نہیں کی اور دوسری رکعت میں اس کی قضا کی اور نماز کے سلام سے پہلے یا بعد میں سجدۂ سہو بجالائے۔ دوسری مرتبہ صرف رکوع وسجود پر اکتفا کیا اور سجدۂ سہو بجالائے اور ایک مرتبہ صرف احتیاط سے کام لیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خیال میں یہ اعمال باطل تھے تبھی تو دوبارہ انجام دیا اور ان کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی دو مرتبہ نماز پڑھی۔

کیا یہ خلیفہ محترم کا وقتی اجتہاد ہے یا مسائل میں ان کے پاس کوئی معیار اور مآخذ نہیں تھا جس کی طرف وہ رجوع کرتے؟

تعجب تو ابن حجر پر ہے جو خلاف قاعدہ مسائل کو بھی مذہب اور عقیدہ کا نام دیتے ہیں اور اسی طرح وہ اپنے عیوب ونقائص کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ متذکرہ روایات میں خلیفہ محترم کے خضوع وخشوع اور حضور قلب کی کیفیت کا بھی پتہ چلتا ہے؟؟

۱۴۔ میراث کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

مسعود ثقفی کا بیان ہے: میں عمر بن خطاب کے پاس تھا، انہوں نے طرفینی بھائیوں کے میراث میں مادری بھائیوں کو شریک کرلیا تھا۔ ایک شخص نے کہا: یہ کیسا فیصلہ ہے؟ عمر نے پوچھا: کیا کہنا چاہتے ہو؟ کہا: آپ نے مادری بھائیوں کے لئے تین حصہ قرار دیا اور مادری وپدری بھائیوں کے لئے کچھ بھی نہیں، انہوں نے کہا: میں نے اپنی معلومات کے مطابق حکم دیا ہے۔

۱۔ سنن بیہقی، ج۲، ص۳۸۲؛ کنز العمال، ج۴، ص۲۱۳، (ج۸، ص۱۳۳، حدیث ۲۲۴۵۷)

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: میرا آج کا فیصلہ کل کے فیصلے کی بنیاد پر ہے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

ایسا لگتا ہے جیسے احکام قضایا خلیفہ کے ذاتی نظریات کے اردگرد گھومتے رہے ہیں، خواہ شریعت کے مطابق ہو یا نہ ہو، گویا خلیفہ اپنی خواہش کے مطابق جیسا چاہے حکم دے سکتا ہے، اسلام میں کوئی حکم نہیں جس کی پیروی کی جائے اور کوئی قانون نہیں جو شائع و مشہور ہو۔ یہ تو اس تصویب (۲) سے بھی بدتر ہے جسے قطعی دلیلوں سے باطل کردیا جاتا ہے۔

۱۵۔ کنیز کی طلاق سے خلیفہ کی نادانی

حافظ دارقطنی اور ابن عساکر (۳) سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب کے پاس دو افراد آئے اور کنیز کے طلاق کے متعلق سوال کیا، یہ وہاں سے اٹھ مسجد میں بیٹھی جمعیت کے قریب آئے، ان میں اصلع نامی شخص بیٹھا ہوا تھا، عمر نے پوچھا: اے اصلع! کنیز کے طلاق کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اس نے سر بلند کر کے انگشت شہادت اور انگشت میانہ کے درمیان اشارہ کردیا، یہ دیکھ کر عمر نے کہا: دو طلاق۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا: سبحان اللہ! ہم آپ کے پاس مسلمانوں کا رہبر سمجھ کر آئے تھے لیکن آپ نے اس شخص کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا اور اس کے اشارہ پر مطمئن ہو گئے۔(۴)

(تفصیل کے لئے الغدیر کی دوسری جلد ملاحظہ کریں)۔

۱۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۵۵؛ سنن دارمی، ج۱، ص۱۵۳؛ العلم ابوعمر، ص۱۳۹؛ (جامع بیان العلم، (ص۲۹۴، حدیث ۱۵۰۵)

۲۔ تصویب یعنی مجتہد جو کہے وہ صحیح ہے چاہے کتاب و سنت اور حکم خدا کے مخالف ہی کیوں نہ ہو

۳۔ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج۱۷، ص۳۸۹)؛ حالات امام علیؑ از تاریخ ابن عساکر، (تحقیق شدہ نمبر۱۷۸)۔

۴۔ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج۱۷، ص۳۸۹)؛ حالات امام علیؑ از تاریخ ابن عساکر، (تحقیق شدہ نمبر۱۷۸)؛ کفایۃ الطالب، ص۱۲۹، (باب۶۲، ص۲۵۸)؛ مناقب خوارزمی، ص۷۸، (ص۱۳۰، حدیث ۱۴۵)؛ مودۃ القربیٰ، (مودۃ ۷)؛ ریاض النضرۃ، ج۱، ص۲۴۴، (ج۳، ص۱۸۱)؛ نزھۃ المجالس، ج۲، ص۲۴۰، (ج۲، ص۲۰۷)

۱۶۔ لولا علی لھلک عمر

عمر کے پاس ایک حاملہ عورت کو لایا گیا، اس نے زنا کا اقرار کرلیا تھا۔ عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ راستے میں حضرت علیؑ سے ملاقات ہوئی، پوچھا: اس عورت کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں؟

لوگوں نے کہا: عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت نے اسے واپس کرتے ہوئے کہا: تمہاری حکومت صرف اسی عورت تک محدود ہے، اس کے شکم میں موجود بچہ تمہارے حکم سے مستثنی ہے۔ اور شاید تم نے اسے آزار و اذیت دی یا خوفزدہ کیا ہے؟

عمر نے کہا: ہاں! میں نے اسے اذیت دی ہے۔ فرمایا: جو آزار و اذیت اور یہ دھمکیاں سننے کے بعد اقرار کرے کہ اسے زندان میں ڈال دیا جائے گا، ایسا ویسا سلوک کیا جائے گا تو اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی۔ یہ سن کر عمر نے اسے آزاد کرتے ہوئے کہا: **عجزت النساء ان أن تلدن مثل علی بن ابی طالب، لولا علی لھلک عمر** ''عورتیں علیؑ کی طرح بچہ پیدا کرنے سے عاجز ہیں اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے''۔(۱)

۱۷۔ کل احد افقہ من عمر

حضرت علیؑ عمر کے پاس پہنچے، دیکھا کہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کرنے کے لئے لوگ کشاں کشاں لئے جا رہے ہیں۔ پوچھا: اس عورت کی خطا کیا ہے؟ عورت نے کہا: یہ لوگ مجھے سنگسار کرنے لے جا رہے ہیں۔

یہ سن کر عمر سے فرمایا: اے مسلمانوں کے رہبر! یہ سنگسار نہیں ہوسکتی، تمہارا اختیار صرف اسی عورت پر ہے لیکن اس کے شکم میں موجود بچہ تمہاری حکومت سے باہر ہے۔

۱۔ روایت کے مآخذ: ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۶، (ج۳، ص۱۴۳)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۰؛ مطالب السؤال، ص۱۳؛ مناقب خوارزمی، ص۴۸، (ص۸۱، حدیث ۶۵)؛ الاربعین فخر رازی، ص۴۶۶

عمر نے برجستہ کہا: کل احد افقه من عمر ''ہر شخص عمر سے زیادہ عقلمند ہے''۔
پھر حضرت نے اس کی ضمانت لی، جب بچے کی ولادت ہو چکی تو اس عورت کو سنگسار کیا گیا۔(۱)

۱۸۔درک عرفات کے بعد حائض کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

ابن منذر کا بیان ہے: تمام فقہاء کہتے ہیں کہ جو حائضہ عرفات میں رہ چکی ہے، اس پر طواف وداع ساقط ہے۔

عمر بن خطاب، ابن عمر اور زید بن ثابت سے مروی ہے کہ ان لوگوں نے طواف وداع کے لئے حائض عورت کے توقف کا حکم دیا ہے، ان کی نظر میں توقف اسی طرح واجب ہے جس طرح طواف افاضہ، اس لئے اگر اس سے پہلے حائض ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتا۔اس کے بعد صحیح سندوں کے ذریعہ عمر کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ نافع نے ابن عمر سے روایت کی ہے: ایک عورت نے عید قربان کے دن خانۂ خدا کا طواف کیا، اس کے بعد وہ حیض میں مبتلا ہو گئی، عمر نے حکم دیا کہ اسے مکہ مکرمہ میں روکے رکھا جائے اور لوگوں کے جانے کے بعد جب وہ پاک ہو جائے تو بیت اللہ کا طواف کرے۔
روای کا بیان ہے: ابن عمر (۲) اور زید بن ثابت کا یہی نظریہ ہے، لیکن ہم عائشہ سے مروی ایک روایت کی بنیاد پر اس کی مخالفت کرتے ہیں جو اس باب میں مذکور ہے (۳)
اور ابن ابی شیبہ نے قاسم بن محمد کے طریق سے روایت کی ہے کہ تمام صحابہ کا نظریہ ہے کہ اگر عورت قبل

۱۔اس فیصلے کے مآخذ: ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۶، (ج۳، ص۱۴۳)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۱؛ کفایۃ الطالب، ص۱۰۵، (باب۵۹، ص۲۲۷)

۲۔صحیح بخاری، کتاب الحج، (ج۲، ص۶۲۵، حدیث۱۶۷۲)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۱۶۳۔

۳۔صحیح بخاری، کتاب الحیض، (ج۱، ص۱۲۴، حدیث۳۲۲)؛ کتاب الحج، (ج۲، ص۶۲۵، حدیث۱۶۷۰)؛ صحیح مسلم، (کتاب الحج، ج۳، ص۱۳۷)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۶۸؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۱۳، (ج۲، ص۲۰۸، حدیث۲۰۰۳/۲۰۰۴)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۷۷، (ج۳، ص۲۸۰، حدیث۹۴۳)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۵۲، (ج۲، ص۱۰۲۱، حدیث۳۰۷۲/۳۰۷۳)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۱۶۲؛ مصابیح السنۃ، ج۱، ص۱۸۲، (ج۲، ص۲۴۵، حدیث۱۸۵۶)۔

از حیض عرفات درک کر لیتی ہے تو اسے حج سے فارغ ہو جانا چاہیئے لیکن عمر کا کہنا ہے کہ آخر تک طواف بیت اللہ انجام دینا چاہیئے۔(۱)

حارث بن عبداللہ بن اوس سے مروی ہے کہ میں نے عمر بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس عورت کے متعلق سوال کیا جو خانۂ خدا کے طواف کے وقت حیض میں مبتلا ہو گئی تھی؟ عمر نے جواب دیا: اسے آخر تک خانۂ خدا کا طواف انجام دینا چاہیئے۔ حارث کا بیان ہے کہ میں نے کہا: رسول خداؐ نے بھی ایسا ہی فتوی دیا تھا۔ یہ سن کر عمر نے کہا: تیرے ہاتھ شل ہوں، تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے، تم نے مجھ سے ایسی بات پوچھی جس کے بارے میں پہلے ہی سے رسول خداؐ سے سوال کر چکے تھے تاکہ میں اس کی مخالفت کروں۔(۲)

ابونصر ہاشم بن ہاشم نے مؤثق اور قابل اعتماد راویوں کی طرف نسبت دیتے ہوئے ہاشم بن یحییٰ مخزومی سے نقل کیا ہے کہ قبیلۂ ثقیف کے ایک شخص نے عمر بن خطاب سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا جو حیض کی حالت میں تھی اور عید کے دن خانۂ خدا کی زیارت کی، کیا وہ پاک ہونے سے قبل کوچ کر سکتی ہے؟ عمر نے کہا: نہیں۔

اس مرد ثقفی نے کہا: لیکن رسول خداؐ نے اس کے برخلاف فتویٰ دیا ہے۔ عمر اسے کوڑے مارنے کے لئے یہ کہتے ہوئے اٹھے: مجھ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیوں کرتے ہو جس کا رسول خداؐ جواب دے چکے ہیں۔(۳)

علامہ امینی فرماتے ہیں:

مجھے نہیں معلوم حضرت عمر کی یادداشت سے ایسی بات کیسے غائب ہو گئی جس سے تمام صحابہ واقف تھے، اس کے باوجود بھی موسیٰ جار اللہ کا خیال ہے کہ عمر تمام صحابہ میں اعلم ہیں، اسی لئے تمام صحابہ نے

۱۔ فتح الباری، ج۳، ص۴۶۲، (ج۳، ص۵۸۷)

۲۔ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۱۳، (ج۲، ص۲۰۸، حدیث۲۰۰۴)؛ مختصر جامع بیان العلم، ص۲۲۷، (ص۳۹۳)

۳۔ ایقاظ الھمم، ص۹

اس فتویٰ میں ان کی مخالفت کی اور علماء بلاد نے ان کی پیروی کی۔

جہاں تک زید اور ابن عمر کا سوال ہے تو انھوں نے ایک طویل مدت تک حضرت عمر کی موافقت کی۔ معلوم نہیں یہ موافقت ان کے کوڑے کے خوف سے تھی یا نظریہ میں ان کی موافقت کی بنا پر تھی اور اللہ جانے انھوں نے اس نظریہ سے کب صرف نظر کیا، ان کی زندگی میں یا موت کے بعد؟!

سب سے زیادہ حیرت انگیز تو یہ ہے کہ رسول خداؐ کی سنت سے واقف ہونے کے بعد بھی عمر نے اپنا نظریہ نہیں بدلا، بلکہ اسی کے برعکس حارث بن عبداللہ اور مرد ثقفی نے رسول خداؐ کی سنت کی خبر دی تو ان پر بھڑک اٹھے اور کوڑا مارنے کی دھمکی دینے لگے اور سنت نبوی کے برخلاف اپنے مخصوص اور ذاتی عقیدے پر جمے رہے۔

۱۹۔ سنت رسولؐ سے خلیفہ کی نادانی

ابن مبارک کا بیان ہے: مجھ سے اشعث نے، اس سے شعبی نے اور اس سے مسروق نے نقل کیا ہے کہ عمر کو معلوم ہوا کہ ایک ثقفی نے قریشی عورت سے عدت کے دوران شادی کر لی ہے۔ عمر نے ان کی طرف آدمی بھیج کر ان دونوں میں جدائی ڈلوائی اور ان کو سزا دیتے ہوئے کہا: یہ شادی صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد مہر کی رقم لے کر بیت المال میں ڈال دی۔

یہ انوکھا فیصلہ لوگوں سے ہوتا ہوا حضرت علیؑ کو معلوم ہوا، آپ نے فرمایا: خدا مسلمانوں کے رہبر پر رحم کرے، مہر اور بیت المال سے کیا واسطہ، وہ دونوں اس بات سے ناواقف تھے کہ عدت کے دوران نکاح جائز نہیں، لہٰذا قاضی کو چاہئے کہ انھیں رسول خداؐ کی سنت سے آگاہ کریں۔

لوگوں نے پوچھا: عورت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: مہر کی رقم اس عورت کی ملکیت ہے اس لئے کہ اس نے ہمبستری کو حلال تصور کیا ہے۔ پھر ان کے درمیان جدائی ڈال کر فرمایا: ان کو کوڑا مارنا صحیح نہیں، پہلے عورت عدتِ اول کو مکمل کرے، پھر دوسری مرتبہ عدت کو مکمل کر کے مرد کو عقد نکاح کی دعوت دے۔

اس فیصلے سے واقف ہونے کے بعد عمر نے برجستہ کہا: اے لوگو! نادانیوں اور بے وقوفیوں کو واقعی سنت کی طرف پلٹا دو۔(۱)

مسروق کی تعبیر ہے: ایک ایسی عورت کو عمر کے پاس لایا گیا جس نے عدت کے دوران شادی کر لی تھی، عمر نے ان کے درمیان جدائی ڈال کر مہر کی رقم کو بیت المال میں جمع کر لیا اور کہا: یہ دونوں ایک ساتھ جمع نہ ہونے پائیں۔

جب اس واقعہ کی اطلاع حضرت علیؑ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: اگر جہالت و نادانی کی وجہ سے ہوا ہے تو مہر کی رقم اس کی ملکیت ہے کیوں کہ اس کے خیال میں یہ آمیزش اور لذت اندوزی حلال طریقہ سے ہوئی ہے۔ پھر ان کے درمیان جدائی ڈال کر فرمایا: عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد عورت کو خواستگاری کا پورا حق حاصل ہے۔

یہ سن کر عمر نے ایک خطبہ میں کہا: نادانیوں کو واقعی سنت کی طرف پلٹا دو۔ پھر حضرت علیؑ کا نظریہ اختیار کیا۔

خوارزمی کے الفاظ ہیں: عمر کے قول کو علیؑ کے قول کی طرف پلٹا دو۔

تذکرہ میں ہے کہ عمر نے کہا: **لولا علی لهلک عمر** ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے''۔

بیہقی نے اپنی سنن میں مسروق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عمر نے عدت کے دوران شادی کرنے والی عورت کے متعلق کہا: **النکاح حرام و الصداق حرام** ''مہر اور نکاح دونوں حرام ہے''۔ مہر کی رقم لے کر بیت المال میں جمع کر لیا اور کہا: جب تک زندہ ہیں یہ دونوں ایک ساتھ جمع نہ ہونے پائیں۔

بیہقی ہی نے عبداللہ بن نضلہ یا نضیلہ سے روایت کی ہے: عمر کو معلوم ہوا کہ ایک عورت نے عدت کے دوران شادی کر لی ہے۔ یہ سن کر عمر نے عورت سے کہا: کیا تم جانتی ہو کہ تم نے عدت کی مدت میں

۱۔ احکام القرآن، ج۱، ص۵۰۴، (ج۱، ص۴۲۵)

شوہر اختیار کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر انھوں نے شوہر سے سوال کیا: کیا تمہارے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ یہ عورت عدت گذار رہی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔

عمر نے کہا: اگر تم دونوں دانستہ یہ فعل انجام دیتے تو میں سنگسار کروا دیتا۔ لہٰذا انھوں نے دونوں کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور مہر کی رقم لے کر راہ خدا میں صدقہ قرار دے دیا۔ پھر کہا: مہر اور ہمبستری کی قطعی اجازت نہیں۔ اور مرد سے کہا: وہ عورت تم پر حرام ہے۔

بیہقی کی دوسری صورت: راوی کہتا ہے کہ عمر بن خطاب کے پاس ایک ایسی عورت کو لایا گیا جس نے عدت میں شادی کر لی تھی، انھوں نے مہر کی رقم لے کر بیت المال میں ڈال دیا اور ان کے درمیان جدائی ڈال کر کہا: ہاں! یہ دونوں ہرگز اکٹھا نہ ہونے پائیں اور سزا بھی دی۔

حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ سننے کے بعد کہا: خدا کا حکم یہ نہیں ہے۔ ہاں! یہ لوگوں کی جہالت کی وجہ سے ہوا ہے، پہلے ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہئے پھر تکمیل عدت کے بعد دوبارہ دعوت عقد دینا چاہئے، حضرت علیؑ نے عدم علم کی وجہ سے حلالیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مہر کی رقم کو حلال قرار دے دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ عمر نے خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا: اے لوگو! نادانیوں کو واقعی سنت کی طرف پلٹا دو۔ (۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: خلیفہ نے ان دونوں کو کوڑا کیوں مارا؟ کیوں ان کے مہر کی رقم واپس لے لی، کس آیت اور کون سی صحیح روایت کے توسط سے مہر کی رقم بیت المال میں جمع کر لی اور اسے راہ خدا میں صدقہ قرار دے دیا، کس دلیل کے پیش نظر انہوں نے عورت کو اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا؟؟! میں نہیں جانتا، قرآن مجید میں ہے کہ اگر نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے معلوم کرو ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾۔

۱۔ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۴۴۱/۴۴۲؛ الموافقات ابن سمان، جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۱۸۷، (ص ۴۴۴، حدیث ۲۰۴۹)؛ ریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۱۹۶، (ج ۳، ص ۱۴۴)؛ ذخائر العقبیٰ، ص ۸۱؛ مناقب خوارزمی، ص ۵۷، (ص ۹۵، حدیث ۹۵)؛ تذکرۃ الخواص، ۸۷، (ص ۱۴۷)

اے کاش! خلیفہ محترم خود فراموشی کے شکار نہ ہوکر اپنے قول پر عمل کرتے کہ نادانیوں کو واقعی سنت کی طرف پلٹا دو۔

۲۰۔ جد کے سلسلے میں خلیفہ کا اجتہاد (دادا کی میراث):

دارمی نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ اسلام میں وارث ہونے والے پہلے جد ''عمر بن خطاب'' ہیں جنہوں نے اپنی میراث حاصل کی، حضرت علیؑ اور زید ان کے پاس آ کر کہنے لگے: یہ تمھارا مال نہیں ہے اور تم بھی ہمارے بھائیوں میں سے ایک ہو۔ (۱)

بیہقی کے الفاظ ہیں: بے شک اسلام میں دادا کی حیثیت سے وارث ہونے والے پہلے شخص عمر بن خطاب ہیں، جب عمر بن خطاب کے فلاں لڑکے کا انتقال ہوا تو عمر نے اکیلے میں سارا مال ہڑپ کر لینا چاہا اور اس شخص کے بھائیوں کو ترکہ سے محروم رکھنا چاہا، یہ دیکھ کر حضرت علیؑ اور زید نے کہا: یہ آپ کے لئے نہیں ہے۔ عمر نے کہا: اگر آپ دونوں کے نظریہ میں اتحاد نہ ہوتا تو میں یہ بھی نہیں دیکھتا کہ وہ میرا فرزند ہے یا میں اس کا باپ۔ (۲)

دارمی (۳) مروان بن حکم سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمر بن خطاب کو ضربت لگی تو جد کی میراث کے متعلق اصحاب سے مشورہ کیا اور کہا: جد کی میراث کے متعلق میرا ذاتی نظریہ ہے، اگر تمہاری نظر میں بہتر ہو تو اس کی پیروی کرو، یہ سن کر عثمان نے کہا: آپ کے ذاتی اجتہاد میں ہماری بھلائی ہے پس صاحب نظر کتنا اچھا ہے۔ (۴)

شعبی کہتے ہیں: ابوبکر و عمر کا اجتہاد یہ تھا کہ بھائیوں کے بغیر جد طبقہ اول میں ہے، عمر اس سلسلے میں

۱۔ سنن دارمی، ج۲، ص۳۵۴

۲۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۴۷

۳۔ سنن دارمی، ج۲، ص۳۵۴

۴۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۴، ص۳۴۰، (ج۴، ص۳۷۷، حدیث ۷۹۸۳)؛ مصنف عبدالرزاق (ج۱۰، ص۲۶۳، حدیث ۱۹۰۵۱)

کسی قسم کی بات سننے کے روادار نہیں تھے، جب عمر دادا ہوئے تو کہا: جو ہونا تھا وہ ہوا اب لوگوں کو اس کی صحیح معلومات حاصل کرنی چاہیے۔ اسی لئے ایک آدمی کو زید بن ثابت کے پاس بھیج کر اس کے متعلق سوال کیا۔ زید نے کہا: ابوبکر جد کو بھائیوں سے بہتر سمجھتے تھے، اے مسلمانوں کے رہبر! اپنے آپ کو درخت قرار نہ دیجئے جس سے کئی شاخیں نکلتی ہیں، ہر شاخ سے بھی کئی شاخیں نکلتی ہیں پس ایک شاخ کو دوسری شاخ سے بہتر قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ایک شاخ دوسری شاخ سے نکلی ہے۔

یہ سن کر انہوں نے ایک آدمی حضرت علیؑ کے پاس روانہ کیا اور ان سے سوال کیا: حضرت نے زید کی تائید فرمائی۔(۱)

سعید بن مسیتب نے عمر سے روایت کی ہے: میں نے رسول خداؐ سے سوال کیا کہ جد کی میراث کے متعلق بتایئے؟ فرمایا: اے عمر! یہ سوال کس لئے، میرا خیال ہے کہ تم اس کو سمجھنے سے پہلے ہی مرجاؤ گے۔ سعید بن مسیتب کا بیان ہے کہ عمر اس مسئلے کو سمجھنے سے پہلے ہی مر گئے۔

طبرانی اور ہیثمی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: اس روایت کے تمام راوی صحیح ہیں۔(۲)

سیوطی نے ''جمع الجوامع'' (۳) اور بیہقی نے ''سنن'' میں زید بن ثابت سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن عمر اجازت لے کر میرے پاس آئے، میں نے کہا: مسلمانوں کے رہبر! مجھے بلالیا ہوتا۔ عمر نے کہا: نہیں، ابھی میں ضرورتمند ہوں، میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ جد کے متعلق اپنا نظریہ بیان کرسکوں۔

زید نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! اس سلسلے میں کچھ بھی کہنے سے قاصر ہوں۔ عمر نے کہا: یہ وحی نہیں جس میں کمی و زیادتی کا خوف ہو، ہم اپنا نظریہ بیان کریں گے جس کی موافقت ہوجائے اس کی پیروی کی جائے گی، اگر موافقت نہ ہوئی تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے باوجود بھی زید نے کچھ کہنے سے پرہیز کیا، یہ

۱۔ مصنف عبدالرزاق (ج ۱۰، ص ۲۶۵، حدیث ۱۹۰۵۸)؛ سنن بیہقی، ج ۶، ص ۲۴۷

۲۔ المعجم الاوسط، (ج ۵، ص ۱۳۵، حدیث ۳۹۱۴)؛ مجمع الزوائد، ہیثمی ص ۲۲۷

۳۔ کنز العمال، ج ۶، ص ۱۵، (ج ۱۱، ص ۵۷، حدیث ۳۰۶۱۱)

دیکھ کر عمر ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے باہر آئے: میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم میری ضرورت برطرف کر دوگے۔

جب دوسری مرتبہ بھی مزاحم ہوئے تو زید نے مندرجہ بالا روایت کی تکرار کی، آخر میں عمر نے خطبہ کے دوران کہا: زید بن ثابت نے میراث کے متعلق یہ مسئلہ بیان کیا اور میں نے بھی اس کی تائید کی۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ (عمر) پہلے جد اور دادا تھے جنھوں نے چاہا کہ فرزند کے تمام اموال کو ہڑپ کر جائیں اور بھائیوں کو محروم رکھیں، لیکن اس کے بعد انھوں نے اموال کی تقسیم کی۔

بیہقی نے سنن میں عبیدہ سے نقل کیا ہے: میں نے جد کے متعلق عمر کے سو [۱۰۰] واقعات محفوظ کئے ہیں، جو ایک دوسرے کے برخلاف ہیں اور ایک دوسرے کی تنقیص کر رہے ہیں۔(۱)

ابن ابی الحدید کا بیان ہے: عمر بن خطاب بہت زیادہ فتویٰ دیتے پھر اسے باطل قرار دے کر اس کے برخلاف فتویٰ دیتے تھے، میراث کے سلسلہ میں بھی بھائیوں کے متعلق بہت سے احکامات صادر کئے جو ایک دوسرے کے مخالف تھے اور جب اس مسئلہ میں حکم دینے سے خوف زدہ ہوئے تو کہا: جو آتش جہنم کی تاب رکھتا ہے وہ جد کے متعلق فتویٰ دے۔(۲)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ ایک ہی موضوع سے متعلق ضد ونقیض سو (۱۰۰) واقعات کیا واقع کے مطابق ہیں؟ اور یہ معقول نہیں۔ یا بعض موافق اور واقع کے مطابق ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر تمام واقعات میں ان بعض کی جانب رجوع کیوں نہ کیا گیا؟! نیز کیا یہ تمام واقعات اور فتوے خلیفہ کے ذاتی اجتہاد پر مبنی تھے اور صحابہ سے اخذ کئے گئے تھے؟!

کیا صحابہ نے اپنے عقائد ونظریات کی بنیاد پر فتویٰ دیا تھا یا انہوں نے رسول خداؐ سے حاصل کیا تھا، اگر رسولؐ سے حاصل کیا گیا ہوتا تو فتوے آپس میں مختلف نہ ہوتے، اس لئے کہ یہ فتوے عہد رسالت سے بہت قریب تھے۔ اور اگر ان کا ذاتی اجتہاد تھا تو یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ان کے اندر اجتہاد کی صلاحیت تھی یا نہیں، نیز ان کی صلاحیت کے اعتراف کے بعد ان کے اجتہادی امور کے متعلق غور کرنا ہمارے

۱۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۴۵

۲۔ شرح ابن ابی الحدید، ج۱، ص۶۱، (ج۱، ص۱۸۱، خطبہ۳)

لئے ضروری ہے۔ ہاں! اگر کوئی دلیل سے عاری اجتہاد پیش کرے تو وہ حجت نہیں چاہے وہ خلیفہ کا ہی کیوں نہ ہو۔

۲۱۔ اپنے غلام کے ساتھ مباشرت کرنے والی عورت اور خلیفہ کا نظریہ

قتادہ سے مروی ہے: ایک عورت نے اپنے غلام کے ساتھ ہمبستری کی اور کہا کہ میں نے کتاب خدا کی ایک آیت سے استفادہ کیا ہے: ﴿او ما ملکت ایمانهم﴾

لوگوں نے اسے عمر کی خدمت میں پیش کیا، بعض اصحاب نے کہا: اس نے کتاب خدا کی ایک آیت سے غلط تاویل وتوجیہ کی ہے۔ راوی کا بیان ہے: انہوں نے غلام کو مار کر اس کا سر ترشوادیا اور اس عورت سے کہا: تو اپنے غلام کے بعد ہر مسلمان پر حرام ہے۔

قرطبی کی دوسری صورت: ایک عورت نے غلام سے شادی کر لی، اس واقعہ کو عمر سے بیان کیا گیا، عمر نے عورت سے سوال کیا: تم نے کس دلیل کے تحت ایسا کام انجام دیا ہے؟

اس نے کہا: میں نے سوچا کہ خریداری کے سبب وہ مجھ پر حلال ہے بالکل اسی طرح جس طرح مرد کے اوپر عورت خریداری کی وجہ سے حلال ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر عمر نے عورت کو سنگسار کرنے کے سلسلے میں اصحاب سے مشورہ کیا، اصحاب نے کہا: صرف کتاب خدا کی غلط تاویل کی بنیاد پر سنگسار نہیں کیا جاسکتا۔

عمر نے کہا: افسوس، خدا کی قسم! اس کے بعد میں اسے کسی آزاد مرد پر حلال نہیں کروں گا، اس عورت کو آزار واذیت دی اور حد سے صرف نظر کرتے ہوئے حکم دیا کہ اس غلام سے دوبارہ نزدیکی اختیار نہ کرے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: اے کاش! میں جان پاتا کہ نادانی اور کتاب خدا کی تاویل کے سبب اس عورت اور اس کے غلام سے حد کو ساقط کرنے کے بعد اتنی سنگین سزا کیوں؟؟ اور خداوند عالم کے بعد

۱۔ تفسیر طبری، ج۶، ص۶۸، (مجلد۴، ج۶، ص۱۰۶)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۱۲۷؛ تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۲۳۹؛ تفسیر قرطبی، ج۱۲، ص۱۰۷، (ج۱۲، ص۷۲)؛ درّ منثور، (ج۶، ص۸۸)

بھی اس سزا کا کیا مطلب؟

کس کتاب وسنت کے پیش نظر اس غلام کو مارا اور اس کا سر ترشوادیا اور کس دلیل کے تحت اس عورت کو ہر مسلمان پر حرام قرار دیتے ہوئے اس کے غلام کو اپنی مالکہ سے قریب آنے کی ممانعت کی؟؟

کیا دین خدا خلیفہ پر نہیں ہے یا اسلام خلیفہ کے نظریات کے علاوہ کچھ نہیں، اگر ایسا ہے تو اسلام پر میرا اسلام اور اگر ایسا نہیں ہے تو خلافت راشدہ پر آفرین اور اس کے آزاد نظریہ پر لاکھوں سلام۔

خود عمر اور عائشہ سے مروی رسول خداؐ کی روایت میں یہ اذیتیں کہاں ہیں، رسول خداؐ نے فرمایا: حتی المقدور حدود الٰہی کو مسلمانوں سے دور رکھو اور اگر تم کسی مسلمان کو راہ حق سے خارج ہوتا دیکھو تو اس کے راستہ کو وا رکھو اس لئے کہ امام کا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ وہ عفو وبخشش میں خطا کرے۔(۱)

۲۲۔ خلیفہ اور مغنیہ عورت

حسن سے مروی ہے: عمر بن خطاب نے ایک مغنیہ عورت کے تعاقب میں آدمی روانہ کیا، جب اسے حاضر کیا گیا تو اس نے اپنے پیشے سے صاف انکار کردیا، لوگوں نے کہا کہ وہ عمر کی بات مان لے؟ اس نے کہا: وائے بر من، مجھے عمر سے کیا سروکار؟ راستے میں وہ خوفزدہ ہوئی، وضع حمل نے درد کی شدت اختیار کرلی، ایک گھر میں داخل ہوئی وضع حمل کیا، بچہ نے دردناک آواز بلند کی اور وہیں فوت ہوگیا۔

اس اچانک سانحہ کے متعلق عمر نے اصحاب سے مشورہ کیا، بعض نے کہا: آپ اس سے بری الذمہ ہیں کیوں کہ آپ مسلمان کے رہبر اور معلم آداب ہیں۔ اس دوران حضرت علیؑ ساکت رہے، عمر نے آپ کی طرف رخ کرکے کہا: آپ کیا فرماتے ہیں؟

۱۔ شافعی کی کتاب الام، ج۷، ص۳۱۴، (ج۷، ص۳۴۵)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۴، ص۳۸۴، (ج۴، ص۴۲۶، حدیث ۸۱۶۳)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۲۶۷، (ج۴، ص۲۵، حدیث ۱۴۲۴)؛ تاریخ بغداد، ج۵، ص۳۳۱، (نمبر ۲۸۵۶)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۳۸؛ مشکاۃ المصابیح، ص۳۰۴، (ج۲، ص۳۱۱، حدیث ۳۵۷۰)؛ تیسیر الوصول ج۲، ص۲۰، (ج۲، ص۲۳)؛ جامع مسانید ابی حنیفہ ج۲، ص۲۱۴۔۲۲

فرمایا: اگران لوگوں نے خود اپنے لئے کہا ہے تو یہ واضح غلطی ہے اور اگر آپ کی محبت میں کہا ہے تو یہ آپ کے خیر وصلاح کے امیدوار نہیں ہیں، میری نظر میں اس بچہ کی دیت آپ پر واجب ہے اس لئے کہ آپ ہی سے خوف زدہ ہوکر ساقط ہوا ہے۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اس کی دیت قریش کے درمیان تقسیم کرو یعنی اس کی دیت قریش سے حاصل کرلو۔

دوسری صورت: عمر نے ایک عورت کو طلب کیا تا کہ اس کے متعلق باز پرس کریں، وہ حاملہ تھی، شدت ہیبت کی وجہ سے رحم میں موجود بچہ ساقط ہوگیا، عمر نے اس موضوع سے متعلق صحابہ سے سوالات کئے، لوگوں نے کہا: آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں کیوں کہ آپ معلم آداب ہیں۔

حضرت نے فرمایا: ان لوگوں نے رعایت کرنے میں دھوکہ دیا ہے، اگر یہ ان کا ذاتی نظریہ ہے تو یہ واضح غلطی ہے، آپ کے اوپر ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے۔ یہ سن کر عمر کے ہمراہ اصحاب نے آپ کے قول کی تائید کی۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: یہ خلیفہ کتنا عظیم ہے کہ جس کے پاس دین خدا کے سلسلے میں وہ مفید علم بھی نہیں ہے جو اسے ہلاکت اور قضاوت کی لغزش سے محفوظ رکھ سکے۔ کیا ہر آسان اور مشکل حتی جان و مال اور خونخواہی جیسے اہم مسائل میں ایسے افراد کے عقائد ونظریات پر اعتماد کرنا صحیح ہے جن کی بجا آوری فریب میں مبتلا کردیتی ہے اور ایسے افراد کی انتہائی کوششیں خطا پر مبنی ہیں۔ ہمارے اندر انہیں بیان کرنے کی سکت نہیں، ہاں صاحب تحقیق کے پیش نظر ایسے واقعات موجود ہیں۔

۲۳۔ مجبور عورت کو سنگسار کرنے کا حکم

عبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ ایک ایسی عورت کو عمر کے پاس لایا گیا جس کا واقعہ یہ ہے:

۱۔ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص ۱۱۷، (ص ۱۲۵)؛ جامع بیان العلم، ص ۱۴۶، (ص ۳۰۶، حدیث ۱۵۳۷)؛ کنز العمال، ج ۷، ص ۳۳۰، (ج ۱۵، ص ۸۴، حدیث ۴۰۲۰۱)؛ المصنف عبد الرزاق (ج ۹، ص ۴۵۸، حدیث ۱۸۰۱۰)؛ سنن بیہقی، (ج ۶، ص ۱۲۳)؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۵۸، (ج ۱، ص ۱۷۴، خطبہ ۳)

وہ تشنگی سے بے حال تھی، اس کا گذر ایک چوپان کے پاس سے ہوا، اس عورت نے اس سے پانی کا مطالبہ کیا، اس نے مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس سے فعل بد کی خواہش کی، اس بے چاری نے تشنگی کی شدت سے مجبور ہو کر اس شرط کو مان لیا۔ پورا واقعہ سن کر عمر نے سنگسار کرنے کے سلسلے میں اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ عورت مجبور تھی، میری نظر میں اسے آزاد کر دینا چاہئے، یہ سن کر اسے آزاد کر دیا گیا۔(۱)

واقعہ کی تفصیل:

ایک عورت کو عمر کے پاس لایا گیا جس نے زنا کا اقرار کر لیا تھا۔ عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا، حضرت علیؑ نے اس عاجلانہ فیصلہ کو دیکھ کر فرمایا: ممکن ہے وہ کوئی عذر پیش کرے۔ پھر فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟

اس عورت نے کہا: وہ میرا رفیق سفر تھا، اس کے پاس دودھ تھا لیکن میں اس سے محروم تھی، جب مجھے تشنگی کا احساس ہوا تو اس سے پانی طلب کیا پہلے تو انکار کیا، بعد میں شرط رکھی کہ میں خود کو اس کے اختیار میں دے دوں، میں نے تین مرتبہ انکار کیا اور ممانعت کی لیکن شدت تشنگی کے پیش نظر میں نے خیال کیا کہ اب میری جان نکل جائے گی، لہٰذا مجبوراً اس کی خواہش پوری کی اور اس نے مجھے سیراب کر دیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اللہ اکبر ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (۲) ”جو شخص مجبور ہو اور سرکشی و زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر کوئی گناہ نہیں، خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے“۔(۳)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: اے کاش! خلیفہ محترم کتاب و سنت کا تھوڑا سا علم حاصل کر لیتے تاکہ خداوند عالم نے رسول خداؐ پر جو نازل فرمایا تھا اس کے مطابق احکامات صادر فرماتے۔

۱۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۳۶؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۶، (ج۳، ص۱۴۴)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۱؛ الطرق الحکمیہ ابن قیم جوزی، ص۵۳۔

۲۔ بقرہ/۱۷۳

۳۔ طرق حکمیہ ابن قیم جوزی، ص۵۳؛ کنز العمال، ج۳، ص۹۶، (ج۵، ص۴۵۶، حدیث ۱۳۵۹۶)

اے کاش! میں جان پاتا کہ خلیفہ کے اہداف ومقاصد کیا تھے؟ اور حکیم امت حضرت امیر المومنینؑ اگر امت کے درمیان نہ ہوتے تو ان فیصلوں کا انجام کیا ہوتا؟ سوچئے! اگر ان کی نادانیوں کو صحیح راہ دکھانے اور ان کے غیض وغضب کو برطرف کرنے کے لئے حضرت علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ ہاں! بے شک اس شخص نے صحیح کہا ہے: ''لو لا علی لھک عمر''۔

۲۴۔ خلیفہ نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہیں؟

عمر کے پاس سیاہ فام مرد وعورت لائے گئے۔ مرد نے کہا: آپ ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ میں سیاہ فام ہوں اور سیاہ درخت اگا تا ہوں، میری بیوی بھی سیاہ فام ہے لیکن اس نے سرخ بچہ کو جنم دیا ہے۔

عورت نے کہا: اے امیر مومنین! خدا کی قسم! میں نے اس کے ساتھ خیانت نہیں کی ہے یہ اسی کا بچہ ہے۔

جب عمر اس مسئلے کو حل کرنے سے عاجز رہے تو حضرت علیؑ سے سوال کیا: حضرت نے اس شخص سے پوچھا: کیا تو میری باتوں کی تصدیق کرے گا؟ اس نے کہا: ہاں، خدا کی قسم!

حضرت نے فرمایا: کیا تم نے حالت حیض میں اس کے ساتھ ہمبستری کی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

حضرت نے فرمایا: اللہ اکبر! بے شک جب تیرا نطفہ خون سے مخلوط ہوا تو خداوند عالم نے اس سے سرخ رنگ کا انسان خلق فرمایا، لہٰذا اپنے فرزند کا انکار نہ کر کیوں کہ تو نے اپنے آپ پر ستم کیا ہے!۔(۱)

۲۵۔ خلیفہ کی جاسوسی کے چند واقعات

۱۔ عمر بن خطاب سے منقول ہے: ایک شب وہ تلایا پھر رہے تھے، ایک گھر سے گذرتے ہوئے ایک آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی، وہ مشکوک ہوئے اور تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دیوار پر پہنچ

۱۔ طرق حکمیہ ابن قیم جوزی، ص ۴۷

گئے دیکھا کہ ایک شخص شراب کے جام کے ساتھ ایک عورت کے پہلو میں پڑا ہوا ہے، یہ دیکھ کر عمر نے کہا: اے دشمن خدا! تیرا خیال ہے کہ خدا تیرے عیوب کو چھپاتا رہے اور تو معصیت پر معصیت کرتا رہے۔

اس شخص نے کہا: اے رہبر مسلمین! چھوڑیئے بھی اگر میں نے ایک خطا کی ہے تو آپ سے تین خطائیں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور خدا کا ارشاد ہے ''لاتجسسوا؛ جاسوسی نہ کرو' اور آپ نے جاسوسی کی، خدا کا ارشاد ہے: آتوا البیوت من ابوابھا ''گھروں میں دروازے سے آؤ'' حالانکہ آپ دیوار کے ذریعہ اوپر پہنچے۔ اور خدا فرماتا ہے: اذا دخلتم بیوتاً فسلموا ''گھر میں داخل ہو کر پہلے سلام کرو''۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اگر میں تمہیں معاف کردوں تو تم کیا کروگے؟ اس نے کہا: خدا کی قسم! میں دوبارہ شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ عمر نے کہا: جاؤ میں نے معاف کیا۔(۱)

۲۔ عمر بن خطاب شب کی تاریکی میں باہر نکلے، بعض گھروں میں چراغ کی روشنی دیکھی، گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر تفتیش کرنے لگے، سوراخ کے ذریعہ ایک سیاہ فام غلام کو دیکھا کہ اس کے سامنے شراب کا جام موجود ہے اور اس کے اطراف میں چند دوسرے افراد بھی مے نوشی میں مصروف ہیں، انہوں نے دروازے سے اندر داخل ہونے کی بھرپور کوشش کی لیکن جب ناکام رہے تو دیوار کے ذریعہ پشت بام پر تشریف لے گئے اور تازیانہ ہاتھ میں لئے ہوئے زینہ سے نیچے آئے۔ تمام لوگ انھیں دیکھ کر فوراً کھڑے ہوئے اور دروازہ کھول کر سرپٹ بھاگ نکلے لیکن وہ سیاہ فام غلام وہیں کھڑا رہا، اس نے کہا: اے مسلمانوں کے رہبر! میں اپنی خطا پر شرمندہ ہوں، میری توبہ قبول فرمایئے۔

عمر نے کہا: میں تیرے اس عظیم گناہ کی سزا دینا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر اس غلام نے کہا: اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ سے تین تین گناہ سرزد ہوئے ہیں۔

خدا کا ارشاد ہے: ''لاتَجَسَّسُوا'' جاسوسی نہ کرو' لیکن آپ نے ہماری جاسوسی کی۔ اور ''آتوا

۱۔ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۴۶، (ج۲، ص۳۱۹)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۱، ص۶۱، ج۳، ص۶۹، (ج۱، ص۱۸۲، خطبہ۳/ ج۱۲، ص۱۷، خطبہ۲۲۳)؛ درمنثور، ج۶، ص۹۲، (ج۷، ص۵۶۸)؛ فتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۷۷، (ج۲، ص۳۱۱)

الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ''گھروں میں دروازے سے اندر آؤ''لیکن آپ پشت بام سے تشریف لائے اور''لَاتَدْخُلُو بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُو وَتُسَلِّمُوا عَلٰى اَهْلِهَا ''اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں نہ جاؤ مگر یہ کہ انسیت کا جذبہ رکھو اور اہل خانہ کو سلام کرو''۔(۱)

ابن جوزی (۲) نے اس شرمناک واقعہ کو عمر بن خطاب کے فضائل و مناقب میں شمار کیا ہے اور شاعر نیل ابراہیم نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنے قصدۂ عمریہ میں اس داستان کو تفصیل سے نظم کیا ہے:

وفتيةٌ ولعوا بالرّوح فانتبذوا　　لهم مكانها وجدّوا فى تعاطيها

کچھ جوان شراب کے رسیا تھے، انہوں نے ایک گھر کا انتخاب کیا اور ایک ساتھ مل کر شراب پینے لگے۔ آپ اس گھر کی دیوار سے اوپر گئے اور سمجھ گئے کہ وہ شراب نوشی میں مشغول ہیں، چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ پھر آپ نے ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا، ان کے عقائد اور افعال کی مذمت کی۔ وہ سمجھ گئے کہ آپ انہیں ان کے عمل کی وجہ سے ضرور سزا دیں گے۔ آپ نے ان کے دین سے آگاہ کرنے کا ارادہ کیا، چونکہ وہ شرابی تھے اور عمر یہ سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے کہا: ذرا صبر کریں، اگر ہم نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں اور اس کا افسوس بھی نہیں ہے۔ اے عمر! گھروں میں دروازوں سے اندر آؤ لیکن آپ نے دیوار سے آکر گناہ کیا ہے۔ لوگوں سے اجازت لو ان کی اجازت کے بغیر اندر نہ آؤ اور گھروں میں جنگ وجدال نہ کرو نیز جاسوسی نہ کرو۔ پس یہ آیتیں اس کی ممانعت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں، آپ ان کی ممانعت بھول گئے۔ یہ سن کر آپ ان کی دلیلوں کو اہمیت دیتے ہوئے واپس پلٹ آئے، کیونکہ ان کی دلیلوں میں آپ نے قرآن کی صراحت ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے ان پر سختی نہیں کی حالانکہ وہ زحمت میں تھے، انہوں نے قرآنی آیات کے ذریعہ آپ کو آپ کے گناہوں کی طرف متوجہ کیا''۔

۱۔ مستطرف شھاب الدین، ج۲، ص۱۱۵، (ج۲، ص۱۰۶)

۲۔ صفۃ الصفۃ، (ج۱، ص۲۷۷)

علامہ امینی فرماتے ہیں: دوستی ومحبت آدمی کو ایسا اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے کہ وہ رذائل کو کرامات اور گناہوں کو حسنات سمجھنے لگتا ہے۔

۳۔ عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے: ایک رات ہم عمر بن خطاب کے ہمراہ مدینہ کی دیکھ بھال کر رہے تھے، راستے میں ایک گھر سے چراغ کی روشنی نظر آئی، نزدیک آنے پر معلوم ہوا کہ دروازہ بند ہے اور اندر چند افراد شور وغل کر رہے ہیں، عمر نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: جانتے ہو کس کا گھر ہے؟ کہا: نہیں، عمر نے کہا: یہ ربیعہ بن امیہ کا گھر ہے اور اندر لوگ شراب نوشی میں مشغول ہیں، تمہارا کیا خیال ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا: میری نظر میں ہم ایسے فعل کے مرتکب ہوئے ہیں جس کی خدا نے ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے: لَاتَجَسَّسُوا! ''جاسوسی نہ کرو'' یہ سنتے ہی عمر انھیں ان کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔(۱)

۴۔ عمر بن خطاب ایک ایسے قبیلہ میں پہنچے جہاں میکدہ میں آگ روشن کر کے لوگ شراب نوشی میں مصروف تھے، یہ دیکھ کر عمر نے کہا: میں نے تم لوگوں کو شراب نوشی کی ممانعت کی تھی۔ یہ کہتے ہوئے چاہا کہ ادب سکھائیں کہ لوگوں نے کہا: اے امیرالمومنین! خداوند عالم نے جاسوسی کی ممانعت کی ہے لیکن آپ نے ہماری جاسوسی کی، اس نے بغیر اجازت گھروں میں داخل ہونے کی ممانعت کی ہے لیکن آپ بغیر اجازت داخل ہوئے، یہ سن کر عمر یہ کہتے ہوئے منصرف ہو گئے: کل الناس افقہ منک یا عمر.(۲)

۵۔ بیہقی ''شعب الایمان''(۳) میں شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت عمر کی خدمت میں آ کر کہنے لگی: اے رہبر! میں نے ایک بچہ دیکھا جس کے قریب سو دینار کا تھیلا پڑا تھا، میں نے اسے

۱۔ سنن کبریٰ بیہقی، ج۸، ص۳۳۴؛ الاصابہ، ج۱، ص۵۳۱؛ درّ منثور، ج۶، ص۹۳، (ج۷، ص۵۶۷)؛ سیرۂ حلبیہ، ج۳، ص۲۹۳ (ج۳، ص۲۶۶)؛ فتوحات اسلامیہ، ج۲، ص۴۷۶، (ج۲، ص۳۱۱)

۲۔ عقد الفرید، ج۳، ص۴۱۶، (ج۶، ص۲۷۸)

۳۔ شعب الایمان، (ج۷، ص۱۰۸، حدیث ۹۶۶۲)

اٹھا کر اس بچہ کی دیت حاصل کر لی، اس کے بعد دیکھا کہ چار عورتیں آ کر اس بچہ کا بوسہ لیتی ہیں میں نہیں جانتی ان میں اس کی ماں کون ہے؟

عمر نے کہا: جب وہ آئیں تو مجھے مطلع کرو، اس عورت نے ایسا ہی کیا، چاروں عورتوں کی نشاندہی کر دی، عمر نے کہا: تم میں اس کی ماں کون ہے؟ سب نے بیک زبان کہا: یہ کام ٹھیک نہیں، آپ ایسی عورت کا پردہ فاش کرنا چاہتے ہیں جس کے اوپر خدا نے پردہ ڈال رکھا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ پردہ ہٹا دیا جائے اور وہ ذلیل و رسوا ہو جائے۔

عمر نے کہا: تم نے ٹھیک کہا، پھر خبر لانے والی عورت کی طرف رُخ کر کے کہا: ان کی آمد پر کوئی سوال و جواب نہ کر اور بچہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کر، اس کے بعد وہ منصرف ہو گئے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: ان تمام واقعات میں اہم بحثیں ہیں جو محقق سے پوشیدہ نہیں، ہم اختصار کے پیش ان سے غض بصر کرتے ہیں۔

۲۶۔شراب کی حد کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

انس کا بیان ہے کہ رسول خداؐ کی خدمت میں شراب خور کو پیش کیا گیا، آپ نے خرما کی دو شاخوں سے تقریباً چالیس ضرب لگائیں۔

راوی کا بیان ہے کہ ابوبکر نے بھی ایسا ہی کیا، جب عمر بن خطاب کی باری آئی تو انھوں نے لوگوں سے مشورہ کیا، عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: سب سے کم حد اسّی ضربت ہے، عمر نے اسّی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔

دوسری صورت: رسول خداؐ نے شراب نوشی کے سلسلہ میں شاخ خرما اور نعلین کے ذریعہ دو حد جاری فرمائیں، ابوبکر نے چالیس تازیانہ لگایا، جب عمر خلیفہ ہوئے اور لوگ شہروں اور دیہاتوں سے تشریف لائے

۱۔منتخب کنز العمال مطبوع بر حاشیہ مسند احمد، ج۱، ص۱۹۹۔(ج۱، ص۲۲۳)

تو کہا: تم لوگ شراب خور کی حد کے سلسلہ میں کہتے ہو؟

عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: میری نظر میں سب سے کم حد جاری کی جائے، یہ سن کر عمر نے اسی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔(۱)

ابوداؤد نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ابوبکر نے شراب نوشی کے سلسلے میں چالیس کوڑے مارے، عمر نے بھی اوائل خلافت میں چالیس کوڑے لگانے کا حکم دیا، عثمان نے اسی اور چالیس دونوں حد جاری کیا پھر معاویہ نے اسی کوڑوں کی حد معین کر دی۔(۲)

حصین ابی ساسان رقاشی سے مروی ہے: میں عثمان بن عفان کے پاس گیا، دیکھا کہ ولید بن عقبہ کو شراب نوشی کے جرم میں لایا گیا ہے اور حمران بن ابان اور ایک دوسرے شخص نے اس کی گواہی دی ہے۔

عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا: ولید پر حد جاری کریں۔ حضرت نے عبداللہ بن جعفر طیار کو حکم دیا کہ کوڑے مارو، عبداللہ نے کوڑے مارنا شروع کیا اور حضرت علیؑ اسے شمار کرتے رہے، جب چالیس تک پہنچے تو فرمایا: رک جاؤ، رسول خداؐ نے چالیس کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے۔

ابوبکر نے بھی چالیس کوڑے مارے لیکن عمر نے اسی تازیانے کا حکم دیا، یہ سب سنت ہیں اور میرے نزدیک محبوب ہیں۔(۳)

دوسرے الفاظ: ولید بن عقبہ نے نماز صبح چار رکعت پڑھائی پھر لوگوں کی طرف رخ کر کے پوچھا: کیا اور پڑھاؤں؟ لوگوں نے عثمان بن عفان کو پورے واقعہ سے مطلع کیا......اسی روایت میں ہے کہ رسول

۱۔صحیح مسلم، باب حد الخمر، ج۲، ص۳۸، (ج۳، ص۵۳، حدیث۳۶، کتاب الحدود)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۱۷۵؛ سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۴۰، (ج۴، ص۱۶۳، حدیث۴۴۷۹)؛ مسند ابی داؤد طیالسی، ص۲۶۵، (حدیث۱۹۷۰)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۱۹

۲۔سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۴۲، (ج۴، ص۱۶۶، حدیث۴۴۸۸)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲۰؛ تیسیر الوصول ج۲، ص۱۷، (ج۲، ص۲۰)

۳۔صحیح مسلم، باب، ج۲، ص۵۲، (ج۳، ص۵۳۹، حدیث۳۸، کتاب الحدود)؛ سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۴۱، (ج۴، ص۱۶۳، حدیث۴۴۸۰)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۱۸؛ کنز العمال، ج۳، ص۱۰۲، (ج۵، ص۴۸۳، حدیث۱۳۶۸۶)؛ المصنف عبدالرزاق (ج۷، ص۳۷۹، حدیث۱۳۵۴۵)؛ مسند احمد، ج۱، ص۱۳۳، (ج۱، ص۲۲۵، حدیث)؛ سنن نسائی، (ج۳، ص۲۴۸، حدیث۵۲۶۹)؛ مشکل الآثار، (ج۳، ص۱۶۷)؛ سنن دارقطنی، (ج۳، ص۲۰۶، حدیث۳۶۷)؛ سنن دارمی، (ج۲، ص۱۷۵)

خداؐ نے چالیس کوڑوں کی حد مقرر فرمائی، ابوبکر نیز عمر کی خلافت کے اوائل میں بھی یہی صورت حال رہی پھر عمر نے اسی کوڑوں کا حکم نافذ کر دیا، یہ سب کے سب سنت ہیں۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن کون ہے اور اس کے نظریات کتنے اہم ہیں جو وہ شارع مقدس کے نافذ کردہ امور کی برابری کر رہا ہے؟؟ عمر بن خطاب اپنی خلافت کے چند دنوں تک سابقہ روش پر کیوں قائم رہے اور پھر اس سے منحرف کیوں ہو گئے؟ اس کا کیا کیا جائے کہ وہ خلیفۂ مسلمین ہونے کے باوجود لوگوں سے مشورہ کرتے ہیں اور سنت کے ذریعہ ثابت ہونے والے احکامات دین میں بھی سوالات کے انبار لگا دیتے ہیں؟؟

ابن رشد کہتے ہیں: ابوبکر نے اصحاب رسولؐ سے مشورہ کیا کہ شراب خور پر رسول خداؐ نے کتنے کوڑے لگوائے تھے اور انہوں نے چالیس کوڑوں کا حکم دیا چنانچہ عمر نے غلاف کی جگہ بھی کوڑوں کا اضافہ کر دیا۔(۲)

ایک دوسرے طریق سے ابی سعید خدری کی روایت ہے جو اس سے بھی زیادہ محکم وموثق ہے کہ رسولؐ نے شراب کے سلسلے میں چالیس کوڑے لگوائے، حضرت علیؑ نے بھی رسولؐ سے روایت کی ہے اور شافعی بھی یہی کہتے ہیں۔(۳)

روایت کا حیرت انگیز ٹکڑا حضرت علیؑ سے منسوب بات ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ سب سنت ہیں اور میرے نزدیک سب کے سب محبوب ہیں۔

لہٰذا اگر اسی کوڑے مشروع سنت تھی اور رسول خداؐ نے ایک ہی مرتبہ یا ایک ہی آدمی کے لئے اس پر عمل کیا ہے تو وہ مسلمانوں پر مخفی نہ رہتا اور عبدالرحمٰن اسی سے استناد کرتے، اپنے قول "اخف الحد ود ثمانون" سے استناد نہیں کرتے، ایسی صورت میں عمر وہ پہلے شخص نہ ہوتے جنھوں نے اسی کوڑوں کی حد

۱۔سنن بیہقی، ج۸، ص۳۱۹

۲۔بدایۃ المجتہد، ج۲، ص۴۳۵، (ج۲، ص۴۳۹)

۳۔مختصر مزنی (ص۲۶۶)

جاری کی تھی جیسا کہ ایک گروہ نے یہ کام انجام دیا ہے۔(۱)

۲۷۔خلیفہ اور فریبی عورت

عمر کے پاس ایک ایسی عورت کو لایا گیا جو ایک انصاری جوان پر سو جان سے عاشق ہو چکی تھی اور جب اسے حاصل کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تو وہ اس پر حیلہ وفریب کرنے لگی۔ چنانچہ اس نے انڈے کی زردی کو الگ کر کے اس کی سفیدی اپنے لباس اور دونوں ران کے درمیان چھڑک کر فریاد کرتی ہوئی عمر کے پاس آئی کہ اس جوان نے مجھ پر تجاوز کیا ہے، مجھے خاندان والوں کے درمیان رسوا کیا ہے اور یہ ہیں اس برے عمل کی نشانیاں۔ عمر نے بعض عورتوں سے سوال کیا، انہوں نے کہا: ہاں! اس عورت کے لباس و بدن پر منی وشہوت کی علامتیں نمایاں ہیں۔

عمر نے اس جوان پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، یہ دیکھ کر اس جوان نے آواز نصرت بلند کرتے ہوئے کہا: اے امیرالمومنین! میرے عمل کے متعلق تحقیق کیجئے، خدا کی قسم! مجھ سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا ہے، میں تو اس کا گمان بھی نہیں کرسکتا بلکہ خود اس عورت نے فعل بد کا اصرار کیا تھا۔

عمر نے حضرت علیؑ کی طرف رخ کر کے کہا:

اے ابوالحسنؑ! اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت نے عورت کے لباس پر موجود علامت کو غور سے دیکھا، اس کے بعد گرم پانی منگوا کر اس پر ڈال دیا تھوڑی دیر بعد اس کی سفیدی گاڑھی ہوگئی، آپ نے اسے لے کر سونگھا تو اس کی بو انڈے کی طرح تھی، آپ نے اسے ڈرایا تو ساری حقیقت اُگل دی۔(۲)

۱۔ اولیات عسکری، (ص ۱۱۱)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۱۳، (ج ۱۲، ص ۷۵، خطبہ ۲۲۳)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج ۷، ص ۱۳۲، (ج ۷، ص ۱۵۰، حوادث ۲۳ھ)؛ تاریخ الخلفاء، ص ۹۳، (ص ۱۲۸)؛ محاضرۃ الاوائل، ص ۱۶۹؛ اخبار الدول، مطبوع بر حاشیہ کامل، ج ۱، ص ۲۰۳، (ج ۱، ص ۲۸۹)

۲۔ طرق حکمیہ ابن قیم جوزی، ص ۴۷

۲۸۔لا ابقانی اللہ بعد ابن ابی طالب

حنش بن معتمر سے منقول ہے: اس کا بیان ہے کہ دو افراد نے ایک قریشی عورت کے پاس سو دینار امانت کے طور پر رکھوایا اور کہا: جب ہم ایک ساتھ تمہارے پاس آئیں تو اسے واپس کر دینا، کسی ایک کو دوسرے کے بغیر ہرگز نہ دینا۔ایک سال تک یہ کیفیت برقرار رہی، اچانک ان میں سے ایک عورت کے پاس آ کر کہنے لگا: میرا دوست مر چکا ہے وہ سو دینار مجھے دے دو، جب اس عورت نے روپیہ دینے سے انکار کیا تو اس نے کافی سختی کی اور قبیلہ کے زور پر اسے حاصل کر لیا، ایک سال کے بعد دوسرا شخص آیا اور دینار کا مطالبہ کرنے لگا، اس عورت نے کہا: تمہارا دوست آیا تھا اس کے خیال میں تم مر چکے ہو، اس لئے میں نے وہ دینار کا تھیلا اسے دے دیا۔

بات بڑھتی ہوئی عمر تک پہنچی، انہوں نے ان کے درمیان فیصلہ کرنا چاہا، اس عورت سے کہا: میری نظر میں تم اس کے دینار کی ضامن ہو۔اس عورت نے چیخ کر کہا: نہیں! آپ کو خدا کی قسم ہے ہمارے درمیان فیصلہ نہ کریں اور ہمیں حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیں، وہی ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے۔

انہوں نے حضرت علیؑ کی میں خدمت روانہ کر دیا، حضرت علیؑ سمجھ گئے کہ ان دونوں نے عورت کو دھوکہ دیا ہے۔فرمایا: کیا تم نے شرط نہیں لگائی تھی کہ جب تک ہم دونوں ساتھ نہ آئیں یہ تھیلا نہ دینا؟ اس نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔آپ نے فرمایا: تیرا سو دینار محفوظ ہے جاؤ اپنے دوست کو لے آؤ ہم واپس کر دیں گے۔

جب یہ فیصلہ عمر کو معلوم ہوا تو بے ساختہ کہنے لگے: **لا ابقانی اللہ بعد ابن ابی طالب** ''خدایا! مجھے علی بن ابی طالبؑ کے بعد زندہ نہ رکھ''۔(۱)

---

(۱) الاذکیاء ابن جوزی، ص۱۸، (ص۲۱)؛ اخبار الظراف ابن جوزی، ص۱۹، (ص۱۶)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۷، (ج۳، ص۱۴۵)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۰؛ تذکرۃ ابن جوزی، ص۸۷، (ص۱۴۷)؛ مناقب خوارزمی، ص۶۰، (ص۱۰۰، حدیث۱۰۳/۱۰۴)

۲۹۔ خلیفہ اور کلالہ

معدان بن ابی طلحہ یعمری کا بیان ہے: عمر بن خطاب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا، رسول اکرمؐ اور ابوبکر کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا: میں نے اپنے بعد کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو میرے نزدیک ''کلالہ''(۱) سے زیادہ اہم ہو، میں نے اس سلسلے میں رسول خداؐ سے بارہا سوال کیا، میری نظر میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ مشکل ہے۔

پھر اپنی انگلیوں کو سینہ پر مار کر کہا: اے عمر! سورۂ نساء کی آخری آیت تمہارے لئے کافی نہیں، اگر زندہ رہا تو میں ایک مسئلے میں ایسا فیصلہ کروں گا کہ قرآن پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے سب ہی اس کی موافقت کریں گے۔(۲)

جصاص کی عبارت ہے: میں نے رسول خداؐ سے ''کلالہ'' سے زیادہ کسی اور چیز کے بارے میں سوال نہیں کیا۔

۲۔ مسروق سے منقول ہیں: میں نے عمر سے ''کلالہ'' کے متعلق سوال کیا، انھوں نے کہا: الکلالہ،

۱۔ کلالہ کو آیۂ صیف (گرمی کی آیت) کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ گرمی میں حجۃ الوداع کے دن نازل ہوئی تھی اور وہ آیت یہ ہے:
﴿یَسْتَفْتُونَکَ قُلِ اللہُ یُفْتِیکُمْ فِی الْکَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَکَ لَیْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَهُوَ یَرِثُهَا إِنْ لَمْ یَکُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَکَ وَإِنْ کَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ یُبَیِّنُ اللہُ لَکُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیمٌ﴾ ''پیغمبر یہ لوگ آپ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ کلالہ (بھائی بہن) کے بارے میں خدا خود یہ حکم بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور صرف بہن وارث ہو تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا اور اسی طرح اگر بہن مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ پھر اگر وارث دو بہنیں ہیں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر بھائی بہن دونوں ہیں تو مرد کے لئے عورت کا دہرا حصہ ہوگا، خدا یہ سب واضح کر رہا ہے تاکہ تم بہکنے نہ پاؤ اور خدا ہر شے کا خوب جاننے والا ہے''۔ (سورۂ نساء/۱۷۶)

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، ج ۲، ص ۳، (ج ۳، ص ۴۲۸، حدیث ۹)؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۴۸، (ج ۱، ص ۷۹، حدیث ۳۴۳)؛ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۶۳، (ج ۲، ص ۹۱۰، حدیث ۲۷۲۶)؛ احکام القرآن جصاص، ج ۲، ص ۱۰۶، (ج ۲، ص ۸۷)؛ سنن بیہقی، ج ۶، ص ۲۲۴، ج ۸، ص ۱۵۰؛ تفسیر قرطبی، ج ۶، ص ۲۹، (ج ۶، ص ۲۱)

الکلالہ۔ پھر اپنی ڈاڑھی ہاتھوں میں لے کر کہا: خدا کی قسم! اس کا علم میرے نزدیک دنیا میں موجود تمام مال ومتاع سے زیادہ قیمتی ہے، میں نے رسول خداؐ سے ''کلالہ'' کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: کیا تم نے اس آیت کے متعلق نہیں سنا جو گرمی کے موسم میں نازل ہوئی ہے' اس جملہ کی تین مرتبہ تکرار فرمائی''۔(۱)

۳۔ احمد بن حنبل عمر سے نقل کرتے ہیں: میں نے رسول خداؐ سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا، فرمایا: تمہارے لئے آیۂ صیف کافی ہے۔ عمر نے کہا: میں نے رسول خداؐ سے جس چیز کے بارے میں سوال کیا ہے وہ میرے نزدیک سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔(۲)

۴۔ بیہقی نے عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے کہ اگر رسول خداؐ نے تین چیز کی وضاحت کردی ہوتی تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی: ۱۔ خلافت؛ ۲۔ کلالہ؛ ۳۔ ربا۔(۳)

۵۔ طبری نے عمر سے نقل کیا ہے کہ اگر میں ''کلالہ'' کا علم حاصل کر لیتا تو میرے لئے شام کے بلند وبالا قصروں سے زیادہ محبوب ومرغوب ہوتے۔(۴)

۶۔ ابن مردویہ نے طاؤس سے نقل کیا ہے کہ عمر نے حفصہ کو حکم دیا کہ رسول خداؐ سے ''کلالہ'' کے متعلق سوال کرے، آنحضرتؐ نے اسے ایک پرچہ پر تحریر کر کے پوچھا: یہ مسئلہ کس نے پوچھا ہے؟ کیا عمر نے... میری نظر میں وہ کبھی اسے قائم نہیں کر پائے گا، کیا آیۂ صیف اس کے لئے کافی نہیں۔(۵)

۷۔ مرہ بن شرحبیل کا بیان ہے کہ عمر نے کہا: اگر رسول خداؐ نے تین چیزیں واضح کردیں ہوتی تو میرے نزدیک دنیا ومافیہا سے زیادہ قیمتی ہوتیں: کلالہ؛ ربا؛ خلافت۔(۶)

۱۔ تفسیر طبری، ج۶، ص۳۰، (مجلد۴، ج۶، ص۴۴)؛ تفسیر درّ منثور سیوطی، ج۲، ص۲۵۱، (ج۲، ص۷۵۷)۔

۲۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۸، (ج۱، ص۶۳، حدیث۲۶۴)۔ ۳۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۵۵؛ مسند ابوداؤد طیالسی، ج۱، ص۱۲۔

۴۔ تفسیر طبری، (مجلد۴، ج۶، ص۴۳)؛ کنز العمال، ج۶، ص۲۰، (ج۱۱، ص۸۰، حدیث۳۰۶۹۲)۔

۵۔ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۵۹۴۔

۶۔ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۱۶۴، (ج۲، ص۹۱۱، حدیث۲۷۲۷)؛ تفسیر طبری، ج۶، ص۳۰، (مجلد۴، ج۶، ص۴۳)؛ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۱۰۵، (ج۲، ص۸۷)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۳۰۴، (ج۲، ص۳۳۳، حدیث۳۱۸۸)؛ تفسیر قرطبی، ج۶، ص۲۹، (ج۶، ص۲۱)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۵۹۵؛ تفسیر درّ منثور سیوطی، ج۲، ص۲۵۰، (ج۲، ص۷۵۵)۔

۸۔ حاکم سے منقول ہے کہ عمر نے کہا: اگر میں نے رسول خداؐ سے تین چیزوں کے متعلق سوال کیا ہوتا تو وہ میرے نزدیک سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب وعزیز ہوتے:

۱۔ ان کے بعد خلافت؛

۲۔ ایسی قوم سے جنگ حلال ہے جو کہتے تھے کہ زکات واجب ہے لیکن ہم آپ کو نہیں دیں گے؛

۳۔ کلالہ (۱)

۹۔ حذیفہ سے ایک حدیث مروی ہے: وہ کہتے ہیں کہ آیۂ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے حذیفہ کو اس کی تعلیم دی، حذیفہ نے عمر کو اس کی تعلیم سے بہرہ مند کیا، جب کئی مرتبہ ہو چکا تو عمر نے پھر حذیفہ سے سوال کیا، حذیفہ جھلا کر کہنے لگے: خدا کی قسم! بالکل احمق ہو۔ رسول خداؐ نے جس قدر تعلیم سے بہرہ مند کیا تھا وہ سب کا سب تم کو بتا دیا، میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ (۲)

۱۰۔ شعبی سے منقول ہے: ابوبکر سے ''کلالہ'' کے متعلق سوال کیا گیا، جواب دیا: میں اسے اپنے لئے بیان کروں گا اگر صحیح ہوا تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ثابت ہو تو شیطان کی جانب سے، میری نظر میں یہ باپ اور بیٹے کے علاوہ کوئی چیز ہے، جب عمر خلیفہ ہوئے تو کہا: میں خدا سے شرمسار ہوں کہ اسے ایسی چیز کی طرف پلٹاؤں جسے ابوبکر نے بیان کیا ہے۔ (۳)

۱۱۔ بیہقی نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا: ''کلالہ'' فرزند کے علاوہ کوئی چیز ہے، راوی کہتا ہے کہ ابوبکر نے کہا: ''کلالہ'' فرزند اور باپ کے علاوہ کوئی اور ہے، جب انھوں نے ابولولو سے ضربت کھائی تو کہا: میں ابوبکر کی مخالفت میں حیا و شرم محسوس کرتا ہوں، ''کلالہ'' باپ اور بیٹے کے علاوہ کچھ ہے۔ (۴)

۱۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۳۰۳، (ج۲، ص۳۳۲، حدیث ۳۱۸۶)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۵۹۵؛ تفسیر در منثور سیوطی، ج۲، ص۲۴۹، (ج۲، ص۷۵۴)۔

۲۔ تفسیر قرطبی، ج۶، ص۲۹؛ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۵۹۴۔

۳۔ سنن دارمی، ج۲، ص۳۶۵؛ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۲۳۔

۴۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۲۴۔

۱۲۔ سنن کبریٰ میں ہے کہ عمر بن خطاب نے کہا: ایک زمانہ میں ''کلالہ'' سے لاعلم تھا لیکن اس وقت میں کہتا ہوں کہ ''کلالہ'' وہ شخص ہے جس کا نہ باپ ہے اور نہ بیٹا۔(۱)

۱۳۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں عمر کا زمانہ درک کرنے والا آخری آدمی تھا، میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: میری بات وہی ہے جو میں نے کہہ دی ہے اور اپنی بات پر قائم ہوں کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کا کوئی فرزند نہیں۔(۲)

تبصرۂ امینیؒ

یہ ''کلالہ'' خلیفۂ محترم کے لئے کتنا مشکل تھا اور اسے کتنا پیچیدہ مسئلہ سمجھتے تھے کہ جس کا حکم بھی ان کے لئے سربستہ راز تھا حالانکہ یہ شریعت کا عمومی اور آسان حکم ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انہوں نے رسول خداؐ سے سوال کیا تو آنحضرتؐ نے اس کا جواب دیا یا جواب نہیں دیا؟ اگر جواب دیا تو اسے محفوظ کیوں نہ کر سکے؟ یا یہ مسئلہ سمجھنے سے ان کا فہم وادراک عاجز وقاصر کیوں رہا؟ حالانکہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک سرخ اونٹوں، دنیا ومافیہا میں موجود اشیاء اور شام کے پرشکوہ محلوں سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔ اور اگر جواب سے محروم رکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول خداؐ اس سے اچھی طرح واقف تھے کہ وہ عمومی مسائل کو بھی حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول خداؐ نے اس کی تعلیم دی تھی، حفصہ کے بقول: میں جانتا ہوں کہ تمہارے والد اس کی تعلیم حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔ یا آنحضرتؐ کے بقول: میری نظر میں وہ اسے قائم نہیں کر سکتا۔ دراصل آنحضرتؐ واضح ترین حالت کا اعلان فرما رہے تھے اور قارئین کو حقیقت حال اور واقعیت سے مطلع فرما رہے تھے۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز مسئلہ یہ ہے کہ ان کے بقول: ''میرے لئے یہ بات واضح نہیں تھی''

۱۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۲۴۔

۲۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۲۲۵؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۳۰۴، (ج۲، ص۳۳۲، حدیث ۳۱۸۷)۔

لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے حکم دینے سے پرہیز نہیں کیا اور الم وغلم جو بھی ان کے ذہن میں آیا حکم دے دیا، اصل میں وہ ایسا کر کے خدا کے حکم سے جہالت اور نادانی کا ثبوت دے رہے تھے: خدا کا ارشاد ہے: ﴿لاتَقْفُ مَا لَيْسَ بِهِ عِلْمٌ... ﴾ ''اور جس چیز کا تمھیں یقین نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو کیوں کہ کان، آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی''۔(۱)

وہ خدا کے اس ارشاد سے بھی غافل تھے: ﴿وَلَو تَقُولُ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنهُ بِالْيَمِيْنِ ﴾ ''اور اگر یہ پیغمبر ہماری طرف سے کوئی بات گڑھ لیتا، تو ہم اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے اور پھر اس کی گردن اڑا دیتے، پھر تم میں سے کوئی مجھے روکنے والا نہ ہوتا''۔(۲)

کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ وہ اس مسئلے میں ابوبکر کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ وہ بھی انہیں کی طرح تھالی کے بیگن ہیں۔ انہوں نے ابوبکر کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ میں بہت جلد اپنا نظریہ بیان کروں گا، اگر صحیح ہوا تو خدا کی جانب سے اور غلط ہوا تو میرے اور شیطان کی طرف سے۔

﴿وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً﴾

''حالانکہ ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی علم نہیں ہے، یہ صرف وہم وگمان کے پیچھے چلے جارہے ہیں اور گمان، حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہچا سکتا ہے''۔(۳)

ابن حجر نے ''کلالہ'' کے سلسلے میں بہت سے اختلافات ملاحظہ فرمائے ہیں:

۱۔من معین له الوالد والد۔ ۲۔انها من سوی الوالد۔

۳۔من سوی الوالد ووالد الوالد۔ ۴۔من سوی الولد۔

۵۔الکلاله اخوه۔ ۶۔الکلاله هی المال؛ وغیرہ۔

ان اختلافات کو ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: اس کثرت اختلاف کے پیش نظر عمر کا قول زیادہ بہتر نظر آتا ہے کہ انہوں نے کہا: میں ''کلالہ'' کے سلسلہ میں خاموش ہوں۔(۴)

۱۔سورہ اسراء/۳۶ ۲۔الحاقہ/۴۴،۴۷

۳۔سورہ نجم/۲۹ ۴۔فتح الباری فی شرح صحیح بخاری، ج۸،ص۲۱۵،(ج۸،ص۲۶۸)

گویا وہ ''کلالہ'' کے سلسلے میں خلیفہ کی عذر تراشی کرنا چاہتے ہیں، کیا وہ ''کلالہ'' کی آیت سے واقف نہیں، یہ آیت کسی پر کیسے مخفی رہ گئی حالانکہ ان کے ہاتھوں میں موجود قرآن کریم کی یہ آیت دیکھی جا سکتی ہے: ﴿بِيِّنَ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوا﴾ پس خدا نے کس طرح بیان فرمادیا کہ خلیفہ جیسے افراد کہہ رہے ہیں کہ میرے لئے یہ واضح وروشن نہ ہوا، یہ اختلاف کہاں سے ظاہر ہوا اور شرح و بیان کے بعد بھی زیادہ ہوتے گئے؟ اور کس طرح رسول خداؐ ''کلالہ'' سے ناواقف شخص کے لئے آیۂ صیف کو کافی ووافی سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ خلیفہ امت کا امام ہوتا ہے، امت کے اختلافات میں وہی مرجع کی حیثیت رکھتا ہے، نظریات واعتقادات کے جھگڑوں میں انھیں کی اقتدا اور تاسی کی جاتی ہے، ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلیفہ کی جہالت ونادانی کے سلسلے میں کوئی عذر قابل قبول نہیں، خواہ امت مخالفت کرے یا نہ کرے؟؟

۳۰۔ خرگوش کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے: ایک شخص نے عمر سے خرگوش کے متعلق سوال کیا: عمر نے کہا: اگر حدیث میں کمی زیادتی کا خوف نہ ہوتا تو میں کچھ کہتا۔ میں ایسے شخص کے پاس روانہ کر رہا ہوں جو اس سلسلہ میں تمہیں پوری طرح سے مطمئن کر دے گا۔ پھر عمار کے پاس بھیج دیا، عمار نے کہا: ہم رسول خداؐ کے ہمراہ تھے، ایک جگہ ایک اعرابی نے آنحضرت کی خدمت میں خرگوش پیش کیا اور ہم نے اسے کھا لیا، اس اعرابی نے کہا: یا رسول اللہؐ! میں نے اسے حیض کی حالت میں دیکھا تھا، رسول خداؐ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔(۱)

میں یہ نہیں کہتا کہ خلیفہ محترم کو حدیث میں کمی وزیادتی سے جس چیز نے خوفزدہ کیا وہ حکم سے جہالت

۱۔ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج۸، ص۲۴۷، حدیث ۴۳۲۹)؛ تھذیب الآثار، (ج۲، ص۸۴۲، حدیث ۱۱۷۹، مسند عمر بن خطاب)؛ کنز العمال، ج۸، ص۵۰، (ج۱۵، ص۴۳۵، حدیث ۴۱۷۶۲)؛ مسند ابویعلی، (ج۳، ص۱۸۶، حدیث ۱۶۱۲)؛ عمدۃ القاری، ج۶، ص۱۵۹، (ج۱۳، ص۱۳۲)؛ مجمع الزوائد، ج۳، ص۱۹۵؛ مسند احمد، ج۱، ص۵۲، (ج۱، ص۵۲، حدیث ۲۱۰)۔

ونادانی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عمار اس مسئلہ میں ان سے زیادہ جانکار اور نقل روایات میں ان سے زیادہ امین تھے۔ میں نہیں جانتا کہ خرگوش کے علاوہ ہزاروں مختلف مسائل مثلاً اموال، نفوس اور ایقاعات وعقود کے سلسلہ میں یہ احتیاطی تدابیر کہاں تھی، حالانکہ وہ ان سے قطعی ناواقف تھے، میں ان تمام مسائل کو آپ کے علم ووجدان پر چھوڑتا ہوں۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ خرگوش کا گوشت کھانا گناہ نہیں ہے، اس کی صراحت ائمہ اربعہ کے علاوہ بہت سے علماء نے کی ہے، ہاں! عبداللہ بن عمر بن عاص اور عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ وعایہ کی نظر میں اس گوشت کا کھانا مکروہ ہے۔(۱)

۳۱۔قصاص کے بارے میں خلیفہ کا نظریہ

ابن ابی حسین سے منقول ہے: ایک شخص نے ایک کافر ذمی کا سر پھوڑ دیا، عمر بن خطاب نے چاہا کہ قصاص لے کر اس کا جبران کریں۔ یہ دیکھ کر معاذ بن جبل نے کہا: آپ جانتے ہو کہ یہ کام صحیح نہیں ہے، رسول خداؐ سے یہی منقول ہے۔ یہ سن کر شکستہ سر کے عوض ایک دینار دیا اور وہ راضی وخوشنود ہوگیا۔(۲)

۳۲۔ لولا معاذ لھلک عمر

ابوسفیان نے بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت کا شوہر دوسال تک لاپتہ رہا، واپس آنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی زوجہ حاملہ ہے، اس نے عمر سے شکایت کی، انھوں نے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ معاذ وہیں بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے: آپ کا اختیار صرف اس عورت پر ہے رحم میں موجود بچے پر نہیں۔ عمر نے سن کر کہا: اسے قید کردو تاکہ وضع حمل کرسکے۔ وضع حمل کے بعد ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس

۱۔عمدۃ القاری، ج۶، ص۲۵۹، (ج۱۳، ص۱۳۱)۔

۲۔کنزالعمال، ج۷، ص۳۰۴، (ج۱۵، ص۹۷، حدیث ۴۰۲۴۳)۔

کے سامنے کے دانت باہر نکلے ہوئے تھے، باپ نے اسے دیکھ کر اپنی شباہت کی وجہ سے پہچان لیا کہ یہ اسی کا بچہ ہے، اس نے چیخ کر کہا: خدا کی قسم! یہ میرا بچہ ہے، میرا بچہ ہے۔ جب یہ واقعہ عمر کو معلوم ہوا تو کہا: عورتیں معاذ کے مانند بچے پیدا کرنے سے عاجز ہیں، اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

بیہقی کے الفاظ ہیں: ایک شخص نے عمر کے پاس آ کر کہا: اے امیر المومنین! میں اپنی زوجہ سے دو سال تک دور رہا، واپس آنے پر پتہ چلا کہ وہ حاملہ ہے، عمر نے سنگسار کرنے کے متعلق چند افراد سے مشورہ کیا، معاذ بن جبل موجود تھے بولے: اے امیر! آپ صرف اس عورت پر حکم جاری کر سکتے ہیں، شکم میں موجود بچہ آپ کی دسترس سے باہر ہے۔

عمر نے وضع حمل تک زندان میں ڈلوا دیا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو اس کے سامنے کے دانت نمایاں تھے؛ اس شباہت کی وجہ سے باپ نے پہنچان کر کہا: خدا کی قسم! یہ میرا بچہ ہے۔

یہ سن کر عمر نے کہا: عورتیں معاذ کے مانند بچے پیدا کرنے سے عاجز ہیں، اگر معاذ نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتے۔ (۱)

۳۴۔ قصاص کے متعلق عقیدۂ خلیفہ

مکحول سے مروی ہے: عبادہ بن صامت نے ایک نبطی شخص کو طلب کیا تا کہ وہ اس کے گھوڑے کو بیت المقدس کے نزدیک روکے رکھیں، اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو غصہ میں اس کا سر پھوڑ دیا، اس نے عمر بن خطاب سے شکایت کی، عمر نے عبادہ بن صامت سے سوال کیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟

کہا: اے امیر المومنین! میں نے اسے حکم دیا کہ میرے مرکب کو فلاں مقام پر روکے رکھے، اس

۱۔ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۴۴۳؛ جامع بیان العلم، ص ۱۵۰، (ص ۳۱۱، حدیث ۱۵۶۲)؛ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج ۱۰، ص ۸۸، حدیث ۸۸۶۱)؛ کنز العمال، ج ۷، ص ۸۲، (ج ۱۳، ص ۵۸۳، حدیث ۳۷۴۹۹)؛ التمہید باقلانی، ص ۱۹۹؛ فتح الباری، ج ۱۲، ص ۱۲۰، (ج ۱۲، ص ۱۴۶)؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۴۲۷؛ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۵۰، (ج ۱۲، ص ۱۷۹، خطبہ ۲۲۳)۔

نے انکار کیا تو میں نے اس کا سر پھوڑ دیا چونکہ میں ایک غصہ ور آدمی ہوں۔ عمر نے کہا: اس کی تلافی کرو۔ یہ دیکھ کر زید بن ثابت نے کہا: کیا آپ اپنے بھائی کو غلام کا قصاص ادا کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، عمر اپنی غلطی پر شرمندہ ہوتے ہوئے حکم قصاص واپس لے لیا اور اس پر دیت عائد کی۔ (۱)

۳۴۔ مقتول ذمی کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

مجاہد کا بیان ہے: عمر بن خطاب شام پہنچے، دیکھا کہ ایک مسلمان نے اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ جو مخصوص شرائط کے ساتھ اسلامی ممالک میں زندگی بسر کرتے ہیں) کو قتل کر دیا ہے، آپ نے اس پر قصاص مقرر کرنا چاہا۔ زید بن ثابت نے کہا: کیا اپنے غلام کا قصاص بھائی پر لادنا چاہتے ہیں، یہ سن کر عمر نے قتل کی دیت مقرر کی۔ (۲)

۳۵۔ مقتول ذمی کے متعلق دوسرا واقعہ

عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے: ایک ذمی شخص شام میں مارا گیا، عمر بن خطاب اس وقت شام میں موجود تھے، جب ان کو واقعہ معلوم ہوا تو کہا: تم لوگ ذمی کو مارنے کے حریص ہو، میں ان کے ہمراہ تم کو بھی قتل کروں گا۔

عمر بن عبید جراح نے کہا: آپ کے لئے یہ کام صحیح نہیں ہے۔ پھر نماز کے بعد ابو عبیدہ کو بلایا اور کہا: تم نے کیسے گمان کر لیا کہ میں اسے نہیں ماروں گا؟ ابو عبیدہ نے کہا: کیا غلام کی وجہ سے اپنے بھائی کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر عمر چپ رہے اور پھر اس پر ہزار دینار دیت مقرر کی۔ (۳)

۱۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲؛ کنز العمال، ج۷، ص۳۰۳، (ج۱۵، ص۹۴، حدیث ۴۰۲۳۲)۔

۲۔ المصنف عبد الرزاق، (ج۱۰، ص۱۰۰، حدیث ۱۸۵۰۹)؛ کنز العمال، ج۷، ص۳۰۴، (ج۱۵، ص۹۷، حدیث ۴۰۲۴۲)۔

۳۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲؛ کنز العمال، ج۷، ص۳۰۳، (ج۱۵، ص۹۴، حدیث ۴۰۲۳۲)۔

۳۶۔معاف شدہ قاتل کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ ایک شخص عمر بن خطاب کے پاس لایا گیا جس نے ایک شخص کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تھا۔خلیفہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا،لیکن مقتول کے بعض بزرگوں نے اسے معاف کر دیا لیکن عمر پھر بھی اس کے قتل پر مصر رہے۔یہ دیکھ کر ابن مسعود نے کہا: یہ جان سب کی ملکیت ہے،اس کے ولی نے اسے معاف کر کے گویا اس کو زندگی دی ہے،لہٰذا کسی کے لئے اس کا حق چھیننا جائز نہیں۔

عمر نے کہا: اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟ کہا: میری نظر میں اس کی دیت مقرر کر کے چھوڑ دیجئے۔عمر نے کہا: میرا نظریہ بھی یہی ہے۔(۱)

۳۷۔انگلیوں کے متعلق عقیدۂ خلیفہ

سعید بن میتب سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب نے انگلیوں کی دیت معین کی ،انگوٹھے کے لئے تیرہ دینار،اس کے بعد والی انگلی پر بارہ،درمیانی انگلی پر دس،اس کے بعد والی انگلی پر نو اور چھوٹی انگلی پر چھ دینار مقرر کیا۔

دوسری روایت ہے: عمر نے انگوٹھے پر پندرہ،اس کے بعد والی انگلی پر دس،درمیان والی انگلی پر دس،اس کے بعد نو [۹] اور سب سے چھوٹی والی انگلی پر چھ دینار کی دیت مقرر کی۔ابن عطفان سے مروی ہے کہ ابن عباس نے انگلیوں پر دس دس دینار دیت مقرر کی۔مروان نے ان کے پاس آدمی بھیج کر کہا: تم نے دس دس دینار مقرر کی ہے،حالانکہ عمر کچھ اور ہی کہتے ہیں۔ابن عباس نے کہا: خدا رحم کرے، رسولؐ کے فرمان کی اطاعت کی جائے یا قول عمر کی۔(۲)

۱۔کتاب الام شافعی،ج۷،ص۲۹۵،(ج۷،ص۳۲۹)؛سنن بیہقی،ج۸،ص۶۰۔

۲۔کتاب الام شافعی،ج۱،ص۵۸،(ج۱،ص۱۵۱)؛اختلاف الحدیث شافعی مطبوع بر حاشیہ کتاب الام،ج۷،ص۱۴۰،(ص۴۷۸)؛ کتاب الرسالۃ شافعی،ص۱۱۳،(ص۴۲۲،حدیث ۱۱۶۰)؛سنن بیہقی،ج۸،ص۹۳۔

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: صحاح ومسانید میں ہے کہ رسول خداؐ نے انگلیوں پر دس دس دینار مقرر فرمایا ہے جیسا کہ ابن عباس نے فتویٰ دیا اور یہی سنت رسولؐ ہے، لیکن عمر بن خطاب کی قضاوت میں خود ان کا ذاتی نظریہ کارفرما ہے۔ ابن عباس نے بھی اس کی وضاحت کردی ہے کہ رسول خداؐ کے حکم کی پیروی عمر بن خطاب کے قول سے زیادہ بہتر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ خلیفہ اسے جانتے ہوئے مخالفت کر رہے تھے یا اس سے لاعلم تھے۔

۳۸۔ جنین کی دیت کے بارے میں خلیفہ کی رائے

مسور بن مخرمہ سے منقول ہے:

عمر بن خطاب نے جنین کو ساقط کرنے والی عورت کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا، مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میں نے اس سلسلے میں ایک غلام یا کنیز آزاد کرنے کے متعلق رسولؐ خدا سے سنا ہے۔ عمر نے کہا: ایک گواہ پیش کرو۔ یہ سن کر محمد بن مسلم نے گواہی دی۔ (۱)

عروہ سے منقول ہے کہ عمر نے لوگوں کو قسم دے کر پوچھا: اگر کسی نے رسول خداؐ سے جنین کی دیت کے بارے میں کوئی حکم سنا ہے تو بیان کرے؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا: رسول خداؐ نے اس سلسلے میں ایک غلام یا کنیز کو آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

عمر نے کہا: کوئی گواہ پیش کرو۔ محمد بن مسلم گواہی دیتے ہوئے بولے: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول خداؐ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (۲)

ابن داؤد کی عبارت ہے: یہ سن کر عمر نے کہا: اللہ اکبر! اگر میں اسے نہ سنتا تو اس کے برخلاف

۱۔ صحیح بخاری کتاب الدیات باب المرأۃ، (ج ۶، ص ۲۵۳۱، حدیث ۶۵۰۹)؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱، (ج ۳، ص ۵۱۵، حدیث ۳۹، کتاب القسامۃ والمحاربین)؛ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۵۵، (ج ۴، ص ۱۹۱، حدیث ۴۵۷۰)؛ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۴۴/۲۵۳، (ج ۵، ص ۲۹۶، حدیث ۱۷۶۷۰/ ص ۳۰۹، حدیث ۱۷۷۴۸)؛ سنن بیہقی، ج ۸، ص ۱۱۴۔

۲۔ صحیح بخاری، (ج ۶، ص ۲۵۳۱، حدیث ۶۵۱۰)؛ سنن بیہقی، ج ۸، ص ۱۱۴/۱۱۵۔

حکم دے دیتا۔(۱)

ایک حدیث میں ہے:

عمر نے لوگوں سے جنین کی دیت کے بارے میں سوال کیا تو حمل بن نابغہ نے کہا: رسول خداؐ نے ایک غلام یا کنیز آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔(۲)

شافعی نے اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ عمر نے کہا: اگر میں اسے نہیں سنتا تو اس کے برخلاف فیصلہ سنا دیتا۔

ابن حجر کا بیان ہے کہ احمد اور دوسرے ائمہ صحاح و مسانید نے صحیح سند سے طاؤس اور ابن عباس کے طریق سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔(۳)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: خلیفہ محترم کو بکھری اور بے ترتیب عقلوں کی کتنی ضرورت ہے کہ وہ قبیلۂ ثقیف کے زانی اور دین خدا و شریعت محمدی میں جھوٹ اور افتراء پردازی کا انبار لگانے والے شخص کی گواہی کو جناب عباس کے دعوی کے لئے صحیح سمجھتے ہیں، حالانکہ ابن عباس کو رسول خداؐ نے بحرین عطا فرمایا تھا اور ان کی ملکیت قرار دی ہے۔(۴) یا حمل بن نابغہ جیسے لوگوں سے استناد کریں، جس سے اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث مروی ہی نہیں۔(۵)

افسوس تو یہ ہے کہ وہ اس آسان مسئلہ سے اپنی جہالت کا بانگ دہل اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اللہ اکبر! اگر اسے نہیں سنتا تو اس کے برخلاف فیصلہ کر دیتا۔

۱۔سنن ابو داؤد، ج۲، ص۲۵۶، (ج۴، ص۱۹۲، حدیث ۴۵۷۲)۔

۲۔کتاب الرسالۃ شافعی، ص۱۱۳؛ اختلاف الحدیث شافعی مطبوع برحاشیہ کتاب الام، ج۷، ص۲۰، (ص۴۷۹)؛ عمدۃ القاری، ج۵، ص۲۱۰، (ج۲۴، ص۶۷)؛ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۶، (ج۳، ص۳۲)۔

۳۔الاصابہ، ج۲، ص۲۵۹۔

۴۔تاریخ ابن خلکان، ج۲، ص۴۵۶، (ج۶، ص۳۶۷، نمبر ۸۲۱)۔

۵۔تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۶، (ج۳، ص۳۲)۔

۳۹ چور کے بارے میں خلیفہ کی رائے

عبدالرحمٰن بن عائذ سے منقول ہے: ایک ایسے چور کو عمر کے پاس لایا گیا جس کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے تھے۔ عمر نے حکم دیا کہ اس کا پیر کاٹ دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا: لیکن خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ''بس خدا اور رسول سے جنگ کرنے والے اور زمین میں فساد کرنے والوں کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پیر مختلف سمت سے قطع کر دیئے جائیں یا انہیں ارض وطن سے نکال باہر کیا جائے یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہے''۔(۱) اس کے ہاتھ پیر تو پہلے ہی کٹے ہوئے ہیں، اس کا پیر کاٹنا مناسب نہیں، لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ یہ معذور ہے یا اگر سزا دینا چاہتے ہو تو تعزیر کر دیا زندان میں ڈال دو۔ عمر نے اسے مقید کر دیا۔(۲)

۴۰۔ ملکۂ روم کے تحفہ میں خلیفہ کا اجتہاد

قتادہ سے منقول ہے: عمر نے بادشاہ روم کی جانب ایک سفیر روانہ کیا تو ان کی زوجہ ''ام کلثوم'' نے ایک دینار قرض لے کر عطر خریدا اور اسے شیشی میں رکھ کر سفیر کے حوالے کیا کہ اسے بادشاہ روم کی زوجہ کی خدمت میں پیش کر دے۔ جب عطر پہنچا تو اس نے کچھ جواہرات سفیر کے حوالے کرتے ہوئے کہا: اسے زوجۂ عمر کی خدمت میں میری طرف سے تحفہ پیش کر دینا۔

چنانچہ جواہرات ام کلثوم کو موصول ہوئے، انہوں نے اسے زمین پر ڈال دیا، تبھی عمر نے آکر

۱۔ سورہ مائدہ/۳۳

۲۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۷۸؛ کنز العمال، ج۳، ص۱۱۸، (ج۵، ص۵۵۳، حدیث ۱۳۹۲۸)۔

پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے ساراواقعہ بیان کر دیا، عمر تمام جواہرات کو سمیٹ کر مسجد آئے اور صلوۃ جامعہ کا اعلان کر دیا (یعنی تمام افراد حاضر ہوں)۔

جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو انہوں نے واقعہ بتاتے ہوئے جواہرات کی نشاندہی کی اور کہا: تم لوگوں کی نظر میں اسے کیا کرنا چاہئے؟ لوگوں نے کہا: ہماری نظر میں آپ اس کے مستحق ہیں اس لئے کہ یہ بادشاہ روم کی زوجہ کی جانب سے آپ کی زوجہ کے لئے تحفہ ہے، ٹیکس نہیں۔ عمر نے کہا: لیکن یہ زوجۂ امیر المومنین ہے، سفیر بھی مومنوں کے امیر کا سفیر ہے اور جس مرکب پر سوار ہو کر گیا تھا وہ بھی مومنوں کا مال ہے، اگر مومنین نہ ہوتے تو ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا لہٰذا میری نظر میں یہ مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہے، ہم ام کلثوم کو صرف ان کے عطر کا ہزینہ دیں گے۔ یہ کہہ کر جواہرات کو فروخت کروایا اور زوجہ کو ایک دینار دے کر تمام اموال بیت المال میں ڈال دیا۔(۱)

مروی ہے کہ ابو عبیدہ کی زوجہ نے بادشاہ روم کو تحفہ ارسال کیا، اس نے بھی اس کے عوض کچھ جواھرات زوجۂ ابوعبیدہ کی خدمت میں پیش کئے۔

جب عمر کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اسے فروخت کروایا اور تحفہ کا اصلی سرمایہ دیتے ہوئے باقی اموال بیت المال میں ڈال دیا۔(۲)

۴۱۔ مغیرہ کو کوڑے مارنے کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے منقول ہے: ابوبکر، زیاد، نافع اور شبلی بن معبد ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور مغیرہ گھر کے نیچے تھا اچانک ہوا تیز ہوئی اور دروازہ کھل گیا، دیکھا کہ مغیرہ عورت کے دونوں پیر کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔

ایک نے دوسروں سے کہا: ہم سخت مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ ابوبکر، نافع

۱۔ فتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۱۳، (ج۲، ص۲۶۵)

۲۔ فتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۱۳، (ج۲، ص۲۶۵)

اور شبلی نے گواہی دی لیکن زیاد نے کہا: میں نہیں جانتا کہ دخول ہوا ہے یا نہیں۔

یہ سن کر عمر نے زیاد کے علاوہ سب کو تازیانہ مارا، ابوبکر نے کہا: کیا آپ نے ہم پر حدِ افتراء جاری کرتے ہوئے کوڑے نہیں برسائے؟ کہا: کیوں نہیں۔ کہا: خدا کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ نے دخول کیا ہے۔

عمر نے دوبارہ چاہا کہ اسے کوڑے ماریں لیکن حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر ابوبکر کی گواہی دو مردوں کے برابر ہے تو اپنے رفیق مغیرہ کو سنگسار کرو اور ایسا نہیں ہے تو تم اسے کوڑے مار چکے ہو، یعنی تہمت لگانے پر دو مرتبہ کوڑا نہیں مارا جاتا۔

دوسری عبارت ہے: عمر نے دوبارہ حد لگانے کا ارادہ کیا، تو حضرت علیؑ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا: اگر حد ہی لگانا ہے تو اپنے دوست مغیرہ کو سنگسار کرو۔ یہ سن کر اسے کوڑا نہیں مارا اور آزاد کر دیا۔

تیسری تعبیر ہے: عمر نے ابوبکر کو مارنے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر مارنا ہی مقصود ہے تو مغیرہ کو سنگسار کرو۔ (۱)

تفصیلی واقعہ

انس بن مالک سے منقول ہے: مغیرہ بن شعبہ دوپہر کے وقت دارالامارہ سے باہر نکلا، ابوبکر اور نفیع ثقفی نے دیکھ کر پوچھا: امیر کہاں جا رہے ہیں؟ مغیرہ نے کہا: کچھ کام درپیش ہے۔ انھوں نے کہا: اپنی ضرورت بیان کریں، آپ ہمارے امیر ہیں، ہم آپ کی ضرورت پوری کریں گے۔

راوی کا بیان ہے: ام جمیل بنت افقم، ابوبکر کی پڑوسی تھی؛ مغیرہ اس کی تلاش میں آیا تھا اور ام جمیل کا گھر اور بالا خانہ ابوبکر کے بالا خانہ کے مساوی تھا۔

چنانچہ ابوبکر اپنے کمرے میں نافع، زیاد اور شبلی بن معبد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اچانک ہوا تیز ہوئی

۱۔ سنن کبریٰ بیہقی، ج۸، ص۲۳۵

جس کی وجہ سے اس عورت کا دروازہ کھل گیا؛ انھوں نے دیکھا کہ مغیرہ ام جمیل کے ساتھ جمع میں مشغول ہے، یہ دیکھ کر ابوبکر نے کہا: ہم سخت ترین مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں لہٰذا غور سے دیکھو، سب نے بغور دیکھا اور یقین کرلیا۔

ابوبکر بالا خانے سے نیچے آیا، مغیرہ بھی عورت کے گھر سے باہر آیا تو کہا: ہم تیری ذلیل حرکت سے واقف ہو چکے ہیں ہم سے دور رہو۔

مغیرہ نے اس کے بعد لوگوں کے ہمراہ نماز ظہر پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن ابوبکر نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! تم نے ایسا کام کیا ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کا حق حاصل نہیں۔

لوگوں نے کہا: اسے نماز پڑھنے دو اور اس واقعہ کو عمر کے پاس لکھ بھیجو، لوگوں نے تمام واقعہ کی تفصیل لکھ کر عمر کے پاس روانہ کردی۔

عمر نے جواب دیا کہ تمام گواہ اور مغیرہ میرے پاس آئیں۔

مصب بن سعد کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب نے بیٹھ کر مغیرہ اور تمام گواہوں کو طلب کیا، پہلے ابوبکر آگے بڑھا، عمر نے پوچھا: کیا تم نے اسے دونوں ران کے درمیان دیکھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں خدا کی قسم! گویا اس کے ران کے آبلہ کو دیکھ رہا تھا۔ مغیرہ نے کہا: بہت خوب کافی غور سے دیکھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! تمہارے لئے ایسی بات ثابت ہوئی ہے جو تمہیں بدنام کردے گی۔ عمر نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں اس وقت تک حد جاری نہیں کروں گا جب تک تم گواہی نہ دو گے کہ تم نے اسے ایسے دیکھا ہے جیسے تیلی سرمہ دان میں داخل ہوتی ہے، اس نے کہا: ہاں خدا کی قسم! میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں۔

عمر نے کہا: مغیرہ تیرا ایک حصہ جاتا رہا۔

اس کے بعد نافع کو بلا کر پوچھا: کس بات کی گواہی دیتے ہو؟ کہا: جس کی ابوبکر نے گواہی دی ہے۔

عمر نے کہا: حتی گواہی دو کہ تیلی کو سرمہ دان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

کہا: ہاں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں، یہ سن کر عمر نے کہا: مغیرہ تیرا نصف حصہ جاتا رہا۔

پھر تیسرے کو بلا کر کہا: تم کس بات کی گواہی دیتے ہو؟ کہا: جس کی میرے اور دوستوں نے گواہی دی ہے، عمر نے پھر اپنی بات کی تکرار کی تو اس نے کہا: ہاں! میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں۔

اس کے بعد عمر نے چوتھے شخص ''زیاد'' کو خط لکھ کر بلوایا، راوی کا بیان ہے کہ عمر نے اسے آتا ہوا دیکھ کر کہا: میں ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی زبان سے مہاجرین کی ایک فرد ہرگز ذلیل و رسوا نہیں ہوگی۔

زیاد نے کہا: اے امیر المومنین! البتہ حق و حقیقت وہی ہے جس کی ان لوگوں نے گواہی دی ہے، میں نے بھی ایک مذموم منظر دیکھا ہے، کراہنے اور تیز سانسوں کی آوازیں بھی سنی ہیں، میں نے اسے ام جمیل کے شکم پر پڑا ہوا دیکھا ہے، عمر نے کہا: کیا تم نے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دان میں تیلی داخل ہوتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔

دوسری عبارت ہے: اس نے کہا: میں نے دیکھا کہ وہ ام جمیل کے دونوں پیروں کو بلند کئے ہوئے ہے، اس کے دونوں انڈے، ران کے درمیان رفت و آمد کر رہے تھے، کراہنے اور سانسوں کی تیز آوازیں سنائی دے رہیں تھی۔

طبری کی تعبیر ہے: میں نے اسے عورت کے دونوں پیروں کے درمیان دیکھا، دو خضاب شدہ پیروں کو آپس میں مخلوط دیکھا، میں نے مقعد اور ماتحت کا نمایاں طور پر مشاہدہ کیا اور تنفس کی شدید آوازیں سنی۔

یہ سن کر عمر نے کہا: کیا تم نے اسے سرمہ دان میں تیلی داخل ہونے کے مانند دیکھا؟ کہا: نہیں۔ یہ سن کر عمر نے کہا: اللہ اکبر! اٹھ کر ان سب پر حد جاری کرو۔ چنانچہ وہ اٹھ کر ابو بکر کی طرف آیا اور اسّی کوڑا لگایا۔

وہ زیاد کے قول سے کافی خوشحال ہوئے اور مغیرہ کو سنگسار کرنے سے باز آئے۔ ابو بکر نے کوڑے کی دیت سننے کے بعد کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ نے ایسا ویسا کیا ہے، یہ سن کر عمر نے اسے دوبارہ

مارنا چاہا تو حضرت علیؑ نے اس عمل سے باز رکھا۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

اگر اس واقعہ میں خلیفہ عدالت وانصاف کے متقاضی ہوتے تو ابوبکر کو دو مرتبہ کوڑے مارنے کا ارادہ نہ کرتے اور اس سلسلے میں ان پر مغیرہ کو سنگسار کرنے کا حکم مخفی نہ رہتا۔

سب سے حیرت انگیز بات وہ ہے جسے خلیفہ نے زیاد سے اس وقت کہا تھا جب وہ گواہی دینے کے لئے آیا تھا، چنانچہ جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو انہوں نے کہا: میں ایسے شخص کا چہرہ دیکھ رہا ہوں جس سے ایک صحابی رسولؐ سنگسار نہیں ہوسکتا اور اس کی گواہی سے ذلیل وخوار نہیں ہوگا۔(۲)

یا یہ کہنا کہ میں ایسے تیز طرار جوان کو دیکھ رہا ہوں جو حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا اور کسی بات کو پوشیدہ رکھنے سے دریغ نہیں کرتا۔(۳)

اصل میں یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اس سے قبل جن لوگوں نے گواہی دی ہے وہ صحیح نہیں ہیں، زیاد بھی خلیفہ کے اشارہ کو خوب سمجھتا تھا کہ وہ مغیرہ سے سقوط حد کے خواہش مند ہیں لہٰذا ایسی بات کہی جو گواہی سے خارج تھی لیکن اسے کیا کہئے کہ اس کی زبان بیان حقیقت کے سلسلہ میں بے اختیار ہوگئی اور غیر ارادی طور پر حقیقت حال بیان کرنے لگا؛ اس نے دیکھا کہ دو ماتحت اور مقعد نمایاں ہیں، مغیرہ کے دونوں انڈے، ام جمیل کے رانوں کے درمیان رفت وآمد کررہے ہیں، اس نے رنگین پیروں کو اوپر کی جانب اُٹھا ہوا دیکھا، تنفس کی شدید آوازیں سنی اور پھر اسے ام جمیل کے اوپر پڑا ہوا دیکھا، کیا ایسی صورت میں بھی کوئی راہ فرار ہے کہ بے وجہ سرمہ دان میں تیلی داخل ہونے کی بات کی جائے؟۔

۱۔الآغانی، ج۱۴، ص۱۴۶، (ج۱۶، ص۱۰۵)؛ تاریخ طبری ج۴، ص۲۰۷، (ج۴، ص۶۹/۷۲، حوادث ۱۷ھ)؛ فتوح البلدان، ص۳۵۲، (ص۳۳۹)؛ تاریخ کامل، ج۲، ص۲۲۸، (ج۲، ص۱۵۹، حوادث ۱۷ھ)؛ تاریخ ابن خلکان، ج۲، ص۴۵۵، (ج۶، ص۳۶۴، نمبر۸۲۱)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج۷، ص۸۱، (ج۷، ص۹۴، حوادث ۱۷ھ)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۶۱، (ج۱۲، ص۲۳۴/۲۳۷، خطبہ۲۲۳)؛ عمدۃ القاری، ج۶، ص۳۴۰، (ج۱۳، ص۳۰۸)۔

۲۔فتوح البلدان، ص۳۵۳، (ص۳۴۰)

۳۔سنن بیہقی، ج۸، ص۲۳۵)

جی ہاں! اس واقعہ میں مخصوص اور ذاتی اجتہاد کا مقصد یہ تھا کہ خاص افراد سے حد ساقط ہو جائے۔ اس کے علاوہ خود خلیفہ کو مغیرہ کی بدبختی اور بدنامی کا مکمل یقین تھا جس کا ثبوت خلیفہ کی گفتگو سے فراہم ہوتا ہے: خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ ابو بکر نے تم پر جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے، اس وقت مجھے خوف تھا کہ کہیں آسمان سے عذاب نہ نازل ہو جائے۔

خلیفہ نے یہ بات اس وقت کہی جب ام جمیل نے حج کے موقع پر عمر سے ملاقات کی اور مغیرہ بھی موجود تھا۔ عمر نے ام جمیل کے بارے میں مغیرہ سے سوال کیا۔

مغیرہ نے کہا: یہ اُم کلثوم بنت علی ہے، عمر نے کہا: کیا تو تجاہل سے کام لے رہا ہے اور اپنے آپ کو موثق ثابت کرنا چاہتا ہے، خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ ابو بکر نے جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے۔ (۱)

اے کاش! میں جان پاتا کہ عمر آسمانی ''عذاب'' سے کیوں خوف زدہ تھے؟ کیا اس حد کو جاری نہ کرنے کی بنا پر جو صحیح تھا یا حکم خدا کو معطل کرنے کی وجہ سے؟ یا اس ابو بکر کو کوڑے مارنے کی وجہ سے جنہیں بہترین اور نیک اصحاب میں شمار کیا گیا ہے؟ میں نہیں جانتا۔

یہ امیر المومنین ہی تھے جنہوں نے اپنے یقین کی بنا پر عمر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا تو وہ پتھروں کی بارش سے خوف زدہ ہو گئے، اس سے حضرت علیؑ کے قول کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اگر مغیرہ اس سے دستبردار نہ ہوا تو میں اسے ضرور سنگسار کروں گا یا حضرت کا یہ کہنا کہ مغیرہ جب بھی ہاتھ آیا اسے سنگسار کروں گا۔ (۲)

شاعر غدیر حسان بن ثابت نے ایک قصیدہ میں مغیرہ کی مذمت کرتے ہوئے اس واقعہ کو نظم کیا ہے جس کا ایک شعر ہے:

لو ان اللوم غیب کان عبدا　　　قبیح الوجہ المور من ثقیب (۳)

۱۔ الآغانی، ج ۱۴، ص ۱۴۷، (ج ۱۶، ص ۱۰۹)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۶۲، (ج ۱۲، ص ۲۳۸، خطبہ ۲۲۳)۔

۲۔ الآغانی، ج ۱۴، ص ۱۴۷، (ج ۱۶، ص ۱۰۹)

۳۔ الآغانی، ج ۱۴، ص ۱۴۷، (ج ۱۶، ص ۱۰۹)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۶۳، (ج ۱۲، ص ۲۳۸، خطبہ ۲۲۳)

ابن ابی الحدید کو اس میں کوئی شک نہیں کہ مغیرہ نے ام جمیل کے ساتھ زنا کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ زنا کی خبر لوگوں کے درمیان بہت زیادہ مشہور تھی۔(۱) لیکن اس کے باوجود بھی عمر بن خطاب سقوط حد کے سلسلہ میں خطا کے مرتکب نہیں۔ وہ عمر کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام ورہبر کے لئے جائز ہے کہ وہ حد کو ساقط کرے، چاہے وجوب حد کا گمان غالب ہی کیوں نہ ہو۔

ابن ابی الحدید پر یہ بات مخفی رہ گئی کہ شبہات کی بنا پر حد کو ساقط کرنا صرف مغیرہ سے مختص نہیں بلکہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ گواہی دینے والے افراد کے حال واحوال کی بھی رعایت کرتے ہوئے حد ساقط کریں۔

امام کو یہ حق کہاں سے پہنچ گیا کہ وہ ایک ایسے انسان سے حد ساقط کرے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عہد جاہلیت میں سب سے زیادہ زنا کرتا تھا؟ کیا چار افراد کی گواہی کے باوجود بھی خلیفہ کو مغیرہ کے گناہ کا یقین نہیں تھا؛ پھر انہوں نے اس کے گناہ پر مغیرہ کو سزا کیوں نہیں دی؟ یا پھر یہ کہ اس کا گناہ ہی سزا کے لائق نہیں تھا۔

کیا یہ خلیفہ کا اجتہاد نہیں تھا کہ اگر کوئی شخص بستر پر ایک لحاف میں کسی عورت کے ساتھ پایا گیا تو اسے پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی؟!

یا عبداللہ بن مسعود نے یہی حکم نافذ نہیں کیا تھا؛ چنانچہ جب مرد وعورت ایک لحاف میں پائے گئے تو عبداللہ نے دونوں کو چالیس چالیس کوڑوں کی سزا دی اور انہیں لوگوں کے سامنے پیش کردیا۔ یہ دیکھ کر مرد وعورت کے خاندان والوں نے عمر کے پاس آکر شکایت کی۔ عمر نے ابن مسعود سے کہا: یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟

ابن مسعود نے کہا: ہاں! میں نے ان دونوں کو سزا دی ہے۔ عمر نے کہا: کیا تم نے اس حالت میں دیکھا تھا؟ کہا: ہاں! میں نے دیکھا تھا۔

تو عمر نے کہا: تم نے جو کچھ دیکھا اور مقرر کیا وہ بہت اچھا ہے۔

۱۔ شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۶۳، (ج۱۲، ص۲۴۱، خطبہ ۲۲۳)

لوگوں کا بیان ہے کہ ہم عمر کے پاس فریادی بن کر آئے تھے لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ خود ہی ابن مسعود کے سامنے سوالی بنے بیٹھے ہیں۔(۱)

جی ہاں! قارئین کو چاہئے کہ وہ متذکرہ واقعات میں غور وفکر کریں کہ ان میں حکم کا دار و مدار صرف لحاف پر ہے لیکن مغیرہ اور ام جمیل کے گناہوں میں لحاف ہے ہی نہیں، اسی لئے آشکارا گناہ کرنے کے بعد بھی حد سے محفوظ رہے۔

یہ ہے مغیرہ اور یہ ہیں ام جمیل کے ساتھ اس کی شرارتیں اور گناہ۔اسی مذموم اور قبیح عمل کے ذریعہ اسلام میں اور اس سے پہلے بھی پہچانا گیا ہے۔

یہی مغیرہ حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں ان کے پاس آکر اپنی خام خیالی میں ان کو نصیحت کرنا چاہتا ہے کہ معاویہ کو کچھ دنوں کے لئے شام کا گورنر مقرر کردیں، بعد میں جو چاہیں کرتے رہیں۔لیکن چونکہ حضرت علیؑ ان افراد میں سے نہیں تھے جو سستی کا مظاہرہ کریں، دشمنان خدا سے دین کے امور میں مشورہ لیں اور سیاست کو حکم شریعت پر ترجیح دیں، پھر یہ کہ معاویہ جیسے افراد کے لئے ایسا سوچنا بھی لغو ہے جس کا ایک دن، تباہی اور فسادات کے اعتبار سے ایک سال کے برابر ہے۔ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت نے مغیرہ کی رائے مسترد کردی۔آپ گمراہ اور ذلیل لوگوں کو اپنا بازو کیسے بنا سکتے تھے۔

لہٰذا مغیرہ تلملا کر اٹھا اور آپ کی طرف پشت کر کے گنگنانے لگا:

نصحت علیا فی ابن هندنصیحه　　فردت فلم اسمع لها الدهر ثانیه

''میں نے علی بن ابی طالبؑ کو معاویہ کے سلسلے میں بہترین وصیت کی لیکن انہوں نے صلاح دیکھ کر میری تردید کردی اور دوسری دنیا نے ان کے بارے میں کچھ بھی نہ سنا، میں نے ان سے کہا کہ اس کے منصب اور حکومت کا فرمان صادر کیجئے کہ وہ ایک سیاست داں ہے، اس کی سیاستوں کی وجہ سے اس کا خیال رکھئے۔انہوں نے میری نصیحتوں کو قبول کرنے سے انکار کردیا، ان کے لئے نصیحت و مصلحت

۱۔معجم الکبیر، (ج۹، ص۳۴۱، حدیث ۹۶۹۴)؛ مجمع الزوائد، ج۶، ص۲۷۰

اندیشی کافی تھی۔(۱)

علامہ اردوباری نے چند اشعار میں اس کا جواب دیا:

آتیت امـام الـمسـلـمین بغدرہ　　　فـلـم تـلف نـفسـامنه الغد رصاغیه

''امام المسلمین کی خدمت میں تو منصوبہ بندی کے ساتھ آیا، لیکن انہوں نے اس فریبی جال کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ رکھا اور جب انہوں نے اس میں خیانت کی بو محسوس کی تو مکروفریب سے بھرپور باتیں ان پر اثر انداز نہ ہوئیں....''۔

مغیرہ ان افراد میں سب سے آگے تھا جو امیر المومنینؑ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے۔

ابن خدری کا بیان ہے: کچھ خطیب کوفہ میں مغیرہ کے پاس آئے، صعصہ بن صوحان نے کھڑے ہوکر چند باتیں بیان کی۔ تو مغیرہ نے کہا: اسے لے جا کر ایک پتھر پر اس وقت تک باندھے رکھو جب تک یہ حضرت علیؑ پر سب وشتم اور لعنت وملامت نہ کرے۔ یہ سن کر صعصہ چیخ پڑے: **لعن الله من لعن الله ولعن ابن ابی طالب** ''خدا اس شخص پر لعنت کرے جو خدا اور ابن ابی طالبؑ پر لعنت کرتا ہے''۔ جب مغیرہ کو اس کی خبر ہوئی تو کہا: خدا کی قسم! میں اسے زندان میں ضرور ڈالوں گا۔ وہ باہر آکر بولا: مغیرہ علیؑ کو نہیں مانتا لہٰذا ان پر لعنت کر۔ انہوں نے کہا: خدا اس پر لعنت کرے جو علیؑ پر لعنت کرتا ہے۔ یہ سن کر مغیرہ نے کہا: اسے باہر نکالو تا کہ خدا اسے موت کے گھاٹ لگائے۔(۲)

احمد بن حنبل نے قطبہ بن مالک سے نقل کیا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ (لعنہ اللہ) نے حضرت علیؑ پر دشنام طرازی کی۔ یہ سن کر زید بن ارقم نے کہا: تم تو جانتے ہو کہ رسول خداؐ مردہ لوگوں پر گالی گلوچ کی ممانعت فرماتے تھے۔ لہٰذا علیؑ کو گالی کیوں دیتے ہو حالانکہ وہ مر چکے ہیں۔(۳)

۱۔ مروج الذھب، ج۲، ص۱۶، (ج۲، ص۳۷۱)؛ تاریخ طبری ج۵، ص۱۶۰، (ج۴، ص۴۴۰، حوادث ۳۵ھ)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج۸، ص۱۲۸، (ج۸، ص۳۷، حوادث ۶۰ھ)؛ استیعاب، ج۱، ص۲۵۱، (القسم الرابع، ص۱۴۴۷، نمبر ۲۴۸۳)؛ تاریخ ابوالفداء، ج۱، ص۱۷۲

۲۔ رسائل حافظ، ص۹۲، (ص۴۳۵، رسالہ سیاسیہ)؛ الاذکیاء، ص۹۸، (ص۱۶۸)

۳۔ مسند احمد، ج۴، ص۳۶۹، (ج۵، ص۴۹۶، حدیث ۱۸۸۰۲)

احمد بن حنبل نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مغیرہ نے اپنے خطبہ میں حضرت پر دشنام طرازی کی تو سعید بن زید نے اعتراض کیا۔(۱)

۴۲۔ کل افقہ من عمر حتی العجائز

عمر شام سے مدینہ کی جانب اکیلے روانہ ہوئے تاکہ لوگوں کے حالات سے بھی باخبر ہوسکیں۔ ایک ضعیفہ کے خیمہ سے عبور کر رہے تھے کہ احوال پرسی کے خیال سے ٹھہر گئے۔ اس ضعیفہ نے پوچھا: اے شخص! عمر کی کیا خبر ہے؟ کہا: وہ شام سے آنا ہی چاہتے ہیں۔

کہا: خدا انہیں غارت کرے۔ عمر نے کہا: تم پر افسوس! ایسا کیوں کہتی ہو؟ ضعیفہ نے کہا: کیوں کہ خدا کی قسم! وہ جب سے خلیفہ ہوئے ہیں، ایک درہم کی بھی بخشش نہیں ہوئی ہے۔ عمر نے کہا: اے عورت! تم پروای! ممکن ہے ان کو تمہاری حالت کی خبر نہ ہو، تو خیمہ میں پڑی رہتی ہے۔ اس عورت نے کہا: سبحان اللہ! میں گمان بھی نہیں کر سکتی کہ لوگوں پر ولایت رکھنے والا انسان مشرق و مغرب کے حالات سے بے خبر ہوگا۔

راوی کا بیان ہے کہ عمر روتے ہوئے وہاں سے واپس آئے اور کہا: **واعمراہ، واخصوماہ کل واحد افقہ منک یا عمر** ''اے عمر! ہر شخص تم سے زیادہ عقلمند اور دانا ہے''۔

ایک دوسری تعبیر ہے: اے عمر! ہر شخص تم سے زیادہ عالم ہے حتی بوڑھی عورتیں بھی۔(۲)

علامہ امینی فرماتے ہیں: اس واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ امام کا علم تمام چیزوں یا اکثر امور خاص طور سے دینی احکام و شرائع پر محیط ہوتا ہے، جو مسائل عمومی ہوتے ہیں ان کا جاننا خلیفہ کے لئے از بس ضروری ہے، لیکن ہم ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ خلیفہ ان سے ناواقف تھے، ان کو خود اس بات کا اعتراف تھا کہ ہر مسلمان ان سے زیادہ جانکار اور عالم ہے۔

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص۱۸۸، (ج۱، ص۳۰۷، حدیث ۱۶۳۴، ص۳۰۸، حدیث ۱۶۴۰/۱۶۴۱)

۲۔ ریاض النضرۃ ج۲، ص۵۷ (ج۲ص۳۳۲)؛ الفتوحات الاسلامیہ ج۲ ص۴۰۸ (ج۲ ص۲۶۱)؛ نور الابصار ص۶۵ (ص۱۳۲)

۴۳۔گالی گلوج کرنے والے دوافراد کے متعلق خلیفہ کا مشورہ

بیہقی نے ''سنن'' میں نقل کیا ہے: عمر کی خلافت کے زمانے میں دوافراد نے آپس میں بدکلامی کی، ایک نے دوسرے سے کہا: خدا کی قسم! میں اپنے ماں باپ کو زنا کامرتکب نہیں سمجھتا۔

عمر نے اس سلسلے میں لوگوں سے مشورہ کیا، ایک نے کہا: اس نے دوسرے شخص کے والدین کی مدح وستائش کی ہے۔ دوسرے نے کہا: اس کے علاوہ اور بھی طریقے تھے جس کے ذریعہ وہ اس کے والدین کی تعریف کرسکتا تھا۔ میری نظر میں اسے کوڑے مارنا چاہئے۔ یہ سن کر عمر نے اسّی کوڑے مارے۔(۱)

نیشاپوری نے اپنی تفسیر (۲) میں سورہ نور کی آیۂ مبارکہ ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ﴾ ''اگر کوئی عفیف اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائے اور چار شاہد پیش نہ کرے تو اسے اسّی کوڑے مارنا چاہئے''۔ کے ذیل میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ امینی فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا ان دونوں مصیبتوں میں سے کس پر گریہ کروں، حکم مسئلہ سے خلیفہ محترم کی نادانی پر یا حقیقت حال سے مومنین کی غفلت وجہالت پر، جن میں سے ہر ایک دوسرے کی تردید میں باتیں بنا رہا ہے۔

جہاں تک حد کا سوال ہے تو جب تک تہمت واضح وآشکار نہ ہو جائے اس وقت تک حد جاری نہیں کی جاسکتی، خداوند عالم کے قول ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ..﴾ سے یہی مستفاد ہے۔ خود صحابہ اور تابعین کا عمل اس کی نشاندہی کررہا ہے۔

چنانچہ قاسم بن محمد کا بیان ہے: جب تک تہمت واضح اور فرزند کی صریحی نفی نہ ہو جاتی تھی اس وقت تک حد جاری نہیں کیا جاتا تھا۔(۳)

۱۔سنن بیہقی، ج۸،ص۲۵۲

۲۔تفسیر نیشاپوری، (ج۵،ص۱۵۳)

۳۔سنن بیہقی، ج۸،ص۲۵۲

جہاں تک اس کے قول ''میرا باپ زنا کار نہیں ہے'' کا سوال ہے تو ممکن ہے اس نے کنایہ کے طور پر استعمال کیا ہو اور شاید اس کے ذریعہ اپنی پاک دامنی اور طہارت کا ارادہ کیا ہو جو اسے پستیوں، گفتگو کے دوران آلودگیوں اور طبیعت کی ضلالتوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ ممکن ہے اس نے صرف اسی بات کا ارادہ کیا ہو چنانچہ صحابہ نے بھی اس کی بات سے یہی سمجھا اور یک زبان ہو کر کہا: اس نے اس کے والد کی مدح وستائش کی ہے۔ حالانکہ انہوں نے خود اس بات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔

اگر کنایہ اور اشارہ بھی مان لیا جائے پھر بھی یہ اس وقت حد کا موجب ہوتا ہے جب قطعی الدلالۃ ہو یا پھر کنایہ میں گفتگو کرنے والا اس بات کا اعتراف کرے کہ میں نے اس سے زنا کا ارادہ کیا ہے، ورنہ شبہات کی بنا پر حد ساقط ہو جاتا ہے، کیا آپ کے ذہن میں یہ بات نہیں کہ عدم تصریح کی بنیاد پر رسول خداؐ کو فحش دینے والے انسان سے بھی حد ساقط ہو گیا تھا، صحاح میں یہ بات موجود ہے۔

کنایہ کی صورت میں حد کی ممانعت کرنے والوں میں ابو حنیفہ، شافعی، ابو یوسف، زفر، محمد بن شبرمہ، ثوری اور حسن بن صالح وغیرہ سرفہرست ہیں، حالانکہ متذکرہ حدیث ان کے پیش نظر تھی اور وہ حدیث بھی ان کے سامنے تھی جسے اوزاعی نے زہری سے روایت کی ہے کہ عمر تعریض وکنایہ کی صورت میں بھی حد جاری کرتے تھے۔ (۱)

ابوبکر جصاص ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں: جب ثابت ہو گیا کہ قول خدا ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصِنَاتِ﴾ کا مقصود، زنا کی نسبت دینا ہے تو اس کے علاوہ کسی اور چیز پر حد قائم کرنا عمر کے لئے صحیح نہیں، اس لئے کہ قیاس کے ذریعہ حدود کو ثابت کرنے کی کوئی راہ نہیں پائی جاتی۔ (۲)

ہاں! اس کے اثبات کا واحد ذریعہ اتفاق وتوقیف ہے جو کنایہ واشارہ میں قطعی مفقود ہے اور عمر کا صحابہ سے کنایہ کے حکم کے متعلق مشورت کرنا عدم توقیف پر دلالت کرتا ہے اور انہوں نے صرف اپنا عقیدہ ونظریہ پیش کیا ہے، اسکے علاوہ کنایہ کی طرح تعریض کے بھی کئی معانی ہیں اور دو دلیل و معانی

۱۔ سنن بیہقی، ج ۸، ص ۲۵۲

۲۔ احکام القرآن، ج، ص، (ج ۳، ص ۲۶۸)

احتمال کی وجہ سے وجوب حد کا فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

۴۴۔ شجرۂ رضوان کے بارے میں خلیفہ کا نظریہ

نافع سے منقول ہے: جس درخت کے سایہ میں رسول خداؐ نے بیعت رضوان منعقد کی تھی وہاں لوگ آ کر نماز ادا کرتے تھے، جب عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے ڈرا دھمکا کر اس سے بے تعلق رہنے کا حکم دے دیا۔(۱)

ابن ابی الحدید کا بیان ہے: لوگ وفات رسولؐ کے بعد درخت رضوان کے سایہ میں آ کر نماز ادا کرتے تھے۔ عمر نے کہا: اے لوگو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بت پرستی کی طرف مائل ہو رہے ہو، جان لو کہ آج کے بعد کسی کو اس درخت کے پاس آنے کا حق نہیں، اگر کوئی آیا تو اسے مرتد کی سزا دوں گا، پھر حکم دے کر اسے کٹوا دیا۔(۲)

۴۵ آثار انبیاءؑ کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

معرور سے منقول ہے: اس کا بیان ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے ساتھ حج سے خارج ہوئے، انھوں نے نماز صبح میں سورۂ فیل اور سورۂ ﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ﴾ کی تلاوت کی، نماز ختم ہونے کے بعد لوگوں نے ایک مسجد دیکھ کر اس کی طرف دوڑ لگائی۔ عمر نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہا گیا: یہ وہ مسجد ہے جس میں رسول خداؐ نے نماز ادا کی ہے۔ یہ سن کر عمر نے کہا: تم سے قبل اہل کتاب بھی اسی طرح ہلاکت کے شکار ہوئے ہیں،

۱۔ طبقات ابن سعد، ص ۶۰۷، (ج ۲، ص ۱۰۰)؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص ۱۰۷، (ص ۱۱۵)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۲۲، (ج ۱۲، ص ۱۰۱، خطبہ ۲۲۳)؛ سیرۂ حلبیہ، ج ۳، ص ۲۹، (ج ۳، ص ۲۵)؛ فتح الباری، ج ۷، ص ۳۶۱، (ج ۷، ص ۴۴۸)؛ ارشاد الباری، ج ۶، ص ۳۳۷، (ج ۹، ص ۲۳۱)؛ شرح المواہب زرقانی، ج ۲، ص ۲۰۷؛ درّ منثور، ج ۶، ص ۷۳، (ج ۷، ص ۵۲۲)؛ عمدۃ القاری، ج ۸، ص ۲۸۴، (ج ۱۷، ص ۲۲۰، حدیث ۱۹۲)

۲۔ شرح ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۶۰، (ج ۱، ص ۱۷۸، خطبہ ۳)

انھوں نے انبیاءؑ کے آثار کو عبادت گاہ کی حیثیت دے رکھی تھی، جس نے نماز نہیں پڑھی ہے وہ جا کر پڑھے اور جس کے اوپر نہیں ہے وہ چھوڑ دے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: اے کاش! میں جان پاتا کہ انبیائے کرامؑ بالخصوص حضرت محمدؐ کے آثار اور نشانیوں کو اہمیت وعظمت دینے میں کون سی ممانعت درپیش ہے، اگر وہ دائرۂ توحید کے باہر نہ ہو مثلاً ان کی تصویروں کے سامنے سجدہ کرنا، ان کو قبلہ قرار دینا؛ اس سلسلے میں خدا کا ارشاد ہے ﴿مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾

رسول خداؐ کے آثار کو اہمیت دینے کی وجہ سے امتیں کب اور کہاں ہلاک ہوئیں؟ جس مسجد میں رسول خداؐ نے نماز ادا کی ہے، تقرب خدا کے لئے اس سے بہتر کون سی جگہ ہوسکتی ہے؟ اس مکان سے زیادہ مشرف اور بہتر کون سا مکان ہوسکتا ہے جس میں آنحضرت کے قدمہائے مبارک پڑے ہوں، اس میں بیعت رضوان منعقد ہوئی ہو اور وہاں مومنین نے خدا کی رضایت حاصل کی ہو؟!

اس بے چارے درخت سے کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جس کی جڑیں زمین سے اکھاڑ پھینکی گئیں۔ کیا کوئی نہیں جو اس کے متعلق سوال کرے اور اس کا دفاع کرے؟!

کیا یہ باتیں رسول خداؐ کی شخصیت کی توہین نہیں، جنھوں نے وہاں بیٹھ کر اس جگہ کو مشرف کیا ہے؟!

کیا اب دین وشریعت کے اصول وآئین خلیفہ تجویز کریں گے، جن کا یہ کہنا ہے کہ اے لوگو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بت پرستی کی طرف مائل ہو رہے ہو۔ حالانکہ جو لوگ ان آثار کو اہمیت دیتے ہوئے وہاں نماز وعبادت بجالا رہے تھے، وہ سب علم دین کے حامل، بزرگ صحابہ اور احکام وشرائع میں خلیفہ کے مرجع ومآخذ تھے، خلیفہ حضور مشکل مسائل میں انھیں پر اعتماد کرتے تھے اور برجستہ کہتے تھے: **کل الناس افقہ منک یا عمر۔**

جو صحابہ اس جگہ کو متبرک سمجھتے ہوئے وہاں نماز ادا کرتے تھے ان میں عبداللہ بن عمر پیش پیش تھے،

۱۔ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص ۱۰۷، (ص ۱۱۶)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۲۲، (ج ۱۲، ص ۱۰۱، خطبہ ۲۲۳)؛ فتح الباری، ج ۱، ص ۴۵۰، (ج ۱، ص ۵۶۹)۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: سالم بن عبداللہ راہ چلتے مکانات تلاش کرتے اور ان میں نماز ادا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میرے والد بھی یہاں پڑھتے تھے اور انہوں نے رسول خدا کو ایسی جگہوں پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔(۱)

کتب صحاح ومسانید کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف خلیفہ کا مخصوص نظریہ تھا جس کی پیروی نہ کبھی ہوئی اور نہ ہوگی۔

۴۶۔ بعض علمائے یہود اور خلیفہ

عمر بن خطاب کے عہد خلافت میں بعض علمائے یہود آ کر کہنے لگے: اے عمر! حضرت محمدؐ کے بعد آپ ہی ولی امر ہیں، ہم آپ سے چند امور وخصال کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں اگر آپ نے جواب دے دیا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ اسلام حق اور حضرت محمد حقیقی رسول ہیں، لیکن اگر آپ نے جواب نہ دیا ہم یقین کرلیں گے کہ اسلام باطل اور رسول اسلام بھی پیغمبر نہیں۔

عمر نے کہا: جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔

انہوں نے کہا:

۱۔ آسمان کے تالے کیا ہیں؟

۲۔ آسمان کی کنجیاں کیا ہیں؟

۳۔ ایسی قبر بتایئے جس میں صاحب قبر گردش کرتا رہا؟

۴۔ وہ کون تھا جس نے اپنی قوم کو خوف زدہ کردیا اور وہ جن وانس سے بھی نہیں؟

۵۔ ان پانچ چیزوں کے نام بتایئے جو زمین پر چلتی ہیں لیکن رحم وشکم سے پیدا نہیں ہوئیں؟

۶۔ دراج (تیتر) اپنی آواز میں کیا کہتا ہے؟

۱۔ صحیح بخاری کتاب الصلاۃ، (ج۱، ص۱۸۳، حدیث ۴۶۹)

۷۔ مرغ اپنی فریاد میں کیا کہتا ہے؟

۸۔ گھوڑے کی ہنہناہٹ کا کیا مطلب ہے؟

۹۔ قورباغہ (مینڈھک) اپنی آواز میں کیا کہتا ہے؟

۱۰۔ گدھے کیا کہتے ہیں؟

۱۱۔ سر میں کنگھی کرتے وقت اس کی آواز کا کیا مطلب ہے؟

راوی کا بیان ہے کہ یہ سوالات سن کر عمر نے (شرمندگی سے) اپنا سر جھکا لیا اور کہا: عمر کے لئے باعث ننگ ہے اس سے ایسی چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے جن سے وہ واقف نہیں۔

یہ دیکھ کر علمائے یہود کھڑے ہوکر کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ رسول نہیں اور اسلام باطل ہے۔

اس صورت حال سے گھبرا کر جناب سلیمان نے یہودیوں سے کہا: کچھ دیر اور صبر کرو۔ پھر حضرت علیؑ کی خدمت میں پہونچ کر بولے: اے ابوالحسنؑ! اسلام کی نصرت فرمایئے۔ حضرت نے فرمایا: مگر کیا ہوا؟ جناب سلیمان نے پورا واقعہ ہدیۂ سماعت کیا۔

حضرتؑ علیؑ، رسول خداؐ کا لباس زیب تن کر کے مسجد میں داخل ہوئے، جب عمر کی نگاہ پڑی تو اپنی جگہ سے بلند ہوئے اور آپ کی گردن میں باہیں حمائل کر کے کہا: اے ابوالحسنؑ! آپ ہی مشکلات کو حل کیجئے۔

پھر حضرتؑ نے یہودیوں کی جانب رخ کر کے فرمایا: جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو، رسول خداؐ نے مجھے علم کے ہزار ابواب کی تعلیم دی ہے اور ہر باب سے ہزار باب وا ہوتے ہیں۔

انہوں نے اپنے سوالات کی تکرار کی، آپ نے بغور سننے کے بعد فرمایا: میری ایک شرط ہے اگر میں توریت کے مطابق جواب دوں تو تمہیں اپنا دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔

انہوں نے کہا: منظور ہے۔

علمائے یہود کے سوالات اور حضرت علیؑ کا جواب :

۱۔آسمان کے تالے کیا ہیں؟

جواب: خدا سے شرک؛ اس لئے کہ جب بندے مشرک ہوجاتے ہیں تو ان کے اعمال مقبول نہیں ہوتے۔

۲۔ان تالوں کی کنجیاں کیا ہیں؟

جواب:لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا: ہاں! صحیح فرماتے ہیں)۔

۳۔ایسی قبر بتایئے جس میں صاحب قبر گردش کرتا رہا؟

جواب: وہ مچھلی جس نے جناب یونس کو نگل کر ساتوں سمندروں میں گھمایا۔

۴۔وہ کون تھا جس نے قوم کو خوف زدہ کیا اور جن وانس میں سے نہیں تھا؟

جواب: جناب سلیمان کی چیونٹی؛ اس نے ان سے کہا:﴿یاأَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاکِنَکُمْ لاَیَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لاَیَشْعُرُونَ ﴾"چیونٹیوں سب اپنے اپنے سوراخوں میں داخل ہوجا کہ سلیمان اوران کا لشکر تمہیں پامال نہ کرڈالے اورانہیں اس کا شعور بھی نہ ہو"۔(۱)

۵۔ان پانچ چیزوں کی نشاندہی کیجئے جو زمین پر چلتی ہیں لیکن شکم سے پیدانہیں ہوئیں؟

جواب: آدمؑ،حواؑ، ناقہ صالحؑ،قوچ ابراہیمؑ،عصائے موسیٰ۔

سوال ۶۔تیتر کیا کہتا ہے؟

جواب: وہ کہتا ہے"الرحمن علی العرش استویٰ" (خدا آسمان پر مسلط ہے)۔

۷۔مرغ اپنی بانگ میں کیا کہتا ہے؟

جواب:"اذکروا اللہ یا غافلین" اے بےخبرو! خدا کو یاد کرو۔

۸۔گھوڑا اپنی ہنہناہٹ میں کیا کہتا ہے؟

جواب: جب مومنین کفار سے جنگ کرتے ہیں تو کہتا ہے: خدایا! کافروں کے مقابلے میں مومنین

۱۔سورہ نمل/۱۸

کی نصرت فرما۔

۹۔گدھا اپنی آواز میں کیا کہتا ہے؟

جواب: خدایا! ٹیکس لینے والوں پر لعنت کرے۔

۱۰۔مینڈک کیا کہتا ہے؟

جواب: **سبحان ربی المعبود المسبح فی لجج البحار**

۱۱۔کالی کیا کہتا ہے؟

جواب: **اللھم العن مبغضی محمد و آل محمد** ''خدایا! محمدؐ وآل محمدؐ کے دشمنوں پر لعنت کر''۔(۱)

۴۷۔زکوۃ کے بارے میں خلیفہ کی رائے

حارثہ سے منقول ہے: عمر بن خطاب کے پاس شام سے کچھ لوگ آئے اور کہا: ہمیں کچھ اموال، گھوڑے اور غلام وکنیز ملے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ وہ پاک وپاکیزہ اور قابل استعمال ہو جائیں (یعنی ہم ان کی زکوۃ نکالنا چاہتے ہیں)۔عمر نے کہا: ہمارے دو ساتھیوں (مراد رسولؐ وابوبکر) نے اس سلسلے میں جو اقدامات کئے ہیں میں وہی کروں گا، اس کے بعد اصحاب رسولؐ سے مشورہ کیا، حضرت علیؑ بھی موجود تھے فرمایا: اگر دائمی ٹیکس کی صورت اختیار نہ کرے تو بہتر ہے۔

سلمان بن یسار کا بیان ہے:

شام کے کچھ لوگوں نے ابوعبیدہ جراح سے کہا: ہمارے گھوڑوں اور غلاموں کی زکات قبول کیجئے۔ اس نے صدقہ لینے سے انکار کر دیا اور واقعہ کی تفصیل عمر بن خطاب کے پاس لکھ بھیجی، انھوں نے بھی اس

۱۔اس پورے واقعہ کو ابواسحاق ثعلبی نے العرائس، ص۲۳۲/۲۳۹، (۴۱۳/۴۱۹) پر اور راوندی نے قصص الانبیاء (۲۵۵، فصل ۸) میں نقل کیا ہے۔اس میں اصحاب کہف کے متعلق ایک سوال ہے جس کا حضرت نے ان کے اسماء کے ساتھ پورا واقعہ بیان فرمایا، اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

کی ممانعت کی، جب دوسری مرتبہ اپنی بات پیش کی تو عمر بن خطاب نے لکھا: اگر انھیں پسند ہو تو ان سے لے کر انھیں کو واپس کر دو اور ان کے غلاموں کی رزق و روزی مقرر کرو۔ مالک کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے فقیروں میں تقسیم کر دو۔ (۱)

عسکری ''الاولیاء'' اور سیوطی ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھتے ہیں: حضرت عمر وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے گھوڑوں کی زکات لی۔ (۲)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: پہلی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ محترم اس سے ناواقف تھے کہ گھوڑے اور غلام و کنیز پر زکات نہیں، اسی لئے انھوں نے حکم کو اپنے دو احباب پر معلق کر دیا۔ نیز وہ اس بات سے بھی ناواقف تھے کہ ان کے دونوں ساتھیوں نے اس سلسلے میں کیا کیا، اسی لئے صحابہ سے مشورہ کیا، تبھی حضرت علیؑ نے اشارہ فرمایا کہ ان پر زکات واجب نہیں، ہاں! اگر نیکی اور احسان کے بطور لیا جائے تو بہتر ہے، لیکن شرط یہ ہے بعد میں دائمی ٹیکس کی صورت اختیار نہ کر لے۔ لیکن افسوس! خلیفہ نے نہ اس حکمت بالغہ کو ملحوظ خاطر رکھا اور نہ ہی اپنے گذشتہ احباب کی پیروی کی، اسی لئے حکم دے دیا کہ زکات لے کر ان کے فقیروں میں تقسیم کر دو۔

دوسری روایت میں وہ نہیں جانتے تھے کہ صاحب مال کی محبت سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے ہیں، امام نے بھی سختی سے تنبیہ فرمائی کہ ان کے اموال کو ٹیکس کے طور پر حاصل نہ کیا جائے، لیکن خلیفۂ محترم نے ایسا کرنے سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا، چنانچہ ان کی قوم نے ان کو پہلا شخص قرار دے دیا جس نے گھوڑوں پر زکات حاصل کی اور اس قوم نے آنکھ بند کر کے اعتماد بھی کر لیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ان کے اور سنت رسولؐ کی پیروی کرنے والوں کے درمیان گھوڑے کی زکات کے سلسلے میں شدید اختلاف ظاہر ہو گیا۔

۱۔ موطا، ج ۱، ص ۲۰۶ (ج ۱، ص ۲۷۷، حدیث ۳۸) مسند احمد، ج ۱، ص ۱۴ (ج ۱، ص ۲۶، حدیث ۸۳) سنن بیہقی، ج ۴، ص ۱۱۸؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۱، ص ۴۰۱ (ج ۱، ص ۵۵۷، حدیث ۱۴۵۶) مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۶۹

۲۔ الاوائل عسکری، (ص ۱۴۲)؛ تاریخ الخلفا، ص ۹۳ (۱۲۸)

۴۸۔ شب قدر کے متعلق خلیفہ کا نظریہ

عکرمہ سے منقول ہے کہ ابن عباس نے کہا: عمر بن خطاب نے اصحاب رسول کو بلا کر شب قدر کے بارے میں سوال کیا، سب نے متفقہ طور پر ماہ صیام کی آخری دس راتوں کی نشاندہی کی۔ میں نے عمر سے کہا: میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کون سی رات ''شب قدر'' ہے۔ عمر نے پوچھا: کون سی رات ہے؟ میں نے کہا: وہ اول کی ساتویں رات یا آخری دس راتوں کی ساتویں رات [۲۷] ہے۔ عمر نے کہا: تم نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ میں نے کہا: خداوند عالم نے سات آسمان، سات زمین اور دنوں میں سات دن خلق فرمایا ہے، اسی نے سات مرحلوں میں انسان کی تخلیق کی اور یہ انسان سات اعضاء سے سجدہ بجالاتا ہے، طواف بھی سات مرتبہ انجام دیا جاتا ہے اور پہاڑ بھی سات عدد ہیں۔

اس تفصیل کو سننے کے بعد کہا: بے شک تم نے ایسے امر کو درک کیا ہے جسے سمجھنے سے ہم عاجز ہیں۔

ابن عباس سے مروی ہے: میں عمر کے پاس تھا، کچھ دوسرے اصحاب بھی موجود تھے، عمر نے ان سے سوال کیا: تم میں سے کوئی شب قدر کے متعلق ارشاد رسولؐ سے واقف ہے؟ انھوں نے فرمایا: شب قدر کو آخری دس راتوں کے جفت میں تلاش کرو، تمہاری نظر میں وہ کون سی رات ہونی چاہیے؟

بعض نے کہا: شب اکیس۔ بعض بولے: شب تیئس اور بعض نے پچیس اور ستائیس کا نظریہ پیش کیا، میں اس دوران بالکل خاموش تھا، عمر نے کہا: تم کیوں خاموش ہو؟ میں نے کہا: آپ نے حکم دیا ہے کہ ان کی گفتگو کے دوران بالکل خاموش رہوں۔

جب عمر نے اصرار کیا تو میں نے کہا: میں نے سنا ہے کہ خداوند عالم نے کثرت سے سات کا ذکر کیا ہے، سات آسمان و زمین کا ذکر فرمایا، سات مرحلوں میں انسان کی تخلیق فرمائی، زمین سے سات چیزیں اگائیں۔ عمر نے کہا: تم نے ایسی بات بیان کی ہے کہ اس سے قبل میں نے اسے نہیں سنا تھا (زمین سے سات چیزیں اگانا)۔ انہوں نے کہا: خدا کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّا شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ ''پھر ہم نے زمین کو شگافتہ کیا ہے، پھر ہم نے اس میں سے دانے پیدا کیے ہیں اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور

کھجور اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارہ، یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لئے سرمایہ حیات ہے''۔(۱)

راوی کا بیان ہے کہ عمر نے اصحاب سے کہا: تم لوگ اس جوان کی طرح گفتگو نہیں کر سکتے جس کے سر کے بال بھی پوری طرح نہیں اگے ہیں۔ اس کے بعد کہا: خدا کی قسم! جو تم نے کہا ہے میری نظر میں وہ صحیح ہے۔(۲)

جی ہاں! خلیفہ محترم اس جوان کی بات کو سمجھنے سے عاجز ہیں جس کے سر کے بال بھی نہیں اگے تھے اور آیت میں مذکور ''اب'' وہی ہے جس کی جانکاری اور حصول علم نے خلیفہ کو بہت زیادہ پریشان کر رکھا تھا، میں نہیں جانتا کہ اس جوان نے کیا کہا اور کیوں خلیفہ نے اس کی بات پسند کی۔

۴۹۔ سبب کے بغیر خلیفہ نے کوڑا مارا

ابن عساکر نے عکرمہ بن خالد سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: عمر بن خطاب کا لڑکا گھر میں داخل ہوا، اس نے بہترین لباس پہن کر زینت و آرائش کر رکھا تھا، عمر نے اسے اتنے زور سے کوڑا مارا کہ وہ تلملا کر گریہ کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر حفصہ نے پوچھا: آپ نے اسے کیوں مارا؟ عمر نے کہا: میری نظر میں وہ مغرور ہو رہا تھا میں نے چاہا کہ اسے اس کی نظروں سے گرا دوں۔

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: اپنے فرزند کی خود بینی کی شناخت کے متعلق میں خلیفہ سے کوئی باز پرس نہیں کروں گا، یہ ایک ایسی خصلت ہے جو انسان کی ذاتی شخصیت سے مربوط ہے۔ تربیت فرزند کے متعلق خلیفہ کے اجتہاد پر بھی کوئی بحث کرنا بیکار ہے، غرور و تکبر اور خود بینی کی ممانعت کے امکان پر بھی کوئی بحث نہیں کروں گا حالانکہ لاٹھی ڈنڈا اور کوڑوں کے علاوہ تنبیہ و تربیت کے اور بھی بہت سے عقلی راستے پائے

۱۔ سورہ عبس/۲۶، ۳۲

۲۔ مسند عمر، ص ۸۷: المستدرک علی الصحیحین، ج۱، ص ۴۳۸، (ج۱، ص ۶۰۴، حدیث ۱۵۹۷)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص ۳۱۳؛ تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص ۵۴۳؛ در منثور، ج۶، ص ۴۷۴ (ج۸، ص ۵۷۶)؛ فتح الباری، ج۴، ص ۴۱۱، (ج۴، ص ۲۶۲)

جاتے ہیں۔ بلکہ میں تو حدیث کے دو حافظ سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے اس واقعہ کو خلیفہ کے مناقب اور ان کی بہترین روش کے شواہد کے طور پر کیسے پیش کر دیا؟!(۱)

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ''جارود بزرگ ربیعہ'' کا واقعہ ہے، ابن جوزی نقل کرتے ہیں کہ عمر بیٹھے ہوئے تھے، کوڑا بھی ان کے ساتھ تھا اور لوگ اس کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے، تبھی جارود عامری آیا۔

ایک شخص نے کہا: یہ قبیلۂ ربیعہ کا معزز انسان ہے۔ جسے عمر اور اطراف میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ ساتھ جارود نے بھی سنا، جب وہ عمر کے پاس پہونچا تو انہوں نے ایک کوڑا مارا۔ اس نے پوچھا: اے امیر المومنین! میری خطا کیا ہے؟ عمر نے کہا: میں نے اس شخص کو کہتے ہوئے سنا کہ تو قبیلہ ربیعہ کا معزز ہے۔ اس نے کہا: اسے تو میں نے بھی سنا ہے، اس سے کیا ہوتا؟ عمر نے کہا: میں اس بات سے خوف زدہ ہو گیا کہ کہیں تم لوگوں کے ساتھ مل کر اپنے کو امیر کہلوا بیٹھو۔

دوسری عبارت میں ہے کہ میں خوف زدہ ہوا کہ کہیں تیرے دل میں یہ بات بیٹھ نہ جائے اسی لئے میں نے تیرے نفس کا سر کچل دیا۔(۲)

ابن سعد نے سعید سے نقل کیا ہے کہ معاویہ عمر کے پاس پہونچا، اس کے دوش پر زیورات سے آراستہ سفید قبا تھی جسے صحابہ ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے، جب عمر کی نظر پڑی تو اٹھ کر معاویہ کو کوڑے مارنا شروع کر دیا۔ معاویہ نے کہا: اللہ اللہ اے امیر المومنین! یہ کس لئے، یہ کس لئے؟ لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ جب مارنے کے بعد اپنی جگہ بیٹھ گئے تو لوگوں نے ان سے کہا: آپ نے اس جوان کو کیوں مارا؟ حالانکہ آپ کے خاندان میں اس کا مثل کوئی نہیں۔ عمر نے جواب میں کہا: میں نے اس سے صرف اچھائیوں کا مشاہدہ کیا اور خیر و نیکی کے علاوہ دوسری چیز نہیں دیکھی لیکن اس وقت میں نے ملاحظہ کیا کہ وہ

۱۔ تاریخ الخلفاء، ص۹٦، (ص۱۳۳)۔

۲۔ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۱۷۸، (ص۱۸۳)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۱۲، (ج۱۲، ص۷۳، خطبہ ۲۲۳)؛ کنز العمال، ج۲، ص۱٦۷، (ج۳، ص۸۰۹، حدیث ۸۸۳۰)

اپنی سفید قبا کی طرف اشارہ کر رہا ہے اسی لئے میں نے اسے حقیر دیکھنا چاہا۔ (۱)

میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں، کیا کہہ سکتا ہوں۔

۵۰۔ مشہور سنت سے خلیفہ کی جہالت

مسلم نے اپنی صحیح میں عبید بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ ابوموسیٰ نے حضرت عمر سے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب دیکھا کہ شاید وہ مصروف ہیں تو واپس چلے گئے۔ عمر نے کہا: کیا تم لوگوں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی، اسے اجازت دو اور اسے میرے پاس بلاؤ۔

جب وہ آئے تو عمر نے کہا: کیوں چلے گئے تھے؟ اس نے کہا: حکم ہے کہ تین مرتبہ اجازت مانگی جائے اگر نہ ملے تو واپس ہو جائیں۔

عمر نے کہا: جو کہا ہے اس کی دلیل پیش کرو ورنہ بری طرح پیش آؤں گا۔ یہ سن کر باہر گئے اور انصار کی ایک مجلس میں اپنی بات رکھی تو انہوں نے کہا: ہم کیا، اس بات کی تو ہم سے چھوٹے بھی گواہی دے دیں گے۔ چنانچہ ابوسعید کھڑے ہو کر بولے: ہاں! حکم یہی ہے۔ یہ سن کر عمر نے کہا: مجھ سے بات پوشیدہ رہ گئی کہ یہ رسولؐ کا خصوصی حکم ہے، مجھے بازار کی مصروفیت نے اس حکم سے غافل کر دیا۔ (۲)

دوسری صحیح میں ہے: ابی بن کعب نے کہا: اے ابن خطاب! رسول خداؐ کے اصحاب کو اذیت نہ دیں۔ عمر نے کہا: سبحان اللہ! میں نے ایک بات سنی اور اس کے متعلق تحقیق کا ارادہ کر لیا۔ (۳)

دوسرے الفاظ ہیں: ابوسعید کا بیان ہے کہ میں نے کہا: میں لوگوں میں سب سے حقیر انسان ہوں۔ (۴)

۱۔ البدایۃ والنہایہ، ج۸، ص۱۲۵، (ج۸، ص۱۳۷، حوادث ۶۰)؛ الاصابہ، ج۳، ص۴۳۴، (نمبر ۸۰۶۸)

۲۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۲۳۴، (ج۴، ص۳۶۱، حدیث ۳۶)؛ صحیح بخاری، ج۳، ص۸۳۷، (ج۲، ص۷۲۷، حدیث ۱۹۵۶)؛ مسند احمد، ج۳، ص۱۹، (ج۳، ص۳۹۶، حدیث ۱۰۷۶۱)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۲۷۴؛ سنن ابی داؤد، ج۲، ص۳۴۰، (ج۴، ص۳۴۶، حدیث ۵۱۸۲)؛ مشکل الآثار، ج۱، ص۴۹۹

۳۔ صحیح مسلم، (ج۴، ص۳۶۲، حدیث ۳۷)

۴۔ صحیح مسلم، (ج۴، ص۳۶۰، حدیث ۳۳)

نووی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ متذکرہ حدیث ہمارے چھوٹے بڑے سب کے درمیان معروف ومشہور ہے حتی ہمارے بچوں نے بھی رسول خداؐ سے یہ حدیث سنی ہے اور اسے یاد کیا ہے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: کون ہے جو مجھے ایسے شخص کے متعلق بتائے جسے بازار کی مصروفیت نے دینی فیصلوں اور اس مشہور حدیث سے غافل کر رکھا تھا جسے رسول خداؐ نے بانگ دہل بیان فرمایا، جس سے تمام چھوٹے بڑے صحابہ واقف تھے اور قرآن نے بھی اس کی تائید وتوثیق کی ہے۔

ایسا شخص صاحب ''الوشیعۃ'' کے خیال خام میں کس طرح اپنے زمانے میں بطور مطلق تمام صحابہ سے افضل واعلم ہوسکتا ہے۔

۵۱۔میت پر گریہ کے متعلق خلیفہ کا اجتہاد

ابن عباس کا بیان ہے: جب رسول خداؐ کی دختر جناب زینب کا انتقال ہوا تو آنحضرت نے فرمایا: ان کو سابق نیک انسان عثمان بن مظعون سے ملحق کرو (یعنی انھیں کی طرح ان پر گریہ وزاری کرو) یہ سن کر عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر عمر ان عورتوں کو کوڑا مارنے لگے تو رسول خداؐ نے ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے عمر! صبر کرو اور ان عورتوں کو رونے دو، ان عورتوں کی فریاد وفغاں سے شیطان دور رہتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت ان کی قبر پر بیٹھ گئے، جناب فاطمہؑ آپ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی گریہ وزاری کرنے لگیں تو آنحضرت ان کی آنکھوں سے آنسو صاف کرنے لگے اس لئے کہ آپ ان پر بے پناہ محبت اور مہربانی کا مظاہر فرماتے تھے۔(۲)

۱۔شرح صحیح مسلم نووی، (ج۱۴،ص۱۳۱)

۲۔مسند احمد، ج۱،ص۲۳۷، ۳۳۵، (ج۱،ص۳۹۳۰، ۵۵۱، حدیث ۲۱۲۸، ۹۳ھ۳)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳،ص۱۹۰، (ج۳، ص۲۱۰، حدیث ۴۸۶۹)؛ مسند ابی داؤد طیاسی، ص۳۵۱؛ استیعاب، ج۲،ص۳۸۲، (القسم الثالث، ص۱۰۵۶، نمبر۱۷۷۹)؛ مجمع الزوائد، ج۳،ص۱۷

بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ عورتیں رقیہ بنت رسولؐ پر گریہ کررہی تھیں، عمر نے ان کو منع کرنا شروع کیا تو رسول خداؐ نے فرمایا: صبر کرو اے عمر۔ اس کے بعد بعد فرمایا: تمہارے لئے ضروری ہے کہ شیطانی داد وفریاد سے اجتناب کرو، بے شک دل اور آنکھ کی چیزیں ترحم ومہربانی اور جذبات کی عکاس ہوتی ہیں اور زبان اور ہاتھ کی چیزیں شیطانی ہوتی ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ جناب فاطمہؑ نے رقیہ کی قبر کے پاس گریہ وزاری شروع کردیا تو رسول خداؐ نے اپنے ہاتھوں سے رخسار کے آنسوؤں کو صاف کیا۔(۱)

نسائی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے: خاندان رسولؐ کے ایک شخص کا انتقال ہوا تو عورتوں نے جمع ہوکر ان پر گریہ وزاری شروع کردیا، یہ دیکھ کر عمر کھڑے ہوئے تا کہ ان کو گریہ وزاری سے روکیں، آنحضرت نے فرمایا: اے عمر! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیوں کہ آنکھیں گریہ کناں اور دل مصیبت زدہ ہے اور عید بھی نزدیک ہے۔(۲)

علامہ امینی فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ عمر بن خطاب نے گریہ کناں عورتوں کو مارنے میں عجلت کا مظاہرہ کیوں کیا حالانکہ خود صاحب شریعت گریہ کرتے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے، اگر گریہ وزاری ممنوع ہوتا تو آنحضرتؐ ان کو منع کرنے کے سلسلے میں زیادہ اولی اور بہتر تھے۔ اور انہوں نے گریہ وزاری کی ممانعت کو کہاں سے اخذ کرلیا جب کہ خود رسول خداؐ اس کے مخالف تھے اور انہوں نے عورتوں کو بعنوان تادیب مارنے کے بارے میں آنحضرتؐ کی طرف رجوع کیوں نہ کیا؟ کیسے انھوں نے اپنے ہاتھ کو عورتوں پر دراز کیا حالانکہ جو عورتیں وہاں موجود تھیں ان میں رسول خداؐ کی رشتہ دار بھی شامل تھیں، میں صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا، کیا ان عورتوں میں جناب فاطمہؑ نے بھی کوڑے کا ظلم برداشت کیا؟!

۱۔ سنن بیہقی، ج۴، ص۷۰

۲۔ سنن نسائی، (ج۱، ص۶۱۰، حدیث ۱۹۸۶)؛ سنن ابن ماجہ، (ج۱، ص۵۰۵، حدیث ۱۵۷۸)؛ عمدۃ القاری، ج۴، ص۸۷، (ج۸، ص۷۸)

رسول خداؐ کے عہد میں خود ان کی آنکھوں کے سامنے اور ان کی موجودگی میں خلیفہ کے لئے بہت سے ایسے مواقع آئے جب انہوں نے ہرگز گریہ نہ کیا اور مصاب نہ ہوئے۔ ان میں سے ایک وہی ہے جسے مسلم بن ارزق نے بیان کیا ہے کہ میں بازار میں ابن عمر کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ لایا گیا جس پر عورتیں زار و قطار رو رہی تھیں، ابن عمر نے اسے معیوب سمجھتے ہوئے ان عورتوں کو ڈرایا دھمکایا، راوی کا بیان ہے کہ مسلم نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ایسا نہ کہو، میں ابو ہریرہ کی بات کی گواہی دیتا ہوں، اس کا بیان ہے کہ ایک جنازہ کو آنحضرتؐ کے سامنے سے گذارا گیا میں اور عمر بن خطاب، آنحضرتؐ کے پاس موجود تھے، جنازہ پر بعض عورتیں گریہ کر رہی تھیں، یہ دیکھ کر عمر نے انھیں مارا اور ڈرا دھمکا کر ان کو منع کیا تو رسول خداؐ نے فرمایا: اے عمر! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیوں کہ ان کی آنکھیں اشک آلود اور دل مصیبت زدہ ہیں۔

لوگوں نے پوچھا: تم نے سنا ہے کہ رسول خداؐ یہی فرمایا تھا، اس نے کہا: ہاں۔ یہ سن کر ابن عمر نے دو مرتبہ کہا: واللہ ورسولہ اعلم "اللہ اور اس کے رسول دانا و اعلم ہیں"۔ (۱)

حاکم نے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ ایک جنازہ پر پہونچے، عمر بن خطاب بھی آنحضرتؐ کے ساتھ تھے، انھوں نے عورتوں کے گریہ و زاری کی آواز سنی تو عمر نے ڈرایا دھمکایا اور مارا بھی۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا: اے عمر! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیوں کہ ان کی آنکھیں گریہ کناں اور دل مصیبت زدہ ہیں اور مصیبت ابھی تازہ ہے۔ (۲)

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے تشییع جنازہ میں شرکت کی، عمر نے زار و قطار روتی ہوئی عورت کو دیکھا تو اس کے سر پر جا کر چیخنے چلانے لگے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا: اے عمر! اسے چھوڑ دو کیوں کہ آنکھ اشک آلود، دل مصیبت زدہ اور مصیب ابھی تازہ ہے۔ (۳)

۱۔ سنن بیہقی، ج۴، ص۷۰؛ مسند احمد، ج۲، ص۴۰۸، (ج۳، ص۱۲۸، حدیث ۹۰۳۸)

۲۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۱، ص۳۸۱، (ج۱، ص۵۳۷، حدیث ۱۴۰۶)

۳۔ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۴۸۱، (ج۱، ص۵۰۵، حدیث ۱۵۸۷)

عمر بن ارزق سے منقول ہے کہ مروان کی ایک بیوی کا انتقال ہوگیا، لوگ جنازہ میں شرکت کی غرض سے گئے ،ابو ہریرہ نے بھی شرکت کی ،اس جنازہ کے ساتھ کچھ عورتیں زار وقطار رو رہی تھیں تو مروان نے حکم دیا کہ خاموش رہیں۔ یہ دیکھ کرابو ہریرہ نے کہا: ان کوچھوڑ دو کیوں کہ رسول خداؐ ایک ایسے جنازے سے گزرے جس پر بہت سے افراد گریہ کررہے تھے، عمر موجود تھے انھوں نے شدت سے اس گریہ کی ممانعت کی تو آنحضرت نے فرمایا: اے ابن خطاب! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ان کا دل مصیبت زدہ اور آنکھ اشک آلود ہے اور مصیب ابھی تازہ ہے۔(۱)

ابو ہریرہ کا بیان ہے: عمر کی نگاہ ایک ایسی عورت پر پڑی جو ایک قبر پر زاروقطار رو رہی تھی ، انھوں نے سختی سے اسے منع کیا تو رسول خداؐ نے فرمایا: اے حفصہ کے باپ! اسے چھوڑ دو کہ اس کا دل مصیبت زدہ اور آنکھ اشک آلود ہے۔(۲)

تاریخ کے جھروکوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان صریحی بیانات اور واضح ترین نصوص نے بھی خلیفہ کو قانع نہیں کیا اور وہ اپنے ذاتی اجتہاد پر باقی رہے اور پھر رسول خداؐ پر ایسی تہمت اور جھوٹ کی نسبت دی جو عقل وعدل اور طبیعت انسان کے قطعی مخالف ہے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ’’زندہ افراد کے گریہ وزاری سے میت پر عذاب نازل ہوتا ہے‘‘۔

سعید بن میتب کا بیان ہے: ابوبکر کے انتقال پر لوگ گریہ وزاری کررہے تھے، عمر نے کہا کہ رسول خداؐ کا ارشاد ہے: زندہ افراد کے رونے سے مردے پر عذاب نازل ہوتا ہے۔

لوگ ان کی بات کو نظر انداز کر کے گریہ وزاری میں مصروف رہے تو عمر نے ہشام بن ولید سے کہا: اٹھو اور ان عورتوں کو باہر کردو، یہ سن کر عائشہ نے کہا: میں تمھیں باہر کردوں گی۔

عمر نے ہشام سے کہا داخل کیوں نہیں ہوتے میں نے تمھیں اجازت دی ہے، جب ہشام بن ولید

۱۔ مسند احمد، ج۲،ص ۳۳۳، (ج۲،ص ۶۳۷، حدیث ۸۱۹۶)

۲۔ کنز العمال، ج۸،ص ۱۱۷، (ج۱۵،ص ۷۲۸)

داخل ہوا تو عائشہ نے کہا: اے میرے فرزند! تو مجھے باہر کرے گا؟

ہشام ہچکچایا تو عمر نے کہا: لیکن میں نے تمہیں اجازت دی ہے، یہ سن کر ایک ایک عورت کو مارنا شروع کر دیا، اچانک اُمّ فروہ باہر آئیں اور سب کو منتشر کر دیا۔(۱)

ابن ابی الحدید کہتے ہیں: عمر کے کوڑے کا شکار ہونے والی پہلی عورت ''ام فروہ بنت ابو قحافہ'' (ابوبکر کی بہن) تھیں، یہ واقعہ ابوبکر کے انتقال کے وقت پیش آیا تھا۔(۲)

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ حدیث صحیح تھی تو عائشہ، رسول خداؐ کے ارشاد سے کیسے معاف کر دی گئیں اور انہوں نے خلیفۂ محترم سے اس حدیث کو قبول کیوں نہ کیا (ان المیت لیعذب ببکاء الحی) اور خلیفہ نے عائشہ کو باپ پر گریہ وزاری کی اجازت دے کر ان سے چشم پوشی کیوں کر لی اور کیوں قطعی حکم کے نفاذ سے دست بردار ہوئے؟

صحابہ کرام ممانعت کی مخالفت پر کمر بستہ کیوں رہے اور عمر کی مخالفت کے بعد ابوبکر پر گریہ وزاری کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ وہ لوگ کیسے راضی ومطمئن ہو گئے کہ رونے کی وجہ سے میت پر عذاب نازل ہوتا ہے اور انھوں نے ایک ایک عورت اور مرد کو کوڑے مارنے کا حکم کیوں دے دیا؟!

ان تمام باتوں سے چشم پوشی نہیں کیا جا سکتی، ایک محقق اور دانشور سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں۔

عزادار، بے حال اور گریہ کناں عورتوں پر کوڑے مارنے کے ایک واقعہ کو عبدالرزاق (۳) نے عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے کہ جب خالد بن ولید کی موت ہوئی تو عورتیں میمونہ کے گھر پر جمع ہو کر گریہ وزاری کرنے لگیں۔

عمر نے عورتوں کو کوڑا مارا جس سے ایک عورت کا ڈوپٹہ گر گیا۔

لوگوں نے کہا: اے مسلمانوں کے رہبر! اس کا ڈوپٹہ گر گیا ہے تو عمر نے کہا: چھوڑ دو بھی وہ قابل

۱۔ کنز العمال، ج۸، ص۱۱۹، (ج۱۵، ص۷۳۲، حدیث ۴۲۹۱۱)۔

۲۔ شرح ابن ابی الحدید، ج۱، ص۶۰، خطبہ ۳۔

۳۔ المصنف، ج۳، ص۵۵۷، حدیث ۶۶۸۱۔

احترام نہیں۔ بے چاری عورت عمر کے قول" لاحرمة لها" پر بری طرح حیرت زدہ تھی۔(۱)

ہمیں بھی خلیفہ کے اس بات پر سخت حیرت ہے۔اور یہ کوئی نئی بات نہیں، گفتار و کردار کے اعتبار سے خلیفہ کی اکثر عادتیں حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں۔

جہاں تک حدیث عمر"ان المیت لیعذب ببکاء الحی" کا سوال ہے تو خود عائشہ نے اس کی تکذیب و تردید کی ہے۔

چنانچہ حاکم (۲) کا بیان ہے کہ مسلم و بخاری نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے مروی حدیث ایوب کی صحت پر اتفاق کیا کہ جب میت پر گریہ کے متعلق عمر اور عبداللہ بن عباس سے مناظرہ ہوا تو انھوں نے اسی موضوع کے سلسلے میں ام المومنین عائشہ کی بات کی طرف رجوع کیا۔

عائشہ نے کہا: خدا کی قسم! رسول خداؐ نے ایسی کوئی بات بیان نہیں فرمائی کہ کسی کے رونے سے مردہ پر عذاب نازل ہوتا ہے، ہاں آپؐ نے فرمایا کہ جب کافر کے اہل خاندان گریہ کرتے ہیں تو خدا سخت ترین عذاب نازل فرماتا ہے﴿وان الله هو اضحک وابکی﴾ بے شک خدا ہنساتا ہے اور رلاتا بھی ہے﴿ولاتزروا وازرة وزراً اخری﴾ خداوند عالم ایک شخص کے گناہ پر دوسرے کو عذاب نہیں کرتا۔

شافعیؒ "اختلاف الحدیث" میں لکھتے ہیں:

"قرآن وسنت کی دلالت کے مطابق، رسول خداؐ سے عائشہ کی روایت، دوسری روایتوں سے بہتر اور صحیح تر ہے: اس لئے کہ خدا فرماتا ہے: ﴿ولا تزر وازرة وزر اخری﴾ "کوئی بھی دوسرے کا گناہ اپنے کاندھے پر نہیں اٹھائے گا"۔(۳) ﴿وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ "انسان کے لئے وہی ہے جو وہ سعی و کوشش کرتا ہے"۔(۴) ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَه، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا

۱۔ کنز العمال، ج۸، ص۱۱۸، (ج۱۵، ص۷۳۰، حدیث ۴۲۹۰۵)

۲۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۱، ص۳۸۱، (ج۱، ص۵۳۷، حدیث ۱۴۰۷)۔

۳۔ سورہ اسراء/۱۵

۴۔ سورہ نجم/۳۹

یَــرَہ ﴾''پھر جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا''۔(۱) ﴿ لِتُجزَی کُلُّ نَفسٍ بِمَا تَسعَی ﴾''تا کہ ہر شخص کو اس کی سعی و کوشش کے مطابق جزا دی جا سکے''۔(۲)

اگر سوال کیا جائے کہ کون سی روایت اس بات پر دلالت کر رہی ہے تو جواب دیا جائے گا کہ رسول خداؐ نے ایک شخص سے پوچھا: یہ تیرا لڑکا ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: **اما انه لا یجنی علیک و لا تجنی علیه** ''اس کا ظلم تیرے کھاتے میں اور تیرا ظلم اس کے کھاتے میں نہیں رکھا جائے گا''۔ رسول خداؐ نے خداوند عالم کے ارشاد کی طرح اپنی حدیث میں بتایا کہ ہر شخص کا ظلم اور گناہ اسی کے کھاتے میں لکھا جائے گا، دوسرے کے کھاتے میں نہیں، چنانچہ ہر شخص کا ثواب بھی اسی کے کھاتے میں لکھا جائے گا دوسرے کے کھاتے میں نہیں''۔(۳)

ان تمام باتوں کو چھوڑیئے، خود رسول خداؐ، ان کے صحابہ اور نیک تابعین کا اپنے مردوں پر گریہ کرنا، گریہ کے جواز کی بہترین دلیل ہے۔

رسول خداؐ نے اپنے عزیز فرزند ابراہیم کی موت پر گریہ کیا اور فرمایا: **العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضی ربنا و انا بک یا ابراهیم لمحزونون** ''آنکھیں اشک بار اور دل محزون ہیں لیکن رضائے خدا کے علاوہ کوئی بات نہیں کہوں گا، اے ابراہیم! ہم تمہاری وجہ سے غمگین ہیں''۔(۴)

اپنے فرزند طاہر کی موت پر گریہ کرتے ہوئے فرمایا: **ان العین تذرف و ان الدمع یغلب و ان القلب یحزن و لا نعصی الله عزوجل** ''آنکھیں اشک بار ہیں، آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے اور دل محزون ہیں لیکن خدا کی نافرمانی پر مشتمل کوئی بات نہیں کہیں گے''۔(۵)

۱۔ سورہ زلزلہ/۷، ۸

۲۔ سورہ طہ/۱۵

۳۔ یہ کتاب حاشیہ کتاب الام ج۷ ص۲۶۷ (ص۵۳۷) پر شائع ہوئی ہے۔

۴۔ سنن ابوداؤد ج۳ ص۵۸ (ج۳ ص۱۹۳ ح/۳۱۲۶)؛ سنن ابن ماجہ ج۱ ص۴۸۲ (ج۱ ص۵۰۶ ح/۱۵۸۹)

۵۔ مجمع الزوائد ج۳ ص۱۸

جناب حمزہ کے غم میں بھی جب صفیہ بنت عبدالمطلب (جناب حمزہ کی بہن اور رسول خداؐ کی پھوپھی) جناب حمزہ کی تلاش میں تھیں اور انصاران کے اور جناب حمزہ کے پیکر اقدس کے درمیان حائل تھے تاکہ وہ جنازہ نہ دیکھ سکیں تو رسول خداؐ نے انصار سے فرمایا: صفیہ کو چھوڑ دو (تاکہ وہ حمزہ کے جنازے پر جاسکیں)، وہ جنازے پر پہونچیں اور بیٹھ کر گریہ کرنے لگیں، آنحضرت نے بھی گریہ فرمایا، جناب صفیہ جب اپنی آواز بلند کرتیں تو رسول خداؐ بھی آواز گریہ بلند فرماتے تھے، دوسری طرف جناف فاطمہؑ بھی گریہ کررہی تھیں اور ان کے گریہ کی وجہ سے رسول خداؐ بھی رو رہے تھے اور فرماتے تھے: لن اصاب بمثلک ابدا ''مجھ پر اس مصیبت سے بڑی کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی''۔(۱)

جنگ احد کی واپسی پر انصار کی عورتیں اپنے شہیدوں پر گریہ وزاری کررہی تھیں، جب یہ خبر رسول خداؐ کو معلوم ہوئی تو فرمایا: لکن حمزة لا بواکی له ''لیکن حمزہ کا کوئی نہیں جوان پر گریہ کرے''۔ جب انصار نے سنا تو اپنی عورتوں کے پاس جاکر کہا: لاتبکین احدا حتی تبدان بحمزة ''اس کے بعد تمہیں گریہ کا کوئی حق نہیں مگر یہ کہ پہلے حمزہ پر گریہ کرو اس کے بعد اپنے عزیزوں پر''۔

راوی کا بیان ہے: یہ عمل انصار کے درمیان رسم کی طرح رائج ہوگیا جو اب تک جاری وساری ہے، وہ جب کسی میت پر گریہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے جناب حمزہ پر گریہ کرتے ہیں پھر اپنے عزیز پر روتے ہیں۔(۲)

اس کے علاوہ جب آنحضرت نے اپنے ماں کی قبر کی زیارت کی تو گریہ فرمایا اور ان کے ساتھ ساتھ وہاں موجود تمام لوگوں نے گریہ کیا۔(۳) اسی طرح جب حضرت عثمان بن مظعون کی وفات ہوئی تو ان کے چہرے کا بوسہ لے کر شدت سے گریہ فرمایا۔(۴)

اسی طرح جناب فاطمہ زہرا(س) رسول خداؐ پر گریہ کرتی ہوئی فرماتی تھیں: یا ابتاه من ربه ما ادنا ہ

---

(۱) امتاع مقریزی ص ۱۵۴

(۲) مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۲۰

(۳) سنن بیہقی ج ۴ ص ۷۰؛ تاریخ خطیب بغدادی ج ۷ ص ۲۸۹ (نمبر ۳۷۹۱)

(۴) سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۳ (ج ۳ ص ۲۰۱ ح ۳۱۶۳)؛ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۴۵ (ج ۱ ص ۴۶۸ ح ۱۴۵۶)

یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ یا ابتاہ جنة الفردوس ماواہ ''اے والدگرامی! جوخدا سے نزدیک ہوگئے، اے والدگرامی! جس نے اپنے رب کی آواز پر لبیک کہا، اے والدگرامی! ہم اپنی شکایت جبرئیل سے کرتے ہیں، اے والدگرامی! جو جنت فردوس میں موجود ہیں''۔(۱)

ماذا علی من شم تربة احمد　　ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انها　　صبت علی الایام صرن لیالیا

نیز جناب فاطمہؑ نے ان کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر ایک مٹھی خاک اٹھائی اور اسے اپنی آنکھوں پر مل کر گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جو رسول خداؐ کی مٹی کو سونگھے اس کی کیا کیفیت ہوگی، ہاں! اس کے بعد وہ کبھی اچھی خوشبو کو نہیں سونگھ پائے گا، مجھ پر ایسی مصیبتیں ڈھائی گئیں کہ اگر دن پر پڑتیں تو تاریک رات میں تبدیل ہو جاتا''۔(۲)

یہ ہے رسول خداؐ کی سنت۔ جس کی صحابہ نے بھی پیروی کی ہے لیکن خلیفہ نے اپنی حدیث ''**ان المیت یعذب ببکاء الحی**'' کے ذریعہ ان تمام لوگوں کی مخالفت کی ہے: اسی لئے یہ صرف ان کا اور ان کے فرزند ''عبداللہ'' کا ذاتی نظریہ کہا جائے گا جس کی پیروی قطعی مناسب نہیں۔

۵۲۔ قربانی کے متعلق اجتہاد خلیفہ

حذیفہ بن اسید سے منقول ہے: میں نے ابوبکر و عمر کو دیکھا کہ وہ اپنے اہل وعیال کی طرف سے قربانی اس خوف سے نہیں کرتے تھے کہ کہیں لوگ ان کی پیروی نہ کرنے لگیں۔

یہ دیکھ کر میرے اہل نے اس کی سنتی حیثیت سے آگاہی کے بعد مجھے اس کی انجام دہی پر مجبور کیا حتی اس بات کے بھی خواہشمند ہوئے کہ میں ہر فرد کی طرف سے قربانی پیش کروں۔(۳)

۱۔ صحیح بخاری (ج۴ص۱۶۱۹ ح ۴۱۹۳) باب مرض النبی ووفاتہ

۲۔ ملاحظہ ہو: اسی کتاب کے صفحہ ۴۴۴۔۴۴۵

۳۔ سنن بیہقی، ج۹، ص۲۶۵؛ المعجم الکبیر، (ج۳، ص۱۸۲، حدیث ۳۰۵۸)۔

ہیثمی طبرانی کے طریق سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس کے راوی صحیح اور موثق ہیں؛ سیوطی نے ابن ابی الدینار سے بحث قربانی کے ذیل میں نقل کیا ہے(۱) حاکم نے کنی والالقاب اور ابو بکر عبداللہ بن محمد نیشاپوری نے زیارات میں نقل کرکے لکھا ہے کہ ابن کثیر کے مطابق اس کے اسناد صحیح ہیں۔

شافعی کا بیان ہے: مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابو بکر و عمر اس خوف سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ کہیں لوگ ان کی پیروی نہ کرنے لگیں اور لوگوں کے درمیان یہ واجب کی حیثیت سے رائج نہ ہو جائے۔(۲)

اسی کتاب کے حاشیہ پر شائع کتاب میں شافعی کا بیان ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابو بکر و عمر اس خوف سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کے وجوب کا گمان نہ کرنے لگیں۔(۳)

شعبی سے منقول ہے کہ ابو بکر و عمر نے حج کے ایام میں حاضر ہو کر قربانی نہیں کی۔(۴)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: کیا یہ دونوں کسی ایسی بات کی حکمت سے باخبر ہو گئے تھے جو رسول خداؐ کو بھی معلوم نہیں تھا؛ چنانچہ آنحضرت نے قربانی کی، اس کا حکم دیا اور بے پناہ تائید و تحریص فرمائی۔

کیا رسول خداؐ سے ایسی بات مخفی رہ گئی جس سے یہ دونوں آگاہ ہو گئے کہ کہیں امت اسے واجب، آئین و دستور کی حیثیت سے اخذ نہ کر لے یا یہ کہ یہ دونوں امت مسلمہ پر رسول خداؐ سے زیادہ مہربان و ہمدرد تھے، اسی لئے انہوں نے اپنی رائے کے مطابق بار بار قربانی کے بوجھ کو امت کے کاندھے سے ہلکا کر دیا۔

یا یہ کہ اس بات سے خوف زدہ ہو گئے کہ دین اسلام میں ایک واجب کے عنوان سے یہ چیز بدعت نہ بن جائے لیکن ان کی دلیل قطعی لچر اور باطل ہے، خود آنحضرت نے جس وقت قربانی کی اور دوسروں کو اس کا حکم دیا تو یہ حکم عدم وجوب کی حیثیت سے رائج تھا، صحابہ کرام نے بھی آنحضرتؐ سے یہی سمجھا چنانچہ

۱۔ مجمع الزوائد، ج۴، ص۱۸۔

۲۔ کتاب الام، ج۲، ص۱۸۹، (ج۲، ص۲۴۴)۔

۳۔ مختصر المزنی مطبوع برحاشیہ کتاب الام، ج۵، ص۲۱۰، (ص۲۸۳)۔

۴۔ کنز العمال، ج۳، ص۴۵، (ج۵، ص۲۱۹، حدیث ۱۲۶۶۴)۔

ان کا عمل گواہ ہے، تابعین اور تبع تابعین نے بھی صحابہ کی پیروی کی اور رفتہ رفتہ یہ عمل عہد حاضر میں اسی طرح رائج ہے۔ نیز ان دونوں منفرد مجتہدین کے خیال کی صورت میں تمام مستحبات کو ترک کرنا لازم و واجب ہو جاتا ہے۔

وجوب کے گمان کا احتمال اسی وقت زیادہ بہتر تھا جب خود رسول خداؐ کے قول و فعل سے صادر ہوا ہو کیوں کہ سنت اور دین وہی ہے جسے رسول خداؐ بیان فرمائیں۔

لیکن ایسا کوئی احتمال آنحضرتؐ کے قول و فعل سے ظاہر نہیں ہوتا تو پھر آنحضرتؐ کے مانند انھوں نے عمل کیوں نہ کیا؛ حالانکہ یہ دونوں آنحضرتؐ کے خلیفہ تھے۔

عجیب و غریب بات تو یہ ہے کہ خلیفۂ دوم نے شارع مقدس کی سنت کی اس خوف سے مخالفت کی کہ کہیں امت وجوب کا احتمال نہ دینے لگے اور یہی خلیفہ ایسی چیزوں کو سنت قرار دیتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل واساس نہیں ہے جیسے گھوڑے کی زکات، نماز تراویح اور دوسری بہت ساری بدعتیں۔ وہ ان تمام بدعتوں سے خوف زدہ نہیں ہوتے اور اس پر غور وفکر بھی نہیں کرتے۔

۵۴۔ دیت میں زوجہ کی میراث کے متعلق خلیفہ کی رائے

سعید بن میتب سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب نے کہا: دیت عاقلہ سے مربوط ہے اور عورت اپنے شوہر کی دیت میں میراث کی حصہ دار نہیں بن سکتی، وہیں ضحاک بن سفیان موجود تھے انہوں نے باخبر کیا کہ رسول خداؐ نے انہیں لکھا کہ "اشیم ضبابی کو اس کے شوہر کی دیت سے میراث دے دو۔ یہ سن کر عمر نے ضحاک کا قول مان لیا۔

دوسرے الفاظ:

عمر بن خطاب نے کہا: میری نظر میں دیت کے حقدار پدری رشتہ دار کے علاوہ کوئی اور نہیں؛ اس لئے کہ وہ اس کی جانب سے ادا کرتے ہیں، لہٰذا کیا تم میں سے کسی نے رسول خداؐ سے اس سلسلے میں کچھ سنا ہے؟ یہ سن کر رسولؐ کے ایک سپاہی نے کہا: آنحضرت نے مجھے تحریر فرمایا کہ اشیم عورت کو اس کے شوہر

کی دیت سے میراث ادا کروں۔ عمر بن خطاب نے اس کی بات قبول کرلی۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: خلیفہ ان تینوں میں سے کسی ایک سے یا سب سے غافل تھے:

۱۔قرآن مجید:

خدا کا ارشاد ہے: ﴿فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ﴾ ''اور زوجہ اہل میں سے ہے''۔(۲)

اسی کی وضاحت میں خدا کا ارشاد ہے: ﴿لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ﴾ ''بے شک ہم تمھیں اور تمھارے اہل کو نجات دیں گے سوائے تمھاری زوجہ کے''۔(۳)

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے: ﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ﴾ ''بے شک ہم تمھیں اور تمھارے اہل کو نجات دیں گے سوائے تمھاری زوجہ کے''۔(۴)

ان مقامات میں استثناء اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مستثنیٰ (زوجہ) مستثنیٰ منہ (اہل) میں داخل ہے جس سے اس کو خارج کیا گیا اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ یہاں استثنائے متصل ہے چنانچہ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔

دوسری جگہ خداوند عالم عزیز مصر کی زوجہ کے حوالے سے فرماتا ہے: ﴿مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا﴾ ''جو تمھاری عورت کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہے؟''(۵)

۱۔کتاب الام، شافعی، ج۶، ص۷۷، (ج۶، ص۸۸)؛ کتاب الرسالۃ شافعی، ص۱۱۳، (ص۴۲۶، حدیث۱۱۷۲)؛ اختلاف الحدیث، شافعی، مطبوع برحاشیہ کتاب الام، ج۷، ص۲۰، (ص۴۷۹)؛ سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۲، (ج۲، ص۱۲۹، حدیث۲۹۲۷)؛ مسند احمد، ج۳، ص۴۵۲، (ج۴، ص۴۸۵، حدیث۱۵۳۱۸، ۱۵۳۱۹)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۲۶۵، (ج۴، ص۱۹، حدیث۱۴۱۵)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۱۴۲، (ج۲، ص۸۸۳، حدیث۲۶۴۲)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۱۳۴؛ تیسیر الوصول، ج۴، ص۴، ص۸، (ج۴، ص۹، حدیث۱)؛ تاریخ بغداد، ج۸، ص۳۴۳، (ج۱، ص۴۴۵)۔

۲۔سورہ نساء/۹۲

۳۔سورہ عنکبوت/۳۲۔۳۳

۴۔سورہ نمل/۵۷

۵۔سورہ یوسف/۲۵

خدا کا قول: ﴿إِذْ قَالَ مُوسَى لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ ''جس وقت موسیٰ نے اپنے اہل سے کہا کہ میں نے آگ تلاش کرلیا ہے''۔(۱)

ایک دوسرا ارشاد:

﴿فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا﴾ ''جب موسیٰ مدت کو پورا کر چکے اور اپنے اہل کو لے کر چلے تو طور کی طرف ایک آگ نظر آئی انھوں نے اپنے اہل سے کہا: تم لوگ ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے''۔(۲)

اس وقت جناب موسیٰ کے ہمراہ ان کی زوجہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور وہ حاملہ تھیں یا تھوڑی ہی دیر قبل بچے کو جنم دیا تھا۔

۲۔سنت رسولؐ:

رسول خداؐ نے اعراب کے حاکم ''ضحاک بن سفیان'' کو تحریر فرمایا کہ اشیم ضبابی کو اس کے شوہر کی دیت کا وارث قرار دے۔

۳۔لغت عرب:

عربی زبان وادب سے یہ اہم بات مستفاد ہوتی ہے کہ استقراء کے مطابق زوجہ پر اہل کا اطلاق ہوتا ہے، قرآنی آیات میں یہ بات مذکور ہے اور اپنے حاکموں کو رسول خداؐ کا نوشتہ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔آنحضرتؐ سے مروی روایت میں آپ نے شادی شدہ کو دو حصہ اور غیر شادی شدہ کو ایک حصہ دیا، صفوان بن عمرو کا بیان ہے: رسول خداؐ نے مجھے دو حصہ دیا اس لئے کہ میرے اہل وعیال تھے اور عمار کو ایک حصہ دیا۔(۳)

۱۔سورہ نمل/۷

۲۔سورہ قصص/۲۹؛ سورہ طٰہٰ/۱۰

۳۔سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۵، (ج۳، ص۱۳۷۔۱۳۶، حدیث۲۹۵۳)؛ سنن بیہقی، ج۶، ص۳۴۶؛ تیسیر الوصول، ج۱، ص۲۵۳، (ج۱، ص۲۹۸، حدیث۲۹)؛ نہایہ ابن اثیر، ج۱، ص۸۴

محمد بن حسن نے اپنے اہل سے وصیت کرنے والے شخص کے متعلق فتویٰ دیا کہ اصولی طور پر اس کی وصیت صرف عورتوں سے مخصوص رہے گی لیکن انہوں نے ترک قاعدہ کرتے ہوئے اس کی وصیت کو تحت تکفل تمام افراد کے لئے عمومیت دے دی۔(۱)

ابو بکر کہتا ہے: اہل کا اطلاق زوجہ پر ہوتا ہے اور گھر میں موجود تمام افراد اور تحت تکفل لوگوں کو بھی شامل ہوتا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿انا منجوک واھلک الا امرأتک﴾ ''بے شک میں تمھیں اور تمھارے اہل کو نجات دینے والا ہوں سوائے تمھاری زوجہ کے''۔(۲)

لغات میں ہے کہ اہل اسے کہتے ہیں جس کی زوجہ اور عیال ہوں: وسار باھلی ''یعنی وہ اپنی زوجہ اور عیال کے ہمراہ چلا گیا''۔ واھل الرجل وتاھل ''اس نے شادی اور زناشوئی کی''۔ وتاھل ''زناشوئی اور تزویج کی ہے''۔ دعا میں مروی ہے: ''اھل اللہ فی الجنۃ ایھالا'' خدا ایک کو جنت ماویٰ میں زوجہ وعیال عطا فرمائے۔(۳)

اس کے علاوہ لغت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے اطمینان واعتماد میں مزید اضافہ ہوگا۔

۵۴۔ تحقیق بلوغ کے بارے میں خلیفہ کا نظریہ

ابن ملیکہ سے منقول ہے: ایک عراقی نوجوان چور کے بارے میں عمر نے تحریر کیا کہ اس کی پیائش کرو اگر اس کا قد چھ بالشت ہو تو ہاتھ کاٹ دو، لوگوں نے اس کی پیائش کی تو چھ بالشت میں ایک انگشت کم نکلا چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا۔

سلمان بن یسار سے منقول ہے کہ ایک جوان کو عمر کے پاس لایا گیا جس نے چوری کی تھی، عمر نے

۱۔ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص ۲۷۷، (ج۲، ص ۲۲۸)

۲۔ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص ۲۷۷، (ج ۲۲۸۲)۔

۳۔ نہایہ ابن اثیر، ج۱، ص ۶۳، (ج۱، ص ۸۴)؛ قاموس اللیلۃ، ج۳، ص ۳۳۱؛ لسان العرب، ج ۱۳، ص ۳۱، (ج۱، ص ۲۵۴)؛ تاج العروس، ج۷، ص ۲۱۷۔

کی پیمائش کا حکم دیا، جب لوگوں نے پیمائش کی چھ بالشت میں ایک انگشت کم نکلا، لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: تحقیق بلوغ کے سلسلے میں شریعت میں جو بات ثابت ہے، وہ ''احتلام'' ہے، چنانچہ آنحضرتؐ سے مروی صحیح روایت سے بھی یہی ثابت ہے۔ جن سے قانون ساقط ہے آپ نے ان کے متعلق فرمایا: والغلام حتی یحتلم'' اور لڑکا اس وقت تک جب وہ محتلم نہ ہو یا اس کے زیر ناف کے بال نہ اگ جائیں''۔ یہ حدیث عبداللہ بن عمر کی صحیح (۲) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چوتھی علامت نہیں جو مشہور و معروف ہو۔ ہاں! بالشت کی پیمائش خلیفہ کی فقاہت اور ان کی بدعتوں کا نمونہ ہے اور بس۔

۵۵۔ خلیفہ نے حد میں کمی کی

عمر بن خطاب کے پاس ایک شراب خور کو لایا گیا، عمر نے اس سے کہا: میں تجھے ایسے شخص کے پاس بھیجوں گا جو ترحم و ملائمت کے جذبہ سے قطعی عاری ہے، چنانچہ انہوں نے مطیع بن اسود عددی کے پاس بھیج دیا، اس نے کہا: میں تم پر کل حد جاری کروں گا۔ جب عمر آئے تو اس نے سخت ضربات لگائے عمر نے کہا: تم نے اسے بے موت مار دیا کتنے ضربات لگائے؟ کہا: ساٹھ ضربات، عمر نے کہا: میں اس سے بیس ضربوں کا قصاص مانگوں گا۔

ابوعبیدہ اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: عمر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں ان ضربوں کی سختی کا قصاص ان بیس کوڑوں کو قرار دوں گا جو معینہ حد میں باقی رہ گئے ہیں لہٰذا اسے نہ مارو۔(۳)

۱۔ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج۹، ص۴۸۷۔۴۸۶، حدیث ۸۲۰۶، ۸۲۱۱) المصنف عبدالرزاق، (ج۱، ص۱۷۸، حدیث ۸۷۳۷)؛ کنز العمال، ج۳، ص۱۱۶، (ج۵، ص۵۴۴، حدیث ۱۳۸۸۷)۔

۲۔ سنن بیہقی، ج۶، ص۵۹۔۵۴۔

۳۔ سنن کبریٰ بیہقی، ج۸، ص۳۱۷؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۳۳۔

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: اس شخص کو غور سے دیکھئے جو حکم خدا کے سلسلے میں گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے، ایک دن شراب خور کی حد میں دوگنا اضافہ کر دیتا ہے جو اہل سنت کی نظر میں چالیس کوڑے ہیں چنانچہ اسی کوڑے مارنے کا حکم صادر کر دیتا ہے۔(۱) اسی کے بعد دوسرے دن مجرم کی حالت پر دلسوزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیس کوڑے کم کر دیتا ہے اور پھر تعداد میں کمی کر کے ضربات کی سختی کی تلافی کرتا ہے، یہ تمام باتیں اس خدائی قانون سے انحراف اور تجاوز پر دلالت کرتی ہیں جسے رسول خداؐ لائے تھے۔

حدیث میں ہے: روز قیامت خداوند عالم زیادہ ضرب لگانے والے انسان سے فرمائے گا: میرے معین کردہ قانون سے زیادہ کیوں مارا؟ وہ کہے گا: خدایا! میں نے تیرے لئے غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا اور زیادہ مارا۔ خدا فرمائے گا: کیا تیرا غضب میرے غضب سے زیادہ شدید ہے۔ اس کے برعکس جس نے حد میں کمی کی ہے اسے لایا جائے گا، خدا اس سے فرمائے گا: میرے بندے! تم نے حد میں کمی کیوں کی؟ وہ کہے گا: معبود! میں نے اس پر ترحم کیا، وہ فرمائے گا: کیا تیرا رحم میری رحمت سے زیادہ ہے۔(۲)

ایسی بہت سے حدیثیں مروی ہیں جنہیں حفاظ حدیث نے نقل کیا ہے(۳)

۵۶. اباحسن ابقانی الله لشدة لست لها

ابن عباس سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب کے سامنے ایک قضیہ پیش کیا گیا جسے سن کر کافی پریشان حال ہوئے، چہرہ سیاہی مائل ہو گیا، انہوں نے تمام اصحاب رسول کو جمع کیا اور ان کے سامنے قضیہ پیش کر کے کہا: اس سلسلے میں کیا کروں؟ سب نے بیک زبان کہا: اے امیر المومنین! آپ ہی پناہگاہ اور

۱۔ صحیح مسلم، باب حد الخمر، ج ۲، ص ۳۸، (ج ۳، ص ۵۳۸، حدیث ۳۶، کتاب الحدود)؛ سنن دارمی، ج ۲، ص ۱۷۵؛ سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۲۴۰، (ج ۴، ص ۱۶۳، حدیث ۴۴۷۹)؛ مسند ابی داؤد طیالسی، ص ۲۶۵، (حدیث ۱۹۷۰)؛ سنن بیہقی، ج ۸، ص ۳۱۹، ۳۲۰؛ تیسیر الوصول ج ۲، ص ۱۷؛ (ج ۲، ص ۲۰)۔

۲۔ البیان والیقین، ج ۲، ص ۲۰، (ج ۲، ص ۱۹)۔

۳۔ کنز العمال ج ۳ ص ۱۹۲ (ج ۵، ص ۸۵۴، حدیث ۱۳۵۵۶۔۱۳۵۵۱) پر رجوع کریں۔

مشکلات برطرف کرنے والے ہیں۔ یہ سن کر عمر غضبناک ہوئے، کہنے لگے: ﴿اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیداً یصلح لکم اعمالکم﴾ "اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو تا کہ وہ ہمارے اعمال کی اصلاح کردے"۔(۱)

اصحاب نے کہا: اے امیرالمومنین! آپ کے سوال کے جواب سے ہم ناواقف ہیں۔

عمر نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسے شخص کو پہچانتا ہوں جو اس قضیہ کے اصل واساس اور سرچشمہ سے پوری طرح آگاہ ہے۔ لوگوں نے کہا: شاید آپ کا مقصود علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ عمر نے کہا: ہاں خدا کی قسم! وہی ہماری پناہ اور ہمارے دادرس ہیں، کھڑے ہو جاؤ اور ان کے پاس چلو۔

اصحاب نے کہا: اے امیر! آپ ان کے پاس جائیں گے کسی کو بھیج دیجئے تا کہ وہ خود ہی آ جائیں۔

عمر نے کہا: ہیہات (وہ کہاں اور ہم کہاں) وہ بنی ہاشم اور رسول خداؐ کی نمایاں شاخ اور ان کے علم ودانش کے وارث ہیں، ہمیں ان کی خدمت میں حاضری دینی چاہئے۔

سب حضرت کے گھر آئے دیکھا کہ آپ گھر میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمارہے ہیں ﴿ایحسب الناس ان یترک سدی﴾ "کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے بے حساب وعبث چھوڑ دیا جائے گا"۔ آپ اس کی تکرار کرتے اور گریہ کرتے جاتے تھے۔

عمر نے شریح سے کہا: جو مسئلہ مجھ سے پوچھا تھا، ابوالحسنؑ سے پوچھو۔

شریح نے کہا: میں ایک مجلس قضاوت میں بیٹھا تھا، اچانک یہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ ایک شخص نے دو عورتوں کو اس کے حوالے کیا، ایک کا مہر ادا ہو چکا تھا اور دوسری ام ولد کنیز تھی۔ اس نے کہا: میری آمد تک ان کے اخراجات پورے کرو جب رات گزر چکی تو دونوں نے ایک ساتھ بچہ جنم دیا، ایک کو لڑکی ہوئی اور دوسری کو لڑکا۔ لیکن دونوں اس بات کی مدعی تھیں کہ لڑکا میرا ہے، لڑکی کا دونوں ہی انکار کر رہی ہیں۔

پوری بات سن کر حضرت نے فرمایا: ان کے درمیان کیا فیصلہ کیا؟ شریح نے کہا: اگر کچھ جانتا ہوتا تو

۱۔ احزاب ۷۰/۷۱

آپ کے پاس نہ آتا۔

یہ سن کر حضرت نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھائی اور فرمایا: ان کے درمیان فیصلہ کرنا، خاک اٹھانے سے بھی زیادہ آسان ہے۔ اس کے بعد ایک ظرف طلب فرمایا، ایک سے کہا: اس میں اپنا دودھ ڈالو۔ اس نے ایسا ہی کیا، آنحضرت نے اسے غور سے دیکھا پھر دوسری سے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا، سب نے دیکھا کہ اس کا دودھ پہلے والی عورت کے دودھ کا نصف ہے، حضرت نے فرمایا: تو صاحب دختر ہے، لڑکی تیری ہے اور دوسری عورت کی طرف رُخ کر کے فرمایا: لڑکا تیرا ہے تو اسے حاصل کر لے۔

اس کے بعد شریح سے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ دختر کا دودھ فرزند کے دودھ کا نصف ہوتا ہے، اسی طرح میراث، عقل وخرد، شہادت و دیت اور دوسری بہت سی چیزوں میں لڑکی نصف کی حقدار ہوتی ہے۔

یہ سن کر عمر سخت متعجب ہوئے کہا: اے ابوالحسن! خدا مجھے ایسی مصیبت میں تنہا نہ رکھے جس کے لئے آپ نہ ہوں، خدا مجھے ایسے شہر میں نہ چھوڑے جس میں آپ نہ ہوں۔(۱)

۵۷۔ عجیب وغریب مولود اور خلیفہ

سعید بن جبیر سے منقول ہے: عمر بن خطاب کی خدمت میں ایک عورت کو لایا گیا جس نے ایک بچہ کو جنم دیا تھا جس کے اوپر کا آدھا حصہ دو بدن، دو شکم، دو سر، چار ہاتھ اور دو شرمگاہ والا تھا اور دوسرا حصہ مردوں کی طرح دو ران، دو پنڈلی اور دو پیر والا تھا، اس عورت نے اپنے شوہر سے اس مولود کی میراث کا مطالبہ کیا، عمر بن خطاب نے اصحاب رسول کو جمع کیا اور اس سلسلے میں مشورہ کیا، لوگوں نے جواب کے متعلق معذرت کر لی۔

عمر نے علی بن ابی طالبؑ کو بلوایا، حضرت نے فرمایا: بے شک یہ امر ایک آزمائش سے کم نہیں، اس عورت اور اس کے فرزند کو قید کر دو، ان دونوں کے لئے کسی ایسے کو چھوڑو جو ان کی خدمت کرے، ان

(۱) کنزالعمال، ج۳، ص۱۷۹، (ج۵، ص۸۳۰، حدیث ۱۴۵۰۸)؛ مصباح الفلاح، جردانی، ج۲، ص۵۶، (ج۲، ص۱۳۶، حدیث۴۰۵)

کے اخراجات بھی بحد کافی ادا کرو۔ عمر نے حضرت کے احکامات پر عمل کیا جب وہ عورت فوت ہوئی اور اس کا بچہ بزرگ ہوا تو اس نے میراث کا مطالبہ کیا، حضرت نے حکم دیا کہ ایک نوکر اس کی خدمت کے لئے معین کیا جائے جو اس کی شرمگاہوں کی بھی خدمت کرے اور ماؤں کی طرح اس کی ضرورتیں پوری کرے۔

کچھ دنوں بعد ایک بدن نے شادی کی خواہش ظاہر کی، عمر نے حضرت کی خدمت میں آدمی بھیجا، کہا: اے ابوالحسنؑ! ان دونوں بدن کے مسئلے میں کیا فرماتے ہیں اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کی ضد اور مخالفت کی حتی ایک ہی وقت میں ایک نے جماع کی خواہش ظاہر تو اس کا کیا حل ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: اللہ اکبر! خداوند عالم اس سے کہیں زیادہ صابر و کریم ہے کہ ایک بندہ کو اپنے بھائی اور اہل سے جماع کی خواہش کا مشاہدہ کرے لیکن اس مسئلے کو تین روز تک ٹالتے رہو کہ خداوند عالم جلدی کوئی حکم جاری فرمائے گا کہ وقت مرگ کسی بات کا مشاہدہ کرے۔ تین روز بعد وہ فوت ہو گیا، عمر نے اصحاب رسول کو اکٹھا کرنے کے بعد اس سلسلے میں مشورہ کیا بعض نے کہا: اسے کاٹ ڈالو تا کہ مردہ زندہ سے جدا ہو جائے پھر اسے غسل و کفن دے کر دفن کروں۔

یہ سن کر عمر نے کہا: تمھاری بات عجیب و غریب ہے کہ ہم زندہ شخص کو مردے کے لئے مار ڈالیں، یہ سن کر زندہ بدن نے فریاد و فغاں بلند کی، میرے لئے خدا کافی ہے تم لوگ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو حالانکہ میں ''لاالٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ'' کی گواہی دیتا ہوں اور قرآن پڑھتا ہوں۔

یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کی خدمت میں آدمی بھیجا اور کہا: اے ابوالحسنؑ! ان دونوں کے سلسلے میں حکم جاری فرمائیں۔

حضرت نے فرمایا:

یہ مسئلہ بہت زیادہ آسان ہے حکم یہ ہے کہ اسے غسل و کفن کر دو اور بھائی کے ساتھ چھوڑ دو کہ اس کی خدمت کرے اور راستے چلنے میں بھائی اس کی مدد کرے جب تین روز گذر جائے گا تو مردہ کا بدن خشک ہو جائے گا، اس وقت اس کی خشکی کی جگہ سے اسے جدا کر دو، ایسی صورت میں وہ دردناک نہیں

ہوگا، بے شک میں جانتا ہوں کہ خداوند عالم زندہ بدن کو اس کے بعد تین روز سے زیادہ باقی نہیں رکھے گا کیوں کہ مردہ کی عفونت سے اسے کافی اذیت ہوگی۔

لوگوں نے مولا کے فرمان پر عمل کیا، آپ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، یہ دیکھ کر عمر نے کہا: اے فرزند ابوطالبؑ! آپ ہمیشہ شبہات کو برطرف کرنے والے اور حکم کو آشکار کرنے والے ہیں۔(۱)

۵۸۔ کنیز کی حد کے بارے میں اجتہاد خلیفہ

یحیٰی بن حاطب سے منقول ہے: اس کا بیان ہے کہ حاطب کی وفات کی بعد اس نے نماز گذار اور روزہ دار غلاموں کو آزاد کیا، حاطب کی ایک کنیز بھی تھی جو صوم وصلاۃ کی پابند تھی اس نے اس کی رعایت نہ کی اور اس کی بیوگی کے باوجود اسے حاملہ کردیا، بعد میں غلطی کا احساس ہوا تو عمر کے پاس پہونچ کر اس سلسلے میں گفتگو کی، عمر نے کہا: بے شک تم نے اچھا کام نہیں کیا ہے۔ وہ اس جملہ سے کافی خوف زدہ ہوا تو عمر نے اس کنیز کے پاس آدمی بھیجا پوچھا: کیا تو حاملہ ہے؟ جواب دیا: ہاں۔

راوی کا بیان ہے: راستہ میں حضرت علیؑ، عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا: آپ حضرات کہیے میں کیا کروں؟ عثمان وہیں بیٹھے تھے فوراً پینترا بدل لیا، حضرت علیؑ اور عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: حد بہرحال جاری ہوگی۔

اس نے عثمان کی طرف رخ کر کے کہا: اے عثمان! آپ بھی کچھ کہیں، عثمان نے کہا: تمہارے بھائیوں نے تم سے بیان کردیا ہے۔ اس نے کہا: آپ کہیں۔ کہا: میری نظر میں اس سے نادانی میں یہ حرکت سرزد ہوئی ہے اور جو ناواقف ہے اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ عمر نے کہا: سچ کہا، سچ کہا، قسم اس کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے جو اس مسئلے سے ناواقف ہے اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ پھر عمر نے سو

۱۔ کنز العمال، ج۳، ص۱۷۹، (ج۵، ص۴۳۳، حدیث ۱۴۵۰۹)

کوڑے مارے اور ایک سال قید میں ڈال دیا۔(۱)

بیہقی لکھتے ہیں: اس جرم کی سزا سنگساری تھی، شاید عمر نے جہالت و نادانی کی وجہ سے حد ساقط کر دیا اور بعنوان تادیب سو کوڑے مار کر قید کر دیا۔(۲)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: میں یہ نہیں کہتا کہ اس مسئلہ میں دو احتمال پائے جاتے ہیں: ثبوت حد جو سنگساری ہے؛ یا شک کی بنیاد پر رفع حد۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ فیصلہ شرعی منطق و بیان سے بہت دور ہے، میری نظر میں بیہقی کی بات کہ ''بعنوان تادیب کوڑے اور تبعید کی سزا دی'' صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے اشکال واعتراض اور بھی شدید ہو جاتا ہے کیوں کہ رسول خداؐ کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ حدود خدا کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ کسی کو نہیں مارا گیا۔(۳)

ایک دوسری صحیح میں آنحضرت کا ارشاد ہے: حدود خدا کے سب سے کم حد میں دس کوڑوں سے زیادہ نہیں مارنا چاہیے۔(۴)

آپ کا ارشاد ہے: کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ دس کوڑوں سے زیادہ مارے مگر حدود خدا کے کسی حد میں۔(۵)

آنحضرت کا قول ہے: تعزیر و تادیب کے لئے دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارو۔(۶)

آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

۱۔ کتاب الام، شافعی، ج۱، ص۱۳۵، (ج۱، ص۱۵۲)؛ اختلاف الحدیث، مطبوع بر حاشیہ الام، ج۷، ص۱۴۴، (ج۷، ص۵۰۷)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۳۸، جامع البیان العلم، ص۱۴۸، (ص۳۰۸، حدیث ۱۵۴۸)

۲۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۳۸

۳۔ صحیح بخاری، باب کم التعزیر والادب، (ج۶، ص۲۵۱۲ حدیث ۶۵۴۸)؛ سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۴۲، (ج۴، ص۱۶۷ حدیث ۴۴۹۱)؛ صحیح مسلم، باب الحدود، ج۱، ص۵۲، (ج۳، ص۵۴۰، حدیث ۴۰)

۴۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۴، ص۳۸۲، (ج۴، ص۴۲۳، حدیث ۸۱۵۲)

۵۔ سنن دارمی، ج۲، ص۱۷۶

۶۔ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۱۲۹، (ج۲، ص۸۶۷، حدیث ۲۶۰۲)

اگر کوئی حد خدا کے علاوہ جاری کرے تو وہ تجاوز کرنے والوں میں سے ہے۔(۱)

کیا یہ تمام احادیث خلیفہ محترم سے مخفی تھی یا انھوں نے ان سے صرف نظر کرنے کا پکا عہد کر لیا تھا اور انھیں پس پشت ڈال دیا۔

۵۹۔حکم رسولؐ سے خلیفہ کی مخالفت

ابو ہریرہ کا بیان ہے: ہم رسول خداؐ کے آس پاس بیٹھے تھے، ابو بکر و عمر بھی دوسرے افراد کے ہمراہ ہمارے ساتھ بیٹھے تھے۔ تبھی آنحضرت ہمارے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے اور کافی دیر تک ان کی واپسی نہیں ہوئی، ہم خوف زدہ ہوئے کہ شاید آنحضرت نے ہماری مصاحبت قطع کر دی، یہ خوف سب سے پہلے میرے اندر پیدا ہوا اسی لئے میں باہر آیا اور تلاش کرتا ہوا بنی نجار کے ایک انصاری کے باغ میں آیا، اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا، میں ایک نیلا دروازہ تلاش کر کے اس میں داخل ہوا، اچانک رسول خداؐ پر نظر پڑی۔ آنحضرت نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے ابو ہریرہ۔ میں نے عرض کی: جی فرمایئے۔ فرمایا: کوئی کام ہے؟ میں نے عرض کی: آپ گفتگو کرتے ہوئے اچانک اٹھ کر چلے آئے تو ہمیں خوف محسوس ہوا کہ شاید آپ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں، سب سے پہلے مجھے احساس ہوا اور آپ کی تلاش میں نکل پڑا، دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے ہیں۔

یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری یہ دو جوتیاں لے جاؤ اور جس پہلے شخص کو اس دیوار کی پشت پر دیکھو اور وہ خدا کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہو، اسے میری طرف سے جنت کی بشارت دے دو۔ چنانچہ میں باہر آیا، سب سے پہلے عمر سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: یہ دو نعلین کس کے ہیں؟ میں نے کہا: رسول خداؐ کے ہیں، انہوں نے مجھے ان کے ہمراہ بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ جس سے سب سے پہلے ملاقات ہو اور وہ وحدانیت خدا کی گواہی دے رہا ہو اسے جنت کی بشارت

۱۔ سنن بیہقی، ج۸، ص ۳۲۷

دے دو۔ یہ سنتے ہی عمر نے زور سے میرے سینے پر مارا جس کی وجہ سے میں زمین پر گر گیا، انہوں نے کہا: رسول خداؐ کے پاس واپس جاؤ۔ میں گریہ کناں آنحضرت کے پاس آیا۔ آنحضرت نے پوچھا: کیا ہوا، کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کی: سب سے پہلے عمر سے ملاقات ہوئی، میں نے انہیں جنت کی بشارت دی تو انہوں نے اتنے زور سے میرے سینے پر مارا کہ میں زمین بوس ہوگیا اور یہ کہا کہ رسولؐ کے پاس پلٹ جاؤ۔

یہ سن کر رسول خداؐ باہر آئے اور عمر سے ملاقات ہوئی تو پوچھا: اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟ عمر نے پوچھا: آپ نے ابو ہریرہ کو اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا تھا؟ فرمایا: ہاں۔ عمر نے کہا: ایسا نہ کریں، اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ وحدانیت کی گواہی دیں اور اعمال کو ترک کر دیں، انہیں اعمال بجالانے کی مہلت دیں۔ آنحضرت نے فرمایا: اچھی بات ہے، انہیں اعمال کی مہلت دو۔ (۱)

علامہ امینی فرماتے ہیں:

کتاب وسنت کی روشنی میں رسولؐ کا تو کام ہی ہے کہ وہ لوگوں کو بشارت دیں اور ڈرائیں، خداوند عالم نے رسولؐ کو بشیر ونذیر کے عنوان سے بھیجا ہے، اگر بشارت، عمل میں رکاٹ بنتی تو رسول خداؐ پر واجب تھا کہ وہ بشارت دینے سے اجتناب کریں۔ خود قرآن مجید میں بشارت دی گئی ہے، یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللهِ فَضْلًا كَبِيرًا﴾ ''اور مومنین کو بشارت دے دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل وکرم ہے''۔ (۲)

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''اور صاحبانِ ایمان کو بشارت دے دو کہ ان کے لئے پروردگار کی بارگاہ میں بلندترین درجہ ہے''۔ (۳)

۱۔ سیرۃ عمر ابن جوزی ص ۳۸؛ شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۰۸، ۱۱۶؛ فتح الباری ج ص ۱۸۴

۲۔ سورہ احزاب/ ۴۷

۳۔ سورہ یونس/ ۲

اس سلسلے میں بہت سی روایات بھی مروی ہیں جن میں وحدانیت خدا کی شہادت کی ترغیب دلائی گئی ہے۔(۱)

رسول خداؐ نے عبداللہ بن عمر کو حکم دیا کہ لوگوں کے درمیان اعلان کردو کہ جو بھی '' لاالـہ الا اللـہ '' کی گواہی دے اسے جنت کی بشارت ہو۔ایسی صورت میں لوگوں کو جنت کی بشارت دینے میں کون سی ممانعت پائی جاتی ہے۔اس کے علاوہ صحیح توحید کا تقاضا ہے کہ امت ہراس چیز پر عمل کرے جس کا خداوند عالم نے حکم دیا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ جناب والا ''عمر'' نے اپنے کس علمی بوتے پر رسول خداؐ کی مخالفت کی ہے، آپ ان کی جرأت ملاحظہ فرمائیں کہ رسول خداؐ کی حیات ہی میں ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں، وفات کے بعد تو اللہ مالک۔جیسا کہ تاریخ کے صفحات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۰۔کعبہ کے زیورات کے متعلق اجتہاد خلیفہ

۱۔عمر بن خطاب کے عہد خلافت میں کعبہ کے زروجواہرات کا تذکرہ نکلا،بعض لوگوں نے کہا:اگر اسے مسلمانوں کے امور میں صرف کریں تو اس کا زیادہ ثواب ہوگا اور پھر کعبہ کو زروزیورات سے کیا کام۔یہ سن کر عمر نے ایسا ہی کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا،اس سلسلے میں امیرالمومنین حضرت علیؑ سے سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا:بے شک رسول خداؐ پر قرآن مجید نازل ہوا ہے،اس میں اموال کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔اموال مسلمین:اسے وارثین میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۲۔وفی:اسے مستحقین میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۳۔خمس:اسے اس کی واقعی جگہ پر رکھا گیا ہے۔

۱۔ملاحظہ ہو:الترغیب والترھیب،حافظ منذری ج ۲ ص ۱۶۰۔۱۶۵

۴۔صدقات: خداوند عالم نے اس کی جگہ بھی معین فرمادی ہے۔

کعبہ کے زیورات اس دن کعبہ کے اندر موجود تھے، خداوند عالم نے انہیں وہیں پر باقی رکھا، انہیں اس نے کسی نسیان کی بنا پر نہیں چھوڑا اور نہ ہی اس مکان سے خوف زدہ ہوکر ایسا کیا ہے، لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ انہیں وہیں پر چھوڑ دو جہاں خدا اور رسولؐ نے رکھا ہے۔

یہ سن کر عمر نے کہا: لولاک لافتضحنا ''اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ضرور ذلیل ورسوا ہوجاتے''۔ اور کعبہ کے زیورات کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا۔(۱)

۲۔شفیق نے شبیہ بن عثمان سے روایت کی ہے: عمر بن خطاب اسی جگہ بیٹھے تھے جہاں اس وقت تو بیٹھا ہوا ہے، عمر نے کہا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس میں کوئی چیز نہ چھوڑوں یعنی کعبہ محترم میں نہ سونا اور نہ ہی چاندی، مگر یہ کہ اسے دوسروں میں تقسیم کردوں۔ یہ سن کر میں نے کہا: آپ سے قبل رسول خداؐ اور ابوبکر نے تو ایسا نہیں کیا۔ میری بات سن کر عمر نے برجستہ کہا: یہ دونوں ایسے افراد تھے جن کی تأسی میرے لئے ضروری ہے۔

۳۔حسن سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب نے کہا: میں نے مصمم ارادہ کیا ہے کہ کعبہ میں موجود سونا اور چاندی کو فقراء ومساکین میں تقسیم کردوں۔ یہ سن کر ابی بن کعب نے کہا: خدا کی قسم! آپ ایسا نہیں کرسکتے۔ عمر نے پوچھا: کیوں؟ کہا: بے شک خداوند عالم نے ہر مال ومتاع کو اس کی مخصوص جگہ پر قرار دیا ہے اور رسول خداؐ نے اسے لوگوں کے سامنے بیان فرمادیا ہے۔

یہ سن کر عمر نے کہا: تم نے سچ کہا۔

مسئلہ کا حکم تو اپنی جگہ پر لیکن متذکرہ روایتوں سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ مذکورہ تمام لوگ اس

۱۔صحیح بخاری، ج۳، ص۸۱، (ج۲، ص۵۷۸، حدیث ۱۵۱۷)؛ کتاب الحج، ج۶، ص۲۶۵۵، حدیث ۶۸۴۷، کتاب الاعتصام، اخبار مکہ ارزقی، (ج۱، ص۲۴۶)؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۱۷، (ج۲، ص۲۱۵، حدیث ۲۰۳۱)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۶۹، (ج۲، ص۱۰۴۰، حدیث ۳۱۱۶)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۱۵۹؛ فتوح البلدان بلاذری، ص۵۵؛ نہج البلاغہ، ج۲، ص۲۰۱، (ص۵۲۳، نمبر ۲۷۰)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۲۰، (ج۲، ص۲۸۸)؛ ربیع الابرار زمخشری، باب۷۵، (ج۴، ص۲۶)؛ تیسیر الوصول، (ج۳، ص۳۶۷، حدیث ۷)؛ فتح الباری، ج۳، ص۳۵۸، (ج۳، ص۴۵۶)؛ کنز العمال، ج۷، ص۱۴۵، (ج۱۴، ص۱۰۰، حدیث ۳۸۰۵۲)

مسئلہ سے میں خلیفہ سے زیادہ عالم وباخبر تھے، ایسی صورت میں صاحب ''الوشیعہ'' کا وہ جھوٹا دعویٰ کہاں ہے کہ عمر بن خطاب اپنے عہد میں تمام صحابہ سے زیادہ عالم وفقیہ تھے؟!

٦١۔ تین طلاق کے بارے میں خلیفہ کا اجتہاد

۱۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خداؐ اور ابوبکر کے عہد میں اور عمر بن خطاب کے عہد میں تین سال تک تین طلاقیں، ایک ہی طلاق محسوب ہوتے تھے (یعنی انت طالق ثلاثة یہ جملہ ایک طلاق محسوب ہوتا تھا)۔ عمر نے کہا: بے شک لوگ کسی کام میں کبھی کبھی کافی عجلت کا مظاہرہ کرجاتے ہیں حالانکہ اس میں مہلت کی گنجائش ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اس پر دستخط کردیا۔ (۱)

۲۔ طاؤس سے منقول ہے: ابوصہبا نے ابن عباس سے کہا: کیا تم واقف ہو کہ رسول خداؐ، ابوبکر اور تین سال تک عمر بن خطاب کے عہد میں تین طلاق ایک ہی طلاق محسوب ہوتا تھا؟ ابن عباس نے کہا: ہاں۔ (۲)

ابوصہبا نے ابن عباس سے کہا: اپنی یادداشت کے سہارے بتایئے، کیا رسولؐ اور ابوبکر کے عہد میں تین طلاق ایک طلاق نہیں تھا؟ کہا: کیوں نہیں ایسا ہی تھا، پھر عمر کے عہد میں لوگوں نے کافی زور دیا تو عمر نے اس پر دستخط کردیا یا لوگوں کو اس کی اجازت دے دی۔ (۳)

دوسری صورت: ابوصہبا ابن عباس سے بہت زیادہ سوال کرتے تھے، کہا: آپ جانتے ہیں کہ جب

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۱۴، (ج۱، ص۲۱۶، حدیث ۲۸۷۰)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۵۷۴، (ج۷، ص۱۲۵، حدیث۱۵ کتاب الطلاق)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۱۹۶، (ج۲، ص۲۱۴، حدیث ۲۷۹۳)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۳۳۶، تفسیر قرطبی، ج۳، ص۱۳۰، (ج۳، ص۸٦)؛ ارشاد الساری، ج۸، ص۱۲۷، (ج۱۲، ص۱۷)؛ درّ منثور، ج۱، ص۲۷۹، (ج۱، ص٦٦٨)

۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۵۷۴، (ج۳، ص۲۷۷، حدیث۱٦ کتاب الطلاق)؛ سنن نسائی، ج٦، ص۱۲۵، (ج۳، ص۳۵۱، حدیث۵۵۹۹)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۳۳٦؛ درّ منثور، ج۱، ص۲۷۹، (ج۱، ص٦٦٨)

۳۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۵۷۴، (ج۳، ص۲۷۷، حدیث۱۷، کتاب الطلاق)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۳۳٦۔

مرد اپنی زوجہ کو دخول سے قبل تین طلاق دے دے تو رسول خداؐ، ابوبکر کے زمانے میں اور عمر بن خطاب کے اوائل حکومت میں بھی ایک طلاق محسوب ہوتا تھا؟ ابن عباس نے کہا: ہاں یہ سچ ہے کہ رسول خداؐ اور ابوبکر کے زمانے میں نیز عمر بن خطاب کے اوائل حکومت میں اسے ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا، جب عمر نے دیکھا کہ لوگ پے در پے طلاق دے رہے ہیں تو انھوں نے اس کی اجازت دے دی۔ (۱)

۳۔ طحاوی نے ابن عباس کے طریق سے نقل کیا ہے کہ جب عمر بن خطاب کی خلافت کا زمانہ آیا تو کہا: اے لوگو! طلاق کے سلسلے میں تمہارے لئے گنجائش رکھی گئی ہے، بے شک جس نے خدا کی اس گنجائش میں عجلت کا مظاہرہ کیا اسے ملزم قرار دوں گا۔ عینی نے اسے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (۲)

۴۔ طاؤس سے منقول ہے: عمر بن خطاب نے کہا: طلاق کے سلسلے میں تمہارے لئے گنجائش رکھی گئی تھی لیکن تم نے اس میں عجلت کا مظاہرہ کیا، جس میں عجلت کا مظاہرہ کیا گیا ہے ہم اس میں تمہیں اجازت دیتے ہیں۔

۵۔ حسن سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب نے ابوموسیٰ اشعری کو تحریر کیا کہ میں نے مصمم ارادہ کیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایک نشست میں تین طلاق دے تو میں اسے ایک طلاق قرار دوں گا لیکن بعض لوگوں نے خود ہی اپنے اوپر لازم کرلیا لہٰذا جس نے لازم کرلیا، ہے اس مسئلے کو اس پر لازم کردو اور جس نے اپنی عورت سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو وہ اس پر حرام ہوجائے گی اور جس نے اپنی زوجہ سے کہا: تو مجھ سے جدا ہوگئی تو وہ جدا ہوجائے گی اور جس نے تین طلاق دے دیا وہ تین طلاق محسوب ہوگا۔ (۳)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ لوگوں کی عجلت کو جواز بنا کر ایک انسان

۱۔ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۴۴، (ج۲، ص۲۶۱، حدیث ۲۱۹۹)؛ سنن بیہقی، ۷، ص۳۳۹؛ تیسیر الوصول، ج۳، ص۱۶۲، درّ منثور، ج۱، ص۲۷۹، (ج۱، ص۶۶۸)۔

۲۔ عمدۃ القاری، ج۹، ص۵۳۷، (ج۲، ص۲۳۳)۔

۳۔ کنز العمال، ج۵، ص۱۶۲، (ج۹، ص۶۷۶، حدیث ۲۷۹۴۳)۔

کتاب خدا کو بالائے طاق رکھ کر اپنی ذاتی رائے کے مطابق عمل کرے؛ حالانکہ یہ قرآن مجید ہے جو واضح طور سے فرماتا ہے: ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾ ''طلاق دو مرتبہ دی جائے گی، اس کے بعد یا نیکی کے ساتھ روک لیا جائے گا یا حسنِ سلوک کے ساتھ آزاد کر دیا جائے گا''۔(۱) ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ ''طلاق دو مرتبہ دی جائے گی، اس کے بعد یا نیکی کے ساتھ روک لیا جائے گا یا حسنِ سلوک کے ساتھ آزاد کر دیا جائے گا''۔(۲) پھر اسی کے بعد ارشاد ہوا: ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ ''پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو عورت مرد کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرا شوہر کرے''۔(۳)

اس آیت میں خداوند عالم نے دو طلاق کی جستجو کو ضروری سمجھتے ہوئے حرمت کو تیسرا طلاق ہونے کے بعد قرار دیا ہے، اور اسے ایک کلمہ ''ثلاثا'' کے ذریعہ تمام طلاقوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی صیغۂ طلاق کی تکرار کے ذریعہ طلاق ہو سکتا ہے جب تک ان کے صیغوں کے درمیان آمیزش کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

اوّل:۔ یہ ایک ہی طلاق ہے اور ثلاثا کہنے سے اس کی تکرار نہیں ہو سکتی اس کی دلیل یہ ہے کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نماز کی رکعتوں میں ضروری سورۂ فاتحہ کی تکرار نہیں ہو سکتی اور اگر نمازی اسے آپ کے بقول خمساً وعشراً کے ذریعہ ادا کرے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے سورہ کی تکرار کی ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ تلاوت کی ہے۔

اسی طرح ہر وہ حکم جس میں اعداد کی قید ہے جیسے منیٰ میں سات پتھر پھینکنا اگر کوئی ایک ہی مرتبہ سنگ ریزوں کو ڈالے تو یہ کفایت نہیں کرے گا، اسی طرح لعان میں چار شہادتین اور فرزند کی نفی کرنا اگر اس

۱۔ کنز العمال، ج۵، ص۱۶۳، (ج۹، ص۶۷۶)، حدیث ۲۷۹۴۳۔

۲۔ سورہ بقرہ/۲۲۹

۳۔ سورہ بقرہ/۲۳۰

میں اربعاً کہہ کرایک ہی شہادت دی جائے تو یہ کافی نہیں ہے، نماز عید فطر و قربان (۱) میں بھی خمساً وسبعاً کے ذریعہ ایک اللہ اکبر کہنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی، وغیرہ۔ یہ تمام مسائل ایسے ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

دوّم:۔ بے شک طلاق لفظ اول کے ذریعہ حاصل ہوگی اور اسی کے ذریعہ جدائی واقع ہوگی اور منکوحہ عورت اسی کے ذریعہ آزاد ہوجائے گی اور یہ بھی سچ ہے کہ طلاق شدہ عورت کو پھر طلاق نہیں دی جاسکتی اسی طرح آزاد شدہ عورت دوبارہ آزاد نہیں ہوسکتی۔

حدیث رسولؐ سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے: ''لَا طَلَاقَ اِلَّا بَعْدَ نِكَاحٍ؛ طلاق نکاح کے بعد ہی واقع ہوسکتی ہے''۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ؛ نکاح سے پہلے طلاق کا امکان نہیں۔

آپ کا ہی ارشاد ہے: ''لَا طَلَاقَ لِمَنْ لَا يَمْلِك ؛جس نے زناشوئی نہیں کی ہے اس کے لئے طلاق نہیں۔ (۲)

سماک بن فضل کہتے ہیں:

زناشوئی ایک بند راستہ ہے جسے طلاق وا کرتی ہے اور کوئی راستہ بند ہونے سے قبل کیسے کھل سکتا ہے۔ (۳)

قاضی ابو یوسف نے ابوحنیفہ، انہوں نے حماد، انھوں نے ابراہیم اور انھوں نے ابن مسعود سے روایت کی ہے: سنّتی طلاق یہ ہے کہ مرد اپنی عورت سے ایک طلاق اس وقت کہے جب وہ حیض سے پاک

۱۔ سنن نسائی، ج۳، ص۲۹۱/۲۸۵، (ص۵۵۴، حدیث۱۸۰۴)۔

۲۔ سنن دارمی، ج۲، ص۱۶۱؛ سنن دارمی، ج۱، ص۳۴۲، (ج۲، ص۲۴۸، حدیث۲۱۹۰)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۶۳۱، (ج۱، ص۶۶۰، حدیث ۲۰۴۷)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۳۲۱/۳۱۸؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۲۰۴، (ج۲، ص۲۲۳، حدیث ۲۸۲۰)؛ مشکل الآثار طحاوی، ج۱، ص۲۸۰۔

۳۔ سنن بیہقی، ج۷، ص۳۲۱۔

ہواور اس کے ساتھ آمیزش بھی نہ کی ہو۔

ایسی صورت میں وہ عدت تمام ہونے کے بعد رجوع کرنے کا پورا حق رکھتا ہے اور عدت کے ختم ہونے کے بعد بہت سے خواستگاروں کے ساتھ اسے بھی خواستگاری کا حق حاصل ہے، اس کے بعد وہ طلاق سوم دینا چاہے تو حیض دوم سے پاکی کے وقت طلاق کہے، پھر تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد تیسرا طلاق دے۔(۱)

قرآن مجید نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے، کوئی نظریہ وعقیدہ کتاب خدا کی برابری نہیں کر سکتا مگر وہی شخص جو کتاب خدا کے ساتھ کھلواڑ کرے چنانچہ رسول خداؐ نے دوسری صحیح میں اس بات کی تصریح کی ہے، جسے نسائی نے اپنی سنن میں محمود بن لبید سے نقل کیا ہے: اس کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ کو ایسے شخص کے متعلق اطلاع دی گئی جس نے اپنی زوجہ کو ایک ہی نشست میں تین طلاق دے دی تھی۔

یہ سن آنحضرت بہت غضبناک ہوئے پھر کھڑے ہو کر فرمایا: کیا کتاب خدا کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اتنا سنتے ہی ایک شخص نے کھڑا ہوا عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا ایسے شخص کو قتل نہ کر دیا جائے؟(۲)

ابن اسحاق نے عکرمہ اور اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی، رسول خداؐ نے فرمایا: تم نے اسے کس طرح طلاق دیا؟ اس نے کہا: میں نے ایک ہی نشست میں تین طلاق دے دی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اسے صرف ایک طلاق کی حیثیت حاصل ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کرو۔(۳)

۱۔ کتاب الآثار، ص۱۲۹۔

۲۔ سنن نسائی، ج۶، ص۱۴۲، (ج۳، ص۳۴۹، حدیث۵۵۹۴)؛ تیسیر الوصول، ج۳، ص۱۶۰، (ج۳، ص۱۸۵، حدیث۴)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۲۷۷؛ ارشاد الساری، ج۸، ص۱۲۸، (ج۱۲، ص۱۸)؛ در منثور، ج۱، ص۲۸۳، (ج۱، ص۶۷۶)۔

۳۔ بدایۃ المجتہد، ج۲، ص۶۱۔

اس مسئلے میں علماء اہل سنت نے بہت کچھ کہا ہے لیکن سب سے زیادہ عجیب وغریب عینی کی بات ہے چنانچہ وہ عمدۃ القاری (۱) میں لکھتے ہیں:

''خدا کی کتاب میں مذکور طلاق منسوخ وباطل ہے۔ اگر تم کہو گے کہ اس نسخ کی دلیل کیا ہے حالانکہ خود عمر نے اسے نسخ نہیں کیا ہے اور رسول خداؐ کے بعد نسخ کیسے ممکن ہے؟

تو میں کہوں گا کہ جس وقت عمر نے صحابہ کو خطاب کر کے یہ بات بیان کی تو صحابہ نے ان کی تردید نہیں کی، اس سے صحابہ کا اجماع ثابت ہوتا ہے اور اجماع کے ذریعہ نسخ کو ہمارے بعض علماء نے تسلیم کیا ہے اس طرح کہ اجماع بھی روایت کی طرح یقینی علم کا موجب ہوتا ہے لہٰذا اس کے ذریعہ نسخ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور اجماع کی حجیت خبر مشہور سے زیادہ قوی ہے۔

اگر کہو گے کہ نسخ پر اجماع خود ان کے نزدیک ہے، ایسی صورت میں خود ان کے لئے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے؟

میں کہوں گا: اس بات احتمال ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی واضح روایت ہوگی جس سے یہ بات ہوئی ہوگی اور ممکن وہ روایت ہم تک نہ پہونچی ہو''۔

اس نسخ کی خبر گذشتہ لوگوں میں سے کسی نے بھی نہیں سنی، پھر زمانے نے عینی کے عالم وجود میں آنے کے لئے بستر تیار کیا، وہ آیا اور ایسی بکواس کی جسے اب تک کسی نے اپنی زبان پر جاری نہیں کیا اور بے مقصد اپنی بکواس کے ذریعہ کتاب خدا کے ساتھ کھلواڑ کرنے لگا اس کی نظر میں کتاب وسنت کی کوئی حیثیت نہیں۔

اگر اجماع نے آیت کو منسوخ کیا ہے تو پھر ابو حنیفہ، مالک، اوزاعی اور لیث کا یہ عقیدہ کیوں ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا بدعت ہے؟! شافعی، احمد اور ابوثور یہ کیوں کہتے ہیں کہ حرام نہیں ہے لیکن بہتر ہے کہ ایک ساتھ نہ دیا جائے، تفریق بہتر ہے؟! سندی یہ کیوں کہتا ہے کہ حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۹، ص ۵۳۷، (ج ۲۰، ص ۲۳۳)۔

کہ ایک ساتھ دینا حرام ہے؟!(۱)

صرف یہ احتمال کہ شاید اجماع ایسی قطعی روایات سے مستند ہو جو ہم تک نہیں پہونچی ہے، بالکل بکواس اور گزاف گوئی ہے جس کی خود خلیفہ اور دوسرے اصحاب کی صریح روایات تکذیب کر رہی ہیں، علاوہ ازیں خلیفہ کا عقیدہ ونظریہ ان کی مخصوص رائے اور خشک سیاست کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

شیخ صالح بن محمد عمری فلانی (متوفی ۱۲۹۸) کا کلام کتنا بہتر ہے؛ وہ ''همم اولی الابصار'' میں لکھتے ہیں: ''صحابہ، تابعین، نیک افراد اور علمائے اسلام کے درمیان مشہور ومعروف یہ ہے کہ جب مجتہد حاکم کا حکم، خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ سنت کے صریحی نص کے مخالف ہو، تو اس حکم کے نفاذ کی ممانعت کرنا واجب ہے۔ عقلی احتمالات، نفسانی خواہشات اور شیطانی تعصبات کے ذریعہ قرآن وسنت کے نص کی مخالفت کرتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شاید اس مجتہد کو یہی روایت دستیاب ہوئی ہو لیکن وہ دلیل جو اس پر واضح تھی اسے چھوڑ دیا ہو یا اس کے علاوہ ایک دوسری دلیل سے باخبر ہو...ایسی باتیں متعصب فقہاء نے اپنی زبان پر جاری کی ہیں اور جاہل مقلدین نے بھی ان کی پیروی کی ہے''۔(۲)

۶۲۔ بعد از عصر نماز میں اجتہاد خلیفہ

۱۔ تمیم داری سے منقول ہے کہ اس نے عمر بن خطاب کی ممانعت کے باوجود نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی، عمر اس کے پاس آئے اور اپنے کوڑے سے مارنے لگے، تمیم نے نماز کے دوران اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں۔ عمر بیٹھ گئے، جب تمیم نماز سے فارغ ہوا تو عمر سے پوچھا: آپ نے مجھے کیوں مارا؟

عمر نے کہا: اس لئے کہ میری ممانعت کے بعد بھی تم نے دو رکعت نماز پڑھی ہے۔

اس نے کہا: بے شک میں نے وہ دو رکعت ایسے انسان کے ہمراہ پڑھی ہے جو آپ سے بہتر تھا اور

۱۔ حاشیہ امام سندی بر سنن نسائی ج۶ ص۱۴۳

۲۔ ایقاظ همم اولی الابصار ص۹

وہ رسول خداؐ تھے۔ یہ سن کر عمر نے کہا: اے لوگو! میں تم سے خوف زدہ نہیں لیکن تمھارے بعد آنے والے افراد سے مجھے ڈر لگتا ہے کہیں وہ مغرب وعصر کے درمیان نماز ادا کریں یہاں تک کہ ایسا وقت داخل ہو جائے جس میں رسول خداؐ نے نماز کی ممانعت کی ہے، اس لئے انھوں نے عصر ومغرب کو باہم متصل کر دیا۔

وبرہ سے منقول ہے کہ عمر نے تمیم داری کو دیکھا کہ نماز عصر کے بعد نماز پڑھ رہا ہے، دیکھتے ہی اس پر کوڑے برسانے لگے۔

تمیم نے پوچھا: آپ نے مجھے کیوں مارا؟ اے عمر! آپ مجھے ایسی نماز کے لئے مار رہے ہیں جسے میں نے رسول خداؐ کے ہمراہ پڑھی ہے۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اے تمیم! تمام لوگ تمھاری طرح نہیں جو ہر چیز سے واقف ہوں۔

۲۔ عروہ بن زبیر سے منقول ہے: عمر لوگوں کے ہمراہ باہر گئے اور انھیں ان دو رکعتوں کی وجہ سے زد وکوب کیا جسے انھوں نے نماز عصر کے بعد ادا کیا تھا؛ ادھر سے تمیم داری کا گذر ہوا، اس نے کہا: میں ان دو رکعتوں کو کبھی ترک نہیں کروں گا جسے میں نے آپ سے بہتر انسان کے ہمراہ ادا کیا ہے اور وہ رسول اسلامؐ ہیں۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اگر لوگ تمہاری طرح ہوتے تو مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔

ہیثمی نے مجمع میں اسے صحیح تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طبرانی کے رجال واحادیث معتبر وموثق ہیں۔

۳۔ سائب بن یزید سے منقول ہے کہ اس نے عمر بن خطاب کو دیکھا کہ منکدر کو بعد از نماز عصر مار رہے ہیں۔

اسود سے منقول ہے کہ عمر لوگوں کو نماز عصر کے بعد والی دو رکعت نماز پر زدوکوب کرتے تھے۔

۴۔ خالد بن جہنی سے مروی ہے: عمر بن خطاب نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسے دیکھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے، وہ اس کے قریب آئے اور نماز کی حالت میں اسے کوڑے

مارنے لگے۔

جب نماز سے فارغ ہوا تو زید نے کہا: اے رہبر مسلمین! ماریئے، خدا کی قسم! رسول خداؐ کو پڑھتا ہوا دیکھنے کے بعد ان دو رکعتوں کو ہرگز ترک نہیں کروں گا۔

یہ سن کر عمر اس کے پاس ہی بیٹھ کر کہنے لگے: اے زید بن خالد! اگر لوگوں سے خوف زدہ نہ ہوتا کہ وہ آئندہ نمازوں کے لئے زینہ نہ قرار دے دیں تو میں ان دو رکعتوں پر ہرگز نہ مارتا۔

ہیثمی نے مجمع میں اس کی سند کو معتبر کہا ہے۔

۵۔ طاؤس سے منقول ہے: ابوایوب انصاری خلافت عمر سے قبل نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے، جب عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ترک کر دیا اور عمر کی وفات کے بعد پھر سے شروع کر دیا۔

لوگوں نے ان سے پوچھا: آپ نے اتنے دنوں بعد کیوں شروع کیا؟ کہا: عمر لوگوں کو اس دو رکعت نماز پر مارتے تھے۔

۶۔ مسلم بن مختار بن فلفل سے منقول ہے: میں نے انس بن مالک سے بعد نماز عصر نافلہ کے متعلق سوال کیا، انھوں نے کہا: عمر لوگوں کو نماز عصر کے بعد والی نماز پر زدوکوب کرتے تھے اور رسول خداؐ کے عہد میں غروب آفتاب کے بعد قبل از مغرب ان دو رکعتوں کو انجام دیا جاتا تھا۔

میں نے پوچھا: کیا آنحضرتؐ بھی یہ نماز پڑھتے تھے؟ کہا: آنحضرتؐ ہمیں پڑھتا ہوا دیکھ کر نہ اس کا حکم دیتے اور نہ ہی اس کی ممانعت کرتے تھے۔

۷۔ ابوالعباس سراج اپنی سند میں مقدام بن شریح سے نقل کر کے کہتے ہیں: میں نے عائشہ سے رسول خداؐ کی نماز کے متعلق سوال کیا کہ وہ نماز ظہر کیسے پڑھتے تھے؟

کہا: آنحضرتؐ دن کا آدھا حصہ گذار کر نماز پڑھتے تھے اس کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے پھر عصر کی نماز ادا کرتے تھے اور پھر عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔

میں نے کہا: عمر لوگوں کو اس دو رکعت پر مارتے اور اس کی سختی سے ممانعت کرتے تھے۔

یہ سن کر عائشہ نے کہا: رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پڑھتے تھے اور میں اچھی طرح واقف ہوں کہ

رسول خداؐ اسے بجالاتے تھے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

خلیفہ کی فقاہت بھی عجیب وغریب ہے، وہ لوگوں کو اسی نماز سے منع کرتے تھے جو سنت کے ذریعہ ثابت ہے کہ رسول خداؐ اسے پڑھتے تھے اور نماز عصر کے بعد ہرگز اسے ترک نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ صحاح میں یہ بات موجود ہے کہ خود عائشہ نے (۲) اس کی خبر دیتے ہوئے کہا: اس خدا کی قسم! جس نے رسول کو جوار رحمت میں جگہ دی، انھوں نے اس وقت تک اسے ترک نہیں کیا جب تک خداوند عالم سے ملاقات نہ کرلی، اکثر اوقات آپ ان دو رکعتوں کو بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

یہ بھی کہا: میرے نزدیک رسول خداؐ نے نماز عصر کے بعد دو سجدوں کو کبھی ترک نہیں فرمایا۔

اور کہا: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول خداؐ میرے پاس تشریف لائیں ہوں اور ان دو رکعتوں کو ادا نہ کیا ہو۔

بیہقی کی عبارت ہے: ایمن کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب لوگوں کو بعد عصر نافلہ کی ممانعت کرتے اور انھیں مارتے تھے، یہ سن کر عائشہ نے کہا: سچ کہا لیکن رسول خداؐ ان دو رکعتوں کو بجالاتے تھے۔

ابی سعید خدری کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب لوگوں کو دو رکعت پر مارتے تھے یعنی سفیدی صبح اور

۱۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۱۰، (ج۲، ص۲۴۷، حدیث۳۰۲، کتاب صلاۃ المسافرین)؛ مسند احمد، ج۴، ص۱۰۲، ۱۱۵، (ج۱، ص۱۷، حدیث ۱۶۴۹۶، ص۹۱، حدیث ۱۶۵۸۸)؛ موطا مالک، ج۱، ص۹۰، (ج۱، ص۲۲۱، حدیث ۵۰، کتاب القرآن)؛ الاجابۃ زرکشی، ص۹۱، ۹۲، (ص۸۴، ۸۳)؛ مجمع الزوائد، ج۲، ص۲۲۲، تیسیر الوصول، ج۲، ص۲۹۵، (ج۲، ص۲۵۴، حدیث۷)؛ فتح الباری، ج۲، ص۵۱، ج۳، ص۸۲، (ج۲، ص۶۴، ج۳، ص۱۰۵)؛ کنز العمال، ج۴، ص۲۲۵، ۲۲۶، (ج۸، ص۱۷۹/۱۸۳، حدیث ۲۲۳۶۷/۲۲۴۷۰/ ۲۲۴۷۲/۲۲۴۷۳/۲۲۴۷۵/۲۲۴۸۰)؛ شرح المواہب، ج۸، ص۲۳؛ شرح الموطا زرقانی، ج۱، ص۳۹۸، (ج۲، ص۴۹، حدیث ۱۹)۔

۲۔ صحیح بخاری، (ج۱، ص۲۱۳، حدیث ۵۶۸/۵۶۵)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۰۹، ۳۱۰، (ج۲، ص۲۴۷/۲۴۶، حدیث ۳۰۱/۲۹۸)؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۲۰۱، (ج۲، ص۲۵، حدیث ۱۲۷۹)؛ سنن دارمی، ج۱، ص۳۳۴، سنن بیہقی، ج۲، ص۴۵۸؛ تیسیر الوصول، ج۲، ص۲۹۵، (ج۲، ص۳۵۴/۳۵۳، حدیث ۶/۱)؛ فتح الباری، ج۲، ص۵۱، (ج۲، ص۶۴)

طلوع آفتاب کے درمیان کی نماز پر۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے ابن زبیر کو اسے پڑھتے ہوئے دیکھا، میں نے اسے منع کیا، اس نے میرا ہاتھ پکڑا ہم دونوں عائشہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے ام المومنین! یہ مجھے منع کرتا ہے، یہ سن کر عائشہ نے کہا: میں نے آنحضرت کو دیکھا ہے کہ وہ اسے بجالاتے تھے۔(۱)

آنحضرتؐ کے اس عمل کی تمام صحابہ وتابعین نے ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی پیروی کی ہے، چنانچہ جن لوگوں سے اس نافلہ کی اجازت مروی ہے ان میں حضرت علیؑ، زبیر، ابن زبیر، تمیم داری، نعمان بن بشیر، ابوایوب انصاری، ام المومنین عائشہ، اسود بن یزید، عمرو بن میمون، عبداللہ بن مسعود، بلال، ابوداؤد، ابن عباس، مسروق، شریح، عبداللہ بن ہزیل، ابوہریرہ، عبدالرحمٰن بن اسود، عبدالرحمٰن بن بیمانی اور احنف بن قیس شامل ہیں۔(۲)

کیا کوئی نہیں جو سوال کرے کہ اس اتصال کے کراہت کی علت کیا ہے حالانکہ شریعت کی طرف سے انھیں ایسا کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اس اتصال کی مخالفت کری۔ بالفرض انھوں نے اگر اس اتصال کی کراہت کو لکھا ہے پھر بھی ان دو رکعتوں کی ممانعت کیوں جب کہ یہ دو رکعت عصر و مغرب کے درمیان کی فاصلہ کو پر کرنے والی ہیں۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ دو رکعت عصر و مغرب کے درمیانی وقت کو پر کرنے والی ہیں تو واجب تو یہ تھا وہ اس نماز کی مخالفت کریں جو مغرب کے اول وقت میں ہے اس نماز کے علاوہ جس کی کراہت کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، لیکن ان کے اجتہاد کی کیا اہمیت جب کہ خود لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ آنحضرتؐ اسے بجالاتے تھے اور لوگوں کو بھی اس سے منع نہیں فرماتے تھے۔(۳)

جہاں تک عمر کے خوف کا سوال ہے کہ کہیں لوگ اس سے عصر و مغرب کے وقت کو متصل نہ کر دیں، کیا

۱۔ تعلیقہ بر الاجابۃ زرکشی، ص ۹۱۔

۲۔ طرح التقریب فی شرح التقریب عراقی، ج ۲، ص ۱۸۶۔

۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۱۰، (ج ۲، ص ۲۴۷، حدیث ۳۰۲، کتاب صلاۃ المسافرین)؛ مسند ابی داؤد، ص ۲۷۰، (حدیث ۲۰۲۱)

یہ رسول خداؐ کے علم سے پوشیدہ رہ گیا تھا کہ انھوں نے ان دو رکعتوں کو قانونی حیثیت دے دی یا یہ کہ وہ اس سے واقف تھے لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی؟!

کیا دینی امور میں خلیفہ کے نظریات رسول خداؐ کے نظریات سے زیادہ قوی تھے؟؟

خدا کی قسم! ایسا کچھ بھی نہیں تھا، ہاں! رسول خداؐ ان تمام باتوں سے واقف تھے اور ایسا کوئی نقصان نہیں دیکھا جس سے عمر خوف زدہ ہو گئے تھے۔

٦٣۔ عجم (غیر عرب) کے بارے میں خلیفہ کا نظریہ

امام مالک نے قابل اعتماد شخص سے روایت کی ہے کہ اس نے سعید بن مسیب کو کہتے ہوئے سنا کہ عمر بن خطاب عجمیوں کو میراث دینے سے منع کرتے تھے، ہاں! اگر عرب میں پیدا ہوا تو اسے محروم نہیں رکھتے تھے۔

مالک کا بیان ہے کہ اگر حاملہ عورت دشمن کی سرزمین سے آئے اور عرب میں بچہ پیدا کرے تو عمر ماں کی موت کے بعد فرزند کو میراث دیتے تھے اور بچہ کی موت کی صورت میں ماں کو میرات دیتے تھے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: اس حکم کو عربی تعصب وعناد پر محمول کرنا چاہئے، بے شک مسلمانوں کے درمیان میراث کی تقسیم مساوی ہے، چاہے وہ عربی ہوں یا عجمی، چاہے جہاں پیدا ہوں اور کسی بھی خطۂ ارض پر زندگی بسر کریں، اسی اساس پر قرآن مجید کی آیات موجود ہیں اور رسول خداؐ کی سنت سے بھی یہی بات ثابت ہے۔

قرآن مجید میں عموم کی تخصیص نہیں کی گئی ہے، وراثت کے لئے سرزمین عرب پر پیدا ہونے کی شرط اسلامی شرائط میں سے نہیں ہے، یہ جاہلانہ تعصب وعناد بہت سے موقعوں پر اجتماعی رشتوں کو پارہ پارہ کر

۱۔ معطاء مالک، ج۲، ص۱۲، (ج۲، ص۵۲۰، حدیث۱۴، کتاب الفرائض)۔

دیتا ہے اور مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کرنے کا موجب بنتا ہے۔

مسلمان تو آپس میں کنگھی کے دانوں کی طرح ہیں، ان کے درمیان کوئی برتری وفوقیت نہیں مگر تقویٰ وپرہیزگاری کی وجہ سے، خدا کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُومِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ ''بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔(۱)

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ ''بے شک خدا کے نزدیک متقی وپرہیزگار صاحب عظمت وبزرگی ہے''۔(۲)

﴿وَلَو جَعَلْنَاهُ قُرآناً أَعْجَمِيّاً لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ اَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ﴾ ''اگر میں قرآن کو عجمی قرار دیتا تو یہ لوگ کہتے کہ کیا یہ قرآن عجمی ہے جب کہ اس کے مخاطب عربی''۔(۳)

خاتم المرسلین رسول خداؐ کا بھی یہی فرمان ہے؛ چنانچہ حج کے موقع پر دیئے گئے خطبہ سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

مکہ میں رسولؐ کا خطبہ

ایھا الناس! انما المومنون اخوة ولا یحل لامرء مال اخیه الا عن طیب نفسه منه الا ھل بلغت ،اللّٰھم اشھد فلا ترجعن بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض فانی قد ترکت فیکم ما ان اخذ تم به لم تضلو بعده کتاب الله الا ھل بلغت اللھم. الخ.

''اے لوگو! بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال ومتاع حلال نہیں مگر صرف نیک خواہشات کے ساتھ۔ کیا میں نے یہ بات پہونچادی؟(۴)

۱۔سورہ حجرات/۱۰۔

۲۔سورہ حجرات/۱۴۔

۳۔سورہ فصلت/۴۴۔

۴۔البیان والتبیین، ج۲،ص۲۵،(ج۲،ص۲۳)؛العقد الفرید،ج۲،ص۸۵،(ج۳،ص۲۲۸)؛تاریخ یعقوبی،ج۲،ص۹۱،(ج۲،ص۱۱۱)۔

خدایا! گواہ رہنا، لہٰذا تم لوگ میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا۔ اور مرتد نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں اڑانے لگے، بے شک میں نے تمھارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک ان سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ کتاب خدا ہے، آگاہ رہو کہ میں نے پہونچا دیا، خدایا! تو گواہ رہنا۔

اے لوگو! تمھارا پروردگار ایک ہے درحقیقت تمھارا باپ ایک ہے، تم سب کے سب حضرت آدمؑ سے ہو اور حضرت آدمؑ مٹی سے خلق کیے گئے ہیں۔

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ صاحب تقویٰ اور پرہیزگار ہو، عربوں کو عجموں پر کوئی برتری و فضیلت حاصل نہیں مگر صرف اور صرف پرہیزگاری کے ذریعہ۔

جان لو کہ میں نے پہونچا دیا۔ خدایا! گواہ رہنا۔ لوگوں نے کہا: ہاں! یارسول اللہ آپ نے پہونچا دیا یہ سن کر آپ نے فرمایا: تو پھر حاضرین، غائبین کو باخبر کر دیں۔ (۱)

احمد کے الفاظ ہیں:

جان لو کہ عربوں کو عجموں پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں اور نہ عجموں کو عربوں پر اور نہ ہی سرخ وسیاہ کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے مگر تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعہ۔ (۲)

ہیثمی کا بیان ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ و صحیح ہیں۔ (۳)

کبیر طبرانی (۴) کی عبارت ہے:

ایھا الناس: اے لوگو! تمھیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا گیا ہے اور تمھیں شعبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا گیا تاکہ تمھاری شناسائی ہو سکے، بے شک تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر، پرہیزگار ہے لہٰذا نہ عربوں کو عجمیوں پر اور نہ ہی عجمیوں کو عربوں پر برتری حاصل ہے مگر پرہیزگاری

۱۔ البیان والتبیین ج ۲، ص ۲۵ (ج ۲، ص ۲۳)؛ العقد الفرید ج ۲، ص ۸۵ (ج ۳، ص ۲۳۸)؛ تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۹۱ (ج ۲، ص ۱۸۱)

۲۔ مسند احمد، (ج ۶، ص ۵۷۰، حدیث ۲۲۹۷۸)۔

۳۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۶۶۔

۴۔ المعجم الکبیر، (ج ۱۸، ص ۱۲، حدیث ۱۶)۔

کی وجہ سے۔(۱)

ابن قیم کے الفاظ ہیں: عربوں کو عجمیوں پر، نہ ہی عجمیوں کو عربوں پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ ہی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل ہے سوائے تقویٰ و پرہیز گاری کے، تمام لوگ حضرت آدمؑ سے ہیں اور حضرت آدمؑ خاک سے بنائے گئے ہیں۔(۲)

بیہقی کی نقل کردہ ایک صحیح حدیث میں رسول خداؐ کا ارشاد ہے: دین و دینداری اور عمل کے علاوہ کسی انسان کو دوسرے پر فضیلت و برتری حاصل نہیں۔(۳)

اگر ہم فضیلت و برتری جسمانیات میں فرض کریں تو شایعہ و مشہور اور متداول احکام وقوانین کے برخلاف ہوگا اور مسلمان پہلے ہی دن سے برادری و برابری اور اتحاد کے بے پناہ محتاج ہیں، اس لئے کہ زندیق و کفار مسلسل اسلام و مسلمین کے خلاف برسر پیکار ہیں۔

افسوس کہ مسلمانوں کا اایک گروہ ان کی گمراہ کن تبلیغات کے لپیٹ میں آچکا ہے، شیطانی ہوا وہوس لوگوں کو تفرقہ واختلاف کی طرف بڑھائے لئے جارہی ہے اور ان کے ذہنوں میں فاسد و باطل نظریات ایجاد ہورہے ہیں

یہی وجہ ہے کہ شعبہ گرائی کے اختلافات، قوم پرستی کی بے بنیاد فریاد وفغاں، داخلی عوامل اور فوجی جذبات واحساسات نے ہمیں اپنی سرحدوں کی حفاظت سے بالکل غافل کردیا ہے۔

لہٰذا مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان نادر و کمیاب نظریات پر خط بطلان کھینچتے ہوئے انھیں اپنی روش زندگی قرار نہ دے اور رسول امینؐ کے مقدس ارشاد سے غفلت نہ کرے۔

آپ کا ارشاد ہے: جو عصبیت اور دشمنی کی طرف لوگوں کو دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں ہے یا جو شخص قوم گرائی اور عصبیت و دشمنی کی وجہ سے جنگ وجدال کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے یا جو شخص

۱۔ مجمع الزوائد، ج۳، ص۲۷۲۔

۲۔ زاد المعاد، ج۲، ص۲۲۶، (ج۳، ص۲۲)۔

۳۔ شعب الایمان، (ج۵، ص۲۸۶، حدیث ۶۶۷۷)؛ جامع الصغیر، (ج۲، ص۳۶۳، حدیث ۷۶۶۲)۔

تعصب وعناد پر مرمٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(۱)

رسول خداؐ کا ارشاد ہے: اگر کوئی شخص گمراہی وضلالت کے پرچم تلے عصبیت کے لئے جنگ وجدال کرے یا تعصب وعناد کی طرف دعوت دے یا تعصب کی نصرت کرے اور مارا جائے وہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔(۲)

۶۴۔تہمت کے سلسلے میں خلیفہ کا تجسس

سعید بن منصور اور ابن منذر نے حسن سے نقل کیا ہے: ایک شخص عمر بن خطاب کے پاس آ کر بولا: فلاں شخص گمراہ ہوا جاتا ہے۔ عمر اس کے پاس گئے اور کہا: اے فلانی! تجھ سے شراب کی بو آتی ہے کیا تو شراب پیتا ہے؟ اس شخص نے کہا: اے ابن خطاب! آپ لوگوں کی جاسوسی کرتے ہیں حالانکہ خداوند عالم نے تجسس کی ممانعت کی ہے، یہ سنتے ہی عمر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اسے اس کی حالت پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔(۳)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کسی گواہ کے بغیر اور تہمت لگانے والے کو ڈانٹنے اور منع کرنے کے بجائے خلیفہ نے ایک مسلمان بھائی پر کس طرح تہمت لگا دیا حالانکہ یہ عمل قرآن مجید کی صریحی مخالفت ہے۔

۶۵۔خلیفہ نے عائشہ سے دفن کی اجازت لی

عمر بن میمون سے منقول ہے کہ اس نے کہا: عمر بن خطاب نے اپنے فرزند ''عبداللہ'' سے کہا: ام

۱۔سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۳۳۲، (ج ۴، ص ۳۳۲، حدیث ۵۱۲۱)۔

۲۔سنن بیہقی، ج ۸، ص ۱۵۶۔

۳۔درمنثور، ج ۶، ص ۹۳، (ج ۷، ص ۵۶۷)۔

المومنین عائشہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر نے آپ کو سلام کہا ہے، تم امیر المومنین نہ کہنا اس لئے کہ آج سے میں مومنوں کا امیر نہیں اور کہو کہ عمر بن خطاب اپنے دو رفیق کے ہمراہ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر نے جا کر سلام کیا اور اجازت کے بعد گھر میں داخل ہوئے، دیکھا کہ عائشہ بیٹھی ہوئی گریہ کناں ہیں۔ انہوں نے کہا: عمر نے آپ کو سلام کہا ہے اور اپنے دو رفیق کے ہمراہ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ عائشہ نے کہا: میں خود وہاں دفن ہونے کی خواہشمند تھی لیکن میں نے آج عمر کو اپنے اوپر مقدم کر دیا۔

جب عبداللہ واپس ہوئے تو لوگوں نے کہا: عبداللہ بن عمر واپس آ رہے ہیں، یہ سن کر عمر نے کہا: مجھے اٹھاؤ، ایک شخص نے اپنے سینے کا سہارا دے کر انھیں بٹھایا، عمر نے کہا: تیرے پاس کیا ہے؟ کہا: ایسی چیز جسے امیر المومنین پسند فرمائیں گے، عائشہ نے اجازت دے دی ہے۔

عمر نے کہا: خدا کا شکر! میرے نزدیک اس سے اچھی اور اہم آرامگاہ کوئی نہیں تھی لہٰذا جب میں مر جاؤں تو مجھے روضۂ رسولؐ کی طرف سے لے جانا اور اگر عائشہ اس کی ممانعت کریں تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

اے کاش! خلیفہ ہمیں بتاتے کہ انہوں نے عائشہ سے اجازت کیوں لی: یا میراث کے ذریعہ حجرۂ رسولؐ کی مالک ہوگئی تھیں؟! اگر ایسا ہے تو پھر رسولؐ خدا سے منسوب اس جعلی اور خیالی حدیث کا کیا ہوگا: نحن معاشر الانبیاء لا وارث ترکناہ صدقة ''ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے، جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے''۔

اسی جھوٹی حدیث کا سہارا لے کر صدیقہ طاہرہؑ سے فدک کو زبردستی چھین لیا گیا۔

۱۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۶۳، ج ۵، ص ۲۶۶، (ج ۱، ص ۴۶۹، حدیث ۱۳۲۸؛ ج ۳، ص ۱۳۵۵، حدیث ۳۴۹۷)۔

اسی جعلی حدیث کے سہارے ابوبکر نے عائشہ اور تمام بیویوں کو ۸/۱ میراث سے محروم کیا جب انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔(۱)

اگر خلیفہ اس وقت سمجھ گئے تھے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور انہوں نے پہلے والے نظریہ سے صرف نظر کر لیا تھا تو ایسی صورت میں رسول خداؐ کی دختر نیک اختر حصول اذن کے لئے زیادہ مناسب اور بہتر تھیں اس لئے کہ وہی حقیقی مالک تھیں۔

جہاں تک عائشہ کا سوال ہے، وہ ۹/۱ کی مالک تھی اس لئے کہ وفات رسولؐ کے وقت آپ کی ۹ بیویاں تھیں گویا رسول خداؐ کے حجرۂ شریفہ سے عائشہ کے حصہ میں صرف نواں حصہ آتا ہے۔

اس اعتبار سے وہ ایک بالشت یا دو بالشت سے کم کی حقدار تھیں اور اتنی کم جگہ پر خلیفہ کا جسم دفن نہیں ہو سکتا۔ بالفرض ان کی بیٹی ''حفصہ'' کا حصہ بھی اس میں شامل کر لیا جائے پھر بھی ان کا جنازہ دفن نہیں ہو سکتا۔ بنابریں اس حجرۂ شریفہ میں اس کے حقیقی مالک ''خاندان رسالت'' کی اجازت کے بغیر دست درازی کرنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے۔

ممکن ہے قارئین نے ابن بطال کی بات پڑھی ہو، چنانچہ اس نے بکواس کی ہے کہ:

''حضرت عمر نے عائشہ سے اس لئے اجازت لی کیوں کہ وہاں ان کا گھر تھا اور ان کو اس میں حق تصرف حاصل تھا''۔(۲)

اور ممکن ہے قارئین اس قول سے یہ گمان کریں کہ اس حجرے میں عائشہ کا حق تھا اسی لئے ان سے اجازت لینا ضروری تھا؛ لیکن یہ جاننا چاہئے کہ اس گھر میں عائشہ کو صرف حق سکونت حاصل تھا اور وہ گھر صرف انہیں سے منسوب نہیں تھا، جو بہر حال مالکیت کا موجب نہیں بن سکتا۔

ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''اثبات کے لئے یہ استدلال کرنا کہ عائشہ گھر کی مالکہ تھیں، اسی لئے عمر نے دفن کی اجازت حاصل

۱۔ سیرۂ حلبیہ، ج۳، ص۳۹۰، (ج۳، ص۳۶۱)۔

۲۔ فتح الباری، ج۳، ص۲۰۰، (ج۷، ص۶۶)

کی تھی: یہ استدلال مردوداور باطل ہے، اس لئے کہ سکونت کے ذریعہ صرف منفعت کا حق ثابت ہوتا ہے اور حق منفعت میراث کا باعث نہیں ہوتا (جس کی وجہ سے وہ اسے ابوبکر کے حوالے کردیں) رسول خداؐ کی دوسری بیویوں کا حکم، صاحب عدت عورتوں کی طرح ہے؛ اس لئے کہ وہ رسول خداؐ کے بعد شادی کے حق سے محروم ہیں (اس اعتبار سے عام عورتوں کی طرح وہ عدت کی حالت میں صرف اپنے شوہر کے گھر میں سکونت کا حق رکھتی تھیں) لہٰذا ام المومنین بھی صاحب عدت عورتوں کی طرح رسول خداؐ کے گھر میں صرف حق سکونت رکھتی ہیں، مالکوں کی طرح حق تصرف نہیں رکھتیں''۔(۱)

دوسری جگہ وہ ان کے عدم ملکیت کی تائید کرتے ہیں کہ ان کے وارثین، رسول خداؐ کے گھروں کے وارث نہیں ہوئے اگر گھر ان کی ملکیت ہوتا تو وہ ان کے وارثین تک منتقل ہوتا حالانکہ ان کی موت کے بعد ان کا گھر مسجد النبیؐ میں اضافہ ہوگیا اور مسلمانوں کے عمومی فائدے کے لئے اسے مسجد کا جز قرار دے دیا گیا۔(۲)

عینی نے حضرت عائشہ کی حدیث (جس وقت رسول خداؐ پر کسالت وضعف کا غلبہ ہوا تو آپ کی ازواج نے میرے گھر میں تیمارداری کی اجازت حاصل کی) کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ انھوں نے گھر کی نسبت اپنی طرف دی ہے اس کی علت یہ تھی کہ رسول خداؐ کی بیویوں کی آنحضرتؐ کے گھر میں سکونت آپ کی خصوصیات میں سے تھی چونکہ یہ حضرات گھر میں سکونت کی وجہ سے نفقہ کی مستحق تھیں اس لئے جب تک زندہ رہیں اس میں سکونت کی مستحق قرار پائیں، اسی لئے بخاری نے اس موضوع سے متعلق احادیث سے آگاہ کیا جن کی تعداد سات ہے۔(۳)

قسطلانی کا بیان ہے: عائشہ نے گھر کی اپنی طرف نسبت دی، اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے ازواج کی ان کے گھر میں سکونت انہیں سے مخصوص ہے چنانچہ جس طرح وہ اس گھر میں مقید ہونے کی وجہ

۱۔فتح الباری، ج۷،ص۵۳، (ج۷،ص۶۶)

۲۔فتح الباری، ج۶،ص۱۶۰، (ج۶،ص۱۱)

۳۔عمدۃ القاری، ج۷،ص۱۳۲، (ج۱۵،ص۲۹)

سے نفقہ کی مستحق ہیں اسی طرح اس میں اپنی پوری زندگی سکونت اختیار کرنے کی بھی مستحق ہیں اس طرح جب تک وہ زندہ ہیں گھروں میں رہنے کے لئے ان کا دائمی استحقاق بھی ثابت ہو گیا۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر قارئین خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ کے لئے حجرۂ رسولؐ میں کوئی حصہ نہیں تھا، وہ ایک عدت والی عورت کی طرح اس میں رہنے کی حقدار تھیں، ان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ ایسی چیز میں تصرف کریں جس سے ان کی ملکیت ثابت نہ ہو۔

اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ حفاظ اہل سنت اس اجازت اور واقعہ دفن کو خلیفہ کے فضائل و مناقب میں شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ اسلام کے عمومی قانون سے قطعی غافل ہیں کہ لوگوں کے اموال پر تصرف جائز نہیں۔

میں نہیں جانتا کہ سبط رسولؐ امام حسنؑ نے کس حق کے تحت وصیت فرمائی کہ وہ اس حجرۂ شریفہ میں مدفون ہوں اور کیا عائشہ نے وہاں دفن ہونے کی اجازت دی یا اس کی ممانعت کی اگر اجازت دی ہوتی تو اس کی پیروی کی جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ بنی امیہ مسلح ہو کر کہنے لگے: ہم رسول کے پاس دفن نہیں ہونے دیں گے، قریب تھا کہ عظیم فتنہ وفساد برپا ہو جاتا۔ یہ تمام باتیں کیوں؟ میں نہیں جانتا۔

۶۶۔ مقام جابیہ میں خلیفہ کا خطبہ

علی بن رباح لخمی سے منقول ہے: عمر بن خطاب نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

''اگر کوئی قرآن مجید سے سوال کرنا چاہتا ہے تو ابی ابن کعب کی طرف رجوع کرے، اگر کوئی حلال وحرام کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے تو وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے، واجبات وفرائض کے سلسلے میں زید بن ثابت سے رجوع کرے اور جو شخص مال و متاع کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے وہ میرے پاس آئے اس لئے کہ میں اس کا خزانچی اور حافظ ہوں''۔

ایک دوسری عبارت ہے: بے شک خداوند عالم نے مجھے خزانے کا خزانچی اور اس کا تقسیم کرنے والا

قرار دیا ہے۔(۱)

ابی عبید کے طریق سے خطبہ کے اسناد:

۱۔حافظ عبداللہ صالح بن مسلم عجلی ابو صالح کوفی (متوفی ۲۲۱ھ):

ابن معین، ابن خراش، ابن بکر اندلسی اور ابن حبان (۲) نے اس کی توثیق کی ہے اور صحیح بخاری میں مشائخ اور بزرگوں سے روایتیں موجود ہیں۔(۳)

۲۔موسیٰ بن علی بن رباح لخمی ابو عبدالرحمٰن مصری (متوفی ۱۶۳ھ):

ان کی احمد (۴)، ابن سعد، ابن معین، نسائی، حام اور ابن شاہین نے توثیق کی ہے اور چار ائمہ صحاح نے احتجاج کیا ہے۔(۵)

۳۔علی بن رباح لخمی تابعی ابو عبداللہ ابو موسیٰ (ولادت ۱۰/وفات ۱۱۴ھ):

ابن سعد، (۶) عجلی، یعقوب بن سفیان، نسائی، ابن حبان نے توثیق کی ہے اور چار ائمہ صحاح نے احتجاج کیا ہے۔(۷)

یہ ثابت و مسلم خطبہ جو صحیح طرق سے خلیفہ سے منسوب ہے، اس کے تمام راوی موثق اور قابل اعتماد ہیں اور اسے حاکم و ذہبی نے صحیح تسلیم کیا ہے، اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ تین علوم: قرآن،

۱۔کتاب الاموال، ص ۲۲۳، (ص ۲۸۵، حدیث ۵۴۸)؛ سنن بیہقی، ج ۶، ص ۲۱۰، المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۲۷۱، ۲۷۲، (ج ۳، ص ۳۰۵، حدیث ۵۱۸۷، ص ۳۰۶، حدیث ۵۱۹۱)؛ العقد الفرید، ج ۲، ص ۱۳۲، (ج ۳، ص ۲۴۰)؛ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۳۵؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص ۸۷، (ص ۹۴)؛ معجم البلدان، ج ۳، ص ۳۳، (ج ۲، ص ۹۱)۔

۲۔الثقات، (ج ۸، ص ۳۵۲)۔

۳۔تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۲۶۱، (ج ۵، ص ۲۲۹)؛ خلاصۃ الکمال، ص ۱۷۰، (ج ۲، ص ۲۶، نمبر ۳۵۶۸)۔

۴۔العلل والمعرفۃ الرجال، (ج ۸، ص ۱۵۳، نمبر ۶۹۱)؛ تاریخ اسماء الثقات، (ص ۳۰۴، نمبر ۱۲۸۳)۔

۵۔تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۳۶۳، (ج ۱۰، ص ۳۲۳)؛ خلاصۃ الکمال، ص ۳۳۶، (ج ۳، ص ۶۸، نمبر ۷۲۹)۔

۶۔طبقات ابن سعد، (ج ۷، ص ۵۱۲)؛ تاریخ الثقات، (ص ۳۴۶ نمبر ۱۱۸۴)؛ الثقات، (ج ۵، ص ۱۶۱)۔

۷۔تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۱۸، (ج ۷، ص ۲۸۰)؛ خلاصۃ الکمال، ص ۲۳۱، (ج ۲، ص ۲۴۸، نمبر ۴۹۸۲)۔

حلال وحرام اور فرائض صرف انہیں چند افراد سے مخصوص ہیں جنہیں حدیث شریف میں یاد کیا گیا ہے، ان علوم کا ایک حصہ بھی خلیفہ سے مربوط نہیں، وہ صرف مال خدا کے خزانچی اور خازن ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا، کیا رسول خداؐ کے جانشین اور خلیفہ کو دین وشریعت، کتاب وسنت اور واجبات وفرائض جیسے علوم سے بے بہرہ اور جاہل ہونا چاہئے اور ان علوم میں ان کے مآخذ، لوگوں کا ایک گروہ بلکہ چند افراد ہونا چاہئے، چنانچہ ان کی سیرت اور روش زندگی اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے، اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ خلافت کس لئے؟ کیا خلافت صرف امانت داری کے لئے ہے حالانکہ امت میں امانت داروں کی کوئی کمی نہیں یہ امانت داری انھیں سے کیوں مخصوص تھی؟؟

اس کے کہنے والے اور اس کے درمیان کتنا فرق ہے جو ہمیشہ خود کو مشکل مسائل اور دشوار ترین علوم میں ڈال دیتا ہے اور فوراً ہی ان مشکلات کو حل کرتا ہے۔ جو بانگ دہل بالائے منبر فرماتا ہے: "**سلونی قبل ان لا تسألونی ولن تسألو بعدی مثلی**". (۱)

حضرت فرماتے ہیں: تم لوگ کتاب خدا کی آیت اور سنت رسولؐ کے بارے میں سوال کیوں نہیں کرتے تاکہ میں ان سے باخبر کروں۔ (۲)

آپؑ کا ارشاد ہے: مجھ سے سوال کرو، خدا کی قسم! قیامت تک واقع ہونے والی چیزوں کے متعلق سوال کرو میں اس کی نشاندہی کروں گا۔

مجھ سے خدا کی کتاب سے سوال کرو، خدا کی قسم! کتاب خدا میں کوئی ایسی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ دن میں نازل ہوئی یا رات میں، سطح زمین پر یا پہاڑ پر نازل ہوئی ہے۔ (۳)

۱۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۴۶۶، (ج۲، ص۵۰۶، حدیث ۳۷۳۶)۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص۲۳۱۔

۳۔ جامع البیان، ج۱، ص۱۱۴، (ص۱۳۷، حدیث ۳۶۷۳)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۸، (ج۳، ص۱۴۷)؛ تاریخ الخلفاء، ص۱۲۴، (ص۱۷۳)؛ الاتقان، ج۲، ص۳۱۹، (ج۴، ص۲۰۴)؛ تہذیب التہذیب، ج۷، ص۳۳۸، (ج۷، ص۲۹۷)؛ فتح الباری، ج۸، ص۴۸۵، (ج۸، ص۵۹۹)؛ عمدۃ القاری، ج۹، ص۱۶۷، (ج۱۹، ص۱۹۰)؛ مفتاح السعادۃ، ج۱، ص۴۰۰، (ج۲، ص۵۵)۔

حضرت فرماتے ہیں: کیا کوئی سوال کرنے والا نہیں، مجھ سے منفعت حاصل کرو اور اپنے ساتھیوں کو فائدہ پہونچاؤ۔(۱)

حضرت کا ارشاد: خدا کی قسم! کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ کسی چیز کے متعلق اور کہاں نازل ہوئی ہے، بے شک خداوند عالم نے مجھے ہوشمند دل اور سوال کرنے والی زبان دی ہے۔(۲)

آپؑ کا ارشاد ہے: قبل اس کے کہ میں تمھارے درمیان سے چلا جاؤں مجھ سے سوال کرو، مجھ سے کتاب خدا کے بارے میں سوال کرو، کوئی ایسی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی، سطح زمین پر یا پہاڑ پر، مجھ سے فتنہ وفساد اور جنگوں کے بارے میں پوچھو میں جانتا ہوں کہ کس نے اسے ہوا دی اور کتنے لوگ مارے گئے۔

احمد بن حنبل اسے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ایسے بہت سے ارشادات مروی ہیں۔(۳)

آپؑ نے کوفہ کے منبر پر اس حالت میں بیان فرمایا کہ آپؑ کے دوش پر رسول خداؐ کی زرہ تھی، ان کی شمشیر آپؑ کی کمر میں حمائل تھی اور عمامۂ رسول آپ کے زیب سر تھا، آپ منبر پر بیٹھے اور شکم وسینہ چاک کر کے فرمایا: قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ مجھ سے سوال کرو، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میرے قلب وسینہ میں علوم ومعارف کا بحر زخار موجزن ہے، یہ علم ودانش ہے، یہ رسول خداؐ کا لعاب دہن ہے اور یہ ہے جسے آنحضرت نے مجھے کھلایا اور پلایا ہے۔

خدا کی قسم! اگر میرے لئے ایک مسند بچھائی جائے اور اس پر بیٹھ جاؤں تو بے شک میں اہل توریت کو توریت سے اور اہل انجیل کو انجیل سے بالکل اسی طرح فتویٰ دوں گا جس طرح خداوند عالم نے توریت وانجیل میں بیان فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ کہیں گے کہ علیؑ نے سچ کہا، انھوں نے اسی طرح فتویٰ

۱۔ جامع بیان العلم، ج۱، ص۱۱۴، (ص۱۳۷، حدیث ۱۷۶)؛ مختصر جامع بیان العلم، ص۷۵، (ص۱۰۴، نمبر۸۲)۔

۲۔ حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۶۸، مفتاح السعادۃ ج۱، ص۴۰۰۔

۳۔ ینابیع المودۃ، ص۲۷۴، (ج۱، ص۷۲، باب۱۴)۔

دیا جس طرح ہمارے یہاں رائج ہے، تم لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہو اور غور وفکر نہیں کرتے۔(۱)

سعید بن میتب کا بیان ہے: حضرت علیؑ کے علاوہ کسی صحابی نے سلونی کا دعویٰ نہیں کیا۔(۲) یہ حضرت ہی تھے کہ آپ سے جب بھی سوال کیا جاتا تو گرم سکہ کی مانند سرخ ہو کر فرماتے ہیں:

اذا المشکلات تصدین لی کشفت حقائقها بالنظر

''جب میرے لئے مشکلات پیش آتی ہیں تو میں ان کے حقائق کو اپنی فکر کے ذریعہ وا کر دیتا ہوں''۔(۳)

توجہ طلب:

امیر المومنینؑ سے قبل تاریخ اسلام میں کوئی اور نہیں جس نے اپنے آپ کو مشکل مسائل میں ڈال دیا ہو اور بہ بانگ دہل عقلمندوں اور دانشمندوں کے درمیان سلونی کی آواز بلند کی ہو، ہاں! آپ کے ابن عم رسول خداؐ نے یہ دعویٰ کیا ہے۔

وہ فرماتے تھے: ''سلونی عما شئتم'' جس چیز کے بارے میں چاہو مجھ سے سوال کرو۔

آپؐ فرماتے: مجھ سے سوال کرو میں تمھیں ہر چیز کی نشاندہی کروں گا۔(۴) جس طرح حضرت آپ

۱۔ فرائد السمطین، (ج۱، ص۳۴۱، حدیث ۲۶۳، باب ۶۳)۔

۲۔ مناقب احمد، (ص۱۵۳، حدیث ۲۲۰)؛ جامع بین العلم، ج۱، ص۱۱۴، (ص۱۳۷، حدیث ۶۷۲)؛ مختصر جامع بین العلم، ص۵۸، (ص۱۰۴، حدیث ۸۲)؛ ریاض النضرۃ ج۲، ص۱۹۸، (ج۳، ص۱۳۶)؛ الصواعق المحرقہ، ص۷۶، (ص۱۲۷)۔

۳۔ جامع بین العلم، ج۲، ص۱۱۳، (ص۳۴۰، حدیث ۱۶۷۱)؛ مختصر جامع بیان العلم، ص۱۷۰، (ص۲۹۷، حدیث ۲۲۲)؛ امالی قالی، (ج۲، ص۱۰۱)؛ زہر الآداب، ج۱، ص۳۸، (ج۱، ص۷۷)؛ کنز العمال، ج۵، ص۲۴۲، (ج۱۰، ص۳۰۳، حدیث ۲۹۵۲۱)؛ تاج العروس، ج۵، ص۲۶۸؛ مجمع الامثال، ج۲، ص۳۵۸، (ج۳، ص۴۸۳، نمبر ۴۵۴۵)۔

۴۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۴۶، ج۱۰، ص۲۴۰، ۲۴۱، (ج۱، ص۲۰۰، حدیث ۵۱۵/ ج۶، ص۲۶۶۰، حدیث ۶۸۶۴)؛ مسند احمد، ج۱، ص۲۷۸، (ج۱، ص۴۵۸، حدیث ۲۵۱۰)؛ مسند ابی داؤد، ص۳۵۶، (ح ۲۷۳۱)۔

کے علم و دانش کے وارث تھے اسی طرح مرتبہ و مقام کے بھی وارث حقیقی تھے، یہ دونوں ہر منزل پر ہم رتبہ و مقام تھے۔

امیر المومنینؑ کے بعد کسی اور نے یہ دعویٰ نہیں کیا، ہاں! جس نے بھی یہ دعویٰ کیا وہ ذلت و رسوائی کی گہری کھائی میں جا گرا، ساتھ ہی اپنے ہی ہاتھوں اپنی نادانی و جہالت کا پردہ فاش کر گیا۔

نمونے:

۱۔ ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن ولید بن مغیرہ مخزونی قرشی اور ہشام بن عبدالملک نے ۱۰۷ھ میں لوگوں کے حج کیا اور مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا: "سلونی فانا بن الوحید لاتسالوا احداً اعلم منی" مجھ سے سوال کرو میں علم و دانش کا بے مثال فرزند ہوں مجھ سے زیادہ کوئی بھی عالم و دانا نہیں ہے۔ یہ سن کر ایک عراقی کھڑا ہوا اور اس سے قربانی کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ واجب ہے؟ کچھ کہنے سے قاصر رہا تو منبر سے نیچے اتر آیا۔(۱)

۲۔ مقاتل بن سلیمان: ابراہیم حربی کا بیان ہے: مقاتل بن سلیمان نے بیٹھ کر کہا: "سلونی عما دون العرش" مجھ سے آسمان کے نیچے جو کچھ ہے اس کے بارے میں سوال کرو۔ ایک شخص نے پوچھا: حضرت آدمؑ نے حج کے وقت اپنا سر کب ترشوایا؟

یہ سن کر مقاتل نے اس سے کہا: تمہاری ذہنیت نے یہ سوال نہیں کیا ہے بلکہ خداوند عالم نے مجھے اس غرور و تکبر کی وجہ سے رسوا کرنا چاہا ہے۔(۲)

۳۔ سفیان بن عینیہ کا بیان ہے: ایک دن مقاتل بن سلیمان نے کہا: آسمان کے نیچے جو کچھ ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرو۔

ایک شخص نے پوچھا: بتایئے چیونٹی کا جگر اس کے آگے ہوتا ہے یا پیچھے؟ راوی کا بیان ہے کہ بے

۱۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۲، ص ۳۰۵، (ج ۷، ص ۲۵۹، نمبر ۵۳۵)؛ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج ۴، ص ۱۷۵)۔

۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۶۳۔

چارہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔(۱)

۴۔موسیٰ بن ہارون حمال کا بیان ہے کہ مجھے معلوم ہوا کہ قتادہ کوفہ میں داخل ہوا ہے اور اس نے ایک آراستہ مجلس میں بیٹھ کر یہ دعویٰ کیا کہ مجھ سے سنت رسولؐ کے بارے میں سوال کرو تا کہ میں اس کا جواب دوں۔ یہ سن کر ایک جماعت نے ابوحنیفہ سے کہا: اٹھ کر اس سے سوال کیجیے۔

ابوحنیفہ نے کہا:

اے ابوالخطاب! ایسے شخص کے متعلق کیا کہتے ہو جو اپنے عیال کو چھوڑ کر غایب ہو گیا، اس کی زوجہ نے دوسری شادی کر لی، پھر اس کا پہلا شوہر آ کر کہنے لگا: اے زنا کار! میری زندگی میں دوسری شادی کر لی، اس کے بعد دوسرا شوہر آیا کہنے لگا: اے بدکار تم نے مجھ سے شادی کر لی جب کہ پہلے ہی سے شوہر والی تھی، اس کا لعان کس طرح سے ہے؟ یہ سن کر قتادہ نے سوال کیا: کیا ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے؟ ابوحنیفہ نے کہا: اگر چہ ظاہر نہیں ہوا لیکن ہمیں ایسے مسائل کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

قتادہ نے کہا: میں اس مسئلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مجھ سے قرآن سے سوال کرو، ابوحنیفہ نے پوچھا: آیہ مبارکہ: ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ اَنَا آتِیْکَ بِهٖ﴾ کے بارے میں کیا کہتے ہو، وہ شخص کون ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے؟

قتادہ نے کہا: وہ سلیمان بن داؤدؑ کے چچا کے فرزندوں میں سے ایک ہے جو اسم اعظم کا عالم تھا، ابوحنیفہ نے پوچھا: کیا سلیمانؑ اس اسم سے واقف تھے؟ کہا: نہیں۔ ابوحنیفہ نے کہا: سبحان اللہ! پیغمبر کے زمانے میں ایسا شخص بھی تھا جو ان سے زیادہ عالم تھا۔

قتادہ نے کہا: میں تمہیں تفسیر سے جواب نہیں دے سکتا، جن مسائل میں لوگ اختلاف رکھتے ہیں اس کے متعلق سوال کرو۔

ابوحنیفہ نے پوچھا: کیا تو مومن ہے؟ کہا: شاید۔ ابوحنیفہ نے کہا: تم نے ابراہیمؑ کی طرح جواب کیوں نہ دیا، جب خدا نے ان سے سوال کیا: کیا تم اس پر ایمان رکھتے ہو؟ کہا: ہاں۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۶۶۔

قتادہ نے زچ ہوکر کہا: خدا کی قسم! میں کبھی اس شہر میں نہیں آؤں گا۔(۱)

۵۔قتادہ سے حکایت ہے کہ وہ کوفہ میں داخل ہوا، لوگ اس کے اردگرد جمع ہوئے تو اس نے کہا: جو چاہتے ہو پوچھ لو۔ ابوحنیفہ لوگوں کے درمیان موجود تھے اور اس وقت نو جوان تھے۔

انہوں نے لوگوں سے کہا: سلیمانؑ کے نمل کے متعلق سوال کرو، وہ نر تھا یا مادہ؟ لوگوں نے سوال کیا تو وہ جواب سے قاصر رہا تو ابوحنیفہ نے کہا: وہ مادہ تھی، لوگوں نے کہا: آپ نے کیسے پہچانا، کہا: خداوند عالم نے فرمایا: "قَالَتْ" اگر نر ہوتا تو کہتا "قَالَ". (۲)

۶۔عبداللہ بن محمد بن ہارون کا بیان ہے: میں نے سنا کہ شافعی مکہ میں کہہ رہا تھا: جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو میں تمھیں کتاب خدا اور سنت رسولؐ سے جواب دوں گا۔

لوگوں نے پوچھا: اے عبداللہ! اس محرِم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے شہد کی مکھی کو مار ڈالا ہو؟ کہا: "ما آتیٰ کم الرسول فخذوه". (۳)

۶۷۔خلیفہ اور سورۂ بقرہ کی تعلیم

خطیب بغدادی نے رواۃ مالک میں، بیہقی نے شعب الایمان (۴) میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عمر سے صحیح سند کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ: عمر نے سورۂ بقرہ کو بارہ سال میں سیکھا اور جب تمام کرلیا تو ایک اونٹ کی قربانی پیش کی۔(۵)

۱۔الاستقاء ابن عمر صاحب استیعاب، ص۱۵۶۔

۲۔حیاۃ الحیوان، ج۲، ص۳۶۸، (ج۲، ص۳۷۷)۔

۳۔تذکرۃ الحفاظ، ج۲، ص۲۸۸، (ج۲، ص۷۵۵، نمبر۷۵۶)

۴۔شعب الایمان، (ج۲، ص۳۳۱، حدیث ۱۹۵۷)۔

۵۔تفسیر قرطبی، ج۱، ص۳۴، (ج۱، ص۳۰، ۳۱)؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۱۶۵ (ص۱۷۱)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۱۱، (ج۱۲، ص۶۶، خطبہ ۲۲۳)؛ در منثور، ج۱، ص۲۱، (ج۱، ص۵۴)۔

قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: عمر نے سورۂ بقرہ کی فقہ اور دوسرے مطالب کے ساتھ بارہ سال میں تعلیم حاصل کی۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس قرآن مجید سے انس نہیں تھا اور اس پر کوئی توجہ نہیں دیتے تھے جو اسلام کی اہم ترین اصل اور انسانوں کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اسی لئے اس کے ایک سورے کی تعلیم میں اتنا طویل عرصہ لگا دیا۔

خود ان کی اور بعض اصحاب کی توجیہ کے مطابق ممکن ہے تجارت اور بازاری مصروفیت نے انہیں قرآن کی تعلیم سے دور رکھا ہو۔

یا پھر حافظہ اور عقل کی کمی کی وجہ سے وہ مطالب کو بہتر طریقے سے یاد کرنے سے قاصر رہے، اسی لئے انہیں تمرین اور تکرار کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ آیات پوری طرح ان کے ذہن میں نقش ہو جائیں۔

اس سے قبل بیان کیا گیا کہ رسول خداؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: مجھے یقین ہے کہ تم اس کی تعلیم سے پہلے ہی دنیا سے چلے جاؤ گے۔ اور ان کے بارے میں آنحضرت کا ارشاد، جب انہوں نے حفصہ کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہارے باپ میں اس کی تعلیم کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور آنحضرت کا یہ ارشاد کہ وہ اسے نافذ نہیں کرسکتا۔ یہ تمام ارشادات دوسرے احتمال کی تائید کر رہے ہیں۔ اس بات کی تائید کتابوں میں ایک دوسرے قول سے بھی ہوتی ہے: عمر عثمان سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے لیکن قرآن مجید کی تعلیم ان کے لئے مشکل تھی۔(۲)

محمد بن سیرین سے منقول ہے: عمر اپنی زندگی کے آخری ایام میں فراموشی میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ وہ نماز کی رکعتوں کو بھی بھول جاتے تھے؛ اسی لئے وہ ایک شخص کو اپنے سامنے رکھتے تھے تا کہ ان کو یاد دہانی کر سکے لہٰذا جب بھی وہ شخص عمر کو اشارہ کرتا تھا کہ اٹھئے تو وہ اٹھ جاتے اور جب رکوع کرنے کا اشارہ کرتا تھا تو رکوع کرتے تھے۔(۳)

۱۔ تفسیر قرطبی، ج۱، ص۳۴، (ج۱، ص۱۰۷)۔

۲۔ عمدۃ القاری ج۲ ص۳۴۷، (ج۵ ص۲۰۳) منقول از نہایہ

۳۔ سیرۃ عمر بن خطاب، ابن جوزی ص۱۳۵ (ص۱۶۹)؛ شرح ابن ابی الحدید ج۳ ص۱۱۰ (ج۱۲ ص۶۵ خطبہ ۲۲۳)

یہ سچ ہے کہ انسان کو انگشت بدنداں ہونا چاہئے کہ وہ ان تمام حالات اور بے پناہ غلطیوں کے باوجود بھی احکامات صادر کرنے اور فتوی دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

''وبابه اقتدى عدى فى الكرم''

''جناب عدی نے جودوکرم میں اپنے والد کی پیروی کی ہے''۔

مالک نے ''موطا'' میں نقل کیا ہے: عبد اللہ بن عمر آٹھ سال تک سورۂ بقرہ کی تعلیم میں مشغول تھے۔(۱)

عینی ''عمدۃ القاری'' میں لکھتے ہیں: عبداللہ بن عمر کو سورۂ بقرہ کی تعلیم حاصل کرنے میں بارہ سال کا عرصہ لگا۔(۲)

۶۸۔حج تمتع اور متعہ کے بارے میں خلیفہ کا نظریہ:

۱۔ابو رجاء سے منقول ہے کہ عمران بن حصین نے کہا: کتاب خدا میں آیۂ متعہ نازل ہوئی، رسول خداؐ نے اس کا حکم فرمایا، اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی جو متعہ کی آیت کو منسوخ کرے اور رسول خداؐ نے بھی اپنی وفات تک اس کی ممانعت نہیں فرمائی لیکن ایک شخص نے بعد میں اپنی خواہش کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۳)

مسلم کی دوسری صورت: ہم نے رسول خداؐ کے ہمراہ حج تمتع انجام دیا اور قرآن مجید میں بھی اس کی ممانعت میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی لیکن ایک شخص کو جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۴)

مسلم کے دوسرے الفاظ: رسول خداؐ حج تمتع بجالائے اور ہم نے بھی ان کے ساتھ حج تمتع انجام دیا۔

۱۔موطا مالک ج۱ص۱۶۲(ج۱ص۲۰۵ح۱۱/)؛ الجامع لاحکام القرآن ج۱ص۳۴(ج۱ص۳۰،۱۰۷)

۲۔عمدۃ القاری ج۲ص۳۲۷(ج۵ص۲۰۳)

۳۔صحیح مسلم، ج۱، ص۴۷۴، (ج۳، ص۷۱، حدیث۱۷۲، کتاب الحج)؛ تفسیر قرطبی، ج۲، ص۳۶۵، (ج۲، ص۲۵۸)

۴۔صحیح مسلم، (ج۳، ص۷۱، حدیث۱۶۹/۱۷۱ کتاب الحج)

مسلم کی چوتھی عبارت: جان لو کہ رسول خداؐ حج و عمرہ باہم بجالائے، اس کی ممانعت پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور رسول خداؐ نے بھی منع نہیں فرمایا، ہاں! ایک شخص نے اپنی خواہش کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔

بخاری کے الفاظ

ہم نے رسول خداؐ کے عہد میں حج تمتع انجام دیا، قرآن نے بھی اس کی تائید کی لیکن ایک شخص نے اپنے لئے جو چاہا وہ کہہ دیا۔(۱)

دوسرے الفاظ: قرآن مجید میں آیۂ متعہ نازل ہوئی چنانچہ ہم نے رسول خداؐ کے ہمراہ اسے انجام دیا پھر قرآن میں کوئی آیت متعہ کی تحریم کے سلسلہ میں نازل نہیں ہوئی اور نہ ہی رسول خداؐ نے اپنی وفات تک اس کی ممانعت فرمائی لیکن ایک شخص نے جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۲)

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے کہ محمد یعنی بخاری نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص ''عمر'' تھے قسطلانی ''ارشاد'' میں لکھتے ہیں: اس لئے کہ عمر ہی نے اس کی ممانعت کی ہے۔(۳)

ابن کثیر نے اسے بخاری کے حوالہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کی بخاری نے تصریح کی ہے یعنی وہ عمر تھے جو لوگوں کو حج تمتع سے منع کرتے تھے۔(۴)

ابن حجر کا بیان ہے اور اسماعیلی نے بھی اسے بخاری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حمیدی اور بخاری نے مطرف کے حوالے سے حریری کی روایت کے ذریعہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے، پھر اس کے آخر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا، یعنی وہ عمر تھے جنھوں نے ایسا کیا۔(۵)

۱۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۱۵۱، (ج۲، ص۵۶۹، حدیث ۱۴۹۶)

۲۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ بقرہ، ج۷، ص۲۴، (ج۴، ص۱۶۴۲، حدیث ۴۲۴۶)

۳۔ ارشاد اساری، (ج۱۰، ص۶۱، حدیث ۴۵۱۸)

۴۔ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۲۳۳

۵۔ فتح الباری، ج۴، ۳۳۹، (ج۳، ص۴۳۳)

دراصل اسے مسلم نے نقل کیا ہے اور وہی لکھتے ہیں کہ اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ انھوں نے عمر یا عثمان کا ارادہ کیا ہو، لیکن کرمانی کی نظر میں یہ بعید از عقل ہے، وہ کہتا ہے کہ وہ عثمان تھے، لیکن بہتر یہ ہے کہ عمر کا نام لیا جائے اس لئے کے عمر وہ پہلے انسان تھے جنھوں نے اس کی ممانعت کی اور بعد والوں نے ان کی پیروی کی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ابن زبیر اس نظریہ کے مخالف تھے حالانکہ ابن عباس اس کی تائید کرتے تھے چنانچہ جب جابر سے پوچھا گیا تو انھوں نے اس بات کی تصریح کی کہ اس کی ممانعت کرنے والے پہلے شخص ''عمر'' تھے۔

قسطلانی کا بیان ہے: ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا اور وہ کہنے والے ''عمر'' تھے، عثمان بن عفان نہیں، اس لئے کہ جس پہلے انسان نے اس کی ممانعت کی وہ عمر تھا بعد والوں نے تو ان کی پیروی کی ہے۔(۱)

نووی شرح مسلم میں کہتے ہیں: وہ عمر بن خطاب تھے کیوں کہ متعہ کی ممانعت کرنے والے پہلے شخص وہی تھے اور عثمان یا دوسرے افراد نے اس سلسلے میں ان کی تاسی کی ہے۔(۲)

دوشیخ کے الفاظ

ہم رسول خداؐ کے زمانے میں حج تمتع انجام دیتے تھے، اس سلسلے میں قرآن مجید میں آیت بھی نازل ہوئی، ہاں! ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۳)

نسائی کے الفاظ: بے شک رسول خداؐ نے متعۂ حج انجام دیا اور ہم نے بھی ان کے ہمراہ متعۂ حج کی سعادت حاصل کی، ہاں! ایک قائل نے اپنی رائے کے مطابق جو کہا، کہا (یعنی اس کی تحریم کی)۔(۴)

۱۔ رشاد الساری، ج۴، ص۱۶۹، (ج۴، ص۸۸)

۲۔ شرح صحیح مسلم، (ج۸، ص۲۰۵)

۳۔ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۰

۴۔ سنن نسائی، ج۵، ص۱۵۵، (ج۲، ص۳۵۰، حدیث ۳۷۱۹)؛ مسند احمد، ج۴، ص۴۳۶، (ج۵، ص۶۰۳، حدیث ۱۹۴۰۶)۔

اسماعیلی کے الفاظ ہیں: ہم نے رسول خداؐ کے عہد میں متعۂ حج انجام دیا، قرآن میں بھی آیت متعہ نازل ہوئی اور رسول خداؐ نے بھی اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔(۱)

۲۔ابو موسیٰ: منقول ہے کہ وہ متعہ حج کا فتویٰ دیتا تھا، ایک شخص نے اس سے کہا: اپنے بعض فتوؤں میں احتیاط سے کام لیا کریں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد امیر المومنین نے مناسک حج میں کیا کچھ ایجاد کیا ہے، چنانچہ میں نے خود عمر کو دیکھ کر اس سلسلے میں سوال کیا، عمر نے کہا: میں جانتا ہوں کہ رسولؐ اور اصحاب رسولؐ متعۂ حج انجام دیا کرتے تھے لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ لوگ درخت اراک کے سایہ میں اپنی عورتوں کے ساتھ آمیزش کریں پھر اس حال میں حج کے لئے روانہ ہوں کہ ان کے سروں سے غسل کا پانی ٹپک رہا ہو۔(۲)

۳۔مطرف نے عمران بن حصین سے نقل کیا ہے: بے شک آج میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آج کے بعد تمھارے لئے ہمیشہ مفید ثابت ہوگی، جان لو کہ رسول خداؐ اور ان کے اہل خاندان کے بھی بعض افراد دس سال تک عمرہ کے لئے تشریف لے گئے (اور متعۂ حج انجام دیا) اس کے بعد اسے منسوخ کرنے والی آیت بھی نازل نہیں ہوئی، خود آنحضرت نے بھی اپنی وفات تک اس کی ممانعت نہیں فرمائی پھر ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق حکم صادر کر دیا۔

مسلم کے دوسرے الفاظ: ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق اظہار عقیدہ کر دیا یعنی عمر نے۔

ابن ماجہ کے الفاظ ہیں: رسول خداؐ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی اور اسے منسوخ کرنے والی آیت بھی نازل نہیں ہوئی پھر ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۳)

۱۔فتح الباری، ج۳، ص۳۳۸، (ج۳، ص۴۳۲)

۲۔صحیح مسلم، ج۱، ص۴۷۲، (ج۳، ص۶۷، حدیث۱۵۷، کتاب الحج)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۲۹، (ج۲، ص۹۹۲، حدیث، ۲۹۷۹)؛ مسند احمد، ج۱، ص۵۰، (ج۱، ص۸۱، حدیث۳۵۳)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۰؛ سنن نسائی، ج۵، ص۱۵۳، (ج۲، ص۳۴۸، حدیث۳۷۱۵)؛ تیسیر الوصول، ج۱، ص۲۸۸، (ج۱، ص۳۴۰، حدیث۳۰)؛ شرح موطا زرقانی، ج۲، ص۱۷۹، (ج۲، ص۲۶۵)

۳۔صحیح مسلم، ج۱، ص۴۷۴، (ج۳، ص۷۰، حدیث۱۶۵/۱۶۶ کتاب الحج)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۲۹، (ج۲، ص۹۹۱، حدیث۲۹۷۸)؛ مسند احمد، ج۴، ص۴۳۳، (ج۵، ص۶۰۰، حدیث۱۹۳۹۴)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۳۴۴؛ فتح الباری، ج۳، ص۳۳۸، (ج۳، ص۴۳۲)

دوسری صورت:

مطرف کا بیان ہے کہ عمران بن حصین نے مجھ سے کہا: میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ ممکن ہے خداوند عالم اس کے ذریعہ تمہیں کوئی فائدہ پہونچائے، بے شک رسول خداؐ نے حج وعمرہ کو باہم انجام دیا پھر اپنی وفات تک اس کی ممانعت نہیں فرمائی اور قرآن میں بھی اس کی تحریم کے عنوان سے کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

یہ بات میرے لئے مسلّم اور قطعی تھی یہاں تک کہ کسی کی بات سے دلسوزی کا شکار ہوا اور میں نے اسے چھوڑ دیا پھر اسی داغ دل کو برداشت کرتے ہوئے دوبارہ اپنے موقف کی طرف پلٹ آیا۔

دارمی کی عبارت ہے کہ متعہ کتاب خدا میں حلال ہے، رسول خداؐ نے اس سے منع نہیں کیا اور قرآن مجید میں اس کی ممانعت میں کوئی آیت بھی نازل نہیں ہوئی، ہاں! ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۱)

تیسری صورت:

مطرف کا بیان ہے: عمران بن حصین نے وقت وفات مجھے بلایا اور کہا: میں تم سے ایسی بات بیان کروں گا جو تمہارے لئے مفید رہے گی، اگر میں زندہ رہا تو اسے پوشیدہ رکھنا اور اگر اجل نے مہلت نہیں دی تو تمہیں بیان کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

جان لو کہ رسول خداؐ نے حج وعمرہ کو باہم انجام دیا چنانچہ اس کی تحریم میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور رسول خداؐ نے بھی اس کی ممانعت نہیں فرمائی لیکن ایک شخص نے اپنی رائے کے مطابق جو چاہا کہہ دیا۔(۲)

۴۔ محمد بن عبداللہ بن نوفل کا بیان ہے: میں نے سنا کہ ایک سال معاویہ نے حج کے دوران سعد بن مالک سے سوال کیا: حج تمتع کے متعلق کیا کہتے ہو؟ کہا: بہت بہتر ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۴۷۴، (ج۳، ص۷۰، حدیث ۱۶۷ کتاب الحج)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۳۵

۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۴۷۴، (ج۳، ص۷۰، حدیث ۱۶۸)؛ مسند احمد، ج۴، ص۴۲۸، (ج۵، ص۵۹۰، حدیث ۱۹۳۴۰)؛ سنن نسائی، ج۵، ص۱۴۹، (ج۲، ص۳۴۶، حدیث ۳۷۰۷)

معاویہ نے کہا: عمر اس کی ممانعت کرتے تھے کیا تو عمر سے بہتر ہے؟ جواب دیا: عمر مجھ سے بہتر ہیں لیکن رسول خداؐ اسے انجام دیا کرتے تھے وہ عمر سے بہتر تھے۔(۱)

۵۔محمد بن عبداللہ سے مروی ہے: جس سال معاویہ نے حج کیا اس سال سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس آپس میں گفتگو کرر ہے تھے جس کا موضوع ''حج تمتع'' تھا۔

ضحاک نے کہا: جو شخص حکم خدا سے غافل و نادان ہے وہی اسے انجام دیتا ہے۔

سعد نے کہا: اے میرے برادرزادے! کتنی بری بات کہی ہے؟

ضحاک نے کہا: بے شک عمر بن خطاب نے اس کی ممانعت کی ہے۔

سعد نے کہا: لیکن رسول خداؐ اسے بجالاتے تھے اور ہم نے بھی آنحضرت کے ہمراہ حج تمتع انجام دیا۔(۲)

۶۔سالم سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں ابن عمر کے ہمراہ مسجد میں بیٹھا تھا کہ شام کا ایک شخص آیا اور اس نے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا۔ابن عمر نے کہا: بہت بہتر ہے۔

اس نے کہا: آپ کے والد اس کی ممانعت کرتے تھے؟

یہ سنتے ہی ابن عمر بھڑک اٹھے: وائے ہو تجھ پر! میرے والد اس کی ممانعت کرتے تھے لیکن رسول خداؐ تو اسے انجام دیتے تھے اور اس کا حکم فرماتے تھے، اپنے والد کی بات پر عمل کروں یا رسول خداؐ کے حکم پر، اٹھو اور میرے پاس سے چلے جاؤ۔(۳)

دوسری صورت:

۱۔سنن دارمی، ج۲،ص۳۵

۲۔الموطا، ج۱،ص۱۴۹، (ج۱،ص۳۴۴،حدیث۶۰)؛ کتاب الام شافعی، ج۷،ص۱۹۹، (ج۷،ص۲۱۴)؛ سنن نسائی، ج۵،ص۱۵۲، (ج۲،ص۳۴۸، حدیث۳۷۱۴)؛ سنن ترمذی، ج۱،ص۱۵۷، (ج۳،ص۱۸۵، حدیث۸۲۳)؛ احکام القرآن جصاص، ج۱، ص۳۳۵، (ج۱،ص۲۸۴)؛ سنن بیہقی، ج۵،ص۱۷؛ تفسیر قرطبی، ج۲،ص۳۶۹، (ج۲،ص۲۵۸)؛ زادالمعاد ابن قیم، ج۱،ص۱۸۴، (ج۱،ص۱۷۹)؛ المواھب الدنیہ، (ج۴،ص۴۱۲)؛ شرح المواھب الدنیہ، (ج۴،ص۴۱۲)۔

۳۔تفسیر قرطبی، ج۲،ص۳۶۵، (ج۲،ص۲۵۸)

عبداللہ ابن عمر سے متعۂ حج کے متعلق سوال کیا گیا، کہا: وہ حلال ہے۔

یہ سن کر سوال کرنے والے نے کہا: لیکن سچ تو یہ ہے کہ آپ کے والد اس کی ممانعت کرتے تھے۔

ابن عمر نے کہا: بتاؤ میرے والد اس سے منع کرتے تھے لیکن رسول خداؐ اسے انجام دیتے تھے، میرے والد کے حکم کی پیروی کی جائے یا فرمان رسولؐ کی؟

اس شخص نے کہا: فرمان رسولؐ کی اطاعت کرنی چاہئے ۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا: رسول خداؐ اسے انجام دیتے تھے۔(۱)

تیسری صورت:

سالم کا بیان ہے: ابن عمر سے متعۂ حج کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے اس کا حکم دے دیا، کہا گیا کہ آپ اپنے والد کی مخالفت کر رہے ہیں۔

انہوں نے کہا: ''جیسا تم کہہ رہے ہو ویسا کچھ نہیں ہے، وہ تو کہتے تھے: عمرہ کو حج سے جدا کرو یعنی عمرہ حج کے مہینوں میں انجام نہ دو مگر قربانی کے ذریعہ، انہوں نے اس کے ذریعہ اس بات کا ارادہ کیا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ خانہ خدا کی زیارت کی جائے اور تم لوگوں نے اسے حرام قرار دے دیا اور اس کی وجہ سے لوگ آزار و اذیت میں مبتلا ہو گئے، حالانکہ خداوند عالم نے اسے حلال قرار دیا ہے اور رسول خداؐ نے اسے انجام دیا ہے''۔

لوگوں کے بہت زیادہ اصرار پر جھنجھلا کر کہا: کتاب خدا کی پیروی زیادہ مناسب ہے یا عمر کی؟(۲)

۷۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا: رسول خداؐ نے متعۂ حج انجام دیا، یہ سن کر عروہ نے کہا: ابوبکر و عمر نے اس کی ممانعت کی ہے۔

ابن عباس نے کہا: اے عروہ! کیا کہتے ہو؟

۱۔ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۵۷، (ج۳، ص۱۸۵، حدیث۸۲۴)؛ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۱۶۴، (ج۱، ص۱۸۹)؛ حاشیہ شرح المواہب زرقانی، ج۲، ص۲۵۲

۲۔ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۱

کہا کہ ابو بکر وعمر اس کی ممانعت کرتے تھے۔

یہ سن کر ابن عباس بولے: میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ جلدی ہلاک ہو جائیں گے، میں کہتا ہوں کہ رسول خداؐ نے اس کا حکم دیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ ابو بکر وعمر نے کہا ہے۔(۱)

۸۔ احمد نے ابو موسیٰ سے نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا: وہ رسول خداؐ کی سنت تھی یعنی متعہ، لیکن میں خوف زدہ ہوا کہ لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ درخت اراک کے سایہ میں آمیزش کریں پھر ان کے ہمراہ حج کے لئے جائیں۔(۲)

۹۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص سے جوان کے ساتھ یہ بحث کر رہا تھا کہ ابو بکر وعمر نے متعہ سے منع کیا ہے، کہا: عنقریب تیرے اوپر آسمان سے پتھر نازل ہوگا، میں کہتا ہوں کہ رسول خداؐ نے اس کا حکم دیا ہے اور تو کہتا ہے کہ ابو بکر وعمر نے کہا۔(۳)

۱۰۔ حسن سے مروی ہے کہ عمر نے متعۂ حج کی ممانعت کرنا چاہی تو اُبی بن کعب نے کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے اس لئے کہ ہم نے رسول خداؐ کے ہمراہ حج تمتع انجام دیا ہے اور انھوں نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی ہے، یہ سُن کر عمر اس سے باز آئے اور چاہا کہ رنگین لباسوں کی ممانعت کریں کیوں کہ وہ پیشاب کے ذریعہ رنگین ہو جاتا تھا، یہ دیکھ کر اُبی نے کہا: آپ کو اس کا بھی حق حاصل نہیں، اس لئے کہ رسول خداؐ اسے پہنتے تھے اور ہم نے بھی آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں پہنا ہے۔(۴)

احمد کے الفاظ ہیں: عمر نے لوگوں کو متعۂ حج سے منع کرنا چاہا، تو اُبی بن کعب نے کھڑے ہو کر کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے، اس لئے کہ کتاب خدا میں یہ بات مذکور ہے اور ہم نے بھی رسول خداؐ کے ہمراہ عمرہ

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۳۷، (ج۱، ص۵۵۴، حدیث۳۱۱۱)؛ مختصر جامع بیان العلم، ص۲۲۶، (ص۳۹۱، حدیث۲۵۵)؛ تذکرۃ الحفاظ، ج۳، ص۵۳، (ج۳، ص۸۳۷، نمبر۸۱۷)؛ زاد المعاد، ج۱، ص۲۱۹، (ج۱، ص۲۱۲)

۲۔ ذ مسند احمد، ج۱، ص۴۹، (ج۱، ص۷۹، حدیث۳۴۴)

۳۔ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۲۱۵، (ج۱، ص۲۰۹)؛ حاشیہ شرح المواھب، ج۲، ص۳۲۸

۴۔ مسند احمد، ج۵، ص۱۴۳، (ج۶، ص۱۷۳، حدیث۲۰۷۷۶)؛ مجمع الزوائد، ج۳، ص۲۳۶؛ کنز العمال، ج۳، ص۳۳ (ج۵، ص۱۶۷، حدیث۱۲۴۸۷)؛ درّ منثور، ج۱، ص۲۱۶، (ج۱، ص۵۲۱)

انجام دیا، یہ سن کر عمر منبر کے نیچے اتر آئے۔(۱)

۱۱۔ بخاری نے اپنی صحیح میں ابوحمزہ، نصر بن عمران سے نقل کیا کہ میں نے ابن عباس سے متعہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے اسے انجام دینے کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد میں نے کعبہ میں ہدیہ پیش کرنے کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا: حج تمتع میں ایک گائے، اونٹ یا بکری کی کھال مروی ہے۔

اس کا بیان ہے: ایسا لگتا ہے کہ بعض لوگ اسے ناپسند کرتے تھے چنانچہ میں سویا اور خواب میں دیکھا کہ ایک انسان چلا رہا ہے: حج اور متعہ۔

میں نے ابن عباس کی خدمت میں آ کر اپنے خواب کو بیان کیا، پورا خواب سن کر فرمایا: اللہ اکبر! ابوالقاسم کی سنت اور ان کا طریقہ یہی ہے۔(۲)

قسطلانی کا بیان ہے: (مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے بعض لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں) یعنی عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان اور وہ تمام افراد جنھوں نے اس مسئلہ میں ان کی تاسی کی ہے۔(۳)

۱۲۔ ابن سیرین سے منقول ہے کہ اس سے متعہ حج کے متعلق سوال کیا گیا، کہا: اسے عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان ناپسند کرتے تھے۔

اگر میدان علم میں دیکھا جائے تو وہ ہم سے زیادہ عالم و دانا تھے اور اعتقادی اور نظریاتی اعتبار سے بھی ان کا نظریہ ہم سے بہتر ہے۔(۴)

۱۳۔ اسود بن یزید سے منقول ہے کہ اس نے کہا: میں عصر عرفہ میں عمر بن خطاب کے ساتھ کھڑا تھا،

۱۔ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۲۲۰، (ج۱، ص۲۱۳)

۲۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۱۱۴، (ج۲، ص۶۰۵، حدیث ۱۶۰۳)؛ درّ منثور، ج۱، ص۲۱۷، (ج۱، ص۵۲۱)؛ صحیح مسلم، (ج۳، ص۸۳، حدیث ۲۰۴، کتاب الحج)

۳۔ ارشاد الساری، ج۳، ص۲۰۴، (ج۴، ص۲۳۶، حدیث ۱۶۸۸)

۴۔ جامع بیان العلم، ج۳، ص۳۱، (ص۲۴۶، حدیث ۱۲۸۵)؛ مختصر جامع بیان العلم، ص۱۱۱ (۱۹۹، حدیث ۱۸۰)

اچانک ہم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال زیبا تھے اور اس سے بہترین خوشبو آ رہی تھی۔

عمر نے اسے اپنے قریب بلا کر پوچھا: کیا تو حالت احرام میں ہے؟ کہا: ہاں۔ عمر نے کہا: لیکن تیری حالت محرم کی طرح نہیں ہے اور اگر تو محرم ہوتا تو تیرے بال خاک آلود ہوتے اور تجھ سے بدبو آتی۔

اس نے کہا: میں متمتع ہوں، میری زوجہ میرے ہمراہ ہے میں آج ہی محرم ہوا ہوں۔

یہ سنتے ہی عمر نے کہا: ان ایام میں متمتع نہ ہو، اس لئے کہ اگر میں متعہ کی اجازت دے دوں تو لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ درخت بید کے سایہ میں آمیزش کریں گے اور پھر حج کے لئے حرکت کریں گے۔

ابو حنیفہ نے اسے نقل کیا ہے (۱) پھر ابن قیم، ابن حزم کا بیان نقل کیا ہے کہ کیا قباحت ہے، یہ کام کتنا اچھا ہے، خود رسول خداؐ نے طواف کیا اور اپنی عورتوں کے ہمراہ آمیزش کی پھر محرم کی حالت میں صبح کی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ احرام سے قبل جماع اور آمیزش جائز ہے۔

قاضی ابو یوسف نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے: وہ عمر بن خطاب کے ساتھ عرفات میں کھڑا تھا اچانک ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سر سے تازگی عیاں ہے اور اس سے خوشبو آ رہی ہے۔

یہ دیکھ کر عمر نے اس سے کہا: وائے ہو تجھ پر کیا تو حالت احرام میں نہیں ہے؟

اس نے کہا: کیوں نہیں اے امیر المومنین! میں محرم ہوں۔

عمر نے کہا: لیکن میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تجھ سے عطر کی بو آ رہی ہے حالانکہ محرم کے بال خاک آلود ہوتے ہیں۔

اس نے کہا: میں نے عمرۂ مفردہ کے لئے تلبیہ (حج میں لبیک کہنا) کیا اور مکہ میں داخل ہوا، میرے ساتھ میرے اہل و عیال بھی ہیں۔

عمر نے متعہ کی ممانعت کرتے ہوئے اس سے کہا: تم لوگ سوچتے ہو کہ میں تمہیں متعہ کے لئے آزاد چھوڑ دوں گا تا کہ درخت بید کے سایہ میں اپنی عورتوں کے ساتھ آمیزش و جماع کرو پھر حج کے ارادہ سے جاؤ۔ (۲)

۱۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۲۰، (ج ۱، ص ۲۱۴)　　۲۔ کتاب الآثار، ص ۹۷

۱۴۔ابن عباس سے منقول ہے: میں نے عمر کو کہتے ہوئے سنا: خدا کی قسم! میں تمہیں متعہ سے منع کروں گا۔حالانکہ کتاب خدا میں موجود ہے اور رسول خداؐ بھی اسے بجالاتے تھے یعنی متعہ حج کو۔(۱)

۱۵۔عبداللہ بن عمر سے منقول ہے: عمر بن خطاب نے کہا کہ تم لوگ اپنے حج وعمرہ میں فاصلہ رکھو اس لئے کہ یہ ایام حج سے مخصوص ہیں۔حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ انجام دینا چاہئے۔(۲)

درمنثور کے الفاظ ہیں: اپنے حج وعمرہ کے درمیان فاصلہ رکھو، حج کو ایام حج میں انجام دو اور عمرہ کو بقیہ دنوں میں رکھو۔

۱۶۔سعید بن میسب سے منقول ہے: عمر بن خطاب نے حج کے مہینوں میں متعہ کی ممانعت کرتے ہوئے کہا: میں نے اسے رسول خداؐ کے ہمراہ انجام دیا لیکن میں اس کی ممانعت کرتا ہوں اس لئے کہ تم لوگ مختلف شہروں سے حج کے مہینوں میں خاک آلود اور خستہ حال آتے ہو پھر مکہ میں داخل ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہو، اس کے بعد اپنے خیموں میں جا کر لباس پہنتے ہو، خوشبو لگاتے ہو اور اپنی زوجہ کے پاس جاتے ہو یعنی آمیزش کرتے ہو۔دوسرے دن تم لوگ حج کی شروعات کرتے ہوئے، منیٰ جاتے ہو، حج کے لئے تلبیہ کہتے ہو حالانکہ نہ تم تھکن کا احساس کرتے ہو اور نہ ہی پریشاں حالی کا۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حج، عمرہ سے افضل ہے؟

اگر میں انھیں متعہ کے لئے آزاد چھوڑ دوں تو وہ درخت بید واراک کے نیچے ان کی گردنوں میں باہیں حمائل کرکے پڑے رہیں گے۔(۳)

۱۷۔قاضی ابو یوسف نے ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب نے متعہ مفردہ کی ممانعت کی ہے لیکن قرآن نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے۔(۴)

۱۔سنن نسائی، ج۵،ص۱۵۳،(ج۲،ص۳۴۹،حدیث۳۷۱۶)

۲۔المعطا، ج۱، ص۲۵۲، (ج۱، ص۳۴۷، حدیث ۶۷)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۵؛ تیسیر الوصول، ج۱، ص۲۷۹(ج۱، ص۳۳۰، حدیث۲)؛ درمنثور، ج۱،ص۲۸۱،(ج۱،ص۵۲۵)۔

۳۔کنز العمال، ج۳،ص۳۲،(ج۵،ص۱۶۴،حدیث ۱۲۴۷۷)؛ حلیۃ الاولیاء،(ج۵،ص۲۰۵)

۴۔کتاب الآثار،ص۹۹

۶۹۔ متعہ (ازدواج موقت)

۱۔ جابر بن عبداللہ کا بیان ہے: ہم ایک مشت خرما اور آٹے پر رسول خداؐ، ابوبکر اور چند دنوں تک عمر کے زمانے میں کچھ دنوں کے لئے عورت سے متعہ کرتے تھے لیکن عمر بن خطاب نے عمرو بن حریث کو اس کام سے منع کر دیا۔ (۱)

۲۔ عروہ بن زبیرؔ سے منقول ہے: خولہ بنت حکیم نے عمر بن خطاب کے پاس آ کر کہا: ربیع بن امیہ نے متعہ کیا ہے اور اس کی وجہ سے عورت حاملہ ہو چکی ہے۔

یہ سنتے ہی عمر اس حالت میں باہر آئے کہ ان کی عبا غم وغصہ سے کھینچی جا رہی تھی، انھوں نے کہا: یہ متعہ ہے؟ اگر میں اس واقعہ سے پہلے اپنی رائے بیان کر دیتا تو اسے سنگسار کر دیتا۔ (۲)

۳۔ حکم سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر عمر بن خطاب نے متعہ کی ممانعت نہ کی ہوتی تو صرف شقی اور بدبخت ہی زنا کا مرتکب ہوتا۔

دوسری صورت

لوگوں نے حکم سے متعۂ نساء کی آیت کے بارے میں سوال کیا کہ کیا یہ منسوخ ہو چکی ہے؟ جواب دیا: نہیں اور حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: اگر عمر متعہ کی ممانعت نہیں کرتے تو شقی اور جنایتکار کے علاوہ کوئی اور زنا کا مرتکب نہیں ہوتا۔ (۳)

۱۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۵، (ج۳، ص۱۹۴، حدیث ۱۶ کتاب النکاح)؛ جامع الاصول، (ج۱۲، ص۱۳۵، حدیث۸۹۵۳)؛ تیسیر الوصول، ج۴، ص۲۶۲، (ج۴، ص۳۱۵، حدیث۵)؛ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۴۴۴، (ج۲، ص۱۸۴)؛ فتح الباری، ج۹، ص۱۴۱، (ج۹، ص۱۷۲)؛ کنز العمال، ج۸، ص۲۹۴، (ج۱۶، ص۵۲۳، حدیث۴۵۷۳۲)۔

۲۔ موطا مالک، ج۲، ص۳۰، (ج۲، ص۵۴۲، حدیث۴۲)؛ کتاب الام شافعی، ج۷، ص۲۱۹، (ج۷، ص۲۳۵)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۶۔

۳۔ تفسیر طبری، ج۵، ص۹، (مجلد۴، ج ۵، ص۱۳)؛ الکشف البیان، (تفسیر ثعلبی)؛ سورۂ نساء آیت۲۴؛ تفسیر کبیر، ج۳، ص۲۰۰، (ج۱۰، ص۵۰)؛ تفسیر ابی حیان، ج۳، ص۲۱۸؛ تفسیر نیشاپوری، (ج۲، ص۳۹۲)؛ درمنثور، ج۲، ص۱۴۰، (ج۲۰، ص۴۸۶)۔

۴۔ابو جریج نے عطار سے نقل کیا ہے: میں نے ابن عباس کو کہتے ہوئے سنا: خدا عمر پر رحم کرے، متعہ ایسی رحمت تھی جس کے ذریعہ سے خداوند عالم نے امت محمدؐ پر باب رحمت وا رکھا تھا، اگر عمر اس کی ممانعت نہ کرتے تو کوئی زنا کی طرف مائل نہ ہوتا مگر لوگوں کی مختصر تعداد (انتہائی پست افراد)۔(۱)

۵۔حافظ عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ مجھے ابوالزبیر نے جابر کے حوالے سے خبر دی ہے کہ جابر نے کہا: عمرو بن حریث نے کوفہ میں داخل ہو کر ایک کنیز کے ساتھ متعہ کیا اور وہ حاملہ ہوگئی، اس نے اسی حالت میں عمر سے ملاقات کی، ان کے اصرار پر اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ راوی کا بیان ہے: یہ اس وقت کی بات ہے جب عمر نے اس کی ممانعت کر دی تھی۔(۲)

۶۔حافظ ابوشیبہ نے نافع سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا۔

کہا: حرام ہے۔

لوگوں نے کہا: ابن عباس اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

یہ سن کر ابن عمر نے کہا: اگر ایسی بات ہے تو انھوں نے عہد عمر میں لب کشائی کیوں نہ کی اور کیوں اپنی زبان کو بند رکھا؟(۳)

۷۔طبری نے جابر سے نقل کیا ہے: لوگ متعہ انجام دیتے تھے لیکن عمر بن خطاب نے لوگوں کو اس فعل سے منع کر دیا۔(۴)

۸۔سلیمان بن یسار نے ام عبداللہ بنت ابی خثیمہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شامی اس کے پاس آ کر کہنے لگا:

۱۔احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۱۷۹، (ج۲، ص۱۴۷)؛ بدایۃ المجتہد، ج۲، ص۵۸؛ نہایہ ابن اثیر، ج۲، ص۲۴۹، (ج۲، ص۴۸۸)؛ الفائق زمخشری، ج۱، ص۳۳۱، (ج۲، ص۲۵۵)؛ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۱۳۰، (ج۵، ص۸۶)؛ درّ منثور، ج۲، ص۱۴۰، (ج۲، ص۴۸۷)؛ لسان العرب، ج۱۹، ص۱۶۶، (ج۱۳، ص۱۵)؛ تاج العروس، ج۱۰، ص۲۰۰۔

۲۔المصنف عبدالرزاق، (ج۷، ص۵۰۰، حدیث۱۴۰۲۹)؛ فتح الباری، ج۹، ص۱۴۱، (ج۹، ص۱۷۲)۔

۳۔المصنف ابن ابی شیبہ، (ج۴، ص۲۹۳)؛ درّ منثور، ج۲، ص۱۴۰، (ج۲، ص۴۸۷)؛ کنز العمال، (ج۱۶، ص۵۲۱، حدیث۴۵۷۲۳)

۴۔کنز العمال، ج۸، ص۲۹۳، (ج۱۶، ص۵۲۰، حدیث۴۵۷۱۹)

میں اپنی خواہشات سے سخت پریشان ہوں، کسی ایسی عورت کی نشاندہی کرو جس کے ساتھ متعہ کرسکوں۔

بنت ابی خثیمہ کا بیان ہے: میں نے ایک عورت کی نشاندہی کردی، اس نے اس کے ساتھ نکاح موقت کیا، چند عادل افراد کو اس پر گواہ بنایا۔ چنانچہ معینہ مدت تک رہا پھر واپس چلا گیا۔

اس واقعہ سے عمر بن خطاب باخبر ہوگئے، میرے پاس آدمی بھیج کر بلوایا اور پوچھا: کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: اب جب بھی وہ آئے مجھے باخبر کرو۔

جب وہ شخص آیا تو میں نے عمر کو باخبر کردیا۔ انھوں نے اس سے پوچھا: یہ کام کیوں کیا؟

اس نے کہا: میں نے رسول خداؐ کے عہد میں کیا لیکن انھوں نے اس کی ممانعت نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد ابوبکر کے عہد میں بھی یہ فعل انجام دیا اور انھوں نے اس سے منع نہیں کیا پھر وہ بھی دنیا سے چلے گئے، اب آپ کے عہد میں ہوں لیکن ابھی تک آپ سے کسی ممانعت کی اطلاع نہیں پہونچی۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اگر میری ممانعت کے بعد تم نے یہ فعل انجام دیا ہوتا تو تمہیں سنگسار کردیتا۔(۱)

۹۔ ابن جریر طبری نے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر عمر کی ممانعت سبقت حاصل نہ کرتی تو میں متعہ کا خصوصی حکم دیتا جس کے بعد صرف بدبخت اور جنایتکار ہی زنا کا مرتکب ہوتا۔(۲)

۱۰۔ عطا کا بیان ہے: جابر بن عبداللہ عمرہ سے واپس آئے، ہم ان کے گھر ملاقات کی غرض سے پہونچے، لوگوں نے مختلف سوالات کئے پھر متعہ کا ذکر آیا۔ جابر نے کہا: ہم رسول خداؐ، ابوبکر کے عہد میں اور عمر کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایسا کرتے تھے۔

احمد کی عبارت ہے: پھر عمر کی خلافت کا آخری زمانہ آگیا۔(۳)

۱۔ کنزالعمال، ج۸،ص۲۹۴، (ج۱۶،ص۵۲۲،حدیث۴۵۷۲۶)

۲۔ کنزالعمال، ج۸،ص۲۹۴، (ج۱۶،ص۵۲۲،حدیث۴۵۷۲۸)

۳۔ صحیح مسلم، ج۱،ص۳۹۵، (ج۳،ص۱۹۳،حدیث۱۵، کتاب النکاح)؛ مسند احمد، ج۳،ص۳۸۰، (ج۴،ص۳۶۵،حدیث۱۴۶۵۵)

تبیان الحقائق شرح کنز الدقائق کے الفاظ ہیں: ہم رسول اسلامؐ، ابوبکر کے عہد میں اور خلافت عمر کے اوائل میں متعہ کرتے تھے پھر انہوں نے اس کی ممانعت کر دی۔

۱۱۔ عمران بن حصین کا بیان ہے: کتاب خدا میں آیۂ متعہ نازل ہوئی اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو اسے منسوخ و باطل کرے، پھر رسول خداؐ نے ہمیں متعہ کا حکم دیا، ہم آنحضرت کے عہد میں متعہ کیا کرتے تھے پھر آنحضرت اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور متعہ سے منع نہیں فرمایا، اس کے بعد ایک شخص نے اپنی خواہش کے مطابق جو چاہا کہہ دیا۔(۱)

مفسرین نے لکھا ہے کہ آیۂ مُبارکہ: ﴿ **فماهن امتعتم به منهن فآتوهناجورهن فريضة** ﴾ ''جو بھی ان عورتوں سے تمتع کرے ان کی اجرت انھیں بطور فریضہ عطا کرے''۔

جن لوگوں نے عقد موقت کو جائز سمجھا ہے انھوں نے اسی آیت کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور ان میں سے بعض افراد نے جواز متعہ کو عمران بن حصین کے حوالے سے نقل کیا ہے۔(۲)

۱۲۔ نافع نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے: لوگوں نے ان سے متعہ کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا: حرام ہے، اگر عمر بن خطاب کسی کو متعہ کرتے ہوئے پکڑ لیتے تو اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیتے تھے۔(۳)

۱۳۔ عمر کہتے تھے: اگر متعہ کو حلال سمجھنے والے شخص کو میرے پاس لایا گیا تو میں اسے ضرور سنگسار کروں گا۔ سبط ابن جوزی نے مرآۃ الزمان میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

۱۴۔ ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ ہم خلافت عمر کے اوائل میں متعہ کیا کرتے تھے پھر عمر نے عمرو بن حریث کو اس کام سے منع کر دیا۔(۴)

۱۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۴۴۷، (ج۳، ص۷۱، حدیث۱۷۲، کتاب الحج)؛ صحیح بخاری ج۳، ص۱۵۱، (ج۲، ص۵۶۹، حدیث۱۴۹۶)؛ تفسیر قرطبی، ج۲، ص۳۶۵، (ج۲، ص۲۵۸)۔

۲۔ الکشف البیان، (تفسیر ثعلبی)، سورۂ نساء آیت۲۴؛ تفسیر کبیر، ج۳، ص۲۰۰/۲۰۲، (ج۱۰، ص۴۹/۵۳)؛ تفسیر نیشاپوری، (ج۲، ص۲۹۲)

۳۔ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۶

۴۔ عمدۃ القاری، ج۸، ص۳۱۰، (ج۱۷، ص۲۴۶)

ابن رشد نے اسے بدایۃ المجتہد میں جابر کے حوالے سے نقل کیا ہے:: ہم رسول خداؐ، ابوبکر کے عہد میں اور خلافت عمر کے اوائل میں متعہ کرتے تھے پھر عمر نے لوگوں کو اس کام سے منع کر دیا۔(۱)

۱۵۔ ابو یوب سے مروی ہے کہ عروہ نے ابن عباس سے کہا: کیا خدا سے ڈر نہیں لگتا کہ متعہ کی اجازت دیتے ہو اور اسے حلال سمجھتے ہو؟

ابن عباس نے کہا: اے عروہ! جاؤ اپنی ماں سے سوال کرو۔

عروہ نے کہا: لیکن ابوبکر و عمر نے متعہ نہیں کیا تھا۔

یہ سنتے ہی ابن عباس نے کہا: خدا کی قسم! اگر تم لوگ متعہ کی ممانعت سے دست بردار نہیں ہوئے تو خدا تم پر عذاب نازل فرمائے گا۔ میں تم سے رسولؐ کی حدیث بیان کرر رہا ہوں اور تم ابوبکر و عمر کی بات کرر ہے ہو۔(۲)

واقعہ میں فیصلے کے لئے ابن عباس نے عروہ بن زبیر کی ماں ''اسماء بنت ابوبکر'' کا حوالہ اس لئے دیا تھا کیوں کہ زبیر نے اس کے ساتھ متعہ کیا تھا اور عبداللہ بن زبیر اسی متعہ کا نتیجہ تھے۔

راغب کا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن عباس کو حلیت متعہ پر سرزنش کی تو ابن عباس نے ان سے کہا: جاؤ اپنی ماں سے سوال کرو کہ اس کے اور تمہارے باپ کے درمیان کس طرح کے تعلقات تھے؟

جب اس نے سوال کیا تو جواب میں کہا: میں نے تمہارے باپ سے متعہ کر کے تمہیں پیدا کیا ہے۔(۳)

ابن عباس کے بقول: متعہ کے ذریعہ روشن ہونے والا پہلا آتشدان ''آل زبیر'' ہے۔(۴)

۱۔ بدایۃ المجتہد، ج۲، ص۵۸

۲۔ جامع بیان العلم، ج۲، ص۱۹۶، (ص۳۳۴، حدیث ۲۰۹۵) مختصر جامع بیان العلم، ص۲۲۶، (ص۳۹۱، حدیث ۲۵۵)

۳۔ محاضرات الادباء، (مجلد۲، ج۳، ص۲۱۴)

۴۔ العقد الفرید، ج۲، ص۱۳۹، (ج۳، ص۲۰۵)

مسلم نے مسلم اشعری سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابن عباس سے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے اس کی اجازت دے دی لیکن ابن زبیر اس سے منع کرتے تھے۔

یہ سن کر ابن عباس نے کہا: یہ ابن زبیر کی ماں ہے جو رسول خداؐ سے ایسی حدیث بیان کرتی ہے جس میں آنحضرتؐ نے متعہ کی اجازت دے رکھی ہے لہٰذا جاؤ اس سے سوال کرو۔

راوی کا بیان ہے: وہاں پہونچ کر ایک موٹی اندھی عورت سے سابقہ ہوا اس نے کہا: رسول خداؐ نے متعہ کی اجازت دی ہے۔(۱)

مسلم نے اس عبارت کو دو طرق سے نقل کر کے لکھا ہے: عبدالرحمٰن کی حدیث میں متعہ ہے اور اس نے (حج تمتع) نہیں کہا ہے لیکن ابن جعفر کہتے ہیں کہ شعبہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ ان کی مراد حج تمتع ہے یا متعہ (ازدواج موقت)۔

اگر چہ عبدالرحمٰن کے الفاظ میں مطلق متعہ استعمال ہوا ہے اور مسلم نہیں جانتے کہ ان دونوں میں سے کون سا متعہ مراد ہے؟

لیکن ابوداؤد طیالسی سے منقول ہے کہ مسلم اشعری نے کہا: ہم اسماء بنت ابوبکر کے پاس پہونچے اور متعۂ نساء کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے جواب میں کہا: ہم رسول خداؐ کے عہد میں ایسا کرتے تھے۔(۲)

جی ہاں! احمد نے (۳) شعبہ کے طریق سے جس بات کی روایت کی ہے، وہ متعۂ حج ہے اور اس نے مسلم سے اس امر میں اس کے مردد ہونے کی حکایت بھی سن رکھی تھی۔

شاید اسی لئے اس نے اس جملے ''نہیں معلوم حج تمتع مقصود تھا یا متعہ (ازدواج موقت)'' کے ذریعہ مقید کر دیا کہ ابن زبیر کی عظمت و بلندی کا تحفظ کر سکے اور قاری پر مخفی رہ جائے کہ یہ مدعی خلافت متعہ کا فرزند اور اس کا نتیجہ ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۵۴، (ج۳، ص۸۱، حدیث ۱۹۴/۱۹۵، کتاب الحج)

۲۔ مسند ابوداؤد طیالسی، ص۲۲۷

۳۔ مسند احمد، ج۶، ص۳۴۸، (ج۷، ص۴۸۷، حدیث ۲۶۴۰۶)

۱۶۔ابن کلبی کا بیان ہے کہ سلمہ بن امیہ بن خلف جمی نے حکیم بن ربیعہ بن اوقص اسلمی کی کنیز مسلمی کے ساتھ متعہ کیا اور ایک بچہ پیدا ہوا لیکن سلمہ نے اس سے صاف انکار کر دیا جب عمر کے کانوں میں یہ بات پہونچی تو انھوں نے متعہ کی ممانعت کر دی۔

مروی ہے کہ سلمہ نے ایک عورت کے ساتھ متعہ کیا جب عمر کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کی ممانعت کی۔(۱)

دو متعہ: متعہ حج اور متعہ نساء

۱۔ابی نضرہ سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں جابر بن عبداللہ انصاری کے پاس تھا۔ایک شخص ان کے پاس آ کر بولا: ابن عباس اور ابن زبیر متعہ کے سلسلے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں۔

یہ سن کر جابر نے کہا: ہم نے دونوں متعہ کو رسول خداؐ کے عہد میں انجام دیا ہے اس کے بعد عمر نے اس کی ممانعت کر دی پھر ہم نے اس کی تکرار نہیں کی۔(۲)

دوسری صورت

ابی نضرہ کا بیان ہے کہ میں نے جابر سے کہا: ابن زبیر متعہ کی ممانعت کرتے ہیں اور ابن عباس اس کا حکم دیتے ہیں؟

انہوں نے کہا: میں حدیث سے پوری طرح واقف ہوں، ہم رسول خداؐ اور ابو بکر کے عہد میں متعہ کی سعادت حاصل کرتے تھے، جب عمر خلیفہ ہوئے تو لوگوں کو خطاب کر کے کہا: بے شک رسول خداؐ وہی رسول اور قرآن مجید بھی وہی قرآن ہے، ہاں! یہ دونوں متعہ رسول خداؐ کے عہد میں رائج تھے لیکن میں ان کی ممانعت کر رہا ہوں، اگر کوئی شخص اسے انجام دے تو میں اسے سزا دوں گا: ایک متعۂ نساء ہے، اگر میں

۱۔الاصابہ، ج۲، ص۶۳

۲۔صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۵، (ج۳، ص۱۹۴، حدیث ۱۷، کتاب النکاح)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۶

نے کسی کو دیکھ لیا کہ معینہ مدت تک کے لئے کسی عورت سے نکاح کر رہا ہے تو میں اسے پتھروں کے نیچے چھپا دوں گا؛ دوسرا حج تمتع ہے۔(۱)

تیسری صورت

جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم عہد رسولؐ میں متعۂ حج اور متعۂ نساء دونوں انجام دیتے تھے لیکن عمر نے ہمیں اس سے منع کر دیا اس کے بعد ہم نے اسے ترک کر دیا۔(۲)

چوتھی صورت

ابی نضرہ کا بیان ہے: ابن عباس متعہ کا حکم دیتے اور ابن زبیر اس کی مخالفت کرتے تھے، میں نے اس کا تذکرہ جابر بن عبداللہ انصاری سے کیا۔

جابر نے کہا: میں اس سلسلے کی حدیث سے پوری طرح آگاہ ہوں، ہم رسولؐ کے عہد میں متعہ کیا کرتے تھے جب عمر خلیفہ ہوئے تو کہا: بے شک خداوند عالم نے ان تمام چیزوں کو حلال کر دیا جن کے متعلق رسول خداؐ نے اپنی خواہش ظاہر کی۔ لہٰذا تم لوگ حج و عمرہ کو امر خدا کے مطابق انجام دو اور عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے دور رہو اگر متعہ کرنے والے شخص کو میرے پاس لایا گیا تو میں اسے سنگسار کروں گا۔(۳)

پانچویں صورت

قتادہ کا بیان ہے: میں نے سنا کہ ابی نضرہ کہہ رہا تھا کہ میں نے جابر بن عبداللہ انصاری سے کہا: ابن زبیر متعہ کی ممانعت کرتے ہیں اور ابن عباس اس کا حکم دیتے ہیں۔

۱۔ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۶؛ صحیح مسلم، (ج۳، ص۵۶، حدیث ۱۴۵، کتاب الحج)

۲۔ مسند احمد، ج۳، ص۳۵۶/۳۶۳، (ج۴، ص۳۲۵، حدیث ۱۴۴۲۰/ص۳۳۷، حدیث ۱۴۵۰۰)؛ کنز العمال، ج۸، ص۲۹۳، (ج۱۶، ص۵۲۰، حدیث ۴۵۷۲۰)

۳۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۴۶۷، (ج۳، ص۵۶، حدیث ۱۴۵، کتاب الحج)؛ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۱۷۸، (ج۲، ص۱۴۷)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۱؛ تفسیر کبیر، ج۳، ص۲۶، (ج۱۰، ص۵)؛ کنز العمال، ج۸، ص۲۹۳، (ج۱۶، ص۵۲۱، حدیث ۴۵۷۲۵)؛ درّ منثور، ج۱، ص۲۱۶، (ج۱، ص۵۲۰)۔

جابر نے کہا: میں حدیث سے پوری طرح آگاہ ہوں، ہم رسول خداؐ کے عہد میں متعہ کرتے تھے جب عمر مسند خلافت پر براجمان ہوئے تو کہا: بے شک خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کی خواہش کے مطابق اسے حلال کردیا تھا اور قرآن مجید میں آیۂ حلیت موجود ہے۔ لہٰذا تم لوگ اپنے حج کو عمرہ سے جدا کرو اور ان عورتوں کے نکاح کی پیروی کرو اگر کسی ایسے شخص کو میرے پاس لایا گیا جس نے ایک مدت معین تک عورت کے ساتھ نکاح کیا تو میں اسے ضرور سنگسار کروں گا۔(۱)

علامہ امینی فرماتے ہیں: چونکہ متعہ کرنے والے شخص کو سنگسار کرنے کا حکم دینا قانونی نہیں تھا اور کسی سنی فقیہ نے عقد کی شباہت کی بنیاد پر اس کا حکم نہیں دیا ہے، اسی لئے جصاص (۲) نے حدیث نقل کرکے لکھا: عمر کا متعہ کے سلسلے میں سنگساری کا حکم صادر کرنا اس جہت سے جائز ہے کہ ممکن ہے یہ حکم خوف وہراس اور دھمکانے کے لئے صادر کیا ہو، تاکہ لوگ اس سے باز رہیں۔

۲۔عمر نے ایک خطبہ میں کہا: ''**متعتان کانتا علی عهد رسول الله صلی الله علیه و آله و انا انهی عنهما و اعاقب علیهما: متعة الحج و متعة النساء** ''رسول خداؐ کے عہد میں دو متعہ رائج تھے لیکن میں ان دونوں کی ممانعت کررہا ہوں اور ان کو انجام دینے والے کو سزا دوں گا: متعۂ حج اور متعۂ نساء''۔

جصاص کی عبارت ہے: اگر اس سے پہلے ممانعت کرتا تو ضرور سنگسار کرتا یا اگر کسی شخص نے متعۂ نساء انجام دیا ہے تو اسے ضرور سنگسار کروں گا۔(۳)

مامون عباسی نے جواز متعہ پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور اسی بنا پر اس نے حکم متعہ نافذ

۱۔مسند ابوداؤد طیالسی، ص ۲۴۷

۲۔احکام القرآن، (ج۲، ص ۱۴۷)

۳۔البیان والتبیین، ج۲، ص ۲۲۳، (ج۲، ص ۱۹۳)؛ احکام القرآن جصاص، ج۱، ص ۳۴۲/ ۳۴۵، ج۲، ص ۱۸۴، (ج۱، ص ۲۹۰، ۲۹۳، ج۲، ص ۱۵۲)؛ تفسیر قرطبی، ج۲، ص ۳۷۰، (ج۲، ص ۲۶۱)؛ المبسوط سرخی، (ج۴، ص ۲۷)؛ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص ۴۴۴ (ج۲، ص ۱۸۴)؛ تفسیر کبیر رازی، ج۲، ص ۱۶۷، ج۳، ص ۲۰۱/ ۲۰۲، (ج۵، ص ۱۵۳) ج۱۰، ص ۵۲۔۵۳؛ کنز العمال، ج۸، ص ۲۹۳، (ج۱۶، ص ۵۱۹، حدیث ۴۵۷۱۵)؛ شرح معانی الآثار، (ج۲، ص ۱۴۶، حدیث ۳۶۸۶)؛ ضوء الشمس، ج۲، ص ۹۴۔

کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں ہے(۱): یہ دونوں متعہ رسول خداؐ اور ابوبکر کے عہد میں رائج تھے لیکن میں ان دونوں کی ممانعت کررہا ہوں۔

متعہ کے سلسلے میں عمر کا یہ خطبہ اہل سنت کے نزدیک مسلم وقطعی ہے، احمد بن حنبل نے جابر کے حوالے سے حدیث نقل کرکے بعض عبارتوں کو خلیفہ نوازی اور چمچہ گیری میں حذف کردیا ہے۔(۲)

ان کی عبارت ہے: جب عمر خلیفہ ہوئے تو لوگوں کو خطاب کرکے کہا: بے شک قرآن وہی قرآن اور رسولؐ بھی وہی رسولؐ ہیں۔ یہ دونوں متعہ رسولؐ کے عہد میں رائج تھے: ایک متعۂ حج اور دوسرا متعۂ نساء۔

۳۔حافظ بن شیبہ نے سعید بن میتب سے نقل کرکے لکھا ہے کہ عمر نے ان دونوں متعہ ''متعۂ حج اور متعۂ نساء'' سے منع کیا۔(۳)

طبری نے عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ عروہ نے ابن عباس سے کہا: تم نے لوگوں کو ہلاکت وگمراہی کے دہانے پر لاکھڑا کردیا ہے۔ابن عباس نے پوچھا: کیسے؟ کہا: تم لوگوں کو متعہ کا فتویٰ دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ ابوبکر وعمر اس کے مخالف تھے۔ یہ سن کر ابن عباس نے کہا: یہ حیرت انگیز نہیں کہ میں اس سے حدیث رسولؐ بیان کررہا ہوں اور وہ مجھ سے ابوبکر وعمر کی باتیں کررہا ہے۔ابن زبیر نے کہا: یہ دونوں تم سے زیادہ سنت رسولؐ سے واقف تھے اور اس کی پیروی کرتے تھے۔(۴)

۵۔راغب کا بیان ہے کہ یحییٰ ابن اکثم نے بصرہ کے ایک شیخ سے پوچھا: جواز متعہ کے سلسلے میں کس کی اقتدا کرتے ہیں؟

اس نے کہا: عمر کی۔اس نے تعجب سے پوچھا: کیسے؟ عمر تو متعہ کے سب سے زیادہ مخالف تھے۔شیخ

۱۔وفیات الاعیان، ج۲،ص۳۵۹،(ج۶،ص۱۵۰،نمبر۷۹۳)

۲۔مسند احمد،(ج۱،ص۸۴،حدیث۳۷۱)

۳۔درمنثور، ج۲،ص۱۴۰،(ج۲،ص۴۸۷)؛ کنز العمال، ج۸،ص۲۹۳،(ج۱۶،ص۵۲۰،حدیث۴۵۷۱۸)

۴۔کنز العمال، ج۸،ص۲۹۳،(ج۱۶،ص۵۱۹،حدیث۴۵۷۱۳)؛ مرأۃ الزمان سبط ابن جوزی، ص۹۹۔

نے کہا: اس لئے کہ صحیح حدیث یہ ہے کہ عمر نے منبر پر جا کر کہا: بے شک خدا اور اس کے رسول نے تمہارے لئے متعہ کو حلال قرار دیا ہے لیکن میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں اور اس کو انجام دینے والے کو سزا دوں گا۔ چنانچہ ہم نے ان کی گواہی مان لی اور ان کی تحریم کو چھوڑ دیا۔(۱)

۶۔طبری نے عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عہد رسولؐ میں تین چیزیں جائز تھیں لیکن میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور ان کو انجام دینے والے کو سزا دوں گا: متعۂ حج، متعۂ نساء اور اذان میں ''حی علی خیر العمل''۔(۲)

قوشچی نے شرح تجرید(۳) میں اسے بیان کیا ہے، عنقریب ان کا بیان نقل کیا جائے گا، شیخ علی بیاض نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں اس کی حکایت کی ہے۔

یہ دونوں متعہ سے متعلق احادیث وروایات کے کچھ نمونے تھے جن میں حسن اور موثق روایات کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔

یہ روایتیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ یہ دونوں متعہ، اس سلسلے میں نازل شدہ آیات اور سنت رسولؐ کے مطابق، رسول خداؐ کے زمانے میں رائج تھے اور عمر ہی وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے اسے حرام قرار دیا ہے۔(۴)

قرمانی کا بیان ہے: متعہ کو حرام قرار دینے والے پہلے شخص ''عمر'' تھے۔(۵)

دونوں متعہ پر ایک نظر

یہ تھا متعہ حج اور متعہ نساء کے بارے میں احادیث وروایات کا مختصر خاکہ۔ چنانچہ آپ خود ملاحظہ کر

۱۔محاضرات الادباء، ج ۲، ص ۹۴، (مجلد ۲، ج ۳، ص ۲۱۴)

۲۔تاریخ طبری ج ۵، ص ۳۲، (ج ۴، ص ۲۲۵، حوادث ۲۳ھ)

۳۔شرح تجرید، (۴۸۴): صراط مستقیم بیاض، (ج ۳، ص ۲۷۷)

۴۔تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۹۳، (ص ۱۲۸): اوائل عسکری، (ص ۱۱۲)

۵۔تاریخ قرمانی ص ۲۰۳، مطبوع برحاشیہ کامل، (ج ۱، ص ۲۸۹)

سکتے ہیں کہ رسول خداؐ کے زمانے میں قرآن وسنت کے اعتبار سے ان دونوں کی قانونی حیثیت ثابت کرنے کے لئے یہ روایات کافی ہیں لیکن اس کے علاوہ بہت سی روایات ایسی ہیں جو دونوں متعہ کے مباح اور حلال ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

ہم نے انہیں اس لئے بیان نہیں کیا کہ ان میں خلیفہ کی ممانعت مذکور نہیں تھی۔ خلیفہ کی ممانعت اور دو متعہ کی سخت ترین مخالفت قرآن وسنت کے نص صریح کے مقابل صرف ان کا مخصوص اجتہاد تھا اور بس۔

حج تمتع:

خلیفہ نے اس وقت اس کی ممانعت کی جب انہوں نے اسے فعل قبیح خیال کیا یعنی حج کے دوران عورتوں سے آمیزش کرنے کے بعد لوگوں کے سروں سے آب غسل ٹپکے تو یہ ان کی نظر میں مذموم ہے۔ لیکن خداوند عالم بندوں کے حالات سے زیادہ باخبر ہے اور رسول خداؐ بھی اس سے پوری طرح آگاہ تھے اسی لئے آپ نے تا روز قیامت قطعی حکم کی حیثیت سے متعہ حج کے مباح ہونے کا قانون نافذ کر دیا۔

عمر کی یہ بات صرف ان کا مخصوص استحسان ہے، قرآن وسنت کے مقابلے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

اس مقام پر بہت سی بے تکی اور لچر باتیں بیان کی گئیں ہیں تا کہ خلیفہ کے اس مخصوص نظریہ کی تائید ہو سکے اور لوگوں کے سامنے اسے بہتر سے بہتر بنا کر پیش کیا جا سکے لیکن یہ صرف مصنوعی بہانہ تراشی ہے جو لوگوں کو حق وحقیقت سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔

اس کے علاوہ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ باتیں خود خلیفہ کی تصریح کردہ باتوں کی مخالف ہیں۔

انہیں میں سے یہ اقوال ہیں:

ا۔ جس متعہ سے عمر نے منع کیا وہ اس عمرہ کے ذریعہ حج کو فسخ کیا گیا ہے جو حج کے بعد انجام دیا جاتا ہے، چنانچہ ابن عباس، عمران بن حصین، سعد بن ابی وقاص، محمد بن عبداللہ بن نوفل، ابوموسیٰ

اشعری جن سے مروی صحیح روایات سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ خلیفہ نے متعۂ حج سے منع کیا ہے اور حج وعمرہ کو باہم جمع کر دیا ہے۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس پر خود عمر کی تصریح مروی ہے اور انہوں نے اس ممانعت کی علت بھی بیان کر دی ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ درخت بید کے سایہ میں آمیزش کریں اور اسی حالت میں حج کے لئے جائیں۔ یا ان کے بقول: اگر میں انھیں متعہ کی اجازت دے دیتا تو وہ ضرور درخت بید کے سایہ میں اپنی عورتوں کے ساتھ آمیزش کرتے۔

یا ان کے بقول: مجھے پسند نہیں کہ لوگ عورتوں کے ساتھ درخت بید کے سایہ میں آمیزش کریں اور پھر اسی حالت میں حج کے لئے جائیں کہ ان کے سروں سے غسل جنابت کا پانی ٹپک رہا ہو۔

شیخ بدرالدین حنفی ''عمدۃ القاری فی شرح صحیح بخاری'' میں لکھتے ہیں: عیاض اور ان کے علاوہ دوسرے افراد نے کہا ہے کہ عمر وعثان نے جس متعہ کی ممانعت کی ہے وہ عمرہ حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے والا تھا نہ وہ عمرہ جو حج کے بعد انجام دیا جاتا ہے۔ میں ان کے جواب میں کہوں گا کہ ان کا یہ جملہ قابل اعتراض ہے کیوں کہ بعض طرق سے مسلم کی روایت میں جس کی تصریح کی گئی ہے وہ متعۂ حج ہے۔

اسی مسلم سے مروی ہے کہ رسول خداؐ اپنی بعض ازواج کے ہمراہ حج میں موجود تھے۔ مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت نے حج وعمرہ کو ایک ساتھ انجام دیا، اس کا مقصود اصلی ذکر شدہ وہی ''حج تمتع'' ہے۔(۱)

۲۔ جواز متعہ کی بات دو صحابی ''عثمان بن عفان اور ابوذر غفاری'' سے منسوب ہے، وہ بھی قابل اعتراض ہے، چنانچہ زاد المعاد میں ہے کہ صحابہ کے ذریعہ جواز متعہ کو مختص کرنے کے متعلق اخبار وروایات مردود ہیں یا ایسی خبر ہے جو باطل ہے اور جس شخص کی جانب سے اس کی نسبت دی گئی ہے، وہ صحیح نہیں ہے یا ایسے غیر معصوم سے خبر صحیح وارد ہوئی ہے جو قانون نافذ کرنے والے معصوم کے نصوص سے معارضہ نہیں کرتا۔(۲)

۱۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج۴، ص۵۶۸، (ج۹، ص۲۰۵)۔

۲۔ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۲۱۳، (ج۱، ص۲۰۷)۔

اسی لئے صحیح مسلم و بخاری میں ان روایات کے علاوہ سریقہ بن مالک سے مروی ہے کہ اس نے کہا: اے رسول خداؐ! حج کے دوران متعہ کرنا صرف اسی سال سے مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟ فرمایا: ہمیشہ کے لئے، ہمیشہ کے لئے۔(۱)

ایک دوسری صحیح روایت میں سریقہ سے مروی ہے: رسول خداؐ نے خطبہ میں فرمایا: جان لو کہ عمرہ، حج میں روز قیامت تک کے لئے داخل ہوگیا۔(۲)

ایک روایت میں ابن عباس سے مروی ہے: تا روز قیامت عمرہ حج میں داخل ہوگیا۔(۳)

ترمذی اس کے بعد لکھتے ہیں: اسی باب میں سریقہ بن مالک اور جابر بن عبداللہ ہیں اور اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ بجالانے پر کوئی اشکال نہیں ہے۔(۴)

اسی بات کی شافعی، احمد اور اسحاق نے تائید کی ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ عہد جاہلیت میں ایام حج میں عمرہ نہیں کرتے تھے جب اسلام جلوہ افروز ہوا تو رسول خداؐ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: **دخلت العمره فی الحج الی یوم القیامة** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حج میں عمرہ بجالانے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۔ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۴۸، (ج ۲، ص ۶۳۴، حدیث ۱۶۹۳، کتاب الحج، باب عمرۃ التنعیم)؛ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۴۶، (ج ۳، ص ۵۴، حدیث ۱۴۱، کتاب الحج)؛ کتاب الآثار قاضی ابو یوسف، ص ۱۲۶؛ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۲۳۰، (ج ۲، ص ۹۹۲، حدیث ۲۹۸۰)؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۳۸۸، ج ۴، ص ۱۷۵، (ج ۳، ص ۳۷۸، حدیث ۱۴۷۴۳، ج ۵، ص ۱۸۷، حدیث ۱۷۱۴۰)؛ سنن ابو داؤد، ج ۲، ص ۲۸۲، (ج ۲، ص ۱۵۵، حدیث ۱۷۸۷)؛ سنن نسائی، ج ۵، ص ۱۷۸، (ج ۲، ص ۳۶۶، حدیث ۳۷۸۹/۳۷۸۷)؛ سنن بیہقی، ج ۵، ص ۱۹۔

۲۔ مسند احمد ج ۴، ص ۱۷۵، (ج ۵، ص ۱۸۶، حدیث ۱۷۱۳۲)؛ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۲۲۹، (ج ۲، ص ۹۹۱، حدیث ۲۹۷۷)؛ سنن بیہقی، ج ۴، ص ۳۵۲۔

۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۵، (ج ۳، ص ۸۳، حدیث ۲۰۳، کتاب الحج)؛ سنن دارمی، ج ۲، ص ۵۱؛ سنن ترمذی، ج ۱، ص ۱۷۵، (ج ۳، ص ۲۷۱، حدیث ۹۳۲)؛ سنن ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۸۳، (ج ۲، ص ۱۵۶، حدیث ۱۷۹۰)؛ سنن نسائی، ج ۵، ص ۱۸۱، (ج ۲، ص ۳۶۸، حدیث ۳۷۹۷)؛ سنن بیہقی، ج ۴، ص ۳۴۴؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۳۰۔

۴۔ سنن ترمذی، ج ۱، ص ۱۷۵، (ج ۳، ص ۲۷۱، حدیث ۹۳۲)۔

ایک صحیح میں خود عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول خداؐ نے فرمایا: جبرئیل امین وادی عقیق میں مجھ پر نازل ہوئے اور کہا: اس مقدس وادی میں دو رکعت نماز ادا کیجئے اور یہ بھی کہا کہ حج میں عمرہ داخل ہے۔ درحقیقت وہیں سے قیامت تک کے لئے عمرہ حج میں داخل ہوگیا۔(۱)

نہیں معلوم کس بات نے خلیفہ کو اتنا جسور اور جرأتمند بنا دیا کہ وہ اس سنت پر دست درازی کے مرتکب ہوئے جس کی خود انہوں نے روایت کی ہے، جبرئیل نے وحی کی ہے اور خود آنحضرت نے اسے بیان فرمایا ہے۔

سندی کا بیان ہے: بلال کی حدیث کا ظاہری مطلب عمر کے ممانعت متعہ کے موافق ہے لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور چونکہ متعہ صحابہ سے مختص نہیں ہے اسی لئے انہوں نے متعہ کو نسخ پر محمول کیا ہے؛ واللہ اعلم۔(۲)

بلال کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متعہ صحابہ سے مختص ہے، احمد کا بیان ہے: یہ شخص مجہول ہے، حدیث بھی ایسی ہے کہ اس کے اسناد معروف نہیں، حدیث بلال میرے نزدیک ثابت نہیں۔

ابن قیم، احمد کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں: احمد کے قول کی صحت اور اس حدیث کی عدم صحت پر جو بات دلالت کرتی ہے وہ آنحضرت کا ارشاد گرامی ہے کہ متعہ ہمیشہ کے لئے ہے، اس بات کے پیش نظر میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی قسم! رسول خداؐ سے مروی بلال کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس نے جھوٹ بکا ہے پھر یہ کہ کس طرح بلال کی روایت کو موثق افراد کی روایات پر مقدم رکھا جائے۔(۳)

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: مجوزین نسخ کہتے ہیں: یہ قول فاسد و باطل ہے، یہ ایسی رائے ہے جس کے بطلان پر کوئی شک وشبہ نہیں اور بے شک اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ یہ اس کا نظریہ ہے جو عثمان، ابوذر، اور عمران بن حصین سے بہتر ہے چنانچہ دو صحیح (۴) میں مذکور ہے:

۱۔ سنن بیہقی، ج۵، ص۱۳؛ صحیح بخاری، (ج۲، ص۵۵۶، حدیث۱۴۶۱)

۲۔ عائشہ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۳۱

۳۔ زاد المعاد ابن قیم، (ج۱، ص۲۰۸/۲۰۷)

۴۔ صحیح بخاری، (ج۲، ص۵۶۹، حدیث۱۴۹۶)؛ صحیح مسلم، (ج۳، ص۷۱، حدیث۱۷۲، کتاب الحج)

بخاری کے الفاظ ہیں: ہم نے رسول خداؐ کے ہمراہ حج تمتع انجام دیا، قرآن مجید میں اس سلسلے میں آیت نازل ہوئی۔ ہاں! ایک شخص نے اپنی خواہش کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔

مسلم کے الفاظ ہیں: کتاب خدا میں آیۂ متعہ نازل ہوئی یعنی متعہ حج اور رسول خداؐ نے اس کا حکم دیا، اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو آیہ متعہ کو منسوخ کرے اور آنحضرت نے بھی اپنی وفات تک اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔ لیکن ایک شخص نے اپنی خواہش کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۱)

ایک روایت میں ہے: روایت میں شخص سے مراد عمر ہیں، عبداللہ ابن عمر ایک شخص کے جواب میں جس نے متعہ کے متعلق سوال کیا اور کہا تھا کہ آپ کے والد نے اس کی ممانعت کی ہے؟، کہا: رسول خداؐ کے حکم کی اطاعت زیادہ مناسب ہے یا میرے والد کی۔

ایک شخص ابن عباس کے پاس اس بات پر مصر تھا کہ ابوبکر وعمر نے اس کا حکم دیا ہے، تو آپ نے کہا: تیرے اوپر جلد ہی آسمان سے پتھر نازل ہوگا، میں کہتا ہوں کہ رسول خداؐ نے حکم دیا ہے اور تو ابوبکر وعمر کی بات کر رہا ہے۔

یہ ہے علماء کا جواب۔ اس کا نہیں جو کہتا ہے کہ عثمان اور ابوذر رسول خداؐ کے بارے میں تم زیادہ جانکار تھے، کیا ابن عباس اور عبداللہ بن عمر نے نہیں کہا کہ ابوبکر وعمر ہم سے زیادہ رسول خداؐ کے سلسلے میں جانکار ہیں۔

اور صحابہ وتابعین میں کوئی ایسا نہیں جو رسول خداؐ سے مروی نص کی مدافعت میں اس جواب سے مطمئن ہو، وہ خدا اور رسولؐ سے واقف تھے، وہ غیر معصوم کی رائے کو معصوم کے قول پر مقدم رکھنے کو عار سمجھتے تھے۔

چنانچہ معصوم کی نص سے یہ بات ثابت ہے کہ متعہ حج روز قیامت تک باقی ہے، حضرت علیؑ، سعد

۱۔ صحیح مسلم، (ج۳، ص۷۰، حدیث ۱۶۶، کتاب الحج)

بن ابی وقاص، ابن عمر، ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیب اور بہت سے تابعین وتبع تابعین کا یہی نظریہ تھا۔

یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ صرف خلیفہ کی ذاتی رائے اور اجتہاد تھا جسے رسول اسلامؐ سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب عمر نے اس کی ممانعت کی تو ابوموسیٰ اشعری نے کہا: اے امیرالمومنین! مناسک حج میں کتنی تبدیلی کردی؟

عمر نے کہا: اگر ہم کتاب خدا پر عمل کریں تو اس میں خدا فرماتا ہے: **اتموا الحج والعمرہ للہ** ''حج وعمرہ کو خدا کے لئے تمام کرو''۔

اگر رسول خداؐ سنت کو پیش نظر رکھیں تو انہوں نے اس وقت تک حلال نہیں کیا جب تک قربانی نہ پیش کی۔ یہ ابوموسیٰ اشعری اور عمر سے صادر ہونے والا اتفاق تھا جس نے حج کو متعہ واحرام سے محفوظ کردیا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ خلیفہ کا مخصوص نظریہ تھا جس نے مناسک حج میں ان چیزوں کا بھی اضافہ کردیا جو رسول خداؐ سے مربوط نہیں۔

اگرچہ انہوں نے اسی بات سے استدلال کیا ہے اور ابوموسیٰ بھی خلافت ابوبکر اور اوائل خلافت عمر میں فسخ حج کا فتویٰ دیتے تھے۔ پھر عمر نے اس کی ممانعت میں بحث ومناظرہ کیا۔(۱)

عینی عمدۃ القاری (۲) میں لکھتے ہیں: اگر تم کہو گے کہ یہ ابوذر سے مروی ہے جنہوں نے کہا کہ متعہ اصحاب محمدؐ سے مخصوص ہے'' (۳) تو میں کہوں گا کہ صحابی کا یہ قول قرآن وسنت اور اجماع کے برخلاف ہے۔ جہاں تک کتاب کا سوال ہے تو خدا فرماتا ہے: ﴿**فمن تمتع بالعمرہ الی الحج**﴾۔

اس آیت میں ایسی عمومیت پائی جاتی ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں نے تمام عہد میں متعہ کے جواز

۱۔ زادالمعاد ابن قیم، ج۱، ص۲۱۵ (ج۱، ص۲۰۹۔۲۰۷)

۲۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص۵۶۲، (ج۹، ص۱۸۹)

۳۔ صحیح مسلم، (ج۳، ص۶۸، حدیث۱۶۰، کتاب الحج)

پر اجماع کیا ہے، ہاں! اس کی فضیلت کے سلسلے میں اختلاف کیا گیا ہے۔

جہاں تک سنت کا سوال ہے تو اس سلسلے میں سراقہ کی حدیث ہی کافی ہے: **المتعة لنا خاصه او هی الی الابد** ''کیا متعہ صرف ہمارے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ فرمایا: سب کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے''۔(۱)

اور صحیح مسلم میں ایک حدیث موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں لوگ تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے، ان کی نظر میں عمرہ عیاشی کے مترادف تھا لیکن رسول خداؐ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے حج کے مہینوں میں عمرہ کو قانونی حیثیت دی ہے اور متعہ کو روز قیامت تک جائز قرار دیا ہے۔

سعید بن میتب نے طاؤس کے حوالے سے متذکرہ روایت نقل کی ہے، اس میں مزید اضافہ ہے کہ جب اسلام جلوہ افروز ہوا تو اس نے لوگوں کو حج کے مہینوں میں عمرہ بجالانے کا حکم دیا۔ اس دن سے روز قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہوگیا اور ابوذر غفاری کی مخالفت حضرت علیؑ، اسود، ابن عباس، ابن عمر، عمران بن حصین اور تمام صحابہ و مسلمین نے کی ہے۔

عمران کا بیان ہے: ہم رسول خداؐ کے ہمراہ حج تمتع انجام دیتے تھے، قرآن مجید میں آیت بھی نازل ہوئی اور آنحضرت نے بھی اس کی ممانعت نہیں فرمائی نیز کوئی ایسی آیت بھی نازل نہیں ہوئی جو اس کو منسوخ کرے، ہاں! ایک شخص نے اپنی خواہش کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔

سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے: ہم نے رسول خداؐ کے عہد میں متعہ انجام دیا جس نے اس کی ممانعت کی وہ خانہ خدا کا منکر تھا، مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔(۲)

اس منکر سے مراد ''معاویہ بن ابی سفیان'' ہے، صحیح مسلم میں موجود ہے۔

لہٰذا خلیفہ کی رائے اور حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کا حکم دینا اس کا سرا عہد جاہلیت سے ملتا ہے، چاہے انہوں نے اس کا ارادہ کیا ہو یا نہیں۔ حالانکہ آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں ایسے افراد تھے جو

۱۔ صحیح مسلم، (ج ۳، ص ۶۱، حدیث ۱۴۷، کتاب الحج)
۲۔ صحیح مسلم، (ج ۳، ص ۱۷، حدیث ۱۷۰، ص ۶۹، حدیث ۱۶۴، کتاب الحج)

حج کے مہینوں میں عمرہ کی انجام دہی کو بہتر نہیں سمجھتے تھے۔

ابن عباس کا بیان ہے: خدا کی قسم! رسول خداؐ ذی الحجہ میں حضرت عائشہ کو اس لئے لے گئے تا کہ اہل شرک کے عقائد کو منقطع کرسکیں۔ ان کا بیان ہے: جاہلی عہد کے لوگ ہی ایسے تھے جو حج کے مہینوں میں عمرہ کو بدترین عیاشی اور روئے زمین پر بدترین شہوت رانی خیال کرتے تھے۔(۱)

۳۔ سعید بن مسیب سے مروی ایک حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ ایک صحابی رسولؐ نے عمر بن خطاب کے پاس آکر گواہی دی کہ جب رسول خداؐ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو انہوں نے حج میں عمرہ کی ممانعت فرمائی۔(۲)

بدرالدین عینی نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا: اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث بھی حدیث ابوذر کی طرح کتاب وسنت اور اجماع کی قطعی مخالف ہے بلکہ اس کی حالت اس سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ اس کے اسناد قابل اعتراض ہیں....(۳)

زرقانی نے جواب دیا ہے کہ اس کے اسناد ضعیف و منقطع ہیں چنانچہ حفاظ نے نقل کیا ہے۔(۴)

اس مجہول انسان کی حدیث میں اس حدیث کا بھی اضافہ کرلیں جسے ابوداؤد نے معاویہ بن ابوسفیان سے نقل کیا ہے کہ اس نے اصحاب رسولؐ سے کہا: جانتے ہو رسول خداؐ نے فلاں فلاں چیز اور چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔ اصحاب نے کہا: ہاں۔

اس نے کہا: اس لئے جان لو کہ حج وعمرہ کو باہم جمع کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔

اصحاب نے کہا: لیکن اسے تم نے نہیں سنا۔ اس نے کہا: آنحضرت نے اس کی ممانعت کی ہے لیکن تم

۱۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۶۹، (ج۲، ص۵۶۷، حدیث ۱۴۸۹)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۵۵، (ج۳، ص۸۱، حدیث ۱۹۸، کتاب الحج)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۳۳۵؛ سنن نسائی، ج۵، ص۱۸۰، (ج۲، ص۳۶۸، حدیث ۳۷۹۵)

۲۔ سنن ابوداؤد، ج۱، ص۲۸۳، (ج۲، ص۱۵۷، حدیث ۱۷۹۳)

۳۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص۵۶۲، (ج۹، ص۱۹۹)

۴۔ شرح الموطا زرقانی، ج۲، ص۱۸۰، (ج۲، ص۲۶۶، حدیث ۷۷۹)۔

اسے فراموش کر گئے ہو۔(۱)

خدایا! تو پاک و پاکیزہ اور ہر عیب سے منزہ ہے، اس ذلیل انسان کو کس چیز نے احکام دین پر دست درازی کی جرأت عطا کی، کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جس حج تمتع کا حکم ہزاروں سالوں پر محیط ہے، ہزاروں لاکھوں انسان نے اسے انجام دیا، قرآن کریم میں آیت نازل ہوئی اور رسول خداؐ اسے انجام دیتے اور اس کا خصوصی حکم فرماتے تھے، پھر اس کی ممانعت کردی؟ اور تمام اصحاب اسے فراموش کر گئے، ان اصحاب میں ایسے بھی تھے جن کی صحبت اور ہمنشینی کی مدت آنحضرتؐ کے ساتھ کافی طولانی تھی لیکن کسی نے لب کشائی نہیں کی سوائے ''معاویہ بن ابی سفیان'' کے۔

اس نے عمر کی زندگی کا کافی عرصہ گذارنے کے بعد رسول خداؐ کی کوئی حدیث بیان نہیں کی، ہاں! جب مسند خلافت پر براجمان ہوا تو اپنے قد سے ان افراد کے نقش قدم کو روندتا ہوا بکواس کرنے لگا جو اس سے کہیں افضل اور بلند و بالا تھے۔

ایسے میں احکام دین کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان احکام و قوانین پر کتنا اطمینان واعتماد حاصل ہوسکتا ہے؟ خدا کی قسم! یہ تمام باتیں صرف اور صرف اسلام کی مقدس شریعت کے ساتھ کھلواڑ ہے، اس کے ذریعہ اپنی خواہشات نفس کی تسکین کی جارہی ہے۔ ایسے افراد کی نظر میں شریعت مقدس اسلام سیاسی بازی گری کے علاوہ کچھ بھی نہیں، جس کو سہارا بنا کر لوگوں پر حکومت کی جارہی ہے۔

ان دونوں حدیث کے ساتھ اس روایت کو بھی شامل کرلیں جسے احمد(۲) نے نقل کیا ہے کہ حج تمتع کی ممانعت کرنے والا پہلا انسان ''معاویہ بن ابی سفیان'' تھا، ابوبکر، عمر اور عثمان تو متعہ انجام دیتے تھے، ایک دوسری روایت ہے: ابوبکر نے اس کی ممانعت کی ہے۔(۳)

۱۔ سنن ابوداؤد، ج۱، ص۲۸۳، (ج۲، ص۱۵۷، حدیث۱۷۹۴)

۲۔ مسند احمد، ج۱، ص۲۹۲۱-۳۱۳ (ج۱، ص۴۸۱، حدیث۲۶۵۹، ص۵۱۵، حدیث۲۸۶۰)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۵۷، (ج۳، ص۱۸۴، حدیث۸۲۲)

۳۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۳۷/۳۵۲، (ج۱، ص۵۵۴، حدیث۳۱۱۱)

معاویہ کی روایت صحاح کی گذشتہ روایتوں کے مخالف ہے اور ابوبکر کی روایت ان میں سے اکثر کے مخالف ہے، میری نظر میں جس نے پہلی روایت کی ہانک لگائی ہے، اس نے ممانعت کو معاویہ کی گردن پر ڈال کر عمر کے گناہ کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے اور جس نے دوسری روایت کا شوشہ چھوڑا ہے اس نے اس رائے کو شیخین (ابوبکر و عمر) کی سنت وروش قرار دینے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کی رائے کی تقویت کر سکے لیکن وہ اس بات سے غافل ہے کہ قرآن وسنت میں ایسا کوئی فتویٰ یا حکم نہیں جو ان کی طرف داری کرے، چاہے کہنے والا کوئی بھی ہو اور جس کا بھی فتویٰ ہو۔

عینی کا بیان ہے: اگر تم کہو گے کہ عمر، عثمان اور معاویہ نے اس کی ممانعت کی ہے تو میں کہوں گا کہ علماء واصحاب نے اس کا انکار کرتے ہوئے ان کے افعال کی مخالفت کی ہے اور منکرین ہی حق پر ہیں نہ ان کے غیر۔ (۱)

احمد و ترمذی کی حدیث میں عثمان کی طرف تمتع کی نسبت دینا درحقیقت ان بہت سی احادیث سے غفلت کا نتیجہ ہے جو تمتع سے عثمان کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں جنہیں ائمہ وحفاظ حدیث نے اپنی صحاح ومسانید میں نقل کیا ہے۔ (۲)

انہیں میں حضرت علیؑ جیسے لوگوں کا حج تمتع کو انجام دینے کے سلسلے میں اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں لوگوں کو ایسے عمل سے منع کردوں جسے تم انجام دے رہے ہو۔

چنانچہ حضرت نے فرمایا: میں ایسا نہیں ہوں کہ کسی کے کہنے پر رسولؐ کی سنت کو ترک کردوں۔ (۳)

۱۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص۵۶۲، (ج۹، ص۱۹۹)

۲۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۶۹/۷۱، (ج۲، ص۵۶۷، حدیث ۱۴۸۸، ص۵۶۹، حدیث ۱۴۹۴)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۴۹، (ج۳، ص۶۸، حدیث ۱۵۸، کتاب الحج)؛ سنن نسائی، ج۵، ص۱۵۲، (ج۲، ص۳۴۸، حدیث ۳۷۱۳)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۱، ص۴۷۲، (ج۱، ص۶۴۵، حدیث ۱۷۳۵)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۲؛ تیسیر الوصول ج۱، ص۲۸۲، (ج۱، ص۳۳۳، حدیث ۱)۔

۳۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۶۹، (ج۲، ص۵۶۷، حدیث ۱۴۸۸)؛ سنن نسائی، ج۵، ص۱۴۸، (ج۲، ص۳۴۵، حدیث ۳۷۰۳)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۳۵۲، ج۵، ص۲۲۔

بخاری (۱) نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: تم ایسے عمل کی ممانعت کا ارادہ رکھتے ہو جسے رسول خداؐ بجالاتے تھے۔ (۲)

ہاں! یہ بات مشہور ہے کہ عثمان اس شخص کی شدت سے مخالفت کرتے تھے جو حج تمتع انجام دیتا تھا چنانچہ یہ مخالفت اتنی شدید تھی کہ قریب تھا کہ حضرت امیر المومنینؑ قتل کردیئے جائیں۔

ابو عمر نے ''العلم'' (۳) عبداللہ بن زبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ میں عثمان کے ہمراہ ایام جحفہ میں موجود تھا۔ ان کے ساتھ شام کے کچھ لوگ بھی تھے، ان میں حبیب بن مسلمہ بھی تھا۔

انہوں نے عثمان سے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا، جواب دیا: حج کو مکمل کرو اور تمتع کو حج کے مہینوں میں انجام دو، اگر تم نے اس عمرہ کو موخر کر کے خانہ خدا کی دو مرتبہ زیارت کی تو یہ زیادہ بہتر ہے، خداوند عالم نے خیر میں وسعت رکھی ہے۔

یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا تم اس سنت رسولؐ پر دست درازی کا ارادہ رکھتے ہو جسے خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے معین فرمایا ہے، تم ان کے لئے میدان عمل تنگ کرنا چاہتے ہو اور اس کی ممانعت کرنا چاہتے ہو حالانکہ وہ بے چارے دور دراز علاقوں سے آکر تہلیل وعمرہ اور حج کے لئے احرام باندھتے ہیں۔ عثمان نے کہا: میں نے اس کی ممانعت کی ہے؟ میں اس کی مخالفت نہیں کررہا ہوں میں نے تو صرف ایک رائے کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کا دل چاہے عمل کرے اور جو عمل نہیں کرنا چاہتا نہ کرے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں اہل شام کی ایک فرد کا بیان فراموش نہیں کرسکتا۔ اس نے کہا: اسے دیکھو، کس طرح امیر المومنین کی مخالفت کررہا ہے، خدا کی قسم! اگر امیر المومنین اجازت دیں تو اس کی گردن اڑادوں گا۔ یہ سن کر حبیب نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور اس کے سینے پر زور سے مار کر کہا: خاموش رہو، خدا

۱۔ صحیح بخاری، (ج۲، ص۵۶۹، حدیث۱۴۹۴)
۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۴۹، (ج۳، ص۶۸، حدیث۱۵۹، کتاب الحج)
۳۔ جامع بیان العلم، ج۲، ص۳۰، (ص۲۲۵، حدیث۱۲۸۲) مختصر جامع بیان العلم، ص۱۱۱، (ص۱۹۸)۔

تیرے منھ کو خاک سے بھر دے، اصحاب رسولؐ ان چیزوں سے زیادہ باخبر اور واقف ہیں جن میں وہ اختلاف نظر رکھتے ہیں۔(۱)

متعۂ نساء (ازدواج موقت)

جہاں تک متعہ کا سوال ہے تو عمر کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ متعہ کو زنا محسوب کرتے تھے۔(۲)
اسی لئے انہوں نے ایک حدیث میں کہا: ''روشن کرو، وضاحت کرو تا کہ زنا نکاح سے جدا ہو سکے''۔
اس وقت اور زمانہ رسولؐ میں نسخ کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی صحابی عینی گواہ تھا، اس سلسلے میں ان کے درمیان جب بھی کوئی بات نکلتی تو حلیت کے قائل افراد قرآن مجید اور رسول خداؐ کی سنت سے استدلال کرتے تھے اور حرمت کے قائل افراد صرف اور صرف عمر کے قول سے تمسک کرتے تھے۔

خود عمر کا قول'' انا انھی عنھما ''واضح طور پر نسخ کی نفی کر رہا ہے، امیر المومنینؑ اور ابن عباس نے بھی واضح طور پر اس کی حرمت کی تردید کرتے ہوئے اس کی حرمت کو صرف عمر سے منسوب کیا ہے(۳)، تمام صحابہ و تابعین اسے حلال سمجھتے تھے اور اسی سے استناد بھی کرتے تھے۔

وہ صحابہ و تابعین مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔عمران بن حصین؛(۴)

۲۔جابر بن عبداللہ؛(۵)

۳۔عبداللہ بن مسعود؛ ان کی حدیث قرأت جلد ہی آئے گی: ﴿فما استعتم به منهن الی رجل﴾

۱۔تفصیل کے لئے رجوع کیجئے زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۲۲۵/ ۱۷۷، (ج۱، ص۲۱۹/ ۱۷۱)

۲۔کنز العمال، ج۸، ص۲۹۴، (ج۱۶، ص۵۲۲، حدیث ۴۵۷۲۶

۳۔تفسیر طبری، ج۵، ص۹، (مجلد۴، ج۵، ص۱۳)؛ تفسیر ثعلبی، سورۂ نساء آیت ۲۴؛ تفسیر کبیر، ج۳، ص۲۰۰، (ج۱۰، ص۵۰)؛ تفسیر ابی حیان، ج۳، ص۲۱۸؛ تفسیر نیشاپوری، (ج۲، ص۳۹۲)؛ درمنثور، ج۲، ص۱۴۰، (ج۲۰، ص۴۸۶)۔

۴۔صحیح مسلم، ج۱، ص۴۷۴، (ج۳، ص۷۱، حدیث ۱۷۲، کتاب الحج)؛ تفسیر قرطبی، ج۲، ص۳۶۵، (ج۲، ص۲۵۸)۔

۵۔عمدۃ القاری، ج۸، ص۳۱۰، (ج۱۷، ص۲۴۶)؛ بدایۃ المجتہد، ج۲، ص۵۸؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۶؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۵، (ج۳، ص۱۹۴، حدیث ۱۷، کتاب النکاح)؛ مسند ابوداؤد طیالسی، ص۲۴۷

ابن حزم نے ''المحلی'' اور زرقانی نے ''شرح موطا'' میں عبداللہ بن مسعود کو ان افراد میں شمار کیا ہے جو جواز متعہ پر ثابت واستوار تھے۔(۱)

حفاظ حدیث نے ان سے نقل کیا ہے کہ ہم رسول خداؐ کے ہمراہ جہاد کر رہے تھے، ہماری عورتیں نہیں تھیں، ہم نے کہا: اے رسول خداؐ! کیا خداوند عالم رختہ وخواجہ کی اجازت دیتا ہے؟ رسول خداؐ نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے ہمیں اجازت دی کہ مدت معین تک لباس ازدواج زیب تن کریں، اس کے بعد فرمایا: ﴿لاتُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ﴾ ''خداوند عالم کی پاک ولذیذ اشیاء کو جنھیں اس نے تم پر حلال کر رکھا ہے حرام نہ کرو''۔(۲)

جصاص نے حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ رسول خداؐ نے جس آیہ مبارکہ کی تلاوت کی اس سے جواز متعہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، وہ خدا کا ارشاد ہے: ﴿....لاتُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ...﴾۔(۳)

ابن کثیر نے اسے بخاری و مسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ پھر عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی تلاوت کی۔(۴)

۴۔عبداللہ بن عمر؛

احمد بن حنبل نے عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے: اعرجی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے بارے میں سوال کیا، میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ ابن عمر نے کہا: خدا کی قسم! ہم رسول خداؐ کے عہد میں

۱۔المحلی، (ج۹،ص۵۱۹، مسئلہ ۱۸۵۴)؛ شرح الموطا زرقانی، (ج۳،ص۱۵۴، حدیث ۱۱۷۸، کتاب النکاح)۔

۲۔صحیح بخاری، ج۸،ص۷، (ج۵،ص۱۹۵۳، حدیث ۴۷۸۷ کتاب النکاح)؛ صحیح مسلم، ج۱،ص۳۵۴، (ج۳،ص۱۹۲، حدیث ۱۱، کتاب النکاح)؛ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، (ج۹،ص۴۴۹، حدیث ۴۱۴۱)؛ احکام القرآن جصاص، ج۲،ص۱۸۴، (ج۲، ص۱۵۱)؛ سنن بیہقی، ج۷،ص۲۰۰؛ تفسیر قرطبی، ج۵،ص۱۳۰، (ج۵،ص۸۶)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۲،ص۸۷؛ درّ منثور، ج۲، ص۳۰۷، (ج۳،ص۱۴۰)

۳۔مائدہ/۸۷

۴۔تفسیر ابن کثیر، ج۲،ص۸۷

زنا کار اور بے عفت نہیں تھے۔(۱)

۵۔معاویہ بن ابی سفیان؛

ابن حزم نے المحلی اور زرقانی سے شرح موطا میں اسے ان افراد میں شمار کیا ہے جو جواز متعہ پر ثابت واستوار تھے۔(۲) اس کے برخلاف بات گذر چکی ہے، اس کی تفصیلی بحث جلد ہی آئے گی۔

۶۔ابوسعید خدری؛(۳)

۷۔سلمہ بن امیہ بن خلف؛(۴)

۸۔معبد بن امیہ بن خلف؛(۵)

۹۔زبیر بن عوام؛

۱۰۔خالد بن مہاجر بن خالد مخزومی؛ وہ کہتے ہیں: میں ایک جگہ بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے متعہ کے سلسلے میں سوال کیا، میں نے اس کو اجازت دے دی، یہ دیکھ کر ابن ابی عمرہ انصاری نے کہا: ذرا آہستہ۔ کہا: کیا ہے، خدا کی قسم! میں نے امام المتقین کے عہد میں متعہ کیا ہے۔(۶)

۱۱۔عمرو بن حریث؛(۷)

۱۲۔ابی بن کعب؛ ان کی قرأت آئے گی۔

۱۳۔ربیعہ بن امیہ؛(۸)

۱۔مسند احمد، ج۲، ص۹۵، (ج۲، ص۲۲۵، حدیث۵۶۶۱)
۲۔المحلی، (ج۹، ص۵۱۹، مسئلہ۱۸۵۴)؛ شرح موطا زرقانی، (ج۳، ص۱۵۴، حدیث۱۱۷۸)
۳۔شرح موطا زرقانی، (ج۳، ص۱۵۴، حدیث۱۱۷۸)()المحلی، (ج۹، ص۵۱۹، مسئلہ۱۸۵۴)
۴۔المحلی، (ج۹، ص۵۱۹، مسئلہ۱۸۵۴)؛ شرح موطا زرقانی، (ج۳، ص۱۵۴، حدیث۱۱۷۸)
۵۔المحلی، (ج۹، ص۵۱۹، مسئلہ۱۸۵۴)
۶۔صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۶، (ج۳، ص۱۹۷، حدیث۲۷، کتاب النکاح)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۵
۷۔کنز العمال، ج۸، ص۲۹۳، (ج۱۶، ص۵۱۸، حدیث۴۵۷۱۲)
۸۔الموطا مالک، ج۲، ص۳۰، (ج۲، ص۵۴۲، حدیث۴۲)؛ کتاب الام شافعی، ج۷، ص۲۱۹، (ج۷، ص۲۳۵)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۶

۱۴۔ سمیر؛ اصابہ میں ہے کہ شاید وہ سمرہ بن جندب ہیں جن کا بیان ہے کہ ہم رسول خداؐ کے عہد میں متعہ کرتے تھے۔(۱)

۱۵۔ سعید بن جبیر؛ (۲)

۱۶۔ طاؤس یمانی؛ (۳)

۱۷۔ عطاء ابو محمد مدنی؛ (۴)

۱۸۔ سدی آمر؛

۱۹۔ مجاہد؛

۲۰۔ زفر بن اوس مدنی؛ (۵)

ابن حزم نے جواز متعہ کے سلسلے میں ثابت قدم ان بعض افراد کو شمار کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جابر نے رسول خداؐ، ابوبکر و عمر اور اواخر خلافت عمر میں تمام صحابہ سے اس کی روایت کی ہے، اس کے بعد وہ کہتے ہیں: اور تابعین میں طاوؤس، سعید بن جبیر، عطاء اور تمام فقہائے مکہ جواز متعہ پر ثابت تھے۔(۶)

ابو عمر صاحب استیعاب کا بیان ہے: مکہ و یمن میں موجود اصحاب، ابن عباس کے نظریہ کے مطابق متعہ کو حلال سمجھتے تھے اور دوسرے تمام لوگ حرام....(۷)

قرطبی کا بیان ہے: اہل مکہ سب سے زیادہ متعہ انجام دیا کرتے تھے۔(۸) فخر الدین رازی کہتے

۱۔ الاصابہ، ج۲، ص۸۱

۲۔ المحلی، (ج۹، ص۵۲۰، مسئلہ۱۸۵۴)

۳۔ المحلی، (ج۹، ص۵۲۰، مسئلہ۱۸۵۴)

۴۔ المحلی، (ج۹، ص۵۲۰، مسئلہ۱۸۵۴)

۵۔ البحر الرائق، ج۳، ص۱۱۵

۶۔ المحلی، (ج۹، ص۵۱۹، مسئلہ۱۸۵۴)

۷۔ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۱۳۳، (ج۵، ص۸۸)؛ فتح الباری، ج۹، ص۱۴۲، (ج۹، ص۱۷۳)

۸۔ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۱۳۲، (ج۵، ص۸۷)

ہیں: آیہ متعہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ منسوخ ہوئی ہے کہ نہیں؟

اکثر امت کا نظریہ ہے کہ وہ منسوخ ہو چکی ہے، اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جواز متعہ اپنی سابقہ حالت پر باقی ہے۔(۱)

ابوحیان اپنی تفسیر میں نقل حدیث کے بعد لکھتے ہیں: اسی لئے اہل بیتؑ اور تابعین کی ایک جماعت اسے حلال سمجھتی ہے۔(۲)

جواز متعہ کے قائل ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز بھی ہیں۔ شافعی کا بیان ہے: ابن جریج نے ستر عورتوں کے ساتھ متعہ کیا۔ ذہبی لکھتے ہیں: ابن جریج نے تقریباً نوے عورتوں کے ساتھ متعہ کیا۔(۳)

مبسوط (۴) میں لکھتے ہیں: متعہ کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی انسان عورت سے کہے: میں اتنی مدت تک مال معین کے عوض تم سے متعہ کرنا چاہتا ہوں، یہ ہمارے نزدیک باطل ہے، مالک بن انس کے نزدیک جائز اور یہی ابن عباس کے قول کا ظاہری مطلب ہے۔

فخرالدین ابومحمد عثمان بن علی زیلعی "تبیان الحقائق فی شرح کنزالدقائق" میں لکھتا ہے کہ مالک نے کہا: نکاح متعہ جائز ہے اس لئے کہ اسے قانونی اور تشریعی حیثیت حاصل ہے اور یہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی چیز نہ آجائے، ابن عباس سے مروی اس کی حلیت کافی شائع و مشہور ہے، اکثر علمائے مکہ نے اس سلسلے میں ان کی پیروی کی ہے، ابن عباس اپنے نظریہ میں خدا کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿...فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ...﴾(۵)

عطا سے منقول ہے کہ میں نے جابر کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہم رسول خداؐ اور ابوبکر کے عہد میں اور اوائل خلافت عمر میں متعہ کرتے تھے، پھر عمر نے لوگوں کو اس سے منع کر دیا، ابی سعید خدری سے اس کی

۱۔ تفسیر کبیر، ج۳، ص۲۰۰، (ج۱۰، ص۴۹)

۲۔ تفسیر البحر المحیط، (ج۳، ص۲۱۸)

۳۔ تہذیب التہذیب، ج۶، ص۴۰۶، (ج۶، ص۳۶۰)؛ میزان الاعتدال، ج۲، ص۱۵۱، (ج۲، ص۶۵۹، نمبر ۵۲۲۷)

۴۔ المبسوط سرخی، (ج۵، ص۱۵۲)

۵۔ نساء/۲۴

روایت ہوئی ہے، تمام شیعہ اس کے جواز و حلیت کے معتقد ہیں۔

قاضی فخر الدین حسن بن منصور فرغانی کی ''فتاوات فرغانی'' قاضی حکین حنفی کی ''خزانۃ الروایات فی فروع حنفیہ''، ''کافی فی فروع حنفیہ''، رکن الدین محمد بن محمود حنفی کی ''عنایہ شرح ہدایۃ'' وغیرہ میں جواز متعہ کی نسبت مالک کی طرف دی گئی ہے۔

زرقانی کی ''شرح موطا'' (۱) سے واضح ہوتا ہے کہ جواز متعہ مالک کے دو قول میں سے ایک ہے۔

ہاں! بعض لوگوں نے اپنی خوش فہمی میں یہ چاہا کہ ممانعت عمر کے لئے کوئی قوی و محکم دلیل گڑھ لیں اسی لئے انہوں نے نسخ آیت کا دعویٰ کیا، ایک مرتبہ قرآن سے اور دوسری مرتبہ سنت سے، لیکن ان کے نظریات باہم متناقض اور ایک دوسرے کے قطعی مخالف تھے، ان میں سے ہر ایک قائل دوسرے کے قول کو مردود قرار دے رہا تھا۔

چنانچہ بعض کہتے ہیں: آیہ متعہ خدا کے اس ارشاد کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے: ﴿یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِن...﴾ ''اے پیغمبر! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں عدت کے حساب سے طلاق دو''۔

بعض (۲) نے بکواس کی: نہیں، آیہ متعہ خدا کے اس ارشاد کے ذریعہ منسوخ ہوئی: ﴿وَالَّذِینَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ☆ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَیْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُومِینَ﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں علاوہ اپنی بیویوں اور اپنے ہاتھوں کی ملکیت کنیزوں کے کہ ان کے معاملہ میں ان پر الزام آنے والا نہیں''۔ (۳)

تیسرے نے شوشہ چھوڑا: آیۂ متعہ میراث کی آیت سے منسوخ ہوئی اس لئے کہ متعہ کے لئے میراث نہیں ہے۔

۱۔ شرح موطا زرقانی، (ج ۳، ص ۱۵۵، حدیث ۱۱۷۸)۔

۲۔ طلاق/۱

۳۔ مومنون/۵، ۶

یہ تمام بغیر دلیل کے صرف دعوے ہیں، کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ یہ آیات اور ان کا ناسخ ہونا صحابہ سے پوشیدہ تھا حالانکہ ان میں جواز متعہ کے ایسے بھی قائلین تھے جن کی معرفت آپ نے اس سے قبل حاصل کی۔

ان باعظمت افراد میں سرفہرست مولائے متقیان حضرت علیؑ بھی تھے جو کتاب خدا کے ایک ایک حرف کے عارف کامل تھے اور حرالی کے بقول: گذشتہ اور آئندہ آنے والے لوگوں میں کتاب خدا کا فہم وادراک حضرت علیؑ کے علم پر منحصر ہے۔

لہٰذا حضرت اور آپ کے شاگرد رشید مفسر قرآن ''ابن عباس'' کے ذہن سے ان آیات کے ناسخ ہونے کی حیثیت کیسے محو ہوگئی، کیسے حلیت متعہ کے قائل ہو کر متعہ کی ممانعت کرنے والے قول پر اپنی توجہ مبذول کرلی؟!

سوال یہ ہے کہ ان آیات سے وابستہ ہونے والے افراد نے ناسخ کو کہاں سے حاصل کرلیا؟ یہ انوکھا علم کہاں سے مل گیا جو نادانی وجہالت کے مساوی ہے؟

اگر یہ بے ربط اور غیر مربوط خواب وخیال صحیح ہوں اور ابن عباس نے بعض روایتوں کی بنا پر نسخ کی روایت کی ہے جیسا کہ ان کی طرف نسبت دی گئی ہے، (۱) اس کے باوجود بھی جواز متعہ کے معتقد رہ کر اپنی عمر کے آخری ایام تک اس کو بیان کرتے رہے اور اس سلسلہ میں امت مسلمہ بھی ان کی پیروی کرتی رہی، یہ مصیبت بالائے مصیبت ہے اور خدانخواستہ اگر ابن عباس کی روش زندگی اور سیرت یہی تھی تو پھر دین وشریعت کی دوسری امانتوں کا کیا ہوگا (کیوں کہ وہ حبر امت اور ترجمان قرآن کہے جاتے ہیں)۔

بنابراین خداوند عالم نے پہلی آیت ﴿يَـاأَيُّهَـا النَّبِـيُّ إِذَا طَلَّـقْتُـمُ النِّسَـاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِن﴾ سے طلاق کے ذریعہ صرف اور صرف جدائی کا ارادہ کیا ہے نہ مطلق جدائی کا، اگر ایسا نہ ہوتا تو

۱۔ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۱۷۸، (ج۲، ص۱۴۷)؛ سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۶۔

ملک یمین کو ضرور شامل ہوتا اور اسے بھی منسوخ کرتا، حالانکہ کسی نے بھی ایسا نظریہ پیش نہیں کیا ہے اور کسی نے بھی ملک یمین کو زنا اور عیاشی میں محسوب نہیں کیا ہے۔

جہاں تک دوسری آیت ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُون﴾ کا سوال ہے تو اس کے ذریعہ سے متعہ میں عدم زوجیت کا قول، قطعی بے بنیاد دعوی ہے اس لئے کہ جواز متعہ کے قائل کا کہنا ہے کہ متعہ اور نکاح موقت بھی زناشوئی اور زوجیت ہے۔

چنانچہ قرطبی لکھتے ہیں: عنقریب آئے گا کہ گذشتہ اور آئندہ کسی بھی فقیہ و عالم نے اس سلسلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے کہ متعہ نکاح موقت ہے، اس میں میراث نہیں ہے۔(۱)

قاضی کہتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ متعہ متعینہ مدت کی شادی ہے، اس میں میراث نہیں ہے لہٰذا اس آیت کے اطلاق سے متعہ کے جواز کا استدلال کرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آیۂ متعہ کے نسخ کے سلسلہ میں اس سے تمسک کیا جائے۔

پھر اس آیت کے ذریعہ قول نسخ کی نسبت ابن عباس کی جانب دی گئی ہے لیکن جواز متعہ کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نسخ کا نظریہ قطعی غیر معتبر ہے۔

ابن بطال کہتے ہیں: اہل مکہ اور یمن نے ابن عباس سے جواز متعہ کی روایت کی ہے اور انہیں سے ضعیف سندوں کے ذریعہ متذکرہ نظریہ کی بھی روایت کی گئی ہے لیکن ان سے جواز متعہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔(۲)

جہاں تک آیۂ میراث کا سوال ہے تو اس سے استدلال کرنا عقل و خرد سے قطعی بعید ہے اس لئے کہ رسول خداؐ کی حدیثیں متعہ اور نکاح موقت کی نفی کر رہی ہیں لیکن نکاح اور زوجیت کا عنوان پھر بھی برقرار ہے بالکل اسی طرح جیسے ایک فرزند اپنے باپ کو مار دے یا کافر ہو جائے تو اس سے میراث کی نفی ہو جاتی ہے، اسے میراث نہیں دیا جاتا لیکن وہ اصل فرزندی سے خارج نہیں ہوتا ہے۔

۱۔تفسیر قرطبی، (ج۵ص۸۷)

۲۔فتح الباری، ج۹ص۱۴۲، (ج۹ص۱۷۳)

سنت کے ذریعہ نسخ:

جہاں تک سنت کے ذریعہ آیہ متعہ کے نسخ کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں بے شمار اقوال ہیں اور عقاید ونظریات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، ایسا حیرت انگیز اور خوف ناک اختلاف جو ایک دوسرے سے قطعی مناسبت نہیں رکھتے۔

اختلاف وتناقض کے سنگلاخ وادی میں قارئین کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اس بات پر غور وفکر کریں کہ یہ اختلافات ان بہت سی جعلی اور جھوٹی روایتوں کا ماحصل ہیں جنہیں ان روایتوں کے مدمقابل جعل کیا گیا ہے جنہیں ثابت سنت اور صحیح تاریخ نے اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے۔ان جعلساز، جھوٹے اور خائن روایوں نے اپنے دوسرے بھائیوں سے غافل اپنی فکر کے مطابق نسخ کی بات گڑھ رکھی ہے۔

لیجئے یہ چند اقوال ملاحظہ فرمایئے:

۱۔صدر اول اسلام میں متعہ جائز تھا، رسول خداؑ نے خیبر کے دن اس سے منع کر دیا۔

۲۔یہ صرف ضرورت کے پیش نظر مباح وجائز تھا پھر حجۃ الواع کے سال کے آخر میں حرام ہو گیا (حازمی)۔

۳۔ناسخ کی کوئی ضرورت نہیں ہے صرف تین دن تک مباح تھا پھر تین دن ختم ہوتے ہی اس کا جواز بھی ختم ہو گیا۔

۴۔مباح تھا لیکن غزوہ تبوک میں اس کی ممانعت کر دی گئی۔

۵۔اوطاس کے سال میں مباح تھا پھر اس سے منع کر دیا گیا۔

۶۔حجۃ الوداع میں مباح تھا اس کے بعد حرام کر دیا گیا۔

۷۔فتح مکہ کے سال مباح تھا پھر اسے حرام قرار دے دیا گیا۔

۸۔فتح مکہ کے دن جائز ہوا پھر اسی دن اسے حرام کر دیا گیا۔

۹۔عمرۃ القضا کے علاوہ کسی موقع پر حلال نہیں ہوا۔

۱۰۔ ’’متعہ‘‘ زنا اور عیاشی ہے، یہ اسلام میں کبھی جائز تھا ہی نہیں (نحاسی کہتا ہے)۔

۱۱۔ جائز تھا لیکن خیبر میں اس کی ممانعت کردی گئی پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کی اجازت دی گئی پھر تین دن کے بعد حرام کردیا گیا۔

۱۲۔ صدر اول اسلام میں مباح ہوا پھر خیبر کے دن حرام ہوگیا، اس کے بعد غزوہ اوطاس میں حلال ہوا اس کے بعد حرام۔

۱۳۔ صدر اول اسلام، سال اوطاس، روز فتح مکہ اور عمرۃ القضا میں حلال ہوا اور روز خیبر، غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع میں حرام قرار دے دیا گیا۔

۱۴۔ تین مرتبہ مباح اور تین مرتبہ حرام ہوا۔

۱۵۔ سات مرتبہ مباح اور سات مرتبہ منسوخ ہوا:

۱۔ خیبر ۲۔ حنین ۳۔ عمرۃ القضاء ۴۔ سال فتح مکہ

۵۔ سال اوطاس ۶۔ غزوہ تبوک ۷۔ حجۃ الوداع (۱)۔

ان عقل کے ماروں کے نظریات کی صحیح معرفت کا ارادہ ہے تو پہلے قول کو میزان آگاہی پر رکھیں جس کی پانچ ائمہ نے اپنی کتاب صحیح اور دوسرے حفاظ نے مسانید میں روایت کی ہے اور آخر میں اس کی سند کو حضرت علیؑ پر ختم کیا ہے۔ (۲)

۱۔ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۱۸۲، (ج۲، ص۱۵۰)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۴، (ج۳، ص۱۹۹۔۱۹۴، حدیث۳۲۔۱۸، کتاب النکاح)؛ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۴۴۳، (ج۲، ص۱۸۳)؛ فتح الباری، ج۹، ص۱۳۸، (ج۹، ص۱۶۹)؛ ارشاد الباری، ج۸، ص۴۱، (ج۱۱، ص۴۵۷)؛ شرح صحیح مسلم نووی مطبوع بر حاشیہ ارشاد الباری، ج۶، ص۱۳۰۔۱۲۴، (ج۹، ص۱۸۹۔۱۷۹)؛ شرح موطا زرقانی، ج۲، ص۲۴، (ج۳، ص۱۵۳، حدیث۱۱۷۸)

۲۔ صحیح بخاری، ج۸، ص۲۳، (ج۵، ص۱۹۶۶، حدیث۴۸۲۵)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۷، (ج۳، ص۱۹۹۔۱۹۸، حدیث ۳۲۔۲۹، کتاب النکاح)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۶۰۴، (ج۱، ص۶۳۰، حدیث۱۹۶۳۔۱۹۶۱)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۱۴۰؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۲۰۹، (ج۳، ص۴۲۹، حدیث۱۱۲۱/ ۱۱۲۲)؛ سنن نسائی، ج۶، ص۱۲۶، (ج۳، ص۳۲۸، حدیث ۵۵۴۹۔۵۵۴۷)

آپ اس سلسلہ میں لوگوں کی باتیں ملاحظہ فرمایئے:

ایک نے ہانک لگائی: خیبر کے دن متعہ کی تحریم صحیح ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔(۱)

دوسرے نے کہا: تاریخ نگاروں اور روایوں میں سے کوئی نہیں جو خیبر کے دن حرمت متعہ سے واقف ہو۔(۲)

تیسرے نے کہا: یہ قطعی جھوٹ اور بکواس ہے، جنگ خیبر میں عورتوں سے متعہ نہیں کیا گیا۔(۳)

چوتھے صاحب بولے: صحیح حدیث یہ ہے کہ اس دن گدھوں کے گوشت کی ممانعت کی گئی تھی نہ کہ متعہ اور نکاح موقت کی۔ لیکن بعض راویوں نے متعہ کو حرام کردیا۔(۴)

یہ لچر خیال شافعی جیسے اہل سنت کے عظیم علماء سے کیسے مخفی رہ گیا، چنانچہ وہ معتقد ہیں کہ متعہ خیبر کے دن حرام ہوا۔(۵) اور مسلم سے کیسے پوشیدہ رہ گیا جنہوں نے اپنی صحیح میں مختلف الفاظ کے ذریعہ اسے نقل کیا ہے۔

ایک جگہ لکھا: خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کی ممانعت کی گئی ہے۔ دوسری جگہ کہا: روز خیبر میں نکاح متعہ سے منع کیا گیا۔ تیسری عبارت ہے: خیبر کے دن منع کیا گیا۔ ان کی چوتھی تعبیر ہے: رسول خداؐ نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کی ممانعت فرمائی۔(۶)

پانچویں صاحب نے آکر تمام اقوال کی تضعیف کرتے ہوئے کہا: صحیح حدیث خیبر اور فتح مکہ پر دلالت کرتی ہے اور خیبر کے سلسلے میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔(۷)

۱۔ شرح موطا زرقانی، ج ۲، ص ۲۴، (ج ۳، ص ۱۵۲، حدیث ۱۱۷۸)

۲۔ الروض الانف، ج ۲، ص ۲۳۸، (ج ۶، ص ۵۵۷)۔

۳۔ شرح المواهب زرقانی، ج ۲، ص ۲۳۹؛ شرح الموطا زرقانی، ج ۳، ص ۲۴، (ج ۳، ص ۱۵۲، حدیث ۱۱۷۸)

۴۔ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۲۰۱؛ زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۴۳، (ج ۲، ص ۱۸۴)

۵۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۴۲، (ج ۲، ص ۱۸۲)

۶۔ تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۱۰۲، (نمبر ۳۱۴۷)، ج ۸، ص ۴۶۱، (۴۵۷۷)

۷۔ شرح الموطا زرقانی، ج ۲، ص ۲۴، (ج ۳، ص ۱۵۲، حدیث ۱۱۷۸)

یہ ہے صحیح ترین روایتوں کی حالت۔ جنہیں ائمہ حدیث نے متعہ کی ممانعت میں نقل کیا ہے، بقیہ مسانید میں اقوال کی حالت تو اس بھی گئی گذری ہے۔

ان تمام باتوں سے زیادہ شرمناک بیسویں صدی کے صاحب الوشیعہ ''موسیٰ جار اللہ'' کی بکواس ہے اس لئے کہ اس نے ایسی عظیم مصیبت اور بدبختی کا دہانہ کھولا ہے جس کے سامنے گذشتہ صدیوں میں کتاب سنت کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے تمام لوگوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں، وہ تو ان کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں، اس نے گذشتہ افراد کے نظریات کے برخلاف ایسا نظریہ پیش کیا ہے جس کا اسلامی اصول اور قرآن وسنت میں کوئی اتہ پتہ نہیں۔

چنانچہ وہ بکواس کرتا ہے: متعہ کے سلسلہ میں امت مسلمہ کے درمیان بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں، میری نظر میں متعہ عہد جاہلیت کی رسم ہے، اس بات کا امکان ہے کہ صدر اسلام کے بعض افراد نے اسے انجام دیا ہو اور ممکن ہے شارع مقدس نے چند سالوں تک اسے بعض لوگوں کے لئے مقرر کر دیا ہو، لیکن یہ گذری ہوئی بات ہے۔

بے شک یہ شدید ترین حرمت کے طور پر نازل ہوئی ہے اور آیت کے نزول سے پہلے جو کچھ ہوا اسے مستثنیٰ کیا ہے(۱)، متعہ ایک تاریخی مسئلہ تھا، اسے شارع کی طرف سے کوئی شرعی حکم کی حیثیت حاصل

۱۔ سورہ نساء/۲۲،۲۳ میں ہے: ﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ☆ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾

اور خبردار جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے ان سے نکاح نہ کرنا مگر وہ جواب تک ہو چکا ہے، یہ کھلی ہوئی برائی اور پروردگار کا غضب اور بدترین راستہ ہے، تمہارے اوپر تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں، تمہاری پروردہ عورتیں جو تمہاری آغوش میں ہیں اور ان عورتوں کی اولاد، جن سے تم نے دخول کیا ہے ہاں اگر دخول نہیں کیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور تمہارے فرزندوں کی بیویاں جو فرزند تمہارے صلب سے ہیں اور دو بہنوں کا ایک ساتھ جمع کرنا سب حرام کر دیا گیا ہے علاوہ اس کے جو اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

نہیں ہے، اگر کوئی اس بات کا دعوی کرے کہ یہ شارع کی طرف سے حلال تھا اور وہ اس کا اقرار کرے تو کرتا رہے، ہمیں اس کا کوئی ڈر نہیں، ہم اس کی تردید میں کوئی بات بھی نہیں کہیں گے۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا قرآن کی روشنی میں متعہ ثابت ہے یا نہیں؟!

شیعہ کتابوں میں اس بات کا دعوی کیا گیا ہے کہ آیہ مُبارکہ: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُن... ﴾ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

میرے خیال میں اس آیہ مبارکہ کی عربیت اور ادب بیان اس بات کی ممانعت کر رہی ہے کہ متذکرہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہوگی اس لئے کہ ایسی صورت میں جملہ کی ترکیب بے ربط اور اس مفید آیت کی نظم و ترتیب میں خلل واقع ہو جائے گا۔(۱)

جہاں تک متعہ یا نکاح موقت کا سوال ہے تو اس کے متعلق قرآن میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہے اور اسی اہم مفہوم کو روشن کرنے کے لئے اس باب کو ترتیب دیا گیا ہے تا کہ اس بات کا دفاع کیا جا سکے جو شیعوں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ آیہ مُبارکہ: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُن.... ﴾ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(۲)

اسلامی شریعت میں متعہ کبھی مباح تھا ہی نہیں اور اس کی تنسیخ شرعی تنسیخ نہیں تھی بلکہ ابدی تحریم کے ذریعہ جاہلی حکم کو منسوخ کیا گیا ہے۔(۳)

متعہ کی روایت ان عجیب وغریب روایتوں میں سے ہے جسے اصحاب کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے نیز تابعین کی ایک جماعت مثلاً طاؤس، عطاء، سعید بن جبیر اور مکہ کے بعض فقہاء نے بیان کیا ہے۔

حاکم نے امام اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ اہل حجاز کے درمیان پانچ چیزیں رائج تھیں جن کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، انہیں میں متعہ بھی ہے۔(۴)

۱۔ سورہ ص ۳۲/۔

۲۔ سورہ ص ۱۲۱/۔

۳۔ سورہ ص ۱۳۲/۔

۴۔ سورہ ص ۱۳۲/

وہ بکواس کرتا ہے: فقیہ مکہ ''ابن جریج'' نے متعہ کے جواز میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اس نے ستر عورتوں کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے کہا: ان سے شادی نہ کرو، اس لئے کہ وہ تمہاری مائیں ہیں۔

ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں ابن جریج سے متعہ کے سلسلہ میں اسراف کی روایت کی ہے، چنانچہ اس نے بصرہ میں ابوعوانہ سے کہا: گواہ رہنا میں متعہ سے منحرف ہوگیا ہوں۔

اس نے ستر حدیثوں کی روایت کرنے کے بعد کہا کہ متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابوعوانہ کو شاہد بنایا اور جب متعہ سے پیٹ بھر گیا اور اس کام کی انجام دہی سے عاجز رہا تو بولا: میں واپس ہوا''۔

یہ بات بعید از عقل ہے کہ ایک بندۂ مومن قرآن وسنت سے واقف ہو، اس کی اعجازی شان پر ایمان رکھتا ہو اور اس کی نظم وترتیب کو بہتر طور پر سمجھتا ہو، اس کے باوجود بھی کہے کہ آیۂ مبارکہ: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُن.. ﴾ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو وہ قطعی احمق اور جاہل ہے، جو صرف دعوی کرتا ہے اس میں غور وفکر نہیں کرتا۔(۱)

شیعہ کتابوں میں باقرؑ وصادقؑ کی حدیث ہے کہ آیۂ مبارکہ: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُن.. ﴾ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ دونوں احتمال میں سے بہتر احتمال یہ ہے کہ اس کی سند جعلی ہے، ورنہ پھر باقرؑ وصادقؑ ہی جاہل ہیں۔(۲)

کسی غیر شیعہ کتاب میں یہ نہیں کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تحریم متعہ پر امت کا اجماع ہے اور کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُن.. ﴾ منسوخ ہو چکی ہے۔(۳)

اسلامی حکومت نے دینی شرافت اور دنیاوی صلاح کے لئے امت کے فقہاء سے ہدایت لی ہے،

۱۔ سورہ ص ۱۴۹/

۲۔ سورہ ص ۱۶۹/

۳۔ سورہ ص ۱۶۶/

چنانچہ ایرانی حکومت نے کئی مرتبہ متعہ کو باطل کیا، آج ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ایران کے بادشاہ نے متعہ کو منسوخ کر دیا ہے، بالکل منسوخ۔(۱)

جواب:

متذکرہ جملوں کو ''الوشیعہ'' کے ان اوراق سے تحریر کیا گیا ہے جسے اس ذلیل، احمق اور بکواسی نے متعہ کے بارے میں سیاہ کر رکھا ہے، یہ اوراق، دین وعفت اور کلام واجماع کے ادب سے قطعی دور ہیں، اسلامی قوانین اور ان جملوں میں زمین وآسمان کا فاصلہ ہے لہٰذا اسلام کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔(۲)

متعہ کے سلسلے میں مزید بحث وگفتگو کی قطعی ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہمارے علماء ومحققین بالخصوص علماء متاخرین نے اس سلسلے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔(۳) اس کے بعد بھی اس ذلیل اور بکواس نے اپنی شرمناک باتوں کے ذریعہ ان پر حملہ کرنا چاہا ہے لیکن اس سے ہماری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ہمارے لئے تو اہم یہ ہے کہ اس ذلیل کی جھوٹی باتوں، قرآن اور اہل قرآن کے علوم پر کی گئی عظیم جنایتوں اور رامت کے لئے ثابت حقایق ومعارف کے سلسلے میں اس کی بہتان تراشیوں کے متعلق محقق کے ادراکات واحساسات کو بیدار کریں۔

یہ شخص قرآن وسنت سے بھرپور جہالت ونادانی کے باوجود خود کو اسلام کا ایک فقیہ ودانشور سمجھتا ہے لہٰذا ایسے اسلام پر سلام (جس میں موسیٰ جار اللہ جیسا فقیہ موجود ہو)۔

۱۔ص/۱۸۵

۲۔خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما﴾ فرقان/۶۳

۳۔مثلاً آقای عبد الحسین شرف الدین، آقای سید محسن امین، استاد محترم محمد حسین کاشف الغطاء، اور استاد توفیق فلکی نے متعہ کے سلسلے میں مستقل کتابیں تالیف کی ہیں اور حق مطلب کو ادا کیا ہے۔

متعہ قرآن کی روشنی میں

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

''پس جو بھی ان عورتوں سے متعہ کرے، ان کی اجرت انہیں بطور فریضہ دیدے اور فریضہ کے بعد آپس میں رضامندی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، بے شک اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی''۔(۱)

صاحب الوشیعہ ''موسیٰ'' کا خیال خام ہے کہ متذکرہ آیت کے سلسلے میں صرف شیعوں کے اقوال ہیں، ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں متعہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ہے اور اس کا قائل جاہل واحمق ہے، لہٰذا یہاں اسی کے مذہب کی کتابوں سے کچھ باتیں نقل کی جارہی ہیں تاکہ قارئین اس بات سے آگاہ ہو جائیں کہ اس احمق، ذلیل اور بدزبان کی باتیں قطعی لغو اور بیکار ہیں۔

۱۔امام احمد بن حنبل نے قابل اعتماد رجال کی سند سے عمران بن حصین سے نقل کیا ہے: قرآن مجید میں آیۂ متعہ نازل ہوئی ہے، ہم رسول خداؐ کے عہد میں اس پر عمل کرتے تھے، اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو اس کو منسوخ کرے اور رسول خداؐ نے اپنی وفات تک اس کی ممانعت نہیں فرمائی ہے۔(۲)

گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ مفسرین متعہ کی آیت کے سلسلے میں اسی روایت کا تذکرہ کرتے ہیں اور عمران بن حصین کو ان افراد میں شمار کیا ہے جو جواز متعہ پر ثابت واستوار تھے۔(۳)

۲۔ابو جعفر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی سند سے ابی نضرہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابن عباس سے متعہ کے بارے میں سوال کیا۔انہوں نے کہا: کیا تم نے سورہ نساء کی تلاوت نہیں کی؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، میں نے تلاوت کی ہے۔

۱۔نساء/۲۴

۲۔مسند احمد، ج۴، ص۴۳۶، (ج۵، ص۶۰۳، حدیث ۱۹۳۰۶)۔

۳۔تفسیر ثعلبی، ذیل تفسیر سورۂ نساء، آیت ۲۴؛ تفسیر کبیر، ج۳، ص۲۰۰/۲۰۲، (ج۱۰، ص۴۹/۵۳)؛ تفسیر ابی حیان، ج۳، ص۲۱۸؛ تفسیر نیشاپوری، (ج۲، ص۳۹۲)۔

ابن عباس نے کہا: اس کی آیت ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ الی اجل مسمیً﴾ کی تلاوت نہیں کی؟ میں نے کہا: اگر میں اس طرح تلاوت کرتا تو آپ سے سوال نہ کرتا۔ انہوں نے کہا: بے شک یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔(۱)

ایک حدیث میں ہے: ابن عباس نے تین مرتبہ قسم کھا کر کہا: خدا نے اسی طرح نازل فرمایا ہے۔

قتادہ سے ابی بن کعب کی قرائت منقول ہے: ﴿فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی﴾۔

اس نے شعبہ سے حکم کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ آیا یہ منسوخ ہوئی ہے؟ جواب دیا: نہیں۔

عمر بن مرہ سے مروی ہے: اس نے سعید بن جبیر کو پڑھتے ہوئے سنا: ﴿فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی﴾ مجاہد سے منقول ہے کہ بے شک یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ابو ثابت سے منقول ہے کہ ابن عباس نے ایک قرآن دیا جس میں موجود تھا: ﴿فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی﴾

۳۔ ابو جعفر جصاص حنفی (متوفی ۳۷۰ھ) نے ابن عباس اور ابی بن کعب کی حدیث نقل کر کے ابن جریج، عطاء خراسانی اور ابن عباس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ متعہ کی آیت، آیہ مبارکہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے۔(۲)

اگر یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی تھی تو پھر کیسے منسوخ ہو گئی؟ ہم نے اس سے قبل نسخ کے قول کو باطل قرار دیا ہے۔

۴۔ حافظ ابوبکر بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے محمد بن کعب، انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ صدر اسلام میں متعہ رائج تھا اور لوگ متذکرہ آیت کی اس طرح تلاوت کرتے تھے: ﴿فما استمتعتم به

۱۔ تفسیر طبری، ج ۵، ص ۹، (مجلد ۴، ج ۵، ص ۱۳۔۱۲)۔

۲۔ احکام القرآن جصاص، ج ۲، ص ۱۷۸، (ج ۲، ص ۱۴۷)۔

منهن الی اجل مسمی ﴾۔(۱)

۵۔حافظ ابو محمد شافعی (متوفی ۵۱۰ھ) نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: حسن ومجاہد کہتے ہیں کہ متذکرہ آیت نکاح کے بارے میں صحیح ہے، دوسرے کہتے ہیں کہ وہ نکاح متعہ ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ تمام اہل علم اس بات کے معتقد ہیں کہ نکاح متعہ حرام ہے، متذکرہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اور ابن عباس معتقد ہیں کہ یہ آیت محکم ہے، انہوں نے متعہ کی اجازت دے رکھی ہے۔(۲)

۶۔ابوالقاسم جاراللہ زمخشری معتزلی (متوفی ۵۳۸ھ) کا بیان ہے کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور متعہ کی حلیت باقی ہے، یہ منسوخ نہیں ہوئی ہے، وہ اس آیت کی تلاوت اس طرح کرتے تھے: ﴿فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی﴾.(۳)

۷۔قاضی ابوبکر اندلسی (متوفی ۵۴۲ھ) کہتے ہیں: آیت کے سلسلے میں دو اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس کے ذریعہ سے مکمل طور سے متعہ کا ارادہ کیا گیا ہے چنانچہ حسن ومجاہد کا یہی کہنا ہے، ابن عباس کی دو روایتوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد ایک معین مدت تک عورتوں سے نکاح ہے یعنی متعہ نساء، اس کی روایت ابن عباس، حبیب بن ابی ثابت اور ابی بن کعب نے کی ہے۔(۴)

۸۔ابوبکر یحی بن سعدون قرطبی (متوفی ۵۶۷ھ) لکھتے ہیں: جمہور کا بیان ہے کہ اس سے مراد متعہ ہے جو صدر اسلام میں رائج تھا اور ابن عباس، ابی بن کعب اور سعید بن جبیر نے ﴿فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی﴾ پڑھا ہے۔

۱۔سنن بیہقی، ج۷، ص۲۰۵

۲۔تفسیر بغوی مطبوع بر حاشیہ تفسیر خازن، ج۱، ص۴۲۳، (ج۱، ص۴۱۳)

۳۔تفسیر الکشاف، ج۱، ص۳۶۰، (ج۱، ص۴۹۸)۔

۴۔احکام القرآن بصاص، ج۱، ص۱۶۲

وہ لکھتے ہیں: جس شخص نے عورت کے ساتھ متعہ کیا ہے اس کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے: مالک کی دوسری روایت ہے کہ اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ نکاح متعہ حرام نہیں ہے لیکن ہمارے علماء دوسری بات کہتے ہیں جو انتہائی عجیب وغریب ہے۔ مالک کا قول عجیب وغریب لگتا ہے ،انہوں نے دوسروں کو چھوڑ تنہا ہی اس کا فتوی دیدیا اور وہ یہ ہے کہ جس چیز کو سنت نے حرام قرار دیا ہے کیا وہ اسی کے مانند ہے جس کی قرآن نے تحریم کی ہے یا نہیں؟ للہذا مالک کی یہ روایت بعض روایتوں سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے، یہ دونوں یکساں نہیں ہیں بلکہ یہ ضعیف ہے۔(۱)

ابوبکر طرسوی کا بیان ہے: عمران بن حصین، ابن عباس اور اہل بیتؑ کے کچھ اصحاب کے علاوہ کسی نے متعہ کی اجازت نہیں دی ہے۔ ابن عباس کے قول کے متعلق شاعر کہتا ہے:

اقول مرکب زوطال اشعراء بنا — یا صالح هل لک من ابن عباس

فی بضبه رخصه الاطراف ناعمه — تکون مثواک حتی مرجع الناس

''میں نے مسافر سے اس وقت کہا جب ہمارے لئے منزل سفر طویل ہوگئی۔ اے میرے رفیق ودوست!! کیا نرم ونازک اور گداز بدن عورتوں کے ساتھ متعہ کے سلسلے میں ابن عباس کا فتوی تمہارے لئے کافی نہیں کہ تم ان کی قیام گاہوں میں موجود رہو اور پھر لوگ رجوع کریں''۔

تمام صحابہ وتابعین کا نظریہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔(۲)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ متعہ کے بارے میں آیت کے متعلق صحابہ وتابعین کا نظریہ کیا ہے؟، ہاں! قرطبی نے ان سے نسخ کی بات بھی منسوب کی ہے لیکن آپ نے حق وحقیقت کی شناخت حاصل کرلی ہے۔

۹۔ ابوعبداللہ فخر الدین رازی شافعی (متوفی ۶۰۶ھ) نے اپنی تفسیر میں متذکرہ آیت کے متعلق دو اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک قول اکثر علماء کا ہے۔

۱۔ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۱۳۰، (ج۵، ص۸۸)

۲۔ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۱۳۳، (ج۵، ص۸۹)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں متعہ کا حکم دیا گیا ہے۔ متعہ یہ ہے کہ ایک شخص عورت کو مال معلوم کے ذریعہ معین مدت تک اجیر بنائے پھر اس کے ساتھ جماع و آمیزش کرے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ یہ صدر اول اسلام میں رائج تھا اور اختلاف اس بات پر ہے کہ وہ منسوخ ہوا ہے یا نہیں؟

اکثر علماء کا نظریہ ہے کہ وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ بقیہ افراد کہتے ہیں کہ وہ جس طرح حلال تھا اسی طرح حلال ہے، یہی ابن عباس اور عمران بن حصین کا قول ہے۔ لیکن ابن عباس سے تین روایتیں مروی ہیں۔ پھر وہ روایتیں نقل کر کے لکھتے ہیں: جہاں تک عمران بن حصین کا سوال ہے تو وہ کہتا ہے کہ قرآن میں متعہ کی آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو اسے منسوخ کرے، رسول خداؐ نے بھی ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور ہم نے متعہ انجام دیا، آنحضرت نے اپنی وفات تک اس کی ممانعت نہیں فرمائی پھر ایک شخص نے اپنی خواہش کے مطابق جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔(۱)

دوسری جگہ ابی بن کعب اور ابن عباس کی قرأت نقل کر کے لکھتے ہیں: بے شک ابی اور ابن عباس کی قرأت کا ثبوت بھی فرض کر لیا جائے پھر بھی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ متعہ کو قانونی حیثیت حاصل ہے، ہمیں اس سلسلے میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، ہاں! ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔(۲)

۱۰۔ حافظ ابوزکریا نووی شافعی (متوفی ۶۷۶ھ) نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے ﴿فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی﴾ قرأت کی ہے۔(۳)

۱۱۔ قاضی ابوالخیر بیضاوی شافعی (متوفی ۶۸۵ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت اسی متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو فتح مکہ کے موقع پر تین روز تک مباح تھا پھر آیت منسوخ ہو گئی

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۲۰۰/۲۰۱، (ج ۱۰، ص ۴۹/۵۱/۵۳)

۲۔ تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۲۰۰/۲۰۱، (ج ۱۰، ص ۴۹/۵۱/۵۳)

۳۔ شرح صحیح مسلم نووی، ج ۹، ص ۱۸۱، (ج ۹، ص ۱۷۹)

چنانچہ آنحضرت نے اسے مباح کیا پھر دوسری صبح کو فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں کے ساتھ متعہ کا حکم دیا تھا، جان لو کہ خداوند عالم نے روز قیامت تک اسے حرام قرار دے دیا ہے۔(۱)

۱۲۔ علاء الدین بغدادی متوفی ۷۴۱ھ کہتا ہے: ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ آیت حکم متعہ سے مربوط ہے، متعہ یہ ہے کہ انسان عورت کے ساتھ مدت معلوم تک کے لئے معین چیز کے عوض شادی کرے اور جب وہ مدت پوری ہو جائے تو وہ عورت مرد سے بغیر طلاق کے جدا ہو جاتی ہے، ان کے درمیان کوئی میراث نہیں ہے، یہ صدر اول اسلام میں رائج تھا پھر رسول خداؐ نے اس سے منع کر دیا۔

اس کے بعد حدیث سبرہ کو بیضاوی کے الفاظ میں نقل کر کے لکھتے ہیں: اسی لئے صحابہ و تابعین معتقد ہیں کہ متعہ حرام ہے اور آیت منسوخ ہو چکی ہے، ہاں! انہوں نے ناسخ کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا: وہ سنت اور حدیث کے ذریعہ منسوخ ہوئی ہے اور یہ اس کا نظریہ ہے جو کہتا ہے کہ سنت قرآن کو نسخ کرتی ہے۔ شافعی کا نظریہ ہے کہ سنت قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے ان کا کہنا ہے کہ اس آیت کو قرآن کی یہ آیت: ﴿والذین هم لفروجهم حافظون﴾ اس کے بعد انہوں نے ابن عباس سے مروی روایات کو نقل کیا ہے، انہیں میں سے ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور منسوخ نہیں ہوئی ہے۔(۲)

۱۳۔ ابن جزی محمد بن احمد غرناطی (متوفی ۷۴۱ھ) لکھتے ہیں: ابن عباس وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی تم اپنی زوجہ کے ساتھ جماع کرو تو اجرت کی ادائیگی واجب ہے اور وہ کامل مہر ہے۔

بعض کہتے ہیں: یہ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ نکاح موقت ہے جس میں میراث نہیں ہے، یہ اوائل اسلام میں جائز تھا اور متذکرہ آیت مہر کے وجوب کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر اکثر علماء کے نزدیک حرام ہو گیا، بنابرین آیت اس حدیث کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے جو نکاح متعہ کی تحریم کو

۱۔ تفسیر بیضاوی، ج۱، ص۲۵۹، (ج۱، ص۲۰۹)

۲۔ تفسیر خازن، ج۱، ص۳۵۷، (ج۱، ص۳۴۳)

ثابت کرتی ہے۔

بعض کہتے ہیں: آیت نے متعہ کے فرائض کو منسوخ کیا ہے اس لئے کہ متعہ میں میراث نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں: "والذین ھم لفروجھم حافظون" نے متعہ کی آیت کو منسوخ کیا ہے ہاں! ابن عباس سے متعہ کا جواز مروی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ اس عقیدہ سے پلٹ گئے تھے۔(۱)

۱۴۔ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی (متوفی ۷۴۵ھ) نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابی بن کعب اور سعید بن جبیر کی قرائت ﴿فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی﴾ کو نقل کر کے لکھا ہے: ابن عباس، مجاہد اور سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ آیت متعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس نے ابی نضرہ سے کہا کہ خداوند عالم نے یہ آیت اس طرح نازل فرمائی ہے: الی اجل مسمی۔(۲)

۱۵۔ حافظ عماد الدین بن کثیر دمشقی شافعی (متوفی ۷۷۴ھ) کا بیان ہے: اس آیت کی عمومیت سے نکاح متعہ کا استدلال کیا گیا ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ صدر اول اسلام میں متعہ رائج و مباح تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔

پھر نسخ کے متعلق بعض اقوال کو نقل کر کے لکھتے ہیں: ابن عباس سعید بن جبیر، سدی اور ابی بن کعب نے "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی" قرائت کی ہے۔

مجاہد کہتا ہے: یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن جمہور اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں عمدہ ترین اور قابل قدر بات جو صحیحین (بخاری و مسلم) میں ثابت ہے وہ امیر المومنینؑ سے منقول حدیث ہے۔(۳)

۱۶۔ حافظ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: طبرانی اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ متعہ صدر اول اسلام میں رائج تھا۔ اور لوگ آیت کی اس طرح تلاوت کرتے

۱۔ تفسیر التسہیل، ج۱، ص۱۳۷۔
۲۔ تفسیر ابوحیان اندلسی، ج۳، ص۲۱۸
۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۴۷۴

تھے: ''فما استتعتم به منهن الى اجل مسمى ''۔(۱)

عبد بن حمید اور ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے اور ابن منابری نے مصاحب میں سعید بن جبیر سے ابی بن کعب کی قرائت ''فما استتعتم به منهن الى اجل مسمى ''نقل کی ہے۔

عبدالرزاق نے عطاء سے ابن عباس کی قرائت نقل کی ہے اور ابن جبیر نے سدی سے آیت کے متعلق نقل کیا ہے کہ یہ آیہ متعہ ہے۔(۲)

عبدالرزاق اور ابوداؤد نے اسے ناسخ کے طور پر نقل کیا ہے اور ابن جریر نے حکم سے نقل کیا ہے کہ اس سے آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ منسوخ ہو چکی ہے؟ جواب دیا: نہیں۔

۱۷۔ابوسعود عمادی حنفی (متوفی ۹۸۲ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو معینہ مدت کا نکاح ہوتا ہے اسی لئے اسے نکاح موقت کہتے ہیں، اس کی غرض وغایت عورت کے ساتھ متعہ اور آمیزش ہے ایسی آمیزش جو مال کے عوض وقوع پذیر ہوتی ہے، یہ فتح مکہ کے موقع پر تین روز تک مباح تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

مروی ہے کہ آنحضرت نے اسے مباح کیا پھر دوسری صبح کو فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن جان لو کہ خداوند عالم نے روز قیامت تک کے لئے اسے حرام قرار دے دیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ دو مرتبہ حلال اور دو مرتبہ حرام ہوا۔(۳)

۱۸۔قاضی شوکانی لکھتے ہیں: بے شک اہل علم کے درمیان متعہ کے مفہوم میں اختلاف ہے:

حسن و مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ آیہ مُبارکہ ﴿ فما استتعتم.... ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کے ذریعہ لذت حاصل کرو تو انہیں اس کی اجرت دو یعنی ان کا مہر ادا کرو۔

۱۔در منثور، ج ۲، ص ۱۴۰، (ج ۲، ص ۴۸۴)؛ المعجم الکبیر، (ج ۱۰، ص ۳۲۰، حدیث ۱۰۷۸۲)؛ سنن بیہقی، (ج ۷، ص ۲۰۵)

۲۔المصنف، (ج ۷، ص ۴۹۸، حدیث ۱۴۰۲۲)

۳۔تفسیر ابی السعود مطبوع بر حاشیہ تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۲۵۱، (ج ۲، ص ۱۶۵)

جمہور کہتے ہیں: اس آیت سے مراد وہ نکاح متعہ ہے جو صدر اول اسلام میں رائج تھا، جس کی ابن عباس، ابی بن کعب اور سعید بن جبیر کی قرائت ''فما استتعتم به منهن الی اجل مسمی'' تائید کرتی ہے پھر آنخضرت نے اس کی ممانعت کردی۔ چنانچہ یہ بات امیر المومنین علیؑ کی روایت کے مطابق صحیح ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول خداؐ نے خیبر کے دن نکاح متعہ اور گدھوں کے گوشت کی ممانعت فرمائی ہے۔

پھر وہ حجۃ الوداع اور فتح مکہ کے موقع پر ممانعت کی حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں: لہٰذا یہ ناسخ ہے، اور سعید بن جبیر سے آیہ میراث کے ذریعہ اس کے نسخ کی حکایت کی گئی ہے اس لئے کہ متعہ میں میراث نہیں ہے۔ عائشہ اور قاسم بن محمد سے اس آیت کے ذریعہ منسوخ ہونا منقول ہے: والذین هم لفروجهم حافظون...''(۱)

۱۹۔ شہاب الدین ابوثنا سید محمد آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس اور عبداللہ بن مسعود کی قرائت ''فما استتعتم به منهن الی اجل مسمی'' کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ حلال تھا پھر حرام ہوا۔ اور میرا نظریہ یہ ہے کہ تحریم اور اباحہ دونوں دو دو مرتبہ ہوا۔ روز خیبر سے پہلے حلال تھا، روز خیبر کے بعد حرام ہوا، پھر فتح مکہ کے موقع پر مباح ہوا اور اس کے تین روز بعد ہمیشہ کے لئے قیامت تک حرام ہو گیا۔ (۲)

میرے ساتھ آیئے!!

قارئین کرام! میرے ساتھ آیئے تا کہ ہم اس ذلیل اور احمق ''موسیٰ جار اللہ'' سے ان کتابوں کے متعلق سوال کریں، کیا یہ کتابیں علم قرآن کے سلسلے میں اہل سنت کے یہاں مرجع و مآخذ کی حیثیت نہیں رکھتیں؟ کیا یہ لوگ علم تفسیر کے امام نہیں؟! کیا ایک ذہین محقق کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان کتابوں کی

۱۔ فتح القدیر، ج۱، ص۴۱۴، (ج۱، ص۴۴۹)

۲۔ تفسیر آلوسی، ج۵، ص۵

طرف رجوع کر کے تحلیل وتجزیہ کرے اور اقوال کا باہم مقایسہ کر کے حقیقت حال معلوم کرے؟! اس شخص کو چھوڑ یئے کیا کوئی بھی ابن عباس جیسے مترجم قرآن، اہل سنت کے نزدیک ابی بن کعب جیسے موثق قاری، اور عبداللہ بن مسعود جیسے معلم قرآن وسنت کی برابری کرسکتا ہے؟!

ان کے علاوہ کیا عمران بن حصین، حکم، حبیب بن ابی نائب، سعید بن جبیر اور قتادہ ومجاہد کی برابری کرسکتا ہے؟! کیا یہ شخص ان سب کو جاہل اور غیر موثق سمجھتا ہے؟! کیا شائستہ کردار صحابہ اور ائمہ پر اس کا اہانت آمیز رویہ، سب وشتم کے مترادف نہیں کہ اس نے اپنے ماننے والوں کے نزدیک ان سب کو شیعہ ہونے کا الزام لگا دیا؟!

یا یہ شخص اپنی قوم کے بزرگ روایوں کو شیعہ سمجھ کر اپنی تند زبان سے ان کی عزت وآبرو کو پارہ پارہ کر رہا ہے؟! گویا اس کی نظر میں بخاری، مسلم، احمد، طبری، محمد بن کعب، عبد بن حمید، ابوداؤد، ابن جریج، جصاص، ابن انباری، بیہقی، حاکم، بغوی، زمخشری، اندلسی، قرطبی، فخر رازی، نووی، بیضاوی، خازن، ابن جزی، ابن حیان، ابن کثیر، ابوسعود، سیوطی، شوکانی اور آلوسی جیسے لوگ اہمیت کے حامل نہیں، یہ لوگ تو اس کے مذہب کے منارے اور علم کی عظیم شخصیتیں ہیں۔

جی ہاں! یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہ جھوٹ کا پلندہ، ذلیل انسان کے من گھڑت افسانے اور شیعوں کی جانب نزول آیت کی نسبت دینا وغیرہ، دو معصوم اماموں ''امام محمد باقرؑ اور امام صادقؑ'' کی مقدس شخصیتوں کو نیچا دکھانے اور ان پر طعن وطنز کے نشتر چلانے کا مقدمہ ہے۔ حالانکہ ایک صاحب عقل منصف اچھی طرح واقف ہے کہ اس کے مذہب کے چاروں اماموں: (۱۔ ابوحنیفہ ۲۔ محمد بن ادریس شافعی ۳۔ مالک بن انس ۴۔ احمد بن حنبل) کی جھولی میں اگر علم کی ذرا بھی دولت ہے تو وہ انہیں معصوم اماموں کا صدقہ ہے۔

ہاں! یہ ائمہ (امام باقر اور امام صادق علیہما السلام) ہمارے امام ہیں، موسی جار اللہ یہی موسی ہے اور خداوند عالم بھی خدائے عادل ہے لہٰذا میری تمام شکایتیں اسی خدا کی بارگاہ سے وابستہ ہے۔ (والی اللہ المشتکی)۔

آیئے! اس احمق سے اس ادب بیان کے بارے میں سوال کریں جسے اس نے سمجھ لیا اور گذشتہ صدیوں کے بزرگوں سے پوشیدہ رہ گیا، ان نقصانات کے بارے میں سوال کریں جنہیں اس نے پہچان لیا لیکن اس کی قوم کے امام وقائد نہ سمجھ سکے؟ وہ کیا ہیں اور کہاں؟! اس نے کس سے اخذ کیا اور کس نے کہا؟! اس کے پاس ان کے لئے کون سی دلیل ہے؟! اس سے پہلے والوں نے انہیں کیوں چھپائے رکھا کہ نوبت اس کی آ گئی؟!

میرے خیال میں وہ ایک تشنہ کام کو سیراب کرنے والا جواب دینے سے قطعی قاصر و عاجز رہے گا اور ممکن ہے اپنی گلوخلاصی کے لئے اپنی رکیک اور بے تکی باتوں کو دوسروں کے سر تھوپ دے۔

اسلام میں متعہ کے حدود و شرائط

۱۔ مہریہ اور اجرت

۲۔ معین اور معلوم مدت

۳۔ ایجاب وقبول پر مشتمل عقد

۴۔ مدت ختم ہونے پر جدائی

۵۔ عدت

۶۔ عدم میراث

بے شک ان حدود کو فقہاء نے اپنی فقہی کتابوں میں، محدثین نے اپنی صحاح و مسانید میں اور مفسرین نے متذکرہ آیت کے ذیل میں بیان کیا ہے، سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ اسلامی شریعت کے حدود وقوانین ہیں جن کی رعایت کے بغیر کوئی چارہ نہیں، چاہے دائمی مباح کے قائل ہوں یا وقتی مباح اور منسوخ کے۔ لہٰذا ان حدود کے پیش نظر احمق کی بکواس کی کہاں گنجائش رہ جاتی ہے کہ ''متعہ جاہلی عہد کا نکاح تھا، شارع کی اجازت سے نہیں تھا''۔ جاہلی عہد میں ان حدود وقوانین کے ساتھ کب نکاح ہوا۔

علماء نے جاہلی عہد کی عادتوں اور نکاح وتقالید کو تحریر کیا ہے جن میں نکاح متعہ شامل ہی نہیں۔

ہاں! یہ شخص افترا پردازی اور بکواس کرتا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اپنی بکواس پر متوجہ بھی نہیں ہے۔

(ہم نے تیسری جلد میں متعہ کے حدود کو موضوع بحث قرار دینے والوں کے اسماء تحریر کئے ہیں)۔

صاحب الوشیعہ کے خیال خام میں شدید ترین محرمات کے طور پر نازل ہونے والے برے کام کی انجام دہی میں ابن جریج نے اسراف اور زیادہ روی سے کام کیوں لیا؟!

اگر ابن جریج دینی امور میں سستی اور لاابالی پن کا مظاہرہ کرتا تھا تو صاحبان صحاح ومسانید نے اس سے حدیثیں کیوں نقل کی اور اپنی کتابوں کو اس کی روایتوں سے بھر دیا؟! انہوں نے اس سے وہ بارہ ہزار روایتیں نقل کی ہیں جن کی فقہاء کو شدید ضرورت تھی؟!(۱)

لہٰذا اگر ابن جریج جیسے لوگ یا ان کی روایتیں باطل ہیں تو ایسی صورت میں کتب حدیث کے اکثر اوراق کو دریا برد کردینا چاہئے پھر تو ان صحاح ومسانید کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جائے گی۔

اگر صاحب الوشیعہ کا خیال صحیح ہے تو بزرگان علم رجال نے ابن جریج کی مدح وستائش کیوں کی؟! امام احمد بن حنبل نے اس کی محکم ترین انسان کے طور پر کیوں نشاندہی کی؟! اس کی کتابوں کو کتاب امانت کیوں کہا جاتا ہے؟!(۲) اور پھر یہ کہ اگر اس شخص نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تو اس سے کون سا گناہ سرزد ہوگیا حالانکہ اس نے سترہ حدیثیں اسی سلسلے میں روایت کی ہیں؟!

جہاں تک اپنی رائے سے منحرف ہونے کا سوال ہے، جیسا کہ اس (موسیٰ) نے ابوعوانہ سے نقل کیا ہے اور ابوعوانہ کی سند صحیح ہوتی تو فقہاء اسے ضرور نقل کرتے، اس کی حدیث صرف ایک ہی راوی پر منحصر نہ رہتی، خاص طور سے اس جریج کی حدیث جو علمی اور عملی طور پر متعہ پر متعہ کئے جارہا تھا۔

میری نظر میں اس انسان سے انحراف کی بات منسوب کرنا، امت کے دانشور ''ابن عباس'' سے انحراف کی بات منسوب کرنے جیسا ہے۔ (یعنی جس طرح ان سے جھوٹی بات منسوب کی گئی ہے اس سے

۱۔ مفتاح السعادۃ، ج۲، ص۱۲۰، (ج۲، ص۲۳۱)

۲۔ تہذیب التہذیب، ج٦، ص۴۰۴، (ج٦، ص۳۵۹)

بھی جھوٹ کومنسوب کیا گیا ہے)

پڑھیے اور ہنسیے یا گریہ کیجئے!!

قوشچی (متوفی ۸۷۹ھ) ''شرح تجرید'' کے مبحث امامت میں لکھتے ہیں:

عمر نے منبر کے اوپر جا کر کہا: **ایھا الناس ثلاث کن علی عھد رسول اللہ و انا انھی عنھن واحرمھن واعاقب علیھن :متعۃ النساء ومتعۃ الحج وحی علی خیر العمل** ''اے لوگو! رسول خداؐ کے عہد میں تین چیزیں رائج تھیں لیکن میں اس کی ممانعت کرتا ہوں، اگر کسی نے ان کو انجام دیا تو میں اسے سخت سزا دوں گا: متعہ نساء، متعہ حج اور حی علی خیر العمل''۔

پھر قوشچی عمر کے اس عمل کی توجیہ کرتے ہیں:

''اس عمل کے ذریعہ عمر کی مذمت نہیں کی جا سکتی؛ اس لئے کہ اجتہادی مسائل میں ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کی مخالفت کرنا، بدعت نہیں ہے۔'' (۱)

ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میدان علم کا ایک شہ سوار پیغمبر اکرمؐ کو امت کی ایک فرد کے مقابل لا کھڑا کر دے گا اور ان دونوں کو مجتہد قرار دے گا حالانکہ رسول خداؐ کی ہر بات لوح محفوظ کی عبارت ہے، وہ وہی کہتے ہیں جو وحی کہتی ہے، ان پر ہونے والے الہام غیبی ان کے شدید القوی ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ اجتہاد اس کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے جس کی حیثیت اصل کے سامنے فرع کی ہے اور استنباط کے طریق میں جس کی ظن وگمان سے زیادہ اہمیت نہیں۔

ہاں! یہ اجتہادی مخالفت اس وقت جائز ہے جب کوئی مجتہد اپنے ہی جیسے مجتہد کی برابری کرے۔ نہ وہ شخص جو نص اور خبر صحیح کے مقابل اجتہاد کرے اور شارع مقدس سے صادر شدہ شرعی تصریحات کے

---

(۱) شرح تجرید، (ص ۴۸۴)

مقابلے میں اپنا فتوی اور نظریہ پیش کرے۔

پھر یہ کہ مجھے تو نہیں لگتا کہ کوئی انصاف پسند شخص یہ کہے گا کہ خاتم الانبیاءؐ اور یہ حضرت (عمر) فہم و ادراک کے اعتبار سے ایک ہی صف میں ہیں جس کی وجہ سے وہ ان دونوں کے نظریات کی برابری کرے؟! پھر یہ کہ تمام انسانوں کے نظریات وعقاید کی کیا حقیقت واہمیت ہے اگر وہ شارع مقدس رسول خداؐ کے نظریہ کے مخالف ہوں؟

ابن قیم(۱) لکھتے ہیں: اگر کہا جائے کہ مسلم نے اپنی صحیح (۲) میں جابر بن عبداللہ سے جس بات کی روایت کی ہے اس کے متعلق کیا کہو گے کہ: ''ہم رسول خداؐ اور ابوبکر کے عہد میں ایک مشت خرما اور آٹے پر متعہ کرتے تھے۔ پھر عمر نے عمرو بن حریث کے سلسلے میں اس کی ممانعت کردی''۔ اور عمر سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: رسول خداؐ کے عہد میں دو متعہ رائج تھے لیکن میں اس کی ممانعت کرتا ہوں: متعہ نساء اور متعہ حج۔

تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس موضوع کے سلسلے میں لوگ دو گروہ میں تقسیم ہیں:

ایک گروہ کہتا ہے کہ بے شک عمر وہی عمر ہے جس نے حرام کیا اور اس کی ممانعت کی اور رسول خداؐ نے ان تمام باتوں کی پیروی کا حکم فرمایا جن کے بارے میں خلفاء راشدین نے حکم دیا اور مقرر فرمایا ہے۔

یہ گروہ تحریم متعہ کے سلسلے میں سبرہ بن معبد کی حدیث کو صحیح نہیں سمجھتا اس لئے کہ یہ عبدالملک بن ربیع بن سبرہ کی روایت ہے اور ابن معین اسے صحیح نہیں سمجھتے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی حدیث نقل نہیں کی ہے حالانکہ اسلامی اصول میں اس کی حدیثوں کی شدید ضرورت پڑتی ہے پھر ان کی نظر میں اس سے نقل حدیث جائز نہیں۔ اگر بخاری کی نظر میں سبرہ صحیح ہوتا تو اس سے حدیث نقل کرتے اور اس کی حدیثوں سے استدلال کرتے۔

۱۔ زاد المعاد ابن قیم، ج۱، ص۴۴۴، (ج۲، ص۱۸۴)

۲۔ صحیح مسلم، (ج۳، ص۱۹۴، حدیث ۱۶، کتاب النکاح)

لوگوں نے کہا: اگر حدیث سبرہ صحیح ہوتی تو ابن مسعود پر یہ بات مخفی نہیں رہتی تا کہ ان کے حوالے سے متعہ اور اس آیت سے استدلال کرنے کی روایت کی جاتی، نیز اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو عمر یہ نہیں کہتے کہ عہد رسولؐ میں متعہ جائز تھا اور میں اس کی ممانعت کرتا ہوں اور اس کی مخالفت کرنے والے کو سزا دوں گا۔ اس کے بجائے وہ یہ کہتے: رسول خداؐ نے اسے حرام قرار دیا ہے، میں بھی اس کی ممانعت کرتا ہوں، اور اگر یہ (سبرہ) زمان صدیق (ابوبکر) میں صحیح ہوتا تو کوئی متعہ نہیں کرتا۔

دوسرے گروہ نے حدیث سبرہ کو صحیح کہا ہے، اگر یہ صحیح نہ ہوئی تو پھر حضرت علیؑ کی حدیث صحیح ہے کہ رسول خداؐ نے متعہ نساء کو حرام قرار دیا ہے۔

ایسی صورت میں ضروری ہے کہ جابر کی حدیث ''ہم متعہ کرتے تھے'' کی یہ توجیہ و تاویل کی جائے کہ ان کی سماعت تک یہ تحریم نہیں پہونچی اور عہد عمر تک مشہور نہ ہوئی۔ چونکہ اس کے بارے میں بہت زیادہ نزاع و اختلاف واقع ہوا ہے اس لئے اس کی حرمت ظاہر و معروف ہے۔ و باللہ التوفیق۔

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: مختلف اعتبار سے متناقض احادیث کو اس حدیث کے مقابل لایا جاسکتا ہے جو قطعی صحیح ہے اور امیر المومنینؑ سے یہ جھوٹی بات منسوب کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے حالانکہ دست امت میں ان کی صحیح حدیث موجود ہے کہ آپ نے فرمایا: **لولا ان عمر نهى عن المتعه ما زنى الا اشقى** ''اگر عمر متعہ کی ممانعت نہیں کرتے تو کوئی زنا نہیں کرتا مگر بدبخت و ذلیل''۔(۱)

اور یہ بات طے ہے کہ حضرت جواز متعہ کے قائل تھے چنانچہ اہل بیتؑ کے چاہنے والے کل بھی جواز متعہ کے قائل تھے اور آج بھی اسی جواز کے قائل ہیں۔ جو احادیث سب کی نظر میں مسلم ہیں ان میں ابن عباس کی یہ حدیث بھی ہے: **لولا نهى عمر لما احتاج الى الزنا الا شقى**۔(۲)

۱۔ تفسیر طبری، ج۵، ص۹، (مجلد۴، ج۵، ص۱۳)؛ تفسیر ثعلبی، سورۂ نساء آیت ۲۴؛ تفسیر کبیر، ج۳، ص۲۰۰، (ج۱۰، ص۵۰)؛ تفسیر ابی حیان، ج۳، ص۲۱۸؛ تفسیر نیشاپوری، (ج۲، ص۳۹۲)؛ درّ منثور، ج۲، ص۱۴۰، (ج۲، ص۴۴۶)

۲۔ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۱۷۹، (ج۲، ص۱۴۷)؛ بدایۃ المجتہد، ج۲، ص۵۸؛ النہایہ ابن اثیر، ج۲، ص۲۴۹، الفائق، زمخشری ج۱، ص۳۳۱، (ج۲، ص۲۵۵)؛ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۱۳۰، (ج۵، ص۸۶)؛ درّ منثور، ج۲، ص۱۴۰، (ج۲، ص۴۸۷) لسان العرب، ج۱۹، ص۱۶۶، (ج۱۳، ص۱۵)؛ تاج العروس، ج۱۰، ص۲۰۰

حضرت علی کے علاوہ کس نے متعہ کی ممانعت کی خبر دی کہ وہ عمر کے زمانے میں مشہور ہوگیا اور آنحضرت کی یہ ممانعت کب مشہور ہوئی حالانکہ سب سے پہلے جس نے اس کی ممانعت کی وہ عمر بن خطاب تھے۔

وہ کہتے تھے: متعتان کانتا علی عهد رسول الله انا نهی عنها و اعاقب۔

اور کہا: متعتان کانتا علی عهد رسول الله وعلی عهد ابی بکر و انا نهی عنها۔

اور کہا: ان الله ورسوله قداحلا لکم متعتین و انی محرمها علیکم۔

اور یہ بھی کہا: ثلاث کن علی عهد رسول الله انا محرمهن متعة الحج، متعة النساء وحی علی خیر العمل۔

کیا اس دعوی کی تردید میں کسی صحابی نے یہ جواب دیا کہ رسول خداؐ اور ابو بکر کے زمانے میں متعہ حلال تھا یا اس کے حرمت کی نسبت خود عمر کی طرف دی ؟! کیا رسول خداؐ اور ابو بکر کے زمانے میں جواز متعہ پر صحابہ کا اجماع کرنا دین خدا اور سنت رسولؐ کے برخلاف تھا؟!

جی ہاں! جب آدمی ڈوبنے لگتا ہے تو تنکے کو اپنا سہارا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

﴿وَلاتَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلاَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لاَيُفْلِحُونَ﴾ ''اور خبردار جو تمہاری زبانیں غلط بیانی سے کام لیتی ہیں ان کی بنا پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، کہ اس طرح خدا پر جھوٹا بہتان باندھنے والے ہوجاؤ گے اور جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں ان کے لئے فلاح وکامیابی نہیں''۔(۱)

۷۰۔ خود کو مومن کہنے والے شخص کے متعلق خلیفہ کی رائے

سعید بن یسار سے مروی ہے: عمر کو معلوم ہوا کہ ایک مرد شامی خود کو مومن سمجھتا ہے، چنانچہ انہوں نے

۱۔ نحل/۱۱۶

اپنے نمائندے کوتحریر کیا کہ اسے میرے پاس بھیج دو، جب وہ آیا تو عمر نے پوچھا: کیا تو ہی خود کو مومن کہتا ہے؟

اس نے کہا: ہاں! اے امیرالمومنین۔

عمر نے کہا: تجھ پر افسوس ہے، تو یہ دعویٰ کیسے کرسکتا ہے، کیا رسول خداؐ کے زمانے میں لوگ مشرک، منافق اور مومن نہیں تھے، تو ان میں سے کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے؟ اتنا کہہ کر عمر نے اس کی بات کو پرکھنے کے لئے اپنا ہاتھ اس کی جانب دراز کیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

قتادہ کا بیان ہے: عمر نے کہا کہ اگر کوئی شخص خدا کو عالم کہے تو گویا وہ جاہل ہے اور خود کو مومن کہنے والا کافر ہے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ کون سی مشکل آن پڑی تھی جو اس بندہ مومن کے احضار کا موجب قرار پائی، حالانکہ ان کے آس پاس ہزاروں مومن ان سے بات کرکے کہتے تھے کہ میں مومن ہوں اور وہ خود کو ان کا امیر و آقا سمجھتے تھے لیکن خلیفہ نے مرد شامی کی طرح ان لوگوں سے کبھی سوال نہیں کیا۔ پھر یہ کہ یہ مشکل اتنے آسان اور سہل جواب کے ذریعہ کیسے حل ہوگئی، کیا خلیفہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ اگر انسان مشرک و منافق نہیں تو بے شک وہ مومن ہوگا۔ یا یہ کہ ان کے خیال میں جو بندۂ مومن اپنے ایمان پر یقین رکھے، اسے ''انا مومن'' کہنے کا حق حاصل نہیں اس لئے کہ یہ کفرانہ باتیں ہیں۔ چنانچہ قتادہ کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہے عمر کے نزدیک انوکھی عبادت و پرستش۔ لیکن خداوند عالم نے قرآن مجید میں ایسے افراد کی مدح و ستائش کی ہے کہ جو کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے، یہ نمونے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ﴿...قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ آمَنَّا بِاللهِ...﴾ ''حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ اس پر ایمان لائے ہیں''۔(۲)

۱۔ بیہقی نے شعب الایمان، (ج۱، ص۸۴، حدیث۷۴)؛ اور ابن ابی شیبہ نے الایمان، (المصنف ج۱۱، ص۳۹، حدیث۱۰۴۶۲)؛ میں نقل کیا ہے ملاحظہ کریں کنز العمال، ج۱، ص۱۰۳، (ج۱، ص۴۰۴، حدیث۱۷۲۸)۔

۲۔ سورہ آل عمران/۵۲

۲۔﴿ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ... ﴾ ''پروردگار ہم ان تمام باتوں پر ایمان لے آئے جو تو نے نازل کی ہیں اور تیرے رسول کی پیروی کی''۔(۱)

۳۔﴿ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا... ﴾ ''پروردگار ہم نے اس منادی کو جو ایمان کی آواز لگا رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے''۔(۲)

۴۔﴿ يَقُولُونَ آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور گواہی دو کہ ہم مسلمان ہیں''۔(۳)

۵۔﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا... ﴾ ''وہ کہتے ہیں پروردگار ہم ایمان لے آئے''۔(۴)

۶۔﴿قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ''انہوں نے کہا: ہم رب دو جہاں پر ایمان لے آئے''۔(۵)

۷۔﴿... وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا... ﴾ ''اور علم میں رسوخ رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب کے سب ہمارے پروردگار کی جانب سے ہیں''۔(۶)

۸۔بعض لوگ خداوند عالم کے ارشاد کے مخاطب قرار پائے: ﴿... أَوَلَمْ تُؤْمِنْ... ﴾ کیا ایمان نہیں رکھتے؟ ﴿... قَالَ بَلَى... ﴾ کہتے ہیں: ہاں۔(۷)

اور بعض کہتے ہیں ﴿ ...سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ''تو پاک و پاکیزہ ہے، میں تیری بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتا ہوں اور میں اول مومن ہوں''۔(۸)

۱۔آل عمران/۵۳ ۲۔آل عمران/۱۹۳

۳۔مائدہ/۱۱۱ ۴۔مائدہ/۸۳

۵۔اعراف/۱۲۱ ۶۔آل عمران/۷

۷۔بقرہ/۲۶۰ ۸۔اعراف/۱۴۳

یہ تو واضح ترین بات ہے کہ اگر کوئی کہے: ہم ایمان لے آئے یا کہے: میں مومن ہوں یا اگر کوئی اپنے ایمان پر یقین رکھتے ہوئے کہ میں ایسا ویسا مومن ہوں تو ان اقوال میں کوئی فرق نہیں، اگر کوئی ان کے درمیان افتراق کا قائل ہو تو وہ یقیناً بے پروا اور لاابالی آدمی ہے۔

شاید خلیفہ ہی میں ایمان کی کمی تھی بلکہ شاید دل کے نہاں خانوں میں شرک و نفاق بھی موجود تھا تبھی تو مکرر حذیفہ سے سوال کرتے تھے: میں مومن ہوں یا منافق؟ غزالی کا بیان ہے: نفاق اور شرک خفی کے بارے میں تمہیں خطرات سے باخبر کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی اس سے محفوظ نہیں۔ حتیٰ عمر بن خطاب بھی حذیفہ سے اپنے بارے میں سوال کرتے تھے: کیا ان کا شمار منافقین میں ہے؟ یا وہ منافق ہیں اور کیا رسول خدا نے انہیں منافقین کے زمرے میں بیان کیا ہے یا نہیں؟ (۱)

حذیفہ بن یمان منافقین کی شناخت کے راز دار تھے اسی لئے عمر بن خطاب اسی جنازے پر نماز پڑھتے جس پر حذیفہ نماز پڑھتے تھے، وہ ڈرتے تھے کہ کہیں یہ بھی منافقین میں سے نہ ہو۔ (۲)

۷۱۔ اسقف نجران کی خلیفہ سے ملاقات

نجران کی بزرگ شخصیت ''اسقف'' عمر بن خطاب کی خلافت کے اوائل میں ان کے پاس پہونچا اور کہا:

اے امیر المومنین! ہماری سرزمین دور اور وہاں سے آنے کے اخراجات بہت سنگین و سخت ہیں جسے لشکر والے برداشت نہیں کر سکتے، میں ضمانت لیتا ہوں کہ زمین کا ٹیکس ہر سال بطور کامل آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ عمر نے اس کی ضمانت قبول کر لی۔ چنانچہ وہ ہر سال ٹیکس لا کر انہیں دیتا اور وہ اسے لکھ لیتے تھے۔

ایک مرتبہ اسقف کچھ لوگوں کے ساتھ آیا، چونکہ اسقف ایک باحیثیت اور خوش اخلاق انسان تھا

۱۔ احیاء العلوم غزالی ج ۱، ص ۱۲۹، (ج ۱، ص ۱۱۴)؛ التمہید باقلانی، ص ۱۹۶؛ بہجۃ النفوس ابی جمرہ، ج ۲، ص ۴۸۔

۲۔ شذرات الذھب ابن عماد حنفی، ج ۱، ص ۴۳، (ج ۱، ص ۲۰۹، حوادث ۳۶ ھ)

اسی لئے عمر نے اسے خدا و رسولؐ اور قرآن کی دعوت دی اور اس سے اسلام کی فضیلت اور مسلمانوں کی نصیب میں آنے والی ابدی نعمت و کرامت کو بیان کیا۔ اسقف نے کہا: اے عمر! کیا آپ نے قرآن میں یہ آیت پڑھی ہے: ﴿...وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ....﴾ ''جنت کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے''۔(۱) اگر ایسا ہے تو پھر جہنم کہاں ہے؟ عمر کو اس کا جواب نہیں سوجھا تو حضرت علیؑ سے عرض کی: آپ ہی اس کا جواب دیجئے، حضرت نے اسقف سے فرمایا: اے اسقف! میں اس کا جواب ضرور دوں گا، کیا تم نے دیکھا ہے کہ جب بھی رات آتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے اور جب دن نمودار ہوتا ہے تو رات کہاں گم ہو جاتی ہے؟

یہ سن کر اسقف نے برجستہ کہا: میں سوچ رہا تھا کہ کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے پائے گا، اے عمر! یہ جوان کون ہے؟ عمر نے کہا: یہ رسول خداؐ کے داماد، ان کے ابن عم اور حسنینؑ کے والد گرامی ''علی بن ابی طالب'' ہیں۔

اسقف نے دوسرا سوال کیا: اے عمر! ایسی سرزمین کی نشاندہی کریں جس پر صرف ایک ہی مرتبہ سورج روشن ہوا؟ عمر نے کہا: اس جوان سے سوال کرو۔ اس نے حضرت علیؑ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: دریائے نیل ہے جو بنی اسرائیل کے لئے شگافتہ ہوا اور اس پر ایک ہی مرتبہ آفتاب کی روشنی پڑی۔

اسقف نے سوال کیا: مجھے اس چیز کے بارے میں بتائیں جو لوگوں کے ہاتھ میں جنتی پھل کے مانند ہوتی ہے (کبھی ختم نہیں ہوتی)؟

عمر نے کہا: اس جوان سے دریافت کرو۔ جب آپ سے سوال ہوا تو فرمایا: وہ قرآن مجید ہے جس پر اہل دنیا اجتماع کرتے ہیں، اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو اس سے برطرف کرتے ہیں اور بے پناہ حصول کے باوجود اس میں کمی واقع نہیں ہوتی جیسے جنتی پھل.....

اسقف نے کہا: سچ فرمایا، مجھے بتائیں کیا آسمان کے قفل ہیں؟ فرمایا: ہاں اس کا قفل ''شرک'' ہے اسقف نے کہا: اس کی کنجی کیا ہے؟ فرمایا: لاالٰہ الاللہ کی شہادت۔ اس نے کہا: سچ

۱۔حدید/۲۱

فرمایا، مجھے بتائیں سب سے پہلے بہنے والا خون کس کا تھا؟ کہا: ہم نہیں کہتے لوگ کہتے ہیں کہ خفاش (ایک پرندہ) کا خون تھا لیکن روئے زمین پر بہنے والا سب سے پہلا خون ''حوا کا خون نفاس'' تھا، جب انہوں نے ہابیل کو جنم دیا تھا۔

اس نے کہا: سچ فرمایا، صرف ایک مسئلہ اور، یہ بتایئے کہ خداوند عالم کہاں ہے؟ یہ سنتے ہی عمر غصہ سے سرخ انگارہ ہو گئے لیکن حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تیرا جواب دوں گا اور اس کے علاوہ جو بھی سوال کرنا چاہتے ہو کر سکتے ہو۔ ہم رسول خداؐ کی خدمت میں تھے کہ ایک فرشتہ نے آکر سلام کیا آنحضرت نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ کہا: ساتویں آسمان سے، خداوند عالم کے پاس سے، پھر دوسرا فرشتہ آیا، اس سے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا: آٹھویں زمین، خدا کی بارگاہ سے، پھر تیسرا مشرق اور چوتھا مغرب سے آیا۔ رسول خداؐ سوال کرتے رہے اور وہ جواب دیتے رہے کہ خدا کے پاس سے، لہٰذا خداوند عالم یہاں بھی ہے اور وہاں بھی فی السماء اله وفی الارض اله...۔

(حافظ عاصمی نے ''زین الفتی فی شرح سورہ ہل اتی'' میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے)۔

۷۲۔ شراب خانہ میں موجود روزہ دار پر خلیفہ کے کوڑے

امام احمد بن حنبل نے عمر بن عبداللہ بن طلحہ خزاعی سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب کے پاس ایک ایسے گروہ کو لایا گیا جنہیں شراب پیتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا، ان میں ایک روزہ دار بھی تھا۔ چنانچہ عمر نے ان پر کوڑے برسائے اور اس روزہ دار پر بھی کوڑوں کی بارش کی۔ لوگوں نے کہا: یہ روزہ دار ہے؟ کہا: یہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔(۱)

کیا خلیفہ شراب خوری کی مجلس میں اس روزہ دار کے بیٹھنے کی علت سے واقف تھے جب کہ وہ روزہ دار تھا اور ان کے عمل میں شریک بھی نہیں تھا؟ شاید کسی ضرورت نے اس مجلس میں بیٹھنے پر مجبور کر رکھا ہو یا

---

(۱) کنز العمال، ج ۳، ص ۱۰۱، (ج ۵، ص ۴۷۷، حدیث ۱۳۶۷۲)؛ منتخب کنز العمال مطبوع بر حاشیہ مسند احمد، ج ۲، ص ۴۲۷، (ج ۲، ص ۴۹۸)

ممکن ہے نہی از منکر کے فریضہ نے اس بے چارے روزہ دار کو ان کی ہم نشینی پر مجبور کیا ہو؟

اور یہ بات مسلّم ہے کہ ان میں سے کوئی بھی احتمال آجائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان الحدود تدرا بالشبہات ''شبہات کی بنا پر حدود ساقط ہو جاتے ہیں''۔

بالفرض یہ احتمالات نہ ہوں تو بھی اس مسئلہ میں امر یہ ہے کہ اسے تادیب کے لئے حد لگایا جائے (حد تادیب سے آپ واقف ہو چکے ہیں) کہ حد تادیب دس ضربوں سے تجاوز نہیں کرتا پھر کیوں خلیفہ نے روزہ دار اور شراب خور کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا؟

۷۳۔ بیت المال کے مشک کے متعلق خلیفہ کی رائے

ایک مرتبہ عمر بن خطاب کے لئے مشک لایا گیا، حکم دیا کہ اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اپنی ناک بند کر لی۔ لوگوں نے کہا: آپ نے اپنی ناک کیوں بند کر لی؟ کہا: تو کیا اس کی خوشبو سے فائدہ اٹھاؤں، ایک دن اپنی زوجہ کے پاس پہونچے، ان سے مشک کی خوشبو آئی، زوجہ سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہا: میں نے مسلمانوں کے بیت المال کے مشک کو فروخت کر دیا، اسے لے کر اپنے ہاتھ پر وزن کیا جب اپنی انگلی گھر کے اس ظرف میں ڈالی تو اس کی خوشبو آگئی۔ زوجہ نے کہا: اسے مجھے دیجئے، اسے لے کر اس پر پانی ڈالا لیکن اس کی خوشبو ختم نہ ہوئی پھر مٹی سے مانجھ کر اس پر پانی ڈالا تو اس کی خوشبو رفع ہو گئی۔(۱)

ہاں! فقیہ کو اتنا ہی محکم اور جامع ہونا چاہئے، کیا خلیفہ مسلمانوں کے چراغ کے سامنے پردہ لگا لیتے تھے تا کہ اس کے نور کی روشنی سے مستفیض نہ ہوں یا ہواؤں پر بندش لگا لیتے تھے جب مسلمانوں کے کھیتوں سے مختلف خوشبوئیں آتی تھیں؟ یہ ایسے عام منافع ہیں جن میں مالک کی رضایت ذرا بھی دخیل نہیں؟! اس کا جواب میں نہیں جانتا۔

۱۔ فتوحات الاسلامیہ، ج ۲، ص ۴۱۴ (ج ۲، ص ۲۶۵)

۴۷۔نماز میت میں خلیفہ کا اجتہاد

ابو وائل سے منقول ہے کہ رسول اسلامؐ کے عہد میں نماز میت میں سات، پانچ یا چھ تکبیریں کہی جاتی تھیں، عمر بن خطاب نے اصحاب رسول کو جمع کیا، انہوں نے اپنے مشاہدوں کی بنا پر مطلع کیا تو عمر نے چار طویل تکبیروں پر توافق کیا۔

سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ چار اور پانچ تکبیریں تھیں لیکن عمر نے میت پر چار تکبیریں کہنے پر لوگوں کو متحد کر دیا۔(۱)

ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں: چار تکبیروں سے بیشتر کی ممانعت کرنے والے نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی روایت ہم نے وکیع، سفیان ثوری، عاقر بن شفیق اور اس نے ابو وائل کے طریق سے کی ہے، وہ کہتا ہے کہ عمر بن خطاب نے لوگوں کو جمع کرنے کے بعد ان سے نماز میت میں تکبیرات کے متعلق مشورہ کیا۔ لوگوں نے کہا: رسول خداؐ سات، پانچ اور چار تکبیریں کہتے تھے۔ یہ سن کر عمر نے لوگوں کو چار تکبیروں پر متحد کر دیا...(۲)

طحاوی نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ کی وفات ہوئی تو نماز میت کے متعلق لوگوں میں شدید اختلاف تھا، کیا تم اسے سننا چاہو گے؟ ایک شخص نے کہا: میں نے رسول خداؐ کو سات تکبیریں کہتے ہوئے سنا۔ دوسرے نے کہا: میں نے آنحضرت کو پانچ تکبیریں کہتے ہوئے سنا۔ تیسرے نے کہا: میں نے چار تکبیریں سنی ہیں.... اسی اختلاف میں زندگی رواں دواں تھی کہ ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ جب عمر امور خلافت کے متولی ہوئے اور انہوں نے لوگوں کے اختلاف کا مشاہدہ کیا تو اس کی حل و فصل کا مصمم ارادہ کر لیا چنانچہ اصحاب رسول کو بلوا کر کہا: تم رسولؐ کے اصحاب ہو، جب تم لوگ کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہو تو آنے والے افراد بھی اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی طرح تمہارا اتحاد و اتفاق لوگوں کے اتحاد

۱۔سنن بیہقی، ج۴، ص۳۷؛ فتح الباری، ج۳، ص۱۵۷، (ج۳، ص۲۰۲)؛ ارشاد الباری، ج۲، ص۴۱۷، (ج۳، ص۴۶۶، حدیث۱۳۳۳)

۲۔المحلی، (ج۵، ص۱۲۴، مسئلہ ۵۷۳)

واتفاق کا سبب ہو جاتا ہے لہٰذا تم لوگ اتحاد پر غور وفکر کرو۔ ایسا لگتا ہے کہ عمر نے انہیں بیدار کرنا چاہا تھا، عمر کی باتیں سننے کے بعد کہا: آپ نے جن باتوں کا مشاہدہ کیا اور اسے بیان فرمایا وہ لائق تعریف ہیں، اے امیر المومنینؑ، لہٰذا آپ حکم فرمائیں۔ عمر نے کہا: تم لوگ میری راہنمائی کرو میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں اس بات پر اتحاد کیا کہ نماز عید وقربان کی طرح نماز جنازہ میں بھی چار تکبیریں کہیں جائیں اور اسی بات پر اتفاق ہوگیا۔(۱)

عسکری اپنی کتاب ''اولیات'' (۲) میں لکھتے ہیں: سیوطی نے ''تاریخ الخلفاء'' (۳) اور قرمانی نے اپنی تاریخ (۴) میں لکھا ہے کہ بے شک عمر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز میت میں چار تکبیریں کہنے پر متحد کیا۔

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: نماز میت کی تکبیروں کے اعداد کے سلسلے میں سنت اور عمل صحابہ سے جو چیز ثابت ہے اسے خود نماز کے فصل ومراتب پر محمول کیا جاسکتا ہے جس سے ہر عدد کی کفایت آشکار ہوتی ہے لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا، اس پر متحد ہو جانا اور بدعت کی طرح بقیہ کی ممانعت کرنا ایک ایسا اجتہاد اور نظریہ ہے جسے سنت اور عمل صحابہ کے مد مقابل قرار دیا جاسکتا ہے۔

خلیفہ اور صحابہ کے درمیان ہوئے مطالب کے رد وبدل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا تھا، ہر صحابی نے وہی کہا جو انہوں نے رسول خداؐ کے زمانے میں دیکھا تھا لہٰذا نسخ کا دعوی کرنا اور ان تمام تکبیروں میں صرف چار تکبیروں کو معین کرنا سراسر باطل اور لغو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے بھی اس سے استدلال نہیں کیا ہے، انہوں نے اپنی دلیل کو تعیین عمر اور ان کی ممانعت پر منحصر کر دیا ہے چنانچہ ابن حزم کی عبارت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

صحابہ کے بیانات کے پیش نظر یہ ممانعت اور اتحاد قطعی غیر معتبر قرار پاتے ہیں۔ انہیں میں احمد بھی

۱۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص۱۲۹، (ج۸، ص۱۱۶)

۲۔ الاوائل عسکری، (ص۱۱۳) ۳۔ تاریخ الخلفا، ص۹۳، (ص۱۲۸)

۴۔ اخبار الدول، مطبوع بر حاشیہ کامل، ج۱، ص۲۰۳، (ج۱، ص۲۸۹)

ہیں، وہ عبدالاعلی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ میں زید بن ارقم کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں، یہ دیکھ کر ابوعیسی عبدالرحمن بن ابی لیلی کھڑے ہوکر اس کے پاس آئے اور ہاتھ پکڑ کر کہا: کیا تم بھول گئے؟ کہا: نہیں، لیکن میں نے ابوالقاسم حضرت حبیبؐ خدا کی اقتدا میں نماز پڑھی انہوں نے پانچ تکبیریں کہی تھیں لہٰذا میں اسے کبھی ترک نہیں کرسکتا۔(۱)

بغوی نے ابوایوب بن نعمان کے طریق سے روایت کی ہے کہ میں نے سعید بن حتبہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، زید بن ارقم نے اس پر پانچ تکبیریں کہی۔(۲)

طحاوی نے یحیی بن عبداللہ تمیمی سے نقل کیا ہے کہ میں نے حذیفہ بن یمان کے غلام عیسی کے ہمراہ نماز پڑھی، اس نے پانچ تکبیریں کہی پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر کہا:

نہ مجھے شک ہے اور نہ ہی فراموشی کا شکار ہوا ہوں لیکن میں نے اسی طرح تکبیر کہی جس طرح میرے مولا و آقا حذیفہ بن یمان نے ایک جنازہ پر کہی تھی اور ہماری طرف رخ کرکے کہا تھا: میں شک اور فراموشی کا شکار نہیں ہوا ہوں لیکن میں نے اسی طرح تکبیر کہی جس طرح رسول خداؐ نے پانچ تکبیریں کہی تھیں۔(۳)

ابن قیم جوزی(۴) کا بیان ہے: رسول اسلام ہمیں میت کے لئے دعا کا حکم فرماتے اور میت پر چار تکبیریں کہتے تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ آنحضرت نے پانچ تکبیریں کہیں(۵) آنحضرت کے بعد اصحاب چار، پانچ اور چھ تکبیریں کہتے تھے۔

زید بن ارقم پانچ تکبیریں کہہ کے کہتے ہیں کہ رسولؐ نے پانچ تکبیر کہی ہیں۔ مسلم نے اس کی

۱۔ مسند احمد، ج۴، ص۳۷۰، ج۴، ص۱۷۵، (ج۵، ص۴۹۸، حدیث ۱۸۸۱۳)

۲۔ الاصابہ، ج۲، ص۲۲

۳۔ عمدۃ القاری، ج۴، ص۱۲۹، (ج۸، ص۱۱۶)

۴۔ زادالمعاد ابن قیم، ج۱، ص۴۵، (ج۱، ص۱۴۱)

۵۔ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۴۵۸

روایت کی ہے۔(۱) امام علیؑ نے سہیل بن حنیف کے جنازہ پر چھ تکبیریں کہی۔(۲) اور آنحضرت نے اصحاب بدر کے جنازوں پر چھ تکبیریں کہی۔ دوسرے اصحاب کے جنازہ پر پانچ تکبیر اور تمام مسلمانوں کے جنازہ پر چار تکبیر کہی۔(۳) دار قطنی نے اسے نقل کیا ہے اور سعید بن منصور نے حکم سے اور اس نے ابن عینہ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے چار تکبیروں سے زیادہ کی ممانعت کی ہے، انہوں نے ابن عباس کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس آخری جنازہ پر رسول خداؐ نے نماز پڑھی اس پر چار تکبیریں کہی تھیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ آخر کے دو امر تھے، البتہ آخری امر پر عمل کیا جائے گا لہٰذا آنحضرت کے آخری عمل کو اختیار کرلو۔ خلال نے علل میں یہ روایت بھی نقل کی ہے: مجھے حارث نے بتایا کہ لوگوں نے امام احمد بن حنبل سے حدیث ابی ملیح کے بارے میں سوال کیا پھر حدیث کو بیان کیا، یہ سنتے ہی احمد نے کہا: یہ جھوٹ ہے، اس کی کوئی اصل و اساس نہیں، صرف محمد بن زیاد طحان نے اس کی روایت کی ہے جو حدیثیں جعل کرتا تھا۔

اور لوگوں نے ابن عباس کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی اور کہا: اے فرزندان آدم! یہی تمہاری سنت و روش ہے۔

اس حدیث کو بھی جس میں اس نے کہا: محمد بن معاویہ نیشاپوری مقیم مکہ کا تذکرہ ہوا تو ابو عبداللہ نے سننے کے بعد کہا کہ میری نظر میں اس کی حدیث جعلی و من گھڑت ہے۔

چنانچہ انہیں میں سے ابن عباس کی وہ روایت بھی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہیں۔

۱۔ صحیح مسلم، (ج ۲، ص ۳۵۱، حدیث ۷۲، کتاب الجنائز)؛ سنن ابو داؤد، ج ۲، ص ۶۷، (ج ۳، ص ۲۱۰، حدیث ۳۱۹۷)؛ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۵۸، (ج ۱، ص ۴۸۲، حدیث ۱۵۰۵)؛ مسند احمد، ج ۴، ص ۳۶۸/۳۷۱، (ج ۵، ص ۴۹۴، حدیث ۱۸۷۸۶)؛ سنن بیہقی، ج ۴، ص ۳۶؛ فتح الباری، ج ۳، ص ۱۵۷، (ج ۳، ص ۲۰۲)

۲۔ سنن بیہقی، ج ۴، ص ۳۶

۳۔ سنن دار قطنی، (ج ۲، ص ۷۳، حدیث ۷)؛ سنن بیہقی، ج ۴، ص ۳۷؛ فتح الباری، ج ۳، ص ۱۵۷، (ج ۳، ص ۲۰۲)

لوگوں نے یحیٰی بیہقی کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ اس نے ابی اور اس نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ فرشتوں نے جب حضرت آدمؑ کے جنازہ پر نماز پڑھی تو چار تکبیریں کہیں اور کہا: اے فرزندان آدمؑ! یہی تمہاری سنت وروش ہے جب کہ یہ درست نہیں کیوں کہ روایت مرفوع ہے اور اصحاب معاذ پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

علقمہ کا بیان ہے: میں نے عبداللہ سے کہا: اصحاب معاذ میں سے کچھ لوگ شام سے آئے اور ایک جنازے پر پانچ تکبیریں کہیں۔ عبداللہ نے کہا: مردے پر کوئی تکبیر نہیں، جب امام تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ منصرف ہو جائے تو منصرف ہو جاؤ (یہ ابن قیم کا صریحی کلام ہے جس میں فوائد ہیں)

۷۵۔ خلیفہ اور بادشاہ روم

امام احمد بن حنبل نے ''الفضائل'' میں نقل کیا ہے: مجھ سے عبداللہ قواریری، اس نے مولی، اس نے سعید بن میتب سے روایت کی ہے: سعید بن میتب کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب ہمیشہ کہتے تھے: **اعوذ باللہ من معضلة ليس لها ابو الحسن** ''میں ایسی مشکل سے پناہ چاہتا ہوں جس کو حل کرنے کے لئے ابوالحسنؑ ''علی بن ابی طالب'' نہ ہوں''۔

ابن میتب کا بیان ہے کہ خلیفہ کے اس قول کی ایک اہم علت ہے اور وہ یہ کہ بادشاہ روم نے عمر بن خطاب کے پاس ایک خط ارسال کیا اور ان سے چند مسائل پوچھے، عمر نے ان مسئلوں کو اصحاب کے سامنے پیش کیا لیکن وہ اس کا جواب دینے سے قاصر رہے چنانچہ ان مسائل کو علی بن ابی طالبؑ کے سامنے بیان کیا گیا، حضرت نے بہت ہی جلدی بہترین جواب سے بہرہ مند فرمایا۔(۱)

بادشاہ روم کے مسائل:

۱۔ وہ کون سی چیز ہے جسے خداوند عالم نے خلق نہیں فرمایا؟

۱۔ فضائل علی ابن ابی طالب، (ص ۱۵۵، حدیث ۲۲۲)

۲۔وہ کون سی شی ہے جسے خداوند عالم نہیں جانتا؟

۳۔وہ کون سی چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں؟

۴۔وہ کیا ہے جس کا پورا حصہ منہ ہے؟

۵۔وہ کیا ہے جس کا پورا حصہ پیر ہے؟

۶۔وہ کون سی شئی ہے جو صرف آنکھ ہے؟

۷۔وہ کون سی چیز ہے جس کا پورا حصہ بال ہے؟

۸۔ایسے شخص کی نشاندہی کریں جس کے رشتہ دار نہیں؟

۹۔ایسی چار چیزوں کی نشاندہی کریں جنہیں رحم وشکم نے حمل نہیں کیا؟

۱۰۔ایسی چیز کے متعلق بتائیں جو سانس لیتی ہے لیکن اس میں روح نہیں؟

۱۱۔کلیسا کی گھنٹی کے متعلق بتائیں وہ کیا کہتی ہے؟

۱۲۔صرف ایک مرتبہ حرکت کرنے والی شی کے متعلق بتائیں؟

۱۳۔ایسے درخت کے متعلق بتاؤ جس کے سایہ میں آدمی سو سال تک رہتا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتا دنیا میں اس کی مثل کون سی شی ہے؟

۱۴۔ایسی جگہ کے متعلق بتائیں جہاں صرف ایک بار آفتاب روشن ہوا؟

۱۵۔ایسے درخت کے متعلق بتائیں جو پانی کے بغیر تناور ہوا؟

۱۶۔اہل بہشت کے متعلق بتائیں، وہ کھاتے ہیں لیکن پیشاب پائخانہ نہیں کرتے دنیا میں اس کی مثال کیا ہے؟

۱۷۔جنتی دسترخوان کے متعلق جس پر بہت سے جام ہوتے ہیں اور ہر جام اور ظرف میں انواع واقسام کی غذا ہوتی ہے لیکن وہ آپس میں مخلوط نہیں ہوتے، دنیا میں اس کی مثال کیا ہے؟

۱۸۔ایسی حور کے متعلق بتائیں جو سیب سے نکلتی ہے لیکن اس میں کمی واقع نہیں ہوتی؟

۱۹۔ایسی کنیز کے بارے میں بتائیں کہ دنیا میں اس کے لئے دو مرد ہیں آخرت میں صرف ایک مرد؟

۲۰۔ جنت کی کنجیاں کیا ہیں؟

حضرت علیؑ نے خط پڑھنے کے بعد فوراً اس کی پشت پر تحریر فرمایا:

جوابات

بسم الله الرحمن الرحیم

امابعد! اے بادشاہ! میں نے تمہارا خط پڑھا، اس کا جواب خدا کے لطف وکرم اور اس کے رسول کی برکت ونصرت سے تحریر کر رہا ہوں:

۱۔ جس چیز کو خداوند عالم نے خلق نہیں فرمایا وہ ''قرآن مجید'' ہے، اس لئے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کی صفت ہے اور اسی طرح تمام نازل شدہ کتابیں ہیں۔

۲۔ جس شئی سے خداوند عالم ناواقف ہے وہ تمہارا قول ہے کہ اس کا کوئی فرزند، ہمسر اور شریک کار ہے، خداوند عالم کا کوئی فرزند نہیں: ﴿لم یلد ولم یولد﴾۔

۳۔ جو چیز خدا کے پاس نہیں وہ ظلم وستم وزیادتی ہے، خدا اپنے بندوں پر ظلم وستم نہیں کرتا۔

۴۔ جس چیز کا تمام حصہ منھ ہے وہ آگ ہے چاہے جس چیز کو اس میں ڈالا جائے وہ ہضم کر جاتی ہے۔

۵۔ جس شئی کا پورا حصہ پیر ہے وہ پانی ہے۔

۶۔ جس چیز کا تمام حصہ آنکھ ہے وہ ''آفتاب'' ہے۔

۷۔ جس چیز کا پورا حصہ بال ہے وہ ''ہوا'' ہے۔

۸۔ جس کا خانوادہ نہیں وہ حضرت آدمؑ ہیں۔

۹۔ جن چار چیزوں کو کسی شکم نے حمل نہیں کیا وہ: عصائے موسیٰ، گوسفند ابراہیمؑ، آدمؑ اور حوا ہیں۔

۱۰۔ بغیر روح کے سانس لینے والی شئی ''صبح'' ہے، خدا فرماتا ہے: ﴿والصبح اذا تنفس﴾

۱۱۔ کلیسا کی گھنٹی اپنی آواز میں کہتی ہے: طقا طقا حقا حقا مهلا مهلا عدلا عدلا صدقا

صدقا ان الدنیا قد غرقنا والسقهو تناقض الدنیا قرنا قرنا مالی یوم یمضی عنا الا اوھی منا رکنا ان الموت قداخبر نا انا نرحل فاستوطنا ''بے شک دنیا نے مجھے فریب دیا اور میرے ساتھ کھلواڑ کیا ہے، دنیا صدی صدی ہوکر گذرتی رہی، ہمارا کوئی دن نہیں گذرتا مگر یہ کہ ہمارے رکن کوخراب کردیتا ہے یہ سچ ہے کہ اس نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ ایک دن ہم رخصت ہوجائیں گے لہٰذا ہم نے اس میں اپنا دل باندھ رکھا ہے''۔

۱۲۔صرف ایک مرتبہ حرکت کرنے والی شئی ''طور سینا'' ہے جب بنی اسرائیل نے عصیان وگناہ کیا اوران کے سرزمین مقدس کے درمیان چند شبانہ روز کا فاصلہ ہوا تو خداوند عالم نے وہ حصہ جدا کیا، اس کے لئے نور کے دو پر قرار دیئے جوان کے سروں پر سایہ فگن رہے چنانچہ خدا کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ ... ﴾''اوراس وقت کو یاد دلاؤ جب ہم نے پہاڑ کو ایک سائبان کی طرح ان کے سروں پر معلق کردیا اورانہوں نے گمان کرلیا کہ یہ اب گرنے والا ہے''۔(۱) پھر بنی اسرائیل سے فرمایا: کیا تم لوگ ایمان نہیں لاؤگے تا کہ میں اسے نیچے کروں، جب انہوں نے توبہ کی تو اسے اس کی جگہ پر واپس پلٹا دیا۔

۱۳۔وہ جگہ جہاں صرف ایک بار آفتاب روشن وہ دریائے نیل ہے، خدا نے اسے جناب موسیٰ کے لئے شگافتہ کیا، پانی پہاڑ کی مانند بلند ہوا اور آفتاب کی تابش سے زمین خشک ہوگئی۔تھوڑی دیر بعد پھر پانی اپنی جگہ پر واپس آگیا۔

۱۴۔وہ درخت جس کے سایہ میں سو سال آدمی رہتا ہے وہ درخت طوبیٰ اورآسمان ہفتم میں سدرۃ المنتھیٰ ہے، اس کی طرف بنی آدمؑ کے اعمال جاتے ہیں، وہ بہشتی درختوں میں سے ایک درخت ہے، کوئی ایسا گھر نہیں جس میں اس کی شاخ نہ ہو اوراس کی مثال دنیا میں آفتاب کی ہے کہ درحقیقت وہ ایک ہے لیکن اس کا نور ہر جگہ موجود ہے۔

۱۵۔پانی کے بغیر تناور ہونے والا درخت ''درخت یونسؑ'' ہے، یہ آپ ہی کا ایک معجزہ تھا، خدا

۱۔اعراف/۱۷۱

فرماتا ہے: ﴿وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ﴾ ''ہم نے اس پر کدو کا درخت اگایا''۔(۱)

۱۶۔اہل بہشت کی غذا کی مثال دنیا میں رحم مادر میں موجود ''جنین'' کی ہے جو بند ناف کے ذریعہ غذا حاصل کرتا ہے اور کبھی پیشاب و پائخانہ نہیں کرتا۔

۱۷۔ایک ظرف میں انواع و اقسام کی غذا۔ دنیا میں اس کی نظیر پرندوں کے انڈے ہیں جن میں سفید اور زرد دو رنگ ہوتے ہیں لیکن وہ مخلوط نہیں ہوتے۔

۱۸۔سیب سے باہر آنے والی کنیز۔ دنیا میں اس کی مثال بیج کی ہے جو سیب سے نکلتا ہے لیکن سبب نہیں بدلتا۔

۱۹۔ایسی کنیز جو دو افراد کے درمیان ہوتی ہے وہ درخت خرما ہے جو دنیا میں میرے جیسے مومن اور اور تیرے جیسے کافر دونوں کے لئے ہوتا ہے لیکن آخرت میں صرف ہم جیسوں کے لئے ہے تیرے لئے نہیں اس لئے کہ وہ جنت میں ہے اور تو اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔

۲۰۔جنت کی کنجیاں: لاالہ الاالله محمدالرسول الله ہے۔

ابن مسیب کا بیان ہے: قیصر روم نے جیسے ہی خط پڑھا برجستہ کہنے لگا: یہ جواب صرف خانہ نبوت ورسالت سے صادر ہوا ہے، پھر جواب دینے والے سے سوال کیا تو اس نے کہا کہ یہ رسول خداؐ کے ابن عم کا جواب ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت کو تحریر کیا:

سلام علیک امابعد میں نے آپ کا جواب پڑھا اور سمجھ گیا کہ آپ خاندان نبوت اور معدن رسالت کی ایک فرد ہیں اور شجاعت و علم کی صفت سے آراستہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ کتاب خدا میں موجود روح کے متعلق اپنے عقیدہ کا اظہار کریں: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾۔(۲)

امیر المومنینؑ نے اسے تحریر فرمایا:

امابعد! یہ روح خداوند عالم کی صفت کا لطیف کنایہ ہے جسے اس نے اپنے خزانہ ملک سے پیدا کیا

۱۔صافات/۱۴۶

۲۔اسراء/۸۵

اور اپنے ہی ملک میں سکونت دے رکھا ہے لہٰذا وہ اس کے نزدیک تیرے لئے وسیلہ ہے اور اس کے لئے تیرے نزدیک امانت......والسلام۔(۱)

۷۶۔احکام کے بارے میں خلیفہ کا علم

ابن اذینہ عبدی سے منقول ہے: میں نے عمر کے پاس آکر پوچھا: عمرہ کہاں بجالاؤں؟ عمر نے کہا: علی بن ابی طالبؑ کے پاس جاؤ اور ان سے سوال کرو۔ میں نے ان کی خدمت میں آکر سوال کیا، حضرت نے مجھ سے فرمایا: تم نے جہاں سے شروع کیا ہے وہیں سے عمرہ محسوب ہوگا۔ راوی کا بیان ہے: اس کے بعد میں عمر کے پاس آیا اور اس مطلب کو ان سے بیان کیا، تو انہوں نے کہا: جو علی ابن ابی طالبؑ نے بیان کیا ہے، میری نظر میں وہی تیرے لئے بہتر ہے۔(۲)

محب الدین طبری نے معاویہ، عائشہ اور عمر جیسے افراد کا حضرت سے مسائل دریافت کرنے کو امیر المومنینؑ کی خصوصیت میں شمار کیا ہے چنانچہ احمد کے طریق سے ایک حدیث میں ہے: عمر کے اوپر جب بھی کوئی مشکل آن پڑتی تو وہ حضرت سے حل کرتے تھے۔ پھر انہوں نے ایسے بہت سے واقعات کو نقل کیا ہے۔

ایسی صورت میں عمر بن خطاب کی اعلمیت جسے صاحب الوشیعہ خیال کرتا ہے کہاں ہے؟؟!

۷۷۔مناسک کے بارے خلیفہ کی رائے

امام مالک نے عبداللہ بن عمر سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب نے روز عرفہ لوگوں کے درمیان خطبہ پڑھا اور انہیں مناسک حج کی تعلیم دی، جن مطالب کو بیان کیا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ میدان منیٰ آنے کے بعد اگر تم میں کوئی رمی جمرات کرے (پتھر مارے) تو حاجی پر حرام ہونے والی تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں سوائے

۱۔ زین الفتی فی شرح سورہ ھل اتیٰ: تذکرۃ الخواص الامۃ، ص ۸۷، (ص ۱۴۴)

۲۔ المحلیٰ، ج ۷، ص ۷۶؛ ریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۱۹۵، (ج ۳، ص ۱۴۲)؛ ذخائر العقبیٰ، ص ۷۹

عورت اور خوشبو کے۔ لہٰذا طواف کعبہ سے قبل کوئی عورت کے پاس نہ جائے اور خوشبو استعمال نہ کرے۔

دوسری حدیث میں ہے:

عمر بن خطاب نے کہا: جو شخص رمی جمرات کرے، پھر سر کے بال ترشوائے یا بال کو چھوٹا کرے اور قربانی کرے تو اس پر وہ تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو حرام تھیں سوائے عورت اور خوشبو کے۔

ابو عمر کے الفاظ ہیں: سالم بن عمر نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ عمر نے کہا: جب بھی رمی جمر کیا (سنگ ریزہ مارا)، قربانی کی اور سر کے بال ترشوائے تو تم پر عورت اور خوشبو کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے۔

سالم کا بیان ہے: عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اسلام کو خانہ کعبہ کے طواف سے قبل خوشبو لگاتے ہوئے دیکھا۔ سالم کہتا ہے: لہٰذا رسول خداؐ کی پیروی کرنا زیادہ ضروری ہے۔ (۱)

صاحب ازالۃ الخفاء پہلی دو حدیثوں کو نقل کر کے لکھتے ہیں: میں نے کہا کہ فقہاء نے ان کے قول (خوشبو لگانے) کو ترک کر دیا ہے کیوں کہ حدیث عائشہ و.. ان کے نزدیک صحیح تھی کہ رسول خداؐ خانہ کعبہ کے طواف سے قبل خوشبو استعمال کرتے تھے۔ (۲)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: ایسی امت پر افسوس صد افسوس جو اس انسان سے مناسک حج کی تعلیم حاصل کرے جو محرم پر حرام شدہ چیزوں کے حلال کے اسباب سے بھی ناواقف ہے اور ایسے خلیفہ پر آفرین جس کے قول و گفتار کو فقہاء سنت نبیؐ کی مخالفت کی بنا پر ترک کریں۔ چنانچہ یہ مخالفت حدیث عائشہ وغیرہ سے ثابت ہوتی ہے، ائمہ صحاح و مسانید نے اسے نقل کیا ہے۔ (۳)

۱۔ موطا مالک، ج۱، ص۲۸۵، (ج۱، ص۴۱۰، حدیث۲۲۱)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۷۳، (ج۳، ص۲۵۹، حدیث۹۱۷)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۰۴؛ جامع بیان العلم، ج۲، ص۱۹۷، (ص۴۳۵، حدیث۲۱۰۰)؛ مختصر جامع بیان العلم، ص۲۲۶، (ص۳۹۲)؛ الاجابۃ زرکشی، ص۸۸، (ص۸۱)۔

۲۔ ازالۃ الخفا، (ج۲، ص۱۰۵)

۳۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۵۸، (ج۲، ص۶۲۴، حدیث۱۶۶۷)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۳۰، (ج۳، ص۱۸، حدیث۳۱، کتاب الحج)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۷۳، (ج۳، ص۲۵۹، حدیث۹۱۷)؛ سنن ابوداؤد، ج۱، ص۲۷۵، (ج۲، ص۱۴۴، حدیث۱۷۴۵)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۳۲؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۱۷، (ج۲، ص۹۷۶، حدیث۲۹۲۶)؛ سنن نسائی، ج۵، ص۱۳۷، (ج۲، ص۳۳۷، حدیث۳۶۶۵)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۰۵

بیہقی نے حدیث عائشہ کے مضمون پر مشتمل ابن عباس سے بھی ایک روایت منقول ہے۔(۱)

۷۸۔شراب کے بارے میں خلیفہ کا اجتہاد

ا۔زمخشری نے ''ربیع الابرار باب لہولعب''(۲) میں اور شہاب الدین ابشیہی نے ''مستطرف'' (۳) میں لکھا ہے کہ خداوند عالم نے شراب کے متعلق تین آیتیں نازل فرمائی ہیں: پہلی میں خدا کا ارشاد ہے: ﴿یَسْأَلُونَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیهِمَا إِثْمٌ کَبِیرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ ''اے رسولؐ! لوگ تم سے شراب اور قمار بازی کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ عظیم اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں''۔(۴)

آیت نازل ہونے کے بعد مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہو گئے، بعض شراب پیتے تھے اور بعض نے ترک کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص شراب پی کر نماز میں کھڑا ہوا اور بکواس شروع کر دی تو آیت نازل ہوئی: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُکَارَیٰ حَتَّیٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ ''اے وہ لوگ جو ایمان لائے حالت مستی میں نماز کے قریب نہ جاؤ اور اس وقت جب تم ادراک و شعور سے بیگانہ ہو کہ نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہو''۔(۵)

اس آیت کے بعد بعض مسلمانوں نے شراب نوشی کو جاری رکھا اور بعض نے ترک کر دیا، چنانچہ عمر نے شراب پی اور اونٹ کی ایک ہڈی سے عبدالرحمٰن بن عوف کا سر پھوڑ دیا پھر بیٹھ کر اسود کے اشعار کے ذریعہ بدر کے مقتولوں پر نوحہ خوانی کرنے لگے:

ا۔سنن بیہقی، (ج ۵، ص ۲۰۵۔۲۰۴؛ الاجابۃ زرکشی، ص ۸۹، (ص ۸۱)

۲۔ربیع الابرار، (ج ۴، ص ۵۱)

۳۔المستطرف، ج ۲، ص ۲۹۱، (ج ۲، ص ۲۶۰)

۴۔سورہ بقرہ/۲۱۹

۵۔سورہ نساء/۴۳

وکائن بالقلیب قلیب بدر	من الفتیان والعرب الکرام
وکائن بالقلیب قلیب بدر	من الشیزی المکلل بالسنام
ایوعدنی ابن کبشة ان سنحیی	و کیف حیلة اصداء و هام ؟!
ایعجز ان یرد الموت عنی	و ینشرنی اذا بلیت عظامی؟
الا من مبلغ الرحمن عنی	بانی تاریک شهر الصیام
فقل لله یمنعنی شرابی	وقل لله یمنعنی طعامی

''بدر کے کنویں کے درمیان عرب کے جوان اور کریم افراد پڑے ہوئے ہیں۔ بدر کے کنویں میں سخی اور عظیم افراد سوئے ہوئے ہیں۔ کبشہ کا بیٹا (رسول خداؐ) مجھے موت کے بعد کی زندگی سے خوف دلاتا ہے۔ ایک بوسیدہ بدن جو کیڑے مکوڑوں کا نوالہ بن چکا ہے، زندہ کیسے ہوسکتا ہے؟! کیا اس میں اتنی صلاحیت وقدرت ہے کہ مجھ سے موت کو دور کر سکے اور میری ہڈیوں کے گلنے کے بعد مجھے زندہ کردے؟! کیا کوئی ایسا پیغامبر ہے جو میرا پیغام خدا تک پہونچادے کہ میں نے ماہ صیام کا روزہ ترک کردیا ہے؟! اگر خدا مجھے شراب خوری سے روک سکتا ہے تو خدا سے کہہ دو! اگر خدا مجھے غذا سے محروم کرسکتا ہے تو خدا سے کہہ دو (میرا پیغام پہونچادو)''۔

یہ واقعہ رسول خداؐ کو معلوم ہوا، آپ غم وغصہ کی حالت میں باہر آئے اور ہاتھ میں موجود چھڑی سے عمر کو مارا، عمر گھگھیائے: میں خدا اور رسولؐ کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں پھر رسولؐ نے آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنتَهُونَ﴾ ''شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے بارے میں تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کرے اور تمہیں یاد خدا اور نماز سے روک دے تو کیا تم واقعاً رک جاؤ گے''۔(۱)۔ یہ سن کر عمر نے کہا: انتهينا انتهينا'' ہم نے قبول کیا، ہم نے قبول کیا''۔

۱۔سورہ مائدہ/۹۱

طبری نے اپنی تفسیر میں متذکرہ اشعار تھوڑی تبدیلی کے ساتھ نقل کئے ہیں چنانچہ انہوں نے عمر کے نام کی جگہ رجل لکھ دیا ہے۔(۱)

۲۔عمر بن خطاب.....سے منقول ہے: جب تحریم شراب کی آیت نازل ہوئی تو عمر نے کہا: خدایا! شراب کے بارے میں اپنا بیان روشن کر جو کافی ووافی ہو، آیت نازل ہوئی: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾

چنانچہ رسول خداؐ نے عمر کو بلایا اور آیت کی تلاوت فرمائی۔ عمر نے کہا: خدایا! شراب کے بارے میں شفا بخش بیان نازل فرما۔ تو سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾۔ نزول آیت کے بعد رسول خداؐ کا منادی آواز لگا رہا تھا: جان لو کہ شراب کے نشے میں دھت ہو کر نماز کے نزدیک نہ جاؤ۔

چنانچہ عمر کو بلا کر اس کی تلاوت کی گئی تو عمر نے کہا: خدایا: ہمارے لئے واضح وآشکار بیان نازل فرما، آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ عمر نے کہا: انتهينا انتهينا "ہم دست بردار ہوئے، ہم دست بردار ہوئے"۔(۲)

۳۔سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ لوگ جاہلی عہد کی روش پر زندگی گزار رہے تھے کہ انہیں امر ونہی کیا گیا، چنانچہ بعض افراد ایسے تھے جو صدر اول اسلام میں شراب پیتے تھے جن کے لئے آیت نازل

۱۔تفسیر طبری، ج۲، ص۲۰۳، (مجلد۲، ج۲، ص۳۶۲)

۲۔سنن ابوداؤد، ج۲، ص۱۲۸، (ج۳، ص۳۲۵، حدیث۳۶۷۰)؛ مسند احمد، ج۱، ص۵۳، (ج۱، ص۸۶، حدیث۳۸۰)؛ سنن نسائی، ج۸، ص۲۸۷، (ج۳، ص۲۰۲، حدیث۵۰۴۹)؛ تفسیر طبری، ج۷، ص۲۲، (مجلد۵، ج۷، ص۳۳)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۸۵؛ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۲۴۵، (ج۱، ص۳۲۳)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۲۷۸، (ج۲، ص۳۰۵، حدیث۳۱۰۱)؛ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۲۰۰؛ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۲۵۵/۵۰۰، ج۲، ص۹۲؛ تیسیر الوصول ج۱، ص۱۲۴، (ج۱، ص۱۲۸، حدیث۱۱)؛ تفسیر خازن، ج۱، ص۵۱۳، (ج۱، ص۴۹۱)؛ تفسیر کبیر، ج۳، ص۴۵۸، (ج۱۲، ص۸۱)؛ فتح الباری، ج۸، ص۲۲۵، (ج۸، ص۲۷۹)؛ درمنثور، ج۱، ص۲۵۲، (ج۱، ص۶۰۵)

ہوئی: ﴿یسا لونک عن الخمر و المیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس﴾

لوگوں نے کہا: ہم شراب فائدے کے لئے پیتے ہیں گناہ سمجھ کر نہیں۔ انہیں ایام میں ایک شخص شراب پی کر آگے کھڑا ہوا تا کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، اس نے آیت پڑھی ﴿قل یا ایھا الکافرون اعبد ماتعبدون﴾ "کہہ دواے کافرو! جس کی تم پرستش کرتے ہو ہم بھی اس کی پرستش کرتے ہیں"۔

اسی وقت آیت نازل ہوئی: ﴿یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لاتَقْرَبُوا الصَّلاَةَ وَأَنْتُمْ سُکَارَی﴾ آیت سن کر لوگوں نے کہا: ہم نماز میں شراب استعمال نہیں کریں گے بلکہ اس کے بعد استعمال کریں گے۔ عمر نے کہا: خدایا! شراب کے بارے میں ہمارے لئے کافی ووافی بیان نازل فرما۔ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیْطَانُ أَنْ یُوقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلاَةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ عمر نے کہا: انتھینا انتھینا۔ (۱)

۴۔ حارثہ بن مضرب سے منقول ہے کہ عمر نے کہا: خدایا! شراب کے بارے میں ہمیں باخبر کر، آیت نازل ہوئی: ﴿یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لاتَقْرَبُوا الصَّلاَةَ وَأَنْتُمْ سُکَارَی حَتَّی تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ آیت کے نزول کے بعد رسول خدا نے عمر کو بلایا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ آیت عمر کی خواہش کے مطابق نہیں تھی اسی لئے کہا: خدایا! ہمیں شراب کے بارے میں باخبر کر، آیت نازل ہوئی: ﴿یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾ "ایمان والو! شراب، جوا، بت، پانسہ یہ سب گندے شیطان کے اعمال ہیں لہذا ان سے پرہیز کرو"۔ (۲) پھر آیت ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ پر ختم ہوئی۔ تو رسول خدا نے عمر کو بلا کر آیت کی تلاوت فرمائی۔ عمر نے کہا: انتھینا، انتھینا "اے خدا! ہم دست بردار ہوئے..."۔ (۳)

۱۔ تفسیر قرطبی، ج۵، ص۲۰۰، (ج۵، ص۱۳۱

۲۔ سورہ مائدہ/۹۰

۳۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۴۳، (ج۴، ص۱۵۹، حدیث ۷۲۲۴)؛ سنن ترمذی، ج۲، ص۱۷۶، (ج۵، ص۲۳۶، حدیث ۳۰۴۹)؛ روح المعانی آلوسی، ج۷، ص۱۵، (ج۷، ص۱۷)

۵۔ابن منذر نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے: وہ کہتا ہے کہ جب آیہ مُبارکہ: ﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ... ﴾ نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے ﴿ منافع للناس ﴾ کو مدعیٰ بنا کر اپنی شراب نوشی جاری رکھی اور بعض لوگوں نے اثم کبیر کے حوالے سے اسے ترک کر دیا، انہیں میں عثمان بن مظعون بھی تھے۔(۱) پھر سورہ نساء کی آیت نازل ہوئی: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ نزول آیت کے بعد بعض لوگوں نے ترک کر دیا لیکن بعض افراد دن میں چھوڑ کر رات میں مست رہتے تھے۔

تبھی سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی: ﴿انما الخمر والميسر... ﴾ تو عمر نے کہا: تمہیں موت آئے، تم لوگ قمار بازی اور بت پرستی کے فریفتہ ہو گئے ہو اس سے اجتناب کرو۔ یہ سن کر لوگوں نے اسے ترک کر دیا۔

طبری نے سعید بن جبیر کے طریق سے اسی سے ملتی جلتی روایت نقل کی ہے آخر میں ہے: جب آیہ مبارکہ: ﴿ انما الخمر والميسر.... ﴾ نازل ہوئی تو عمر نے کہا: تم مر جاؤ گے، شراب کے فریفتہ ہو گئے ہو۔(۲)

ابن منذر نے محمد بن کعب قرظی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی تو عمر نے کہا: خدایا! ہم نے اس سے دوری اختیار کی۔(۳)

تبصرہ امینیؒ:

میں نہیں چاہتا تھا کہ ایام جاہلیت میں خلیفہ کی اس شراب کی لت کو ثابت کرنے والی احادیث و

۱۔اس جلیل القدر صحابی پر یہ تہمت ہے، انہوں نے دور جاہلیت سے ہی شراب چھوڑ رکھی تھی کیوں کہ وہ اس کو عقل کے زائل ہونے اور چھوٹوں کے مذاق اڑانے کا بہانہ سمجھتے تھے: ملاحظہ ہو استیعاب، ج ۲، ص ۴۸۲، (القسم الثالث، ص ۱۰۵۴، نمبر ۱۷۷۹)؛ درمنثور، ج ۲، ص ۳۱۵، (ج ۳، ص ۱۵۹)

۲۔تاریخ طبری، (مجلد ۲، ج ۲، ص ۳۶۱)۔

۳۔درمنثور، ج ۲، ص ۳۱۵/ ۳۱۷/ ۳۱۸، (ج ۳، ص ۱۵۷/ ۱۵۹/ ۱۶۵)

روایات کو بیان کروں اس لئے کہ اسلام گذشتہ باتوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

خدا کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے ان میں کوئی حرج نہیں کہ کھا پی چکے ہیں جب کہ وہ متقی بن گئے اور ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے اور پرہیز کیا اور ایمان لے آئے اور پرہیز کیا اور نیک عمل کیا، اللہ نیک عمل کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے''۔(۱)

بلکہ قارئین کے لئے خلیفہ کی کتاب وسنت اور حدود الٰہی سے عدم علم وآگاہی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ خدا کے اس ارشاد کو بھی سمجھنے سے قاصر تھے: ﴿یسالونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس﴾ بے شک یہ آیت شراب کی حرمت کے لئے نازل ہوئی ہے اور صحابہ نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا۔ عائشہ کا بیان ہے: جب سورہ بقرہ نازل ہوا اور اس میں تحریم شراب کی آیت نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے شراب کی ممانعت فرمائی۔(۲)

خطرات کی نشاندہی کرنے کے لئے اس سے اچھا اور قطعی طریقہ نہیں ہوسکتا تھا، خاص طور سے قرآن مجید کی دوسری آیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ﴾ ''ہمارے پروردگار نے صرف بدکاریوں کو حرام قرار دیا ہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی اور گناہ اور ناحق ظلم کو''۔(۳) اثم کے سلسلے میں نازل شدہ آیات میں یہ آیت صریحی انداز میں اسی اثم کی حرمت کو بیان کررہی ہے جو آیہ اول میں موجود ہے کہ شراب اثم ہے اور وہ حرام ہے، کبھی کبھی خود اثم پر شراب کا اطلاق ہوتا ہے۔

۱۔سورہ مائدہ/۹۳

۲۔تاریخ بغداد، ج۸،ص۳۵۸،(نمبر۴۴۵۷)؛ درّ منثور، ج۱،ص۲۵۲،(ج۱،ص۶۰۶)

۳۔سورہ اعراف/۳۳

بقول شاعر:

نشرب الاثم بالصواع جهارا　　　وترى المسک بيننا مستعارا

''ہم آشکارا اور علانیہ طور پر جام کے ذریعہ شراب نوشی کرتے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے مشک کو عاریۃً حاصل کیا ہوا ہے''

دوسرا شاعر کہتا ہے:

شربت الاثم حتى ضل عقلی　　　کذالک الاثم تذيب بالعقل

''میں نے شراب نوشی کی یہاں تک کہ میری عقل زائل ہوگئی۔ ہاں اسی طرح شراب عقلوں کو زائل کردیتی ہے۔(۱)

تحریم شراب اور شراب نوشی کے بعد جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ شراب کا کوئی فائدہ نہیں، طبری نے اس کی تصریح کی ہے۔(۲)

جصاص ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

یہ آیت شراب کی تحریم پر دلالت کرتی ہے، اگر شراب کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی دوسری آیت نازل نہ بھی ہوتی تو یہی آیت کافی تھی۔ اور وہ خدا کا ارشاد ہے: ﴿قل فيهما اثم كثير﴾ ''کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ عظیم ہے''۔ اور ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ ہر حال میں حرام ہے: ﴿قل انما حرم ربى الفواحش ما ظهر وما بطن والاثم﴾ اس نے ہمیں باخبر کیا کہ اثم اور گناہ حرام ہے۔ اور صرف باخبر کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کبیر کے ذریعہ اس کی صفت بھی لائی تاکہ ممانعت میں تاکید آشکار ہو سکے۔ اور خدا کا ارشاد ﴿منافع للناس﴾ میں مباح اور جواز شراب کی کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ اس سے مراد صرف دنیاوی فائدے ہیں۔ بے شک تمام محرمات میں اس کو انجام دینے والے کے

۱۔ لسان العرب، ج ۱۴، ص ۲۷۲، (ج ۱، ص ۷۵)؛ تاج العروس، ج ۸، ص ۱۷۹

۲۔ تفسیر طبری، ج ۳، ص ۲۰۲، (مجلد ۲، ج ۲، ص ۳۵۹)

لئے دنیا میں فوائد ہوتے ہیں۔لیکن یہ فوائدان نقصانات اور عذاب کی تلافی نہیں کر سکتے جن کا مستحق اس کا مرتکب اور انجام دینے والا ہوتا ہے؛ لہٰذا ذکر منافع ،شراب کے جواز پر دلالت نہیں کرتا۔خاص طور سے اس ممانعت کی سیاق تائید کرتی ہے: ﴿واثمھا اکبر من نفعه﴾ ''ان دونوں کا گناہ ان کے منافع سے عظیم ہے''یعنی ان دونوں کی وجہ سے جس عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے وہ ان کے منافع اور فوائد سے کہیں زیادہ عظیم اور بزرگ ہے۔

اگر کہا جائے کہ ''خداوند عالم کا ارشاد: ﴿فیھما اثم کبیر﴾ تھوڑی سی شراب نوشی کی تحریم وحرمت پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ مقصود آیت ایسی چیز ہے جو شراب خور پر دوسرے گناہ عارض ہوتے ہیں مثلاً مست ہونا، ترک نماز اور دوسرے محرمات کو انجام دینا وغیرہ۔لہٰذا جب بھی ان کاموں کی وجہ سے گناہ ہو تو ایسی صورت میں آیت کے ظاہری مطلب سے حرمت آشکار ہوتی ہے لیکن تھوڑی سی شراب نوشی سے حرمت سمجھ میں نہیں آتی''؟۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ آیت ''فیھما اثم کبیر'' کا مفہوم اس کے پینے میں موجود ہے، اس لئے کہ شراب خداوند عالم کا فعل ہے جس میں کوئی گناہ نہیں ہے ہاں! عذاب گناہ کا استحقاق ہمارے افعال واعمال کی وجہ سے ہے۔لہٰذا جب صرف شراب نہیں بلکہ شراب نوشی مقصود ہو تو پھر آیت اس طرح ہوگی: ''فی شربھا وفعل المیسر اثم کبیر'' ''شراب پینے اور فعل قمار انجام دینے میں گناہ عظیم ہے۔اسی لئے شراب نوشی کم ہو یا زیادہ بہر حال گناہ عظیم میں شامل ہے۔ (۱)

گویا یہ تمام باتیں خلیفہ محترم کی نظروں سے دور تھیں اور وہ اپنی تشفی اور تسکین کے لئے اس آیت کے بعد بھی قطعی بیان کے متقاضی تھے،ان کا قول: ''خدایا! میرے لئے قطعی بیان نازل فرما'' اس بات پر دلالت کر رہا ہے۔چنانچہ کافی دنوں بعد جب آیت نازل ہوئی: ﴿وفھل انتم منتھون﴾ تب جا کر اس فعل سے دست بردار ہوئے۔

۱۔احکام القرآن جصاص، ج۱، ص۳۸۰، (ج۱، ص۳۲۲)

قرطبی کا بیان ہے: جب عمر کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ سخت دھمکی ''انتھو'' سے بھی زیادہ شدید ہے تو کہا: انتھینا ہم اس سے دست بردار ہوئے۔(۱)

ابن جزی لکھتے ہیں: اس آیت سے زجر وتوبیخ اور دھمکی کا مفہوم سمجھ میں آرہا ہے اسی لئے جب آیت نازل ہوئی تو عمر نے کہا: انتھینا۔(۲)

زمخشری ''کشاف'' میں لکھتے ہیں: خداوند عالم نے بلیغ ترین انداز میں ممانعت فرمائی ہے شاید اس انداز میں کہا: بے شک تم پر مختلف النوع موانع ونواہی کی تلاوت کی گئی لہٰذا کیا تم ان موانع سے دست بردار ہو جاؤ گے یا اپنی گذشتہ روش پر باقی رہو گے۔(۳)

بیضاوی لکھتے ہیں: خداوند عالم کے اسی قول ''فھل انتم منتھون'' میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ تہدید وممانعت اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی ہے اور کوئی بھی بہانہ تراشی قطعی قابل قبول نہیں۔(۴) اس انتہائے ممانعت کے بعد بھی خلیفہ کی تاویل وتوجیہ اور مزید وضاحت کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کو شراب سے بہت زیادہ عشق تھا اور وہ جاہلی عہد میں بہت زیادہ شراب نوشی کرتے تھے، چنانچہ خود ان کا قول اسی بات کی وضاحت کر رہا ہے اور وہ روایت بھی جسے ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت میں نقل کیا ہے:

میں اسلام سے قطعی دور تھا، دور جاہلیت میں شراب خانہ جاتا تھا، شراب کو پسند کرتا تھا اور اسے بری طرح پیتا تھا۔ ہمارے لئے ایک محفل آراستہ ہوتی تھی جس میں قریش کے بزرگ افراد جمع ہوتے تھے ایک رات میں اپنے دوستوں کی تلاش میں باہر نکلا جو اپنی مجلس میں موجود رہتے تھے لیکن ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا تو خود سے کہا: اگر میں فلاں شراب فروش جو مکہ میں شراب بیچتا ہے، کے پاس جاؤں تو

۱۔ تفسیر قرطبی، ج۶، ص۲۹۲، (ج۶، ص۱۸۹)

۲۔ تفسیر ابن جزی، ج۱، ص۱۸۷

۳۔ تفسیر کشاف، ج۱، ص۳۴۳، (ج۱، ص۶۷۵)

۴۔ تفسیر بیضاوی، ج۱، ص۳۵۷، (ج۱، ص۲۸۲)

شاید شراب دستیاب ہو جائے اور میں اسے پی لوں۔(۱)

بیہقی (۲) نے عبداللہ بن عمر کے حوالے سے ان کے والد کا قول نقل کیا ہے کہ بے شک میں عہد جاہلیت میں لوگوں میں سب سے زیادہ شراب پیتا تھا اور شراب زنا کی طرح نہیں ہے۔(۳)

یہیں سے سمجھ میں آتا ہے کہ خلیفہ کو خصوصی دعوت کی ضرورت کیوں پڑی، جب رسول خداؐ نے شراب سے متعلق آیات کی تلاوت فرمائی تو وہ ان کی تاویل کرتے رہے اور شراب سے دست بردار نہیں ہوئے یہاں تک کی سورۂ مائدہ کی تہدیدی آیت نازل ہوئی۔ قرآن کا نازل ہونے والا سب سے آخری سورہ یہی ہے۔(۴) اس کی بعض آیتیں حجۃ الوداع میں نازل ہوئیں۔(۵)

درمنثور میں محمد بن کعب قرظی سے منقول ہے کہ سورۂ مائدہ رسول خداؐ پر حجۃ الوداع میں اس وقت نازل ہوا جب آپؐ اونٹ پر سوار تھے۔(۶)

مروی ہے کہ رسول خداؐ نے سورۂ مائدہ کی حجۃ الوداع میں تلاوت فرمائی اور فرمایا: اے لوگو! بے شک سورۂ مائدہ آخری سورہ کی حیثیت سے نازل ہوا ہے لہٰذا اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔(۷)

ان تمام مطالب کے بعد کیا خلیفہ واقف نہیں تھے کہ شراب نوشی عظیم گناہ ہے حالانکہ سالم بن

۱۔ سیرۂ ابن ہشام، ج۱، ص۳۶۸ (ج۱، ص۳۷۱)

۲۔ سنن بیہقی، ج۱۰، ص۲۱۴

۳۔ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۹۸، (ص۱۲۲)؛ کنز العمال، ج۳، ص۱۰۷، (ج۵، ص۵۰۵، حدیث ۱۳۷۴۶)؛ منتخب کنز العمال مطبوع بر حاشیہ مسند احمد، ج۲، ص۲۲۸، (ج۲، ص۵۰۰)؛ الخلفاء الراشدون عبد الوھاب نجار، ص۲۲۸

۴۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۳۱۱، (ج۲، ص۳۴۰، حدیث ۳۲۱۱)؛ سنن ترمذی، ج۲، ص۱۷۸، (ج۵، ص۲۴۳، حدیث ۳۰۶۳)؛ درمنثور، ج۲، ص۲۵۲، (ج۳، ص۳)

۵۔ تفسیر قرطبی، ج۶، ص۳۰، (ج۶، ص۲۲)؛ ارشاد الباری، ج۷، ص۹۵، (ج۱۰، ص۱۹۸)

۶۔ درمنثور، ج۲، ص۲۵۲، (ج۳، ص۳/۴)

۷۔ تفسیر قرطبی، ج۶، ص۳۱، (ج۶، ص۲۲)

عبداللہ سے مروی حاکم کی صحیح روایت اس کی نشاندہی کررہی ہے کہ ابو بکر و عمر اور بعض افراد رسول خداؐ کی رحلت کے بعد بیٹھ کر گناہان کبیرہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے لیکن ان کے پاس اس کا علم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے مجھے عبداللہ بن عمر کے پاس بھیجا، میں نے سوال کیا تو کہا: سب سے عظیم گناہ ''شراب'' ہے۔ میں نے واپس آکر ان سے بیان کیا لیکن انہوں نے اس کا صاف انکار کردیا اور سب کے سب عبداللہ بن عمر کے گھر آئے۔ چنانچہ اس نے انہیں بتایا کہ رسول خداؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے بادشاہ نے ایک شخص کو گرفتار کیا اور اختیار دیا کہ ان میں سے کسی ایک کام کو انجام دے: شراب نوشی کرے ،ایک بے گناہ کو قتل کرے، زنا کرے، سوٗر کا گوشت کھائے یا پھر مارا جائے۔ اس نے شراب پینے کی ہامی بھر لی چنانچہ شراب کی مستی کے بعد اس سے جو کچھ کہا گیا اس نے بے دریغ انجام دے دیا۔(۱)

عمر بن خطاب اوائل زندگی سے لے کر حجۃ الوداع میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہونے تک شراب کے شوق میں تہدید آیت اور اپنے قول: ''انتھینا انتھینا'' کے بعد بھی شراب نوشی کی لت میں بری طرح گرفتار رہتے تھے، چنانچہ وہ کہتے تھے:

''بے شک ہم اس تیز و تند شراب کو پیتے ہیں تاکہ اس کی وجہ سے ہمارے شکم اور معدہ میں موجود اونٹ کے گوشت قطع قطع ہو جائیں جو ہمیں بہت اذیت پہونچاتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص شراب نوشی کی وجہ سے بے خودی اور مستی کا شکار ہوتا ہے اسے چاہئے کہ شراب کو پانی میں مخلوط کرلے۔(۲)

وہ کہتے: میں ایسا انسان ہوں جو شکم کے ورم اور معدہ کی حرارت میں مبتلا رہتا ہوں، میں ایسی تیز و تند شراب کو پیتا ہوں جو میرے شکم کو نرم و ملائم کر دیتی ہے۔(۳)

۱۔المستدرک علی الصحیحین، ج۴، ص۱۴۷، (ج۴، ص۱۶۳، حدیث۷۲۳۶)؛ الترغیب والترھیب ج۳، ص۱۰۵، (ج۳، ص۲۵۸، حدیث۲۸)؛ درّ منثور، ج۲، ص۳۲۳، (ج۳، ص۱۷۷)

۲۔سنن بیہقی، ج۸، ص۲۹۹؛ محاضرات راغب، ج۱، ص۳۱۹، (مجلد۱، ج۲، ص۶۶۹)؛ کنز العمال، ج۳، ص۱۰۹، (ج۵، ص۵۱۴، حدیث۱۳۷۷۲)

۳۔ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کنز العمال، ج۳، ص۱۰۹، (ج۵، ص۵۱۴، حدیث۱۳۷۷۳)

وہ کہتے: شکم میں موجود اونٹ کے گوشت کو شراب کے علاوہ اور کوئی چیز ہضم نہیں کرتی۔(۱)

یہی وہ انسان تھے جو تیز و تند شراب کو اپنی آخری سانسوں تک پیتے رہے، عمر بن میمون کہتا ہے: میں عمر بن خطاب کے پاس اس وقت پہونچا جب وہ مجروح ہو گئے تھے، ایک تیز و تند شراب لائی گئی جسے انہوں نے پی لیا۔(۲)

جناب عالی کی شراب کی تیزی و تندی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی دوسرا اسے پی لیتا تو مستی و بے خودی کا شکار ضرور ہو جاتا تھا اور اس پر حد جاری کیا جاتا، مگر ہاں خلیفہ اپنی عادت کی وجہ سے اس سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ شعبی کا بیان ہے: ایک اعرابی نے عمر کے جام سے تھوڑی سی شراب پی لی تو فورا بیہوش ہو گیا، عمر نے اس پر حد جاری کی، پھر شعبی کہتے ہیں: البتہ خلیفہ نے اس پر مستی کی وجہ سے حد جاری کی تھی پینے کی وجہ سے نہیں۔(۳)

جصاص ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں: ایک اعرابی نے عمر کی شراب سے تھوڑی سی پی لی اس کو اسی کوڑے مارے گئے۔ اعرابی نے کہا: میں نے آپ کی شراب سے پی ہے، عمر نے اپنی شراب منگوائی اور اس میں پانی ملانے کے بعد پی لیا اور کہا: اگر کسی کو شراب مست کر دے تو اسے چاہئے کہ پانی ملا کر اس کی تیزی ختم کرے۔

اس کے بعد جصاص لکھتے ہیں: ابراہیم نخعی نے اسی سے ملتی جلتی روایت عمر سے نقل کی ہے، اس میں وہ کہتے ہیں: عمر نے اعرابی کو مارنے کے بعد اس شراب میں پانی ملا کر پی لیا۔(۴)

جامع مسانید میں ابو حنیفہ لکھتے ہیں: جب بھی تم پر شیطان غالب ہو تو اسی طرح اس کی تیزی اور تندی کو ختم کرو، وہ تیز و تند شراب پسند کرتے تھے۔(۵)

۱۔ جامع مسانید ابو حنیفہ، ج۲، ص۱۹۰/۲۱۵

۲۔) تاریخ بغداد، ج۶، ص۱۵۶

۳۔ العقد الفرید، ج۳، ص۴۱۶، (ج۶، ص۲۷۸)

۴۔ احکام القرآن جصاص، ج۲، ص۵۶۵، (ج۲، ص۴۶۴)

۵۔ جامع مسانید ابو حنیفہ ج۲، ص۱۹۲

ابن جریج سے منقول ہے: ایک شخص نے مدینہ کے راستے میں عمر کے لئے تیار کی گئی شراب کو پی لیا اور مست ہوگیا، عمر نے اسے چھوڑ دیا جب مستی سے افاقہ ہوا تو اس پر شراب کی حد جاری کی۔ پھر اس میں پانی ملا کر خود پی گئے۔(۱)

ابو رافع سے مروی ہے: عمر بن خطاب نے کہا کہ جب بھی شراب کی تندی سے خوف محسوس ہو تو اسے پانی سے ختم کردو۔ نسائی نے اپنی سنن میں اسے نقل کیا ہے اور اسے ان افراد کے دلائل میں شمار کیا ہے جو شراب نوشی کو جائز جانتے ہیں۔(۲)

قاضی ابو یوسف نے ''کتاب الآثار'' میں ابو حنیفہ کے طریق سے اور انہوں نے ابرہیم ابو عمران کوفی تابعی سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب نے ایک مست انسان کو گرفتار کیا اور چاہا کہ اس کے لئے فرار کی راہ ہموار کریں لیکن چونکہ مستی بری طرح غالب تھی اس لئے یہ ممکن نہ ہوا۔ لہٰذا کہا: اسے قید کردو۔ جب مستی سے افاقہ ہوا تو اسے کوڑا مارا پھر بقیہ شراب کو چکھنے کے بعد کہا: اوہ! یہ شراب تو آدمی کو مست کردے گی۔ انہوں نے اس میں پانی ملا کر اسے ملائم کیا اور خود بھی پیا اور اپنے اصحاب کو بھی پلایا اور کہا: اگر شیطان غالب ہو جائے تو اسی طرح شراب کی تیزی ختم کرو۔(۳)

جو شخص عمر کے جام سے شراب پی کر مستی کا شکار ہوا اس پر کوڑوں کی بارش کرنا کتنا عجیب وغریب اور حیرت انگیز ہے اس لئے کہ وہ واقف نہیں تھا کہ اس ظرف میں شراب ہے اور اس نے پی لیا تو ایسی صورت میں کوئی حد نہیں ہے، چنانچہ خود ابو عمر نے خلیفہ کی بات نقل کی ہے کہ جانتے ہوئے کہ یہ شراب ہے، اسے پی لینے پر حد ہے عدم علم کی بنیاد پر نہیں۔(۴) اور اگر واقف بھی تھا کہ خلیفہ کے اس ظرف میں شراب ہے تو

۱۔ حاشیہ بر سنن بیہقی ابن ترکمان، ج۸، ص۳۰۶؛ کنز العمال، ج۳، ص۱۱۰، (ج۵، ص۵۱۷، حدیث ۱۳۷۷۹)

۲۔ سنن نسائی، ج۸، ص۳۲۶، (ج۳، ص۲۳۷، حدیث ۵۲۱۴)

۳۔ کتاب الآثار قاضی ابو یوسف؛ ص۲۲۶

۴۔ جامع بیان العلم، ج۲، ص۸۶، (ص۳۰۸، حدیث ۱۵۴۸)؛ کتاب الام شافعی، ج۱، ص۱۳۵، (ج۱، ص۱۵۲)؛ اختلاف الحدیث شافعی مطبوع بر حاشیہ کتاب الام شافعی، ج۷، ص۱۴۴، (ج۷، ص۵۰۷)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۳۸

گویا اس نے مستی اور شراب نوشی میں خلیفہ کی تاسی کی ہے اور ان دونوں میں اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں کہ وہ شخص عادی نہ ہونے کی وجہ سے مست ہوگیا اور خلیفہ اپنی عادت کی وجہ سے مستی کا شکار نہیں ہوئے۔

گویا خلیفہ کی نظر میں مشروبات کے حلال ہونے کا معیار مستی وعدم مستی ہے چنانچہ انہیں کے قول سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے، مشروب وہی ہے جو عقل کو زائل کردے۔(۱)

حالانکہ ہر مست آور شی بطور مطلق حرام ہے اور اس پر حد جاری کی جائے گی۔ خود آنحضرت فرماتے ہیں: جس چیز کی زیادہ مقدار مست آور ہو اس کی کم مقدار سے بھی منع کرتا ہوں۔(۲)

جابر، ابوعمر اور ابن عمر کے حوالے سے آنحضرت کا قول مروی ہے: جس چیز کی زیادہ مقدار مستی کا باعث ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے **(ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام)**۔(۳)

آنحضرت کا ارشاد ہے: **کل مسکر حرام وما اسکر منه الفرق فعلی الکف منه حرام** ''ہر مست آور شی حرام ہے اور ہر وہ ظرف جس میں سولہ ۱۶ رطل کی گنجائش ہو اور وہ باعث مستی ہو تو اس میں سے ہاتھ کی ہتھیلی کی مانند بھی حرام ہے''۔

دوسرے الفاظ ہیں: بڑے ظرف کی شی باعث مستی ہو تو اس کا قطرہ بھی حرام ہے۔(۴)

سعد سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے اس کی کم مقدار سے بھی منع فرمایا ہے جس کی زیادہ مقدار باعث مستی ہو۔(۵)

۱۔ تیسیر الوصول ج۲، ص۱۷۴، (ج۲، ص۲۱۳، حدیث۲)

۲۔ سنن دارمی، ج۲، ص۱۱۳؛ سنن نسائی، ج۸، ص۳۰۱، (ج۳، ص۲۱۶، حدیث ۵۱۱۸)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۹۶

۳۔ سنن ابوداؤد، ج۲، ص۱۲۹، (ج۳، ص۳۲۷، حدیث ۳۶۸۱)؛ مسند احمد، ج۲، ص۱۶۷/ ج۳، ص۳۴۳، (ج۲، ص۳۵۳، حدیث ۶۵۲۲/ ج۴، ص۳۰۴، حدیث ۱۴۲۹۳)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۳۴۲، (ج۴، ص۲۵۸، حدیث ۱۸۶۵)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۳۳۲، (ج۲، ص۱۱۲۴، حدیث ۳۳۹۲/۳۳۹۴)؛ سنن نسائی، ج۸، ص۳۰۰، (ج۳، ص۲۱۶، حدیث ۵۱۱۷)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۹۶؛ مصابیح السنہ، ج۲، ص۶۷، (ج۲، ص۵۶۲، حدیث ۲۷۴۷)؛ تاریخ بغداد، ج۳، ص۳۲۷

۴۔ سنن ابوداؤد، ج۲، ص۱۳۰، (ج۳، ص۳۲۹، حدیث ۳۶۸۷)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۳۴۲، (ج۴، ص۲۵۹، حدیث ۱۸۶۶)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۹۶؛ مصابیح السنہ، ج۲، ص۶۷، (ج۲، ص۵۶۲، حدیث ۲۷۴۸)؛ تاریخ بغداد، ج۶، ص۲۲۹؛ جامع الاصول، (ج۶، ص۶۴، حدیث ۳۱۱۱)؛ تیسیر الوصول ج۲، ص۱۷۳، (ج۲، ص۲۱۲، حدیث ۳)

۵۔ سنن نسائی، ج۸، ص۳۰۱، (ج۳، ص۲۱۶، حدیث ۵۱۱۸)

سندی سنن نسائی کی شرح میں لکھتے ہیں: ''جس چیز کی بلانوشی مست آور ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے اور جس چیز کی کم مقدار باعث مستی نہ ہو اس کی زیادہ نوشی حرام ہے''۔(۱)

جمہور اور علمائے عامہ نے اسے اختیار کیا ہے اور علمائے حنفی نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس قول پر اعتماد کرنا کہ مست آور شی حرام ہے اور مستی سے قبل کی مقدار حلال ہے، محققین نے اس کی تردید کی ہے اور مصنف (نسائی) کے نزدیک بھی مردود ہے۔

تفسیر طبری میں قتادہ سے مروی ہے: سورۂ مائدہ میں شراب کی حرمت بیان کی گئی ہے چاہے کم ہو یا زیادہ، خواہ مست آور ہو یا نہیں۔(۲) عبد بن حمید نے بھی اسے نقل کیا ہے۔(۳)

ابو حنیفہ نے آنحضرت کا قول نقل کیا ہے کہ شراب بذات خود حرام ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر، خواہ مست آور ہو یا نہ ہو۔(۴)

خطیب بغدادی نے بھی ابن عباس سے اس کی روایت کی ہے، ان کے الفاظ ہیں: حرمت الخمر بعینها قلیلها و کثیرها۔(۵)

ہاں! عمر نے اس صورت میں شراب حلال کر دی جب اسے جلا کر اس کا دو حصہ ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ جب وہ شام پہونچے تو لوگوں نے ان سے بیماری کی شکایت کی، انہوں نے کہا: کیا آپ کے لئے مناسب ہے کہ اس شراب میں اس چیز کو مقرر کروں جو مست آور نہ ہو۔ عمر نے کہا: ہاں اسے پکاؤ، اور جوش دو تا کہ اس کا دو حصہ ختم ہو جائے اور ایک حصہ باقی رہ جائے۔ اس عمل کے بعد عمر نے انہیں حکم دیا کہ اسے پی جاؤ۔

۱۔ حاشیہ سندی بر شرح سنن نسائی، (ج۸، ص۳۰۰)

۲۔ تفسیر طبری، ج۲، ص۱۰۴، (مجلد۲، ج۲، ص۳۶۳)

۳۔ در منثور، ج۲، ص۳۱۶، (ج۳، ص۱۶۰)

۴۔ جامع مسانید ابوحنیفہ ج۲، ص۱۸۳

۵۔ تاریخ بغداد، ج۳، ص۱۹۰

اور اپنے گورنروں کو تحریر کیا کہ لوگوں کو ایسی شراب دو جس کا دو حصہ ختم ہو چکا ہو اور ایک حصہ باقی رہ گیا ہو۔(۱)

محمود بن لبید انصاری کا بیان ہے: جب عمر بن خطاب شام پہونچے تو اہل شام نے ان سے زمین کی سنگینی اور سختی کی شکایت کی اور کہا: ہمارے لئے صرف یہی شراب موثر ہوتی ہے۔ عمر نے کہا: اس شہد کو نوش کرو۔ لوگوں نے کہا: شہد ہمارے لئے موثر نہیں۔ شام کے ایک شخص نے کہا: کیا آپ کے اختیار میں ہے کہ مست نہ کرنے والی شراب کا قانون نافذ کریں؟ عمر نے کہا: ہاں۔ چنانچہ لوگوں نے اسے جوش دے کر اس کا دو حصہ ختم کر دیا اور عمر کی خدمت میں پیش کیا، عمر نے اپنی انگلی اس میں داخل کی اور باہر نکال کر کہا: یہ شراب ہے، یہ اونٹ کی شراب کی طرح ہے چنانچہ عمر نے لوگوں کو حکم دیا کہ اسے پئیں۔ یہ دیکھ کر عبادہ بن ثابت نے کہا: خدا کی قسم! آپ نے اسے حلال کر دیا۔ عمر نے کہا: خدا کی قسم! نہیں۔ خدایا! ان پر ایسی شی حلال نہیں کروں گا جسے تو نے حرام قرار دیا ہے اور اس شی کو حرام نہیں کروں گا جسے تو نے حلال قرار دیا ہے۔(۲)

ابو مسلم خولانی نے حج کیا اور زوجہ رسول حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضری دی تو عائشہ نے اس سے شام اور وہاں کی سردی کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا۔ ابو مسلم نے سب کا جواب دیا۔ عائشہ نے پوچھا: لوگ وہاں کی سردی کیسے برداشت کر جاتے ہیں؟

اس نے کہا: اے ام المومنین! وہ ایک مخصوص شراب استعمال کرتے ہیں جس کا نام ''طلاء'' رکھ رکھا ہے۔ عائشہ نے کہا: خدا نے سچ کہا اور میرے حبیب نے تبلیغ کی، میں نے رسول خدا کو فرماتے سنا ہے: بے شک میری امت کے لوگ شراب پئیں گے اور اس کا دوسرا نام رکھ دیں گے۔(۳)

۱۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۰۱۔۳۰۰؛ سنن نسائی، ج۸، ص۳۲۹، (ج۳، ص۲۳۰، حدیث۵۲۲۴)؛ کنز العمال، ج۳، ص۱۰۹/۱۱۰، (ج۵، ص۵۱۴، حدیث۱۳۷۷۴/ص۵۱۵، حدیث۱۳۷۷۵)؛ تیسیر الوصول ج۲، ص۱۷۸، (ج۲، ص۲۱۸، حدیث۱۲)؛ جامع مسانید ابوحنیفہ ج۲، ص۱۹۱

۲۔ الموطا مالک، ج۲، ص۱۸۰، (ج۲، ص۸۴۷، حدیث۱۴)

۳۔ الاصابہ، ج۳، ص۵۴۶، (نمبر۸۶۶۴)

آنحضرت نے فرمایا: میرے بعد لوگوں کا ان کے اموال کے ذریعہ امتحان لیا جائے گا، وہ اپنے دین کے ذریعہ خداوند عالم پر احسان جتائیں گے اور رحمت خدا کے آرزومند رہیں گے، وہ لوگ بے بنیاد شکوک وشبہات، نفسانی خواہشات اور نادانیوں کی وجہ سے حرام خدا کو حلال کر دیں گے، وہ لوگ شراب کو نبیذ (انگور اور کشمش کا پانی) کا نام دے کر حلال کر دیں گے، حرام مال اور رشوت کو ہدیہ وتحفہ اور سود کو معاملہ کا نام دے کر حلال کر دیں گے۔(۱)

ابن عباس سے طلاء اور شراب کے بارے میں سوال کیا گیا، ابن عباس نے کہا: یہ طلاء کیا ہے جس کے متعلق مجھ سے سوال کرتے ہو؟ جو پوچھنا چاہتے ہو اسے واضح طور پر بیان کرو۔

لوگوں نے کہا: وہ انگور ہے جسے فشار دیتے ہیں پھر پکاتے ہیں اور اسے دنان میں ڈال کر پیتے ہیں۔ ابن عباس نے پوچھا: کیا وہ مست آور ہے؟ کہا: زیادہ نوشی مستی کا باعث ہوتی ہے۔ یہ سن کر ابن عباس نے کہا: ہر مست آور شی حرام ہے۔

ان تمام باتوں کو چھوڑیئے خود آنحضرت فرماتے ہیں: اجتنب کل مسکر قلیله و کثیره ''ہر مست آور شراب سے پرہیز کرو چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔(۲)

مشروبات کے باب میں پراگندہ طور پر خلیفہ کا یہ مخصوص اجتہاد اور ذاتی نظریہ مذکور ہے جو قرآن وسنت کی شرعی دلیلوں سے قطعی میل نہیں رکھتے بلکہ یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش ہے لیکن ان کی اکثریت اس سے ناواقف ہے۔

۷۹۔ غسل جنابت سے خلیفہ کی جہالت

رفاعہ بن رافع سے منقول ہے کہ میں عمر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے ان کے پاس آکر کہا: اے امیر المومنین! یہ زید بن ثابت مسجد میں بیٹھے اپنی رائے کے مطابق اس شخص کے لئے غسل جنابت کا فتوی

۱۔ نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۶۵، (ص ۲۲۰)

۲۔ سنن نسائی، ج ۸، ص ۳۲۴، (ج ۳، ص ۲۳۶، حدیث ۵۲۰۶)؛ تیسیر الوصول ج ۲، ص ۱۷۲، (ج ۲، ص ۲۱۲، حدیث ۵)۔

دے رہے ہیں جو آمیزش کرے لیکن اس سے منی خارج نہ ہو۔

یہ سن کر عمر نے کہا: اسے میرے پاس حاضر کیا جائے، جب زید آئے تو عمر نے انہیں دیکھ کر کہا: اے اپنی ذات کے دشمن! میں نے سنا ہے کہ تو اپنی رائے کے مطابق لوگوں کو فتوے دے رہا ہے؟ زید نے کہا: اے امیرالمومنین! خدا کی قسم! میں نے اپنے چچا سے سنی ہوئی حدیث پر عمل کیا ہے، جس کی روایت ابوایوب، ابی بن کعب اور رفاعہ بن رافع نے کی ہے۔ یہ سن کر عمر نے رفاعہ بن رافع سے کہا: کیا یہ صحیح ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی عورت کے ساتھ آمیزش کرے اور منی خارج نہ ہو تو غسل کیا جائے گا؟ ابن رافع نے کہا: ہم رسول خداؐ کے عہد میں ایسا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کوئی حرمت نہیں آئی اور آنحضرت نے بھی اس کی ممانعت نہیں فرمائی ہے۔

عمر نے پوچھا: کیا رسول خداؐ اس سے واقف تھے؟ جواب دیا: مجھے نہیں معلوم۔

عمر نے تمام مہاجرین وانصار کو حاضر ہونے کا حکم دیا جب سب آ گئے تو مشورہ کیا، انہوں نے کہا: ایسی صورت میں غسل واجب نہیں ہے۔ لیکن معاذ اور علی بن ابی طالبؑ نے کہا: جب مرد کا ختنہ گاہ عورت کے ختنہ گاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

عمر نے کہا: تم اصحاب بدر اور ان لوگوں میں اختلاف ہے، تمہارے بعد یہ اختلاف اور شدید ہو جائے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے کہا: اس سلسلے میں رسول خداؐ کی ازواج ہی صحیح اطلاع دے سکیں گی۔

عمر نے حفصہ کو بلا بھیجا، حفصہ نے کہا: مجھے اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں۔ جب عائشہ کے پاس آدمی بھیجا گیا تو انہوں نے کہا: **اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل** ''اگر ختنہ گاہ سے ختنہ گاہ عبور کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے''۔ یہ سن کر عمر نے کہا: میں کسی شخص کو ایسا کرتے ہوئے نہ سنوں نہیں تو کوڑے کے ذریعہ دردناک سزا دوں گا۔

دوسرے الفاظ ہیں: اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ کسی نے ایسا کیا ہے اور اس نے غسل نہیں کیا ہے تو میں

اسے سزا دوں گا۔(۱)

یہ روایت بھی گروہ صحابہ کی جہالت و نادانی کو آشکار کرتی ہے جن سے خلیفہ نے حکم شرعی کے بارے میں مشورہ کیا تھا، سرفہرست خود خلیفہ ہیں، ہاں! حضرت علیؑ معاذ اور عائشہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایسے حکم سے جس کا جاننا خلیفہ کے لئے ضروری تھا خلیفہ کی عدم آگاہی اور دوسرے ان افراد کی عدم آگاہی میں کیا فرق ہے جو خلیفہ کی تاسی و پیروی کرتے ہیں؟

۸۰۔ دو مسجدوں کی توسیع میں خلیفہ کی سرگرمی

عبدالرزاق نے زید بن سالم سے نقل کیا ہے: عباس بن عبدالمطلب کا گھر مدینہ کی مسجد کے پہلو میں تھا۔ عمر نے کہا: اسے مجھے بیچ دیجئے۔ انہوں نے اس گھر کو مسجد میں داخل کرنا چاہا تھا لیکن عباس نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا۔

عمر نے کہا: اسے میرے نام ہبہ کر دیں، اسے بھی قبول نہیں کیا۔ عمر نے کہا: خود ہی اسے مسجد میں داخل کر دیں لیکن انہوں نے اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عمر نے کہا: آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو قبول کریں۔ انہوں نے اس بات کو بھی مسترد کر دیا۔(۲)

تو عمر نے کہا: ایسی صورت میں ایک شخص کو اپنے اور میرے درمیان قاضی قرار دیں، عباس نے ابی بن کعب کو قاضی منتخب کیا، ابی نے عمر سے کہا: میری نظر میں آپ انہیں گھر سے نہیں نکال سکتے، ہاں اگر ان کو راضی کر لیں تو بات اور ہے۔ عمر نے اس سے کہا: کیا یہ فیصلہ قرآن و حدیث میں دیکھا ہے یا سنت رسولؐ سے ثابت ہے؟

۱۔ مسند احمد، ج۵، ص۱۱۵، (ج۶، ص۱۳۳، حدیث۲۰۵۹۳)؛ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج۱، ص۸۷)؛ عمدۃ القاری ج۲، ص۲۷، ج، ص۲۵۴؛ شرح معانی الآثار، (ج۱، ص۵۹، حدیث۳۳۷)؛ المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، ج۱، ص۵۱، (ج۱، ص۱۴۲)؛ المعجم الکبیر طبرانی، (ج۵، ص۴۲، حدیث۴۵۳۶)؛ مجمع الزوائد، ج۱، ص۲۶۶؛ الاجابۃ زرکشی، ص۸۴، (ص۷۸)

۲۔ درّ منثور، (ج۵، ص۲۳۰)

ابی نے کہا: بلکہ رسول خداؐ کی سنت ہے۔ عمر نے کہا: یہ کون سی سنت ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سلیمان بن داؤدؑ جب بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے تو وہ جس دیوار کو اٹھاتے صبح ہوتے ہی وہ زمین بوس ہو جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر ان کے فرزند نے کہا: کسی شخص کے حق میں اس کی رضایت سے قبل تعمیر نہ کریں۔ یہ سنتے ہی عمر نے ان کو چھوڑ دیا۔

بعد میں عباس نے خود ہی اسے مسجد میں داخل کر دیا اور اس کو وسعت دی۔

دوسری صورت

ابن سعد (۱) نے سالم بن ابونصر سے روایت کی ہے کہ جب عمر کے زمانے میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو ان کے لئے مسجد تنگ ہوگئی عمر نے مسجد کے اطراف و اکناف میں موجود گھروں کو خرید لیا سوائے عباس اور امہات المومنین کے گھروں کے۔

چنانچہ عمر نے عباس سے کہا: اے ابوالفضل! بے شک مسلمانوں کے لئے ان کی مسجد چھوٹی پڑ رہی ہے میں نے اطراف میں موجود تمام گھروں کو خرید کر اس میں وسعت دے دی ہے صرف آپ کا گھر اور امہات المومنین کے حجرے باقی ہیں۔ امہات کے حجرے تو ہماری دسترس سے دور ہیں لیکن جہاں تک آپ کے گھر کا سوال ہے تو بیت المال سے جتنی رقم چاہیں لے لیں اور اسے فروخت کر دیں تاکہ مسجد میں شامل کر کے اسے وسعت دی جا سکے۔

عباس نے کہا: میں یہ کام نہیں کروں گا۔ عمر نے کہا: ان تینوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں:

۱۔ اسے فروخت کر دیں چاہے جتنی قیمت بیت المال سے لے لیں۔

۲۔ مدینہ کی کوئی ایک زمین منتخب کر لیں میں بیت المال سے تعمیر کرا دوں گا۔

۳۔ یا اسے مسلمانوں کے نام ہبہ کر دیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد، (ج ۴، ص ۲۱)

عباس نے کہا: کوئی ایک تجویز بھی قابل قبول نہیں۔ عمر نے کہا: ایسی صورت میں آپ اپنے اور ہمارے درمیان قاضی مقرر کریں۔ عباس نے کہا: میں نے ابی بن کعب کو قاضی مقرر کیا۔

دونوں ابی کے پاس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ ابی نے کہا: میں آپ لوگوں کے سامنے رسول خداؐ کی حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں جسے میں نے خود آنحضرت سے سنی ہے۔

دونوں نے کہا: بیان کرو۔ ابی نے کہا: میں نے رسول خداؐ سے سُنا کہ خداوند عالم نے داؤدؑ نبی پر وحی فرمائی کہ میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو تاکہ اس میں میرا تذکرہ کیا جائے، اس کے لئے بیت المقدس کا نقشہ آمادہ کیا۔ چنانچہ چاروں گوشوں میں ایک گوشہ پر بنی اسرائیل کے ایک شخص کا گھر تھا۔ جناب داؤدؑ نے چاہا کہ اسے فروخت کردیں لیکن اس نے قبول نہ کیا تو جناب داؤدؑ نے سوچا کہ اسے زبردستی لے لیا جائے۔ اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ اے داؤدؑ! میں نے تمہیں ایسا گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا جس میں میں یاد کیا جاؤں لیکن تم چاہتے ہو کہ میرے گھر میں غصب داخل کرو حالانکہ غصب میری شان ومنزلت کے برخلاف ہے اور ہاں! اس طرح تمہارے فرزندوں کو بھی گھر تیار کرنے کا کوئی حق نہیں۔

داؤدؑ نے کہا: خدایا! میرے فرزندوں کے بعد؟ فرمایا: وہ بھی نہیں''۔

راوی کا بیان ہے کہ عمر نے ابی بن کعب کا گریبان پکڑ کر کہا: میں تمہارے پاس ایک چیز کی حصول کے لئے آیا تھا لیکن تم نے ایسی بات پیش کی جو اس سے بھی زیادہ سخت ہے لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنی بات کے لئے گواہ پیش کرو۔

عمر اسے کھینچتے ہوئے مسجد میں لائے جہاں اصحاب رسولؐ موجود تھے۔ ان میں ابوذر بھی تھے۔

ابی نے کہا: میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جس نے بھی رسول خداؐ سے وحی داؤدؑ پر مشتمل بیت المقدس کی حدیث سنی ہے وہ بیان کرے۔ یہ سُن کر ابوذر نے کہا: میں نے رسول خداؐ سے یہ حدیث سنی ہے۔

ایک دوسرے صحابی نے کہا: میں نے بھی سنی ہے۔ یہ سنتے ہی عمر نے ابی کو چھوڑ دیا۔

ابی نے عمر کی جانب رُخ کرکے کہا: اے عمر! مجھے حدیث رسولؐ پر متہم کرتے ہو؟ عمر نے کہا: نہیں

خدا کی قسم! میں نے حدیث پر متہم نہیں کیا ہے لیکن مجھے پسند نہیں تھا کہ رسول خداؐ سے یہ حدیث صادر ہوئی ہو۔(۱)

بلاذری کا بیان ہے: جب عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے تو گھروں کو خرید کر مسجد میں توسیع کرنے لگے لوگوں کے گھروں کو لے کر اس کی قیمت مقرر کردی، یہ تمام لوگ گھر کے پاس آکر نالہ وشیون اور فریادوفغاں کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر عثمان نے کہا: میری نرمی اور ملائمت نے تم لوگوں کو بے باک وجرائتمند بنادیا ہے اسی طرح عمر نے بھی کیا تھا اور تم راضی ہوگئے تھے پھر حکم دیا کہ سب کو قید کردو۔ جب عبداللہ بن خالد بن اسید نے شفاعت کی تب انہیں رہا کیا گیا۔

طبری وغیرہ کا بیان ہے: ۱۷ھ میں عمر بن خطاب نے عمرہ کیا اور مسجد الحرام کی تعمیر وتوسیع کی چنانچہ اس سلسلہ میں بیس راتوں تک مکہ میں مقیم رہے اور انہوں نے مسجد کے ان پڑوسیوں کو تباہ وبرباد کردیا جو اپنا گھر بیچنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ عمر نے ان کے گھروں کی قیمت بیت المال کے صندوق میں رکھ چھوڑی، ان بے چاروں نے بعد میں اسے لے لیا۔(۲)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کی توسیع سے متعلق احکام وقوانین سے قطعی بے خبر تھے یہاں تک کہ ابی بن کعب نے انہیں باخبر کیا۔

چنانچہ ابوذر اور ایک دوسرے شخص نے روایت ابی کی موافقت کی۔ لیکن توسیع مسجد کے وقت رسول خداؐ سے مروی روایت کے برخلاف عمل کیا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب عثمان کا عمل ہے انہوں نے

۱۔ علامہ امینیؒ نے چھ صورتوں پر مشتمل اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے، عنوان اور روایت میں ہماہنگی کی وجہ سے چار صورتوں سے صرف نظر کیا جارہا ہے۔ مترجم

۲۔ تاریخ طبری ج۴، ص۲۰۶، (ج۴، ص۶۸، حوادث ۱۷ھ)؛ فتوح البلدان ص۵۳، (ص۵۸)؛ سنن بیہقی، ج۶، ص۱۶۸؛ المستدرک علی الصحیحین، (ج۳، ص۳۷۴، حدیث ۵۴۲۸)؛ تاریخ کامل، ج۲، ص۲۲۷، (ج۲، ص۱۵۷، حوادث ۱۷ھ)؛ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۷، (ج۱، ص۸)؛ تاریخ ابن شحنہ مطبوع بر حاشیہ الکامل ج۷، ص۱۷۶، (ج۱، ص۲۰۲)؛ در منثور، ج۴، ص۱۵۹، (ج۵، ص۲۳۱-۲۳۰)؛ وفاء الوفا سمہودی، ج۱، ص۳۴۹-۳۴۱، (ج۲، ص۴۸۱)۔

سنت رسولؐ سے آگاہی کے بعد بھی لوگوں کے گھروں کو زبردستی حاصل کیا اور مسجد کو وسعت دی۔

۸۱۔ حکم طلاق سے خلیفہ کی خاموشی

قتادہ سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو عہد جاہلیت میں دو طلاق اور ظہور اسلام کے بعد ایک طلاق دے دیا تھا؟ عمر نے کہا: میں اس سلسلہ میں نہ امر کروں گا اور نہ ہی نہی۔

عبدالرحمٰن نے کہا: لیکن میں تمہیں امر کرتا ہوں کہ حالت شرک میں تیسرے طلاق کی کوئی اہمیت نہیں، طلاق نافذ نہیں۔ (۱)

عمر بن خطاب کا دینی مسائل میں ضرورت کے موقع پر حکم مسئلہ کی شناخت و معرفت کے سلسلے میں امر و نہی سے اجتناب کرنا، صرف ان کی جہالت، نادانی اور عدم شناخت کی بنیاد پر تھا اور ان کی یہ جہالت و نادانی ان کے بیٹے عبداللہ کی جہالت سے کہیں کم تھی۔ اس کا انتقام بھی اس کے باپ نے اس سے لیا اور ابن عباس سے گفتگو کے دوران اس سے خلافت کی صلاحیت و استعداد کا سرے سے انکار کر دیا۔ (۲)

۸۲۔ گوشت کے بارے میں خلیفہ کی رائے

عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب، زبیر بن عوام کے قصاب خانہ پر آتے تھے، مدینہ و بقیع میں اس کے علاوہ کوئی اور قصاب کی دکان نہیں تھی۔ وہ دکان پر آتے تو ان کے ہاتھ میں مخصوص کوڑا ہوتا تھا۔ چنانچہ جب وہ دیکھتے کہ ایک شخص نے دن میں کئی مرتبہ گوشت کی خریداری کی ہے تو اسے کوڑا مار کر کہتے: کیا دو دن سے تیرا پیٹ بھوکا ہے۔

۱۔ کنز العمال، ج ۵، ص ۱٦۱، (ج ۹، ص ٦٦۸، حدیث ۲۷۹۰۵)؛ منتخب کنز العمال مطبوع بر حاشیہ مسند احمد، ج ۳، ص ۴۸۲، (ج ۴، ص ۵۴)۔

۲۔ تاریخ طبری ج ۵، ص ۳۳، (ج ۴، ص ۲۲۷)؛ العقد الفرید، ج ۲، ص ۲۵٦، (ج ۴، ص ۹۷)

۲۔میمون بن مہران سے مروی ہے کہ ایک انصاری کے پاس سے عمر کا گذر ہوا جس کے ہاتھ میں گوشت تھا۔

عمر نے اس سے کہا: یہ کیا ہے؟ کہا: گوشت ہے، اپنے گھر والوں کے لئے لے جارہا ہوں۔عمر نے کہا: بہت اچھا۔ دوسرے دن پھر گذر ہوا، اس کے ہاتھ میں گوشت تھا، عمر نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہا گوشت۔عمر نے کہا: اچھا ہے۔ پھر تیسرے دن بھی گذر ہوا اس کے ہاتھ میں پھر گوشت دیکھا تو پوچھا: اب یہ کیا ہے؟ کہا: اہل خانہ کے لئے گوشت۔ یہ سنتے ہی اپنے کوڑے سے اس کے سر پر مارا پھر منبر پر جا کر کہا: **ایاکم والاحمرین اللحم والنبیذ** ''تمہارے لئے دوسرخیوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے: گوشت اور شراب۔ اس لئے کہ یہ دونوں دین ومال کی بربادی کا موجب بنتے ہیں۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں :اس عجیب وغریب فقہ کے مفاد ومطالب ہماری سمجھ سے دور ہیں، خدا کا ارشاد ہے: ﴿**قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ**﴾ پیغمبر! آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کردیا۔(۲)

یہ فقہ خلیفہ اس حدیث رسولؐ سے بھی مطابقت نہیں رکھتی جس میں آپ نے فرمایا ہے: دنیا وآخرت میں خوراک کا سردار گوشت اور دنیا وآخرت میں مشروبات کا سردار پانی ہے۔(۳)

چنانچہ ایک صحیح روایت میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول خداؐ کی خدمت میں آکر عرض کی: اے خدا کے رسولؐ! مجھے جب بھی گوشت دستیاب ہوتا ہے میں اسے عورتوں میں تقسیم کردیتا ہوں جس کی وجہ سے شہوت وخواہشات میں اضافہ ہوتا ہے اسی لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام قرار دے دیا ہے۔اسی وقت آیت نازل ہوئی:

۱۔سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۶۸، (ص۷۳): کنز العمال، ج ۳، ص۱۱۱، (ج۵، ص۵۲۲، حدیث ۱۲۷۹۷): الفتوحات الاسلامیہ، ج ۲، ص۴۲۴، (ج۲، ص۲۷۳)۔

۲۔اعراف/۳۲ ۳۔مجمع الزوائد، ج۵، ص۳۵

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَاتَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ☆ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ ''ایمان والو! جن چیزوں کو خدا نے تمہارے لئے حلال کیا ہے انہیں حرام نہ بناؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو کہ خدا تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو اس نے رزق حلال و پاکیزہ دیا ہے اسے کھاؤ''۔(۱)

اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ زیادہ گوشت خوری مکروہ ہے تو کیا دو یا تین روز تک مسلسل استعمال کرنا اور اسے کھانا عمر کے کوڑے کا موجب بن سکتا ہے؟ اور کیا گوشت کھانے کے نقصانات شراب کے نقصانات کی برابری کرسکتے ہیں کہ وہ دین کی تباہی و بربادی کا سبب بن جائیں؟ ہاں! اگر ایسے ہی فرسودے نظریے پر عمل کیا گیا تو پھر یہ کوڑا کسی بھی حال میں بے کار نہیں رہے گا اور مسلسل مسلمانوں کے سروں پر برستا رہے گا۔

۸۳۔ مدنی یہودی اور خلیفہ

ابو طفیل سے مروی ہے: میں نے ابوبکر صدیق کے جنازہ پر نماز پڑھی پھر ہم سب نے عمر کے پاس جمع ہو کر ان کی بیعت کی، ہماری رفت و آمد کا سلسلہ کچھ دنوں تک جاری رہا۔ اسی اثنا میں ہم انہیں امیر المومنین کہہ کر مخاطب کرنے لگے۔

ہم ایک دن عمر کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک یہودی عمر کے پاس پہونچا۔ یہودی قوم یہ خیال کرتی تھی کہ عمر موسی بن عمرانؑ کے بھائی ہارون کے فرزندوں میں سے ہیں۔ چنانچہ اس نے عمر کے پاس پہونچ کر کہا: اے امیر المومنین! آپ میں سے کون سب سے زیادہ رسولؐ اور کتاب خدا سے واقف ہے، میں اس سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں؟

عمر نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہی سب سے زیادہ ہمارے رسولؐ اور ان کی کتاب

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۸۸۔۸۷؛ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۱۷۶، (ج ۵، ص ۲۳۸، حدیث ۳۰۵۴) تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۸۷؛ در منثور، ج ۲، ص ۳۰۷، (ج ۳، ص ۱۳۹)

سے واقف ہیں۔

یہودی نے کہا: کیا آپ ایسے ہیں؟ فرمایا: جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔

اس نے کہا: میں آپ سے تین تین پھر ایک سوال کرنا چاہتا ہوں؟ حضرت نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں آپ سے سات سوالات کروں گا؟ یہودی نے کہا: پہلے میں تین سوال کروں گا اگر جواب دیا تو پھر تین اور ایک سوال کروں گا۔ اگر آپ نے پہلے تین سوالوں کے جواب نہیں دیئے یا غلط دئے تو پھر میں سوال نہیں کروں گا۔

حضرت نے اس سے پوچھا: اگر تم نے سوال کیا اور میں نے جواب دے دیا تو تم کیسے سمجھ پاؤ گے کہ میں نے صحیح جواب دیا ہے یا غلط؟!

راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی یہودی نے اپنی آستین میں ہاتھ ڈال کر ایک پرانی کتاب نکالی اور کہا: ہارونؑ و موسیٰؑ کے ہاتھوں لکھی یہ کتاب میرے باپ دادا کی میراث ہے، اس میں وہ سوالات مذکور ہیں جو میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت نے پھر پوچھا: اگر میں نے صحیح جواب دیا تو کیا مسلمان ہو جائے گا؟ یہودی نے کہا: خدا کی قسم! اگر آپ نے صحیح جواب دیا تو اسی وقت آپ کے سامنے مسلمان ہو جاؤں گا۔

حضرت نے فرمایا: سوال کر۔

یہودی نے سوال کیا: سب سے پہلا پانی کا چشمہ کون سا ہے؟

سب سے پہلے رکھے گئے پتھر کی نشاندہی کریں؟

اس درخت کے متعلق بتائیں جو سب سے پہلے روئے زمین پر تناور ہوا۔

حضرت نے فرمایا: سب سے پہلا چشمہ جو روی زمین پر جاری ہوا، یہودی خیال کرتے ہیں کہ وہ چشمہ بیت المقدس کے پتھر کے نیچے ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ وہ ''آب حیات'' کا چشمہ ہے یہودی نے اس کی تائید کی۔

اے یہودی! قوم یہود یہ خیال کرتی ہے کہ روئے زمین کا سب سے پہلا پتھر بیت المقدس کا پتھر

ہے، وہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ حجر اسود ہے جسے حضرت آدمؑ جنت سے زمین پر لائے اور اسے بیت اللہ الحرام کے رکن میں نصب کیا۔ لوگ اسے چھوتے اور بوسہ لیتے ہیں اور اس کو گواہ بنا کر اپنے اور خدا کے درمیان عہد و پیان کرتے ہیں۔ یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں خدا کی قسم! آپ نے سچ کہا۔

یہودیوں کے خیال کے مطابق پہلا درخت ''درخت زیتون'' ہے، یہ جھوٹ ہے بلکہ پہلا درخت خرما کا درخت ہے جسے حضرت آدمؑ نے جنت سے لا کر کاشتکاری کی تھی۔

یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے سچ کہا۔

حضرت نے فرمایا: سوال کر۔

اس نے کہا: مجھے بتائیں کہ حضرت محمدؐ جنت میں کہاں ہیں؟

حضرت نے فرمایا: جنت میں حضرت محمدؐ عرش خدا سے سب سے زیادہ قریب جگہ پر ہیں۔ یہودی نے اس کی گواہی دی۔

حضرت نے فرمایا: سوال کر۔

اس نے کہا: مجھے حضرت محمدؐ کے اہل میں ان کے وصی کے متعلق بتائیں کہ وہ آنحضرت کے بعد کتنے سال زندہ رہیں گے اور کیا ان کی عام موت ہوگی یا قتل کئے جائیں گے؟

حضرت نے فرمایا: اے یہودی! ان کے انتقال کے بعد تیس سال تک زندہ رہیں گے اور پھر یہ اور یہ رنگین ہو جائے گی، آپ نے سر و صورت کی جانب اشارہ فرمایا۔

یہ سنتے ہی یہودی اپنی جگہ سے بے ساختہ اٹھا اور کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں: ''**لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ**''۔

حافظ عاصمی نے ''زین الفتی فی شرح سورۃ ھل اتی'' میں اسے نقل کیا ہے، اس میں حضرت عمر نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ امت میں سب سے زیادہ کتاب خدا اور اس کے رسولؐ سے واقف ہیں۔ اور یہ احمق صاحب الوشیعہ کہتا ہے کہ عمر بطور مطلق ابوبکر کے بعد اعلم امت ہیں۔

''**والانسان علی نفسہ بصیر**'' انسان اپنی ذات سے زیادہ آگاہ ہے۔

۸۴۔خلیفہ وہ پہلے انسان ہیں جو فریضہ میراث میں بعول کے قائل ہوئے

ابن عباس سے منقول ہے: فرائض میں بعول کی بنیاد رکھنے والے پہلے انسان ''عمر بن خطاب'' ہیں، جب ان کے اوپر میراث کی تقسیم مشکل ہوئی اور تمام ورثہ ایک دوسرے پر برتری لے جانے لگے تو کہا: **واللہ ماادری ایکم قدم للہ ولا ایکم آخر** ''خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس کو خداوند عالم نے مقدم کیا ہے اور کس کو مقدم نہیں کیا ہے''۔اور وہ ایک پرہیزگار انسان تھے اور کہتے تھے: میری نظر میں میرے لئے اس سے زیادہ وسیع بات نہیں کہ میں تمھارے درمیان میراث تقسیم کروں اور سہام کے زیادہ ہونے پر صاحب حق کو اس کا حق دے سکوں''۔

عبیدہ اللہ ابن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے منقول ہے:

میں اور زفر بن اولیس بن عدنان، ابن عباس کے پاس ان کے نابینا ہونے کے بعد پہونچے اور فرائض میراث کے بارے میں گفتگو ہوئی۔

ابن عباس نے کہا: تم سوچتے ہو کہ ریگزاروں کا حساب ان کی عدد کی وجہ سے ممکن ہے، مال میں نصف، نصف اور ثلث کا احصا جب نصف نصف ختم ہوجائے تو ممکن نہیں ہے ایسی صورت میں ثلث کہاں ہے؟

زفر نے ان سے پوچھا: اے ابن عباس! جس پہلے انسان نے فرائض میں زیادتی کی وہ کون تھا؟ جواب دیا: عمر بن خطاب۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: جب فرائض پیچیدہ ہوئے اور بعض بعض پر مقدم ہوئے تو کہا: خدا کی قسم! نہیں جانتا کہ تمھارے ساتھ کیا کروں، خدا کی قسم! نہیں معلوم خدا نے کس کو مقدم کیا ہے اور کس کو مؤخر اور کہا: میری نظر میں اس مال میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ تمھارے حصے اور سہام کو تم پر تقسیم کروں۔اس کے بعد ابن عباس نے کہا: خدا کی قسم! جسے خداوند عالم نے مقدم قرار دیا ہے اگر اسے مقدم رکھتے اور جسے مؤخر قرار دیا ہے اسے مؤخر رکھتے تو فریضے زیادہ نہیں ہوتے۔

زفر نے ان سے کہا: کون مقدم اور کون مؤخر ہے؟ کہا: ہر فریضہ دوسرے فریضہ کی وجہ سے زائل ہوجاتا ہے اور یہ وہی ہے جسے خدا نے مقدم قرار دیا ہے اور یہ شوہر کا فریضہ ہے کہ اس کے لئے نصف

ہے لہٰذا اگر ۱/۴ کے ذریعہ زائل ہو جائے تو اس کے حصہ میں کمی واقع نہیں ہوگی اور زوجہ کے لئے ۱/۴ ہے اگر اس سے زائل ہو جائے تو ۱/۸ کی طرف واپس ہو جائے گا اور اس کے حصہ میں کمی واقع نہیں ہوگی اور بہنوں کے لئے دو ثلث ۲/۳ ہے اور ایک بہن کے لئے ایک ثلث ۱/۳ حصہ ہے اور اگر بیٹیاں بھی اس میں داخل ہو جائیں تو بقیہ چیزیں ان کے حصے میں آئیں گی، لہٰذا اگر کوئی اس کا حصہ مکمل طور پر دیدے جس کو خدا نے مقدم قرار دیا ہے اور اس کے بعد بقیہ افراد میں تقسیم کرے تو فریضہ میں زیادتی نہیں ہوگی۔

یہ سن کر زفر نے پوچھا: کس چیز نے اس نظریہ کے اظہار سے روک رکھا تھا؟ انھوں نے کہا: خدا کی قسم! ان کی سخت گیری اور ہیبت نے۔(۱)

تاریخ سیوطی اور محاضرۂ سکتواری کے اوائل میں ہے کہ عمر وہ پہلے انسان تھے جو فرائض میں بعول کے قائل ہوئے۔(۲)

تبصرۂ علامہ امینیؒ

میں خلیفہ کے اس قول کے بعد کیا کہوں کہ ''خدا کی قسم! نہیں جانتا تمھارے ساتھ کیا کروں، خدا کی قسم نہیں معلوم کس کو خدا نے مقدم کیا ہے اور کس کو مؤخر''۔ میں ابن عباس کے قول کے بعد کیا کہوں کہ ''خدا کی قسم! جسے خدا نے مقدم کیا ہے اسے مقدم رکھتے اور جسے مؤخر کیا ہے اسے مؤخر رکھتے تو فریضۂ سہام زیادہ نہیں ہوتا''۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان کو خود ہی اس بات کا اقرار ہے کہ میں حکم مسئلہ سے واقف نہیں ہوں تو پھر انہوں نے اپنی ذاتی رائے کے مطابق فتوی کیسے دے دیا؟!

حالانکہ وہ خود ہی اپنے ایک خطبہ میں کہتے ہیں: ''جان لو کہ صاحبان نظر سنت کے دشمن ہیں، وہ

۱۔احکام القرآن بجصاص، ج،ص ۱۰۹ (ج ۲،ص ۹۰)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۴،ص ۳۴۰ (ج ۴،ص ۳۷۸، حدیث ۷۹۸۵)؛ سنن بیہقی، ج ۶،ص ۲۵۳؛ کنز العمال، ج ۶،ص ۷ (ج ۱۱،ص ۲۷، حدیث ۳۰۴۸۹)

۲۔تاریخ الخلفاء،ص ۹۳، (ص ۱۲۸)؛ محاضرہ سکتواری،ص ۱۵۲

احادیث کو یاد کرنے سے عاجز تھے، اسی لئے اپنی رائے کے مطابق فتویٰ دیا اور گمراہ ہوگئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کردیا، جان لو کہ ہم اقتداء کرنے والے ہیں قانون بنانے والے نہیں، ہم پیروی کرتے ہیں بدعت نہیں پھیلاتے، جب تک ہم سنت اور روایات سے وابستہ رہیں گے گمراہ نہیں ہوں گے''۔(۱)

کیا اقتداء اور پیروی اس کو کہتے ہیں یا دین میں بدعت گذاری کی یہی ابتداء ہے؟!

خلیفہ جیسے افراد فرائض سے ناواقف کیسے رہ سکتے ہیں حالانکہ وہ خود ہی کہتے ہیں: خداوند عالم کے نزدیک امام اور خلیفہ کی جہالت و نادانی سے زیادہ کوئی بھی نادانی و جہالت مذموم اور قبیح نہیں ہے''۔(۲)

وہ دینی فقاہت کی معلومات حاصل کرنے سے پہلے مسند قضاوت پر کیسے بیٹھ گئے حالانکہ وہ خود کہتے ہیں: **تفقھوا قبل ان تسودوا** ''ریاست وحکومت سے قبل غور وفکر کرو اور احکام دین کی تعلیم حاصل کرو۔(۳)

۸۵۔عمال کے اموال کی تقسیم میں خلیفہ کا اجتہاد

عمر وہ پہلے انسان تھے جنھوں نے عمال کے ساتھ شرکت کر کے اور ان کے اموال کو نصف کردیا۔(۴)

۱۔ابو ہریرہ؛ ان سے منقول ہے: عمر بن خطاب نے مجھے بحرین کا عامل اور گورنر مقرر کیا، میں نے اس دوران کل دو ہزار رقم جمع کی، جب مجھے معزول کیا گیا اور میں عمر کے پاس پہونچا تو انھوں نے کہا: اے دشمن خدا و مسلمین! یا کہا: اے کتاب خدا کے دشمن! تم نے مال خدا کی چوری کی ہے۔ میں نے کہا: میں دشمن خدا و مسلمین یا دشمن کتاب خدا نہیں، میں اس کا دشمن ہوں جو خدا اور مسلمانوں کا دشمن ہے، ہاں!

۱۔سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۱۰۷(ص۱۱۶)

۲۔سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۱۰۰، ۱۰۲، ۱۶۱، (ص۱۰۸، ۱۱۱، ۱۶۶)

۳۔صحیح بخاری، ص۳۸، باب الاغتباط فی العلم (ج۱، ص۳۹، باب ۱۵)

۴۔شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۱۳ (ج۱۲، ص۷۵، خطبہ۲۲۳)۔

کچھ گھوڑے مجھے دستیاب ہوئے یہ اس کی قیمت ہے۔

ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھ سے بارہ ہزار لئے، جب نماز صبح ادا کی تو میں نے کہا: ''اللھم اغفر لعمر'' خدایا! عمر کو بخش دے''۔

کچھ دنوں بعد عمر نے کہا: اے ابو ہریرہ! عامل نہیں ہونا چاہتے؟ میں نے کہا: نہیں۔ عمر نے پوچھا: کیوں، تم سے بہتر یوسفؑ تھے وہ بھی عامل ہوئے اور کہا: مجھے زمین کے خزانوں کا والی مقرر کر دے۔

یہ سن کر میں نے کہا: یوسفؑ رسول ابن رسول تھے اور میں ابو ہریرہ بن امیہ ہوں، میں تم سے تین اور دو باتوں سے خوف زدہ ہوں۔ عمر نے پوچھا: تم نے پانچ کیوں نہیں کہا۔ میں نے کہا: ڈرتا ہوں کہ آپ اپنے کوڑوں سے میری پشت زخمی کریں گے، میری آبروریزی کریں گے اور میرے اموال کو زبردستی چھین لیں گے اور ناپسند کرتا ہوں کہ میں معین ہو چکے حکم کے سوا کچھ کہوں اور بغیر علم کے حکم کروں۔

عمر نے ابو ہریرہ کو بلا کر کہا: تم جانتے ہو کہ جب میں نے تمھیں بحرین کا عامل مقرر کیا تھا تو اس وقت تمھارے پاس نعلین بھی نہیں تھے لیکن اس کے بعد معلوم ہوا کہ تم نے ایک ہزار چھ سو دینار کے گھوڑے خرید لئے؟

ابو ہریرہ نے کہا: میرے پاس کچھ گھوڑے تھے جنھوں نے بچے جنے اور بعض لوگوں نے کچھ ہدیہ پیش کیا جو انھیں میں ملحق ہو گیا۔

عمر نے کہا: میں نے تمہارے رزق وروزی اور اخراجات کا حساب کتاب کر لیا ہے یہ اس سے زیادہ ہے اسے میرے حوالے کر دو۔

ابو ہریرہ نے کہا: یہ آپ کا حق نہیں ہے۔

عمر نے کہا: خدا کی قسم! میں تیری پشت زخمی کر دوں گا، پھر وہ اپنے کوڑے کے ساتھ بلند ہوئے اور اتنا زور سے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ اس کے بعد کہا: اسے میرے حوالے کر دو۔

ابو ہریرہ نے کہا: میں نے خدا کے نزدیک اس کا حساب کر دیا (یعنی راہ خدا میں خرچ کر دیا)۔

عمر نے کہا: اگر تو نے حلال راستہ سے حاصل کیا ہے تو اسے اپنی مرضی سے واپس کردو، امیہ نے تمہیں صرف اور صرف خرچرانی کے لئے پیدا کیا ہے۔

۲۔ سعد بن ابی وقاص؛ لوگ انہیں ''مستجاب'' کہتے تھے، اس لئے کہ رسول خداؐ کا ارشاد ہے: سعد کی دعا سے پرہیز کرو۔

چنانچہ جب عمر نے ان کے اموال کو نصف کیا تو سعد نے کہا: میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے۔ عمر نے کہا: تم مجھے نفرین کرو؟ کہا: ہاں۔ عمر نے کہا: اس وقت خداوند عالم مجھے یقینی طور پر بد بخت کردے گا۔

بلاذری نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے چند طبقوں پر مشتمل ایک عمارت تعمیر کروائی، ان میں لکڑی کے دروازے نصب کروائے اور اپنے محل پر سونے چاندی سے مزین ایک مخصوص دروازہ نصب کروایا۔

یہ دیکھ کر عمر بن خطاب نے محمد بن مسلمہ انصاری کو ورغلایا کہ وہ عمومی وخصوصی دونوں دروازوں کو جلا ڈالے اور سعد کو مسجد کوفہ میں مجبور و بے بس کیا، لیکن عمر بن خطاب کو سعد نے خیر و نیکی کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔(۱)

سیوطی کا بیان ہے: عمر نے اپنے عمّال کو حکم دیا اور انہوں نے اپنے اموال اور مخارج کو لکھ بھیجا، ان میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے اور عمر نے اموال کا آدھا حصہ لے لیا۔(۲)

۳۔ جب عمر بن خطاب نے ابوموسیٰ کو معزول کیا تو اس کے اموال کا نصف حصہ خود لے لیا۔

۴۔ عمر بن خطاب نے عامل مصر ''عمرو بن عاص'' کو لکھا: عمر بن خطاب کی طرف سے عمرو عاص کو سلام علیک.... مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم گھوڑے، اونٹ، گائے، بھیڑ اور بہت سے غلاموں کے مالک ہو حالانکہ یہ بات میرے ذہن میں محفوظ ہے کہ اس سے قبل تمہارے پاس اتنا مال ومتاع نہیں تھا لہٰذا فوراً لکھو کہ کہاں سے ملا، مجھ سے چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

۱۔ فتوح البلدان، ص ۲۸۶ (ص ۲۷۷)

۲۔ تاریخ الخلفاء (ص ۱۳۲)

عمر بن عاص نے جواب میں لکھا:

امیر المومنین عبداللہ کی طرف... سلام علیک۔ میں آپ کی خدمت میں اس خدا کی حمد وثنا اور شکر بجالاتا ہوں جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ اما بعد! بیشک امیر المومنین کا خط موصول ہوا، اس میں مجھ سے منسوب تمام افواہیں مذکور ہیں اور یہ بھی کہ وہ مجھ سے واقف ہیں کہ اس سے قبل میرے پاس مال ومتاع نہیں تھا لیکن میں امیر المومنین کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں اُس سرزمین پر زندگی بسر کر رہا ہوں جس میں کسی چیز کی قیمت بہت سستی ہے، میں یہاں کسان کی طرح کھیتوں پر محنت ومشقت کرتا ہوں اور پھر یہ کہ خود امیر المومنین کے رزق میں وسعت ہے، خدا کی قسم! اگر آپ کے ساتھ خیانت جائز وحلال ہوتی تو بھی میں خیانت نہیں کرتا۔

لہٰذا اے امیر المومنین! احتیاط سے کام لیں، میرے پاس اپنی پونجی ہے کہ اگر میں اس کی جانب واپس پلٹ جاؤں تو آپ کے لئے کام کرنے سے بہتر ہے کہ وہاں زندگی بسر کروں، میری جان کی قسم! جو آپ کے پاس رہتا ہے اس کی زندگی مذموم اور بیکار ہے۔

عمر بن خطاب نے اسے تحریر کیا:

اما بعد:

خدا کی قسم! میں تیرے احسانوں کی طرح نہیں ہوں، تیری یہ بے ربط باتیں تجھے اس بات سے بے نیاز نہیں کر سکتیں کہ تو اپنا تزکیہ کرے، میں تیری طرف محمد بن مسلم کو روانہ کر رہا ہوں جو تیرے اموال کو نصف کرے گا، ہاں! تم عمال، مال ومتاع کے چشمہ پر بیٹھے اپنے اور اہل وعیال کے لئے اموال جمع کر رہے ہو، لیکن شاید تم واقف نہیں کہ تم لوگ مال کے عوض اپنی بدنامی جمع کر رہے ہو اور آتش جہنم کو اپنی میراث قرار دے رہے ہو..... والسلام

جب محمد بن مسلم، عمر بن عاص کے پاس پہونچے تو اس نے انواع واقسام کی غذائیں اس کے سامنے ڈال دیں لیکن محمد بن مسلم نے کھانے سے صاف انکار کر دیا۔

عمرو عاص نے کہا: کیا ہماری غذا کو حرام سمجھتے ہو؟

محمد نے کہا: اگر تم ایک مہمان کی غذا میرے سامنے رکھتے تو میں اسے ضرور کھاتا لیکن تم نے جو غذا میرے سامنے رکھی ہے وہ شرّ کا مقدمہ ہے، خدا کی قسم! میں تمہارے یہاں پانی بھی نہیں پیوں گا لہٰذا وہ تمام چیزیں تحریر کرو جو میرے پاس موجود ہیں، اسے پوشیدہ نہ کرو۔

اس نے تمام اموال کو تقسیم کیا یہاں تک کہ ایک جوڑا جوتا باقی بچا تو محمد نے ایک اپنے پاس رکھا اور دوسرا عمرو کے حوالے کر دیا۔

یہ دیکھ کر عمرو عاص غضبناک ہو کر کہنے لگا: اے محمد بن مسلم! خدا ان ایام کو برا قرار دے جن میں عمرو عاص نے عمر بن خطاب کے لئے عامل اور فرمانداری کی ہے۔

خدا قسم! میں نے خطاب کو سر کے اوپر لکڑی کی گھٹری اٹھائے ہوئے دیکھا تھا، اس کا بیٹا بھی اسی کی طرح تھا، خدا کی قسم! عاص بن وائل سونے سے مزین لباس ہی زیب تن کرتا تھا۔

محمد نے اس سے کہا: خاموش رہو، خدا کی قسم! عمر تم سے بہتر ہے، ہاں! تیرا باپ اور اس کا باپ دونوں آتش جہنم کا مزہ چکھیں گے۔

عمرو بن عاص نے کہا: یہ باتیں خدا کی امانت کے طور پر میرے پاس محفوظ رہیں گی، اسے عمر سے بیان نہ کرنا۔

۵۔ ابوسفیان معاویہ سے ملاقات کے بعد واپسی میں عمر کے پاس پہونچا۔ عمر نے کہا: ابوسفیان! مجھے اجازت دو۔ ابوسفیان نے تعجب سے کہا: میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کی میں اجازت دوں۔ عمر نے اس کی انگوٹھی نکال کر ہند (زوجہ ابوسفیان) کے پاس بھیجی۔ قاصد نے کہا: ہند سے کہنا کہ ابوسفیان نے کہا ہے کہ انگوٹھی کو دیکھو اور تھیلے کو میرے پاس بھیج دو جسے میں نے تمہارے حوالے کیا تھا۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد دس ہزار سے بھری ہوئی دو تھیلیاں حاضر کی گئیں، عمر نے اسے بیت المال میں ڈال دیا۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو وہ تھیلیاں واپس کرنا چاہا۔ ابوسفیان نے کہا: میں وہ مال نہیں لے سکتا جس کی وجہ سے عمر نے میری سرزنش کی تھی۔

۶۔ عمر بن خطاب نے عتبہ بن ابی سفیان کو طائف اور وہاں کی مالیات کا والی مقرر کیا اور پھر اسے

معزول کر دیا، چنانچہ اس کے بعد ایک جگہ اچانک مڈبھیڑ ہوگئی، عتبہ کے پاس اس وقت تیس ہزار درہم تھے، عمر نے اس سے کہا: یہ درہم کہاں سے آگئے؟

اس نے کہا: خدا کی قسم! یہ نہ آپ کا ہے اور نہ ہی مسلمانوں کا، میں اس مال کو شہر کے باہر لے جا کر کھیت وغیرہ خریدوں گا۔ عمر نے کہا: میں نے اپنے عامل کے پاس مال ومتاع دیکھا جس کے لئے بیت المال کے علاوہ کوئی جگہ نہیں۔ پھر اس سے لے لیا، جب عثمان خلیفہ ہوئے تو اس نے ابوسفیان سے کہا: کیا آپ کو اس مال کی ضرورت ہے؟ بے شک میری نظر میں ابن خطاب کے پاس اسے حاصل کرنے کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ اس نے کہا: خدا کی قسم! مجھے ان اموال کی ضرورت ہے لیکن تم ایسے انسان کی تردید نہ کرو جو تم سے پہلے تھے کہ تمہارے بعد آنے والے افراد تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کریں۔

۷۔ ایک دن عمر ایک ایسی عمارت سے گذرے جو پتھر اور چونے سے بنائی گئی تھی۔ دیکھ کر کہا: یہ کس کی ملکیت ہے؟ کہا گیا: آپ کے بحرین کے ایک عامل کی۔ سنتے ہی ان اموال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہا: میرے ہر خائن کے پاس دو امین ہیں: مٹی اور پانی۔

۸۔ عمر نے ابوعبیدہ کے پاس آدمی بھیجا کہ اگر خالد نے اپنی تکذیب کر لی ہے تو وہ فرمانبرداری کے عہدہ پر باقی رہے گا اور اگر تکذیب نہیں کی تو وہ اپنے عہدے سے معزول ہو جائے گا ایسی صورت میں اس کا عمامہ اتار کر دو حصوں میں تقسیم کر دو، چنانچہ خالد نے اپنی تکذیب نہیں تو ابوعبیدہ نے اس کے تمام اموال کی تقسیم کر دی حتی اس کا ایک جوتا لے لیا اور دوسرا خالد کے پاس چھوڑ دیا، اس پورے واقعہ میں خالد کہتا رہا:

"سمعاً وطاعة امیرَ المومنین"

عمر کی سماعت تک یہ بات پہونچی کہ خالد نے اشعث بن قیس کو از راہ ہمدردی دس ہزار دے دیا ہے، عمر نے ابوعبیدہ کے پاس بھیجا کہ بالائے منبر جائے اور خالد کو اپنے سامنے رکھے، اس کا عمامہ سر سے اتار کر اس سے باندھ دے، اس لئے کہ جو دس ہزار دیا ہے اگر اس کا اپنا مال تھا تو اس نے اسراف سے

کام لیاہے اوراگر مال مسلمین تھاتو خیانت کی ہے۔(۱)

حلبی لکھتے ہیں: شعبی کے مطابق خالد اور عمر کے درمیان عداوت ودشمنی کی اصل وجہ یہ تھی کہ ایام جوانی میں دونوں نے باہم کشتی کی، خالد نے عمر کو زمین پر دے پٹکا جس سے عمر کی پنڈلی ٹوٹ گئی، کچھ دن علاج ومعالجہ کے بعد وہ ٹھیک ہوگئی۔ جب عمر مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے سب سے پہلے خالد کو معزول کیااور کہا: یہ خالد ہرگز میرے کسی کام کا متولی نہیں ہوسکتا، اسی لئے انہوں نے ابوعبیدہ کو خالد کے پاس روانہ کیا کہ اگر......(۲)

طبری (۳) نے اپنی تاریخ میں سلمان بن یسار سے نقل کیا ہے کہ عمر جب بھی خالد کے پاس سے گذرتے تو کہتے تھے: اے خالد! مال اللہ کو جیب سے باہر نکالو۔ خالد کہتا: خدا کی قسم! اس میں پھوٹی کوڑی بھی مال اللہ نہیں ہے۔

جب زیادہ اصرار کرتے تو خالد کہتا: اے امیرالمومنین! آپ کی خلافت میں حاصل کی گئی رقم چالیس ہزار درہم مجھ تک بھی نہیں پہونچی، عمر نے اس سے کہا: میں نے وہ چالیس ہزار درہم حاصل کیا، خالد نے کہا: ٹھیک ہے وہ آپ کا مال ہوا، عمر نے کہا: میں نے اسے لے لیا۔

پھر خالد کے تمام وسائل زندگی اور غلاموں کے بعد اس کی قیمت اسی ہزار درہم تک پہونچی، عمر نے نصف کرنے کے بعد چالیس ہزار درہم اسے دے دیا اور باقی اپنے پاس رکھ لیا، بعض لوگوں نے کہا: اے امیرالمومنین! اگر خالد کو اس کا مال واپس کردیں تو زیادہ بہتر ہے۔

عمر نے کہا: میں مسلمانوں کا تاجر ہوں، خدا کی قسم! میں اسے ہرگز واپس نہیں کروں گا۔

عمر یہ خیال کرتے تھے کہ وہ اس عمل سے خالد کے توسط سے پنڈلی تڑوانے کی تلافی کررہے ہیں اور ان کے دل کو ٹھنڈک پہونچ رہی ہے۔

۱۔سیرہ، حلبی، ج ۳، ص ۲۲۰ (ج ۳، ص ۱۹۸)؛ البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۵ (ج ۷، ص ۱۳۱، حوادث ۲۱ھ)

۲۔تاریخ طبری (ج ۴، ۶۸، حوادث ۱۷ھ)

۳۔تاریخ طبری (ج ۳، ص ۴۳۷، حوادث ۱۳ھ)

تاریخ ابن کثیر میں ہے: خالد کی موت کے بعد عمر نے حضرت علیؑ سے کہا: خالد پر کئے گئے مظالم سے شرمندہ ہوں۔ وہ کہتے: خدا ابوسفیان (خالد) پر رحم کرے! بے شک ان کے متعلق ہمارا خیال قطعی غلط تھا۔(۱)

محمد بن سیرین کا بیان ہے: خالد عمر کے پاس پہونچا، اس کے جسم پر ریشمی کپڑا تھا، عمر نے اس سے کہا: خالد! یہ کیا...؟ خالد نے کہا: اسے میں نے پہن لیا تو کون سا برا کام کیا، کیا عبدالرحمن بن عوف ریشمی لباس نہیں پہنتے تھے؟ عمر نے کہا: کیا تو ابن عوف ہے اور گمان کرتا ہے کہ ابن عوف کے لئے جو چیز ہو وہ تیرے لئے بھی ہو، میں یہاں موجود سب کو حکم دیتا ہوں کہ اس لباس سے جتنا کچھ حاصل کرنا چاہئے کر لے۔ ابن سیرین کا بیان ہے: تمام لوگ خالد کے ریشمی کپڑے پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ اس کے جسم پر کچھ بھی نہ رہا۔(۲)

بلاذری نے ان بعض حکام و عمال کے اسماء قلمبند کئے ہیں جن کے اموال کو عمر بن خطاب نے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا؛ لیجئے ان کی فہرست ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ابو ہریرہ دوسی، (بحرین کے والی)؛

۲۔ سعد بن ابی وقاص، (کوفہ کے والی)؛

۳۔ ابوموسیٰ اشعری، (بصرہ کے والی)؛

۴۔ عمرو بن عاص بن وائل سہمی، (مصر کے والی)؛

۵۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ؛

۶۔ عتبہ بن ابوسفیان (طائف کے والی)؛

۷۔ بحرین کا ایک نامعلوم عامل؛

۸۔ خالد بن ولید، بعض علاقوں میں ابوبکر کا عامل؛

۱۔ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص۱۱۷، (ج۷، ص۱۳۲، حوادث ۲۱ھ)

۲۔ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص۱۱۵، (ج۷، ص۱۳۱، حوادث ۲۱ھ)

۹۔ابوبکرہ نفیع بن حرث بن کلدہ ثقفی؛
۱۰۔نافع بن حرث بن کلدہ (ابوبکر کے بھائی)؛
۱۱۔حجاج بن عتیک ثقفی (فرات کے والی)؛
۱۲۔جزء بن معاویہ، احنف کے چچا (برسرق کے والی)؛
۱۳۔بشر بن محتفز، جندی شابور (اہواز کے والی)؛
۱۴۔ابن غلاف خالد بن حرث، اصفہان کے بیت المال کا عامل؛
۱۵۔عاص بن قیس بن صف سلمی (مناذر کا والی)؛
۱۶۔سمرہ بن جندب (بازار اہواز کا والی)؛
۱۷۔نعمان بن عدی بن نصلہ کعبی، (دجلہ کے دیہی علاقوں کا عامل)
۱۸۔مجاشع بن مسعود سلمی (زمین بصرہ اور مالیات کا والی)؛
۱۹۔شبل بن معبد بجلی احمسی (جنگی غنائم کا سردار)
۲۰۔ابومریم بن محرش حنفی (رام ہرمز کے والی)

متذکرہ بالا افراد کی فہرست ابوالمختار یزید بن قیس نے ان اشعار میں قلمبند کی ہے اور جسے اس نے عمر بن خطاب کی خدمت میں پیش کیا تھا:

أبـلـغ أمـيرَ الـمـومـنـيـنَ رسـالـةً فـأنـتَ أمـيـنُ اللهِ فـي الـنهيِ والأمر
وأنـت أمـين ُ اللهِ فـيـنـا ومن يكن أميـناً لربّ العرشِ يسلمْ له صدري
فـلا تَدَعَنْ أهل الرساتيق والقرى يـسـيـغـون مـالَ اللهِ في الأدم والوفرِ
فـارسـل الىٰ الحجّاجِ فاعرف حسابَه وأرسل الىٰ جزءٍ ووأرسل الىٰ بشرِ
ولا تـنـسـيـنّ الـنـافـعيـنِ كليهما ولاابـن غـلابٍ من سـراةِ بني نصرِ

''میرے پیغام کو امیرالمومنین تک پہونچادو کہ آپ امرونہی میں خدا کے امین ہیں، آپ ہمارے درمیان بھی خدا کے امین ہیں اور جو صاحب عرش کا امین ہو اس کے لئے میرا سینہ تسلیم ہے، لہٰذا ان

دیہاتوں اور قصبوں کے افراد کو نہ چھوڑیں جو مال اللہ کو اپنی خوراک اور پوشاک اور جمع آوری میں خرچ کرتے ہیں''۔ (اس کے بعد کے اشعار میں حکام کا نام لے کر ان کے اموال کے حساب و کتاب کو قلمبند کیا ہے)۔

ایک شعر میں کہتا ہے:

ولا تدعونّی للشهادة انّنی أغیب ولکنّی أریٰ عجی الدهر

''ہاں! مجھے گواہی کے لئے طلب نہ کریں کہ میں ان کی غیبت کروں گا، لیکن میں عجائب روزگار کو دیکھ رہا ہوں۔

۲۱۔ بنی لیث بن کنانہ کی ایک فرد ''حرث بن وہب'' کے اموال کو دو حصوں میں تقسیم کیا، عمر نے اس سے کہا: ان اونٹوں اور غلاموں کا کیا ہوا جنھیں تم نے سو دینار میں فروخت کر دیا تھا؟

اس نے کہا: میں نے انھیں اپنے اخراجات میں صرف کیا پھر اس سے تجارت کی۔

عمر نے کہا: لیکن خدا کی قسم! میں نے تمہیں تجارت کے لئے نہیں بھیجا تھا، اسے جلد میرے حوالے کر دو۔

اس نے کہا: لیکن ہاں! اس کے بعد آپ کے لئے کوئی کام نہیں کروں گا۔ عمر نے کہا: میں بھی اس کے بعد کوئی کام نہیں لوں گا۔ (۱)

۱۔ فتوح البلدان، ص۹۰، ۲۲۶، ۳۹۲، (ص۹۳، ۲۲۱، ۳۷۷)؛ تاریخ طبری، ج۴، ص۵۶، ۲۰۵، (ج۳، ص۲۳۷۔۲۳۶، حوادث ۱۳ھ، ج۴، ص۶۷، حوادث ۱۷ھ)؛ العقد الفرید، ج۱، ص۲۱/۱۸، (ج۱، ص۳۹)؛ معجم البلدان، ج۲، ص۷۵؛ صبح الاعشیٰ، ج۶، ص۳۸۶، ۳۷۷، (ج۶، ص۳۷۳، ۳۶۸)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۱، ص۵۸؛ ج۳، ص۱۰۴، (ج۱، ص۱۷۴، خطبہ۳، ج۱۲، ۴۲، خطبہ۲۲۳)؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۴۴، (ص۵۸)؛ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص۱۸، ۱۱۵، ج۸، ص۱۱۳، (ج۷، حوادث ۱۳ھ، ص۹۳، حوادث ۱۷، ص۱۳۰، حوادث ۲۱ھ، ج۸، ص۱۲۱، حوادث ۵۹ھ)؛ سیرۂ حلبیہ، ج۳، ص۲۲۰، (ج۳، ص۱۹۹)؛ تاریخ الخلفاء، ص۹۶، (ص۱۳۲)؛ الفتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۸۰؛ ج۲، ص۳۱۴۔

تبصرۂ علامہ امینیؒ

میں نہیں جانتا کہ اگر خلیفہ کے پاس اس بات کی کوئی دلیل تھی کہ یہ اموال مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کئے گئے ہیں تو پھر تمام اموال کو کیوں نہیں ضبط کیا اور اگر ان کے خیال میں یہ اموال انہیں کی ملکیت تھے تو پھر کہاں کی عقلمندی ہے کہ اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے حتیٰ ان کے جوتوں کو بھی تقسیم کیا جائے اور اس طرح یہ فعل ان کی سیرت کا ایک نمونہ بن جائے۔

سعد بن عبدالعزیز کہتے ہیں: عمر عمال و حکام کے حاصل کئے گئے اموال میں تقسیم کرتے تھے۔(۱)
اور اگر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی تو انہوں نے لوگوں کے اموال میں دخل اندازی کیوں کی اور ان کے اس دعوے کو کیوں رد کر دیا کہ یہ تجارت کا سود، گھوڑوں کی پیداوار، زراعت کے منافع اور ان کی ملکیت ہے؟

انہوں نے گواہ لانے کا حکم کیوں نہ دیا؟! اور صرف سوء ظن کی وجہ سے ملزم کیوں ٹھہرایا؟! حالانکہ جو مال مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو وہ انہیں کی ملکیت شمار ہوتی ہے، ایسی صورت میں صرف دعویٰ کر دینا ہی قابل قبول نہیں ورنہ پھر مسلمانوں کا بازار ہی ٹھپ ہو جائے گا؟

بظاہر جن صحابہ کے اموال کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا وہ خلیفہ کی نظر میں ایسے چور تھے جو بدترین چوری کے مرتکب ہوئے تھے، اس لئے کہ اکثر چور صرف ایک، دو یا چند افراد کے اموال کی چوری کرتا ہے لیکن حکم تنصیف کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ جماعت تمام مسلمانوں کے اموال کی چوری کی مرتکب ہوئی ہے۔

یہ لوگ اس واقعہ سے قبل و بعد مسلمانوں کے نفوس اور ان کے احکام و اموال کے امین تھے، ان میں صرف کچھ افراد ہی تھے جنھوں نے جرمانہ ادا کرنے کے بعد خود کو الگ کر لیا تھا اور عمر کے زیر فرمان نہ تھے۔

۱۔ الاصابۃ، ج۲، ص۲۱۰، (نمبر ۵۱۵۷)۔

میں نہیں جانتا کہ وہ سب چور تھے یا سب کے سب عادل و پرہیز گار۔

۸۶۔ خلیفہ اور اونٹ کی خریداری

انس بن مالک سے مروی ہے: ایک اعرابی اونٹ لے کر آیا تھا تا کہ اسے فروخت کرے، عمر اس کے پاس پہونچے، انھوں نے اونٹوں کو پیر مارنا شروع کیا تا کہ وہ بھڑکیں اور عمر دیکھ سکیں کہ ان کے پیر کیسے ہیں؟

یہ دیکھ کر اعرابی مسلسل کہتا رہا: اے بدتمیز! میرے اونٹوں کو چھوڑ دے۔ آخر میں کہا: میرے خیال میں تو ایک بدتمیز اور بدمزاج آدمی ہے۔

جب اس احمقانہ کام سے فارغ ہوئے تو اونٹوں کو خرید لیا اور کہا: لے چلو اور ان کی قیمت لے لو، اعرابی نے کہا: پہلے میں پالان اور فرش وغیرہ اتار لوں تب لے چلوں گا۔

عمر نے کہا: میں نے ان تمام لوازمات کے ساتھ خریدا ہے لہٰذا اب یہ ہماری ملکیت ہے۔ اعرابی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم بدتمیز اور نالائق آدمی ہو۔

اختلاف کے درمیان حضرت علیؑ تشریف لائے، حضرت کو دیکھ کر عمر نے کہا: کیا راضی ہو کہ یہ شخص میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے؟ اعرابی نے کہا: ہاں،۔ چنانچہ پورا واقعہ حضرت سے بیان گیا۔ حضرت نے فرمایا: اے امیر المومنین! اگر آپ نے شرط لگا دی تھی کہ اونٹوں کو ان کے لوازمات کے ساتھ خریدیں گے تو یہ آپ کی ملکیت ہے ورنہ ان کے لئے مزید قیمت ادا کیجئے؟ یہ سُن کر شتربان نے پالان وغیرہ اتارا اور ہٹانے لگا، عمر نے بھی اونٹوں کی تمام قیمت اعرابی کو ادا کی۔ (۱)

خداوند عالم اس اعرابی کی طرف سے حضرت علیؑ کو بہترین جزا عطا فرمائے کہ اس دن انھوں نے اس کے لوازمات کی حفاظت فرمائی لیکن کیا خلیفہ محترم اپنی فقاہت کے ذریعہ اس مشکل کو حل نہیں کر سکتے

۱۔ کنز العمال، ج۲، ص۲۲۱، (ج۴، ص۱۴۲، حدیث ۹۹۱۰)؛ منتخب کنز العمال مطبوع بر حاشیہ مسند احمد، ج۲، ص۲۳۱، (ج۲، ص۲۲۱)۔

تھے؟! ہم اسے منصف مزاج محقق کے علم وکاوش پر چھوڑتے ہیں۔

۸۷۔ بیت المقدس کے بارے میں خلیفہ کا نظریہ

سعد بن میتب سے مروی ہے: ایک شخص نے عمر بن خطاب سے بیت المقدس جانے کی اجازت طلب کی۔ عمر نے کہا: جاؤ سامان سفر تیار کرو اور جانے سے پہلے مجھے باخبر کرو۔ چنانچہ وہ جانے سے پہلے دوبارہ عمر کے پاس آیا تو عمر نے کہا: بیت المقدس کے بجائے عمرہ کے لئے جاؤ۔

راوی کا بیان ہے کہ اسی وقت عمر کے پاس سے دو افراد کا گذر ہوا، ان سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ کہا: بیت المقدس سے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے اپنے کوڑے سے مارا، پھر کہا: کیا یہ حج ہے حج بیت اللہ کی طرح۔ انھوں نے خوف زدہ ہو کر کہا: ہم اُس طرف سے عبور کر رہے تھے۔ (۱)

تبصرۂ علامہ امینیؒ

بیت المقدس ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جن کی زیارت کے لئے سفر کی زحمتیں برداشت کرنی چاہئے اور ان میں زیارت اور نماز پڑھنی چاہئے لیکن خلیفہ کی نگاہوں سے وہ احادیث وروایات قطعی دور ہیں جو رسول خداؐ سے اس سلسلے میں مروی ہیں یا انہوں نے رسول خداؐ سے نہیں سنا یا حفظ کرنے سے قاصر رہے یا فراموش کر گئے، اسی لئے اس شخص کو منع کر دیا جو اس کی زیارت کے لئے آمادہ تھا اور ان سے اجازت طلب کر رہا تھا نیز ان دو افراد پر اپنا کوڑا بلند کیا جو اس کی زیارت سے مشرف ہو کر آئے تھے لہٰذا انھوں نے خوف سے اس بات کا اظہار کیا کہ ہم اُس کی طرف سے عبور کر رہے تھے۔

لیجئے اس سلسلے میں واضح روایات کو پڑھ کر خلیفہ کے اقدام پر حیرت کریں:

۱۔ ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: **لا تشد الرجال الا ثلاثة مساجد**

۱۔ اخبار مکہ ارزقی، (ج۲، ص۶۳)؛ کنز العمال، ج۷، ص۵۷، (ج۱۴، ص۱۴۶، حدیث ۳۸۱۹۴)

المسجد الحرام، مسجدی هنا والمسجد الاقصیٰ ''تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سامان سفر آمادہ نہ کیا جائے: مسجد الحرام، میری مسجد (مسجد نبوی)، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)۔(۱)

ابو ہریرہ کی دوسری روایت ہے: البتہ تین مسجدوں کے لئے سفر کرنا چاہیئے: مسجد مکہ، میری مسجد اور مسجد ایلیا۔(۲)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: ایلیا بیت المقدس کے ایک شہر کا نام ہے، بعض کہتے ہیں: اس سے مراد بیت اللہ ہے۔ ابو علی طبرسی کہتے ہیں: بیت المقدس کا نام ایلیا رکھا گیا ہے۔

بقول فرزدق:

و بیتان بیت الله نحن ولانه وقصر باعلی ایلیا مشرّف

''دو گھر خانۂ خدا ہیں جن کے ہم والی ہیں اور ایک محل شہر ایلیا کی بلندی پر واقع ہے''۔

۲۔ ابو ہریرہ کے الفاظ میں ایک حدیث حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے، طبرانی نے اسے نقل کیا ہے۔(۳)

۳۔ ابو ہریرہ کی پہلی روایت میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، بزاز نے اسے نقل کیا ہے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ و معتبر ہیں۔(۴)

انہیں سے ایک دوسری روایت مروی ہے: تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور کے لئے رخت سفر نہ

۱۔ مسند، ج۲، ص۲۳۸، ۲۷۸، (ج۲، ص۳۴۷، حدیث ۷۲۰۸/ص۵۴۲، حدیث ۷۶۷۸)؛ صحیح بخاری، (ج۱، ص۳۹۸، حدیث ۱۱۳۲)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۴۴؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۲، (ج۳، ص۱۸۳، حدیث ۵۱۱، کتاب الحج)؛ سنن دارمی، ج۱، ص۳۳۰؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۱۸، (ج۲، ص۲۱۶، حدیث ۲۰۳۳)؛ سنن ابن ماجہ ج۱، ص۴۳۰ (ج۱، ص۴۵۲، حدیث ۱۴۰۹)؛ سنن نسائی ج۲، ص۳۷ (ج۱، ص۲۵۸؛ مصابیح السنۃ، ج۱، ص۴۷، (ج۱، ص۲۸۰، حدیث ۴۸۱)؛ مجمع الزوائد، ج۴، ص۳؛ البحر الزخار، (مسند بزار)، (ج۱، ص۲۹۱، حدیث ۱۸۷)؛ المعجم الکبیر، (ج۲، ص۲۷۶، حدیث ۲۱۵۸/ ۲۱۵۹، کتاب الحج)؛ المعجم الاوسط، (ج۱، ص۴۷۱، حدیث ۸۵۷)

۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۹۲، (ج۳، ص۱۸۳، حدیث ۵۱۳، کتاب الحج)؛ سنن بیہقی، ج۵، ص۲۴۴

۳۔ المعجم البلدان، (ج۱، ص۲۹۳)

۴۔ المعجم الصغیر، (ج۱، ص۱۷۳)؛ مجمع الزوائد، ج۴، ص۳

باندھا جائے: مسجد الحرام، مسجد مدینہ، مسجد بیت المقدس۔(۱)

۴۔عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بطور انتساب مروی ہے: جب سلیمان بن داوٴدؑ نے بیت المقدس تعمیر کی تو خداوند عالم سے تین باتوں کا تقاضا کیا:

۱۔ایسی قضاوت جو حکم خدا کے موافق ہو، خدا نے انھیں دے دیا۔

۲۔ایسی حکومت وسلطنت جو اس کے بعد کسی کو نہ ملے۔

۳۔جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو خواہش کی کہ اس میں نماز پڑھنے والے کے گناہوں کو اس کے وجود سے اس طرح برطرف کردے جیسے وہ ابھی پیدا ہوا ہے۔(۲)

۵۔ابوسعید خدری سے بطور مرفوع مروی ہے کہ کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی مسجد کی زیارت کی غرض سے سامان سفر تیار کرے اور اس میں نماز پڑھے سوائے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے۔(۳)

۶۔ابی جعد ضمیری سے مروی ہے کہ زحمت سفر تحمل نہ کیا جائے...ابوہریرہ کی روایت۔ بزار اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اس کی روایت کی ہے، اس کے تمام راوی معتبر ہیں۔(۴)

۷۔بصرہ ابن ابوبصرہ سے بطور نسبت مروی ہے کہ کوئی شخص اپنے وسائل سفر کو آمادہ نہ کرے مگر تین مسجدوں کے لئے: مسجد الحرام، میری مسجد اور مسجد ایلیا (بیت المقدس)۔(۵)

۱۔مسند بزار، (ج۱، ص۲۹۱، حدیث ۱۸۷)؛ مجمع الزوائد، ج۴، ص۴؛ المعجم الکبیر، (ج۱۲، ص۲۵۹، حدیث ۱۳۲۸۳)؛ المعجم الاوسط، (ج۱۰، ص۱۹۱، حدیث ۹۳۱۵)

۲۔سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۴۳۰، (ج۳، ص۳۷۶، حدیث ۱۰۶۵۶/ ج۳، ص۷، /۳۴/۵۱/ ۷۷/ ۷۸/۹۳)، (ج۱، ۴۵۲۱، حدیث ۱۴۰۸)؛ سنن نسائی، ج۲، ص۳۴، (ج۱، ص۲۵۶، حدیث ۷۷۲)۔

۳۔مسند احمد، ج۳، ص۶۴/ ص۴۳۱، حدیث ۱۱۰۲۵، ص۴۵۱، حدیث ۱۱۰۹۱/ ص۴۷۱، حدیث ۱۱۲۱۵/ ص۴۹۳، حدیث ۱۱۳۲۵، ص۱۱۳۲۹/ ص۵۱۹، حدیث ۱۱۴۷۳؛ صحیح بخاری، ج۳، ص۲۲۴، (ج۲، ص۷۰۳، حدیث ۱۸۹۳)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۶۷، (ج۲، ص۱۴۸، حدیث ۳۲۶)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ۴۳۰، (ج۱، ص۴۵۲، حدیث ۱۴۱۰)؛ مشکاۃ المصابیح، ص۶۰، (ج۱، ص۲۲۳، حدیث ۶۹۳)

۴۔المعجم الکبیر، (ج۲۲، ص۳۶۶، حدیث ۹۱۹)؛ المعجم الاوسط، (ج۶، ص۵۱، حدیث ۵۱۰۶)؛ مجمع الزوائد، ج۴، ص۴۔

۵۔بغیۃ الوعاۃ، ص۴۴۴، (ج۲، ص۴۰۱، نمبر ۹)

۸۔ رسول خداؐ کی کنیز میمونہ کا بیان ہے: اے رسول خداؐ! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں فتویٰ دیجئے۔ فرمایا: سرزمین محشر پر جاؤ اور نماز پڑھو، اس مکان مقدس میں نماز پڑھنا ہزار نماز کے مانند ہے۔

میں نے عرض کی: اگر کوئی شخص وہاں جانے کی قدرت وطاقت نہیں رکھتا ہو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا: روغن زیتون بھیجو تا کہ اس کے چراغ میں ڈال کر روشن کیا جائے (یعنی چراغ ہدیہ کرو) جو شخص ایسا کرے گا وہ ایسا ہی ہے کہ جیسے وہاں موجود ہے۔(۱)

یہ ان احادیث کا مختصر سا خاکہ ہے جو بیت المقدس اور وہاں نماز پڑھنے کے سلسلے میں مروی ہیں۔

خداوند عالم نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمدؐ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی۔ خود صحابہ کرام نماز وزیارت کی غرض سے وہاں جاتے تھے۔(۲)

حافظ ابن عساکر نے اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے اور اس کا نام ''المستقصیٰ فی فضائل مسجد الاقصیٰ'' رکھا ہے۔

اگر ہم ان احادیث وروایات سے اغماض نظر کر بھی لیں پھر بھی ہر مسجد کے لئے سفر کرنا اور اس کی صعوبتیں برداشت کرنا اولین مباحات میں سے ہے جس کے بارے میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے تو پھر مخصوص کوڑے کی بارش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

حدیث میں ہے: اگر کوئی کسی مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اس کے اجر ثواب میں ان قدموں کو بھی شامل کیا جاتا ہے جو مسجد کی جانب اٹھتے ہیں خواہ دور ہو یا نزدیک۔(۳)

جی ہاں! ایسا لگتا ہے کہ خلیفہ ان مسجدوں کی آمد ورفت میں آثار رسول کا احیاء دیکھ رہے تھے جو ان کے مخصوص اجتہاد سے میل نہیں کھا رہا تھا (گذشتہ صفحات میں ملاحظہ ہو)۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۴۲۹، (ج۱، ص۴۵۱، حدیث ۱۴۰۷)؛ سنن بیہقی، ج۲، ص۴۴۱

۲۔ مجمع الزوائد، ج۴، ص۴

۳۔ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۸۴، (ج۲، ص۴۹۹، حدیث ۶۰۳)

۸۸۔ مجوس کے بارے میں خلیفہ کی رائے

یحییٰ بن سعید نے عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ مجوسی کے ساتھ کیسے پیش آؤں حالانکہ وہ اہل کتاب بھی نہیں۔

دوسری روایت:

عمر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ کیا کروں، یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا: مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کی طرح پیش آؤ۔

بجالہ سے مروی ہے کہ میں مناذر میں جزء بن معاویہ کا منشی تھا، چنانچہ میرے پاس عمر بن خطاب کا خط آیا کہ اپنے علاقہ میں مجوسیوں پر نظر رکھو اور ان سے ٹیکس حاصل کرو اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی ہے کہ رسول خداؐ مجوسیوں سے ٹیکس لیتے تھے۔

اسی سے مروی ہے کہ عمر مجوسیوں سے ٹیکس نہیں لیتے تھے پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے گواہی دی کہ رسول خداؐ مجوسیوں سے ٹیکس لیتے تھے۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

کیا اس شخص پر تعجب وحیرت نہیں جو امور خلافت کا متولی ہوتے ہوئے بھی خلافت کے حساس اور اہم ترین مسئلہ سے ناواقف ہے؟ اس لئے کہ مجوسیوں کا حکم ان اولین چیزوں میں سے ہے جس کی معرفت وشناخت، حکومت اسلامی کے متولی کے لئے بہت ضروری ہے، مالی اعتبار سے بھی اور دینی وسیاسی اعتبار سے بھی۔

کیا آپ کو تعجب نہیں کہ ایسا اہم حکم کئی سال تک نافذ نہیں ہوا پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے اس کی

۱۔ الاموال، ص ۳۲، (ص ۴۰، حدیث ۷۷)؛ موطا مالک، ج ۱، ص ۲۰۷، (ج ۱، ص ۲۷۸، حدیث ۴۲)؛ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس باب الجزیہ، (ج ۳، ص ۱۱۵۱، حدیث ۲۹۸۷)؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۹۰، (ج ۱، ص ۳۱۲، حدیث ۱۶۶۰)؛ سنن ترمذی، ج ۱، ص ۱۹۲، (ج ۴، ص ۱۲۴، حدیث ۱۵۸۶)؛ احکام القرآن جصاص، ج ۳، ص ۱۱۴، (ج ۳، ص ۹۲)؛ فتوح البلدان بلاذری، ص ۲۷۶، (ص ۲۶۷/۲۶۶)؛ سنن بیہقی، ج ۸، ص ۲۴۸ رج ۹، ص ۱۸۹؛ مصابیح السنۃ، ج ۲، ص ۹۷، (ج ۳، ص ۱۰۹، حدیث ۳۰۷۷)؛ سیرۂ عمر، ابن جوزی، ص ۱۱۴

گواہی دی اور ان کی گواہی کے بعد نافذ ہوا؟! اور وہ بھی خلیفہ کی موت سے ایک سال پہلے؟! (۱)

اس بات کا بھی امکان ہے کہ خلیفہ اس مسئلہ اور اس کے مانند بہت سے مسائل سے دوچار ہوں اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے افراد واشخاص ان کی دسترس سے دور ہوں کہ وہ ان سے سوال کریں یا خبر دیں تو پھر اُس وقت وہ کیا کرتے ہوں گے؟! اور اگر عبدالرحمٰن کو ان کی ماں نے جنم نہ دیا ہوتا تو جناب عمر اپنے احکام میں کس کی طرف رجوع کرتے؟! کون اپنے علم سے ان کو فیضیات کرتا ہوگا؟! وہ لوگوں کے امور و معاملات کے متولی کیسے ہو گئے حالانکہ لوگوں میں ان سے بھی زیادہ جانکار موجود ہیں؟!

وہ اور امر خلافت کے تمام متولی رسول خداؐ کے اس ارشاد کے پیش نظر کیا کرتے ہوں گے: **من تولى من امر المسلمين شيئا فاستعمل عليهم رجلا وهو يعلم ان فيهم من هو اولى بذلك واعلم منه بكتاب الله وسنة رسوله فقد خان الله و رسوله و جميع المومنين** ”جو بھی مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملہ کا متولی ہو اور کسی کو ان کے لئے مقرر کرے درحالیکہ وہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے بھی زیادہ مناسب اور کتاب خدا و سنت رسول کا جانکار ہے تو بے شک اس نے خدا، اسکے رسولؐ اور تمام مومنین کے ساتھ خیانت کی ہے“۔ (۲)

۸۹۔ رجب کے روزوں کے متعلق خلیفہ کی رائے

خرشہ بن حر کا بیان ہے: میں نے عمر بن خطاب کو یکھا کہ وہ لوگوں کو ماہ رجب کا روزہ رکھنے پر مارتے تھے چنانچہ وہ خوف سے افطار کر لیتے تھے۔

عمر کہتے: رجب اور کیا رجب... ماہ رجب ایسا مہینہ تھا جسے جاہلی عہد کے افراد اہمیت دیتے تھے پھر ظہور اسلام کے بعد متروک ہو گیا۔ (۳)

۱۔ مشکاۃ المصابیح، ص ۳۳۴، (ج ۲، ص ۴۱۴، حدیث ۴۰۳۵)

۲۔ مجمع الزوائد، حافظ ہیثمی ج ۵ ص ۲۱۱

۳۔ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج ۳، ص ۱۰۲)؛ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۹۱؛ کنز العمال، ج ۴، ص ۳۳۱، (ج ۸، ص ۶۵۳، حدیث ۲۴۵۸۰)

تبصرۂ علامہ امینیؒ

بے شک خلیفہ کی نظروں سے وہ تمام روایات واحادیث مخفی رہ گئیں جو رسول خداؐ سے ماہ رجب کے روزوں کی فضیلت میں مختلف جہتوں سے وارد ہوئی ہیں۔

۱۔ماہ رجب کے روزوں کی تشویق وترغیب اور ان کے بے پناہ اجر وثواب کے سلسلے میں ارشادات رسولؐ۔

۲۔رسول خداؐ سے مروی وہ احادیث جو ہر مہینہ کے تین روزوں کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، یہ رجب اور دوسرے مہینوں کو بھی شامل ہیں۔

۳۔وہ احادیث جو رسول خداؐ سے بالخصوص محترم مہینوں کے روزوں کے بارے میں مروی ہیں ان میں ماہ رجب بھی ہے۔

۴۔وہ حدیثیں جن میں رسول خداؐ نے پورے سال ایک دن روزہ رکھنے اور دوسرے دن افطار کرنے کی تشویق کی ہے اس میں ماہ رجب بھی شامل ہے۔

لیجئے مندرجہ ذیل روایتیں ملاحظہ کیجئے:

حصہ اول احادیث:

۱۔عثمان بن حکیم سے مروی ہے: میں نے سعید بن جبیر سے ماہ رجب کے روزوں کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کہا: میں نے ابن عباس سے سُنا ہے، رسول خداؐ روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ وہ افطار نہیں کرتے اور جب افطار کرتے تو ہم کہتے تھے کہ وہ روزہ نہیں رکھتے۔(۱)

۲۔امیر المومنینؑ سے مروی ہے: ماہ رجب وہ عظیم مہینہ ہے جس میں خداوند عالم حسنات کو دوگنا کر دیتا ہے چنانچہ جو شخص ماہ رجب میں ایک دن روزہ رکھتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اس نے پورے سال

۱۔صحیح بخاری، ج۳، ص۲۱۵، (ج۲، ص۶۹۶، حدیث ۱۸۷۰)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۱۸، (ج۲، ص۵۱۳، حدیث ۱۷۹)؛ مسند احمد، ج۱، ص۳۲۶، (ج۱، ص۵۲۷، حدیث ۳۰۰۲)؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۸۱، (ج۲، ص۳۲۳، حدیث ۲۴۳۰)؛ سنن بیہقی، ج۴، ۲۹۱؛ تیسیر الوصول، ج۲، ص۳۲۸، (ج۲، ۳۹۱)

روزہ رکھا ہے، سات روزہ رکھنے والے پر جہنم کے سات دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، آٹھ روزے رکھنے والے پر جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جو اس مہینے میں دس روزہ رکھتا ہے وہ خداوند عالم سے جس چیز کی خواہش کرتا ہے اسے عطا کر دیا جاتا ہے اور جو اس مہینے میں پندرہ روزہ رکھتا ہے تو منادی، آسمان میں آواز دیتا ہے کہ خداوند عالم نے اس کے گذشتہ تمام گناہوں کو بخش دیا ہے، از سر نو عمل کرو اور جو اس میں زیادتی کرتا ہے خدا حسنات میں زیادتی کرتا ہے۔(۱)

۳۔ ابو ہریرہ سے بطور نسبت مروی ہے: بعد از رمضان، رجب وشعبان کا ایک روزہ کامل ہے۔(۲)

۴۔ انس بن مالک سے بطور نسبت مروی ہے: جنت میں ایک ایسا محل ہے جس میں ماہ رجب میں روزہ رکھنے والے کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں ہو سکتا۔(۳)

بیہقی نے انس سے نقل کیا ہے کہ جنت میں رجب نامی ایک نہر ہے جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیرین ہے، جو ماہ رجب کا ایک روزہ رکھے گا خداوند عالم اسے اس نہر سے سیراب کرے گا۔(۴)

۵۔ ابن عساکر نے ابوقلابہ سے نقل کیا ہے کہ جنت میں ماہ رجب کے روزہ داروں کے لئے ایک قصر ہے۔(۵)

۱۔ مجمع الزوائد، ج۳، ص۱۹۱؛ الغنیۃ عبدالقادر جیلانی، ج۱، ص۱۹۸، (ص۲۷۸)؛ مصباح الظلام، ج۲، ص۸۲، (ج۲، ص۱۹۹، حدیث۴۵۶)؛ شعب الایمان بیہقی، (ج۳، ص۳۶۸، حدیث۳۸۰۱)۔

۲۔ مجمع الزوائد، ج۳، ص۱۹۱؛ الغنیۃ، ج۱، ص۲۰۰، (ص۲۸۱)

۳۔ کنز العمال، ج۴، ص۳۴۱، (ج۸، ص۶۵۳، حدیث۲۴۵۸۲)؛ الغنیۃ، ج۱، ص۲۰۰، (ص۲۸۱)

۴۔ شعب الایمان، (ج۳، ص۳۶۷، حدیث۳۸۰۰)؛ شرح المواہب زرقانی، ج۸، ص۱۲۸؛ الغنیۃ، ج۱، ص۲۰۰؛ جامع الصغیر، (ج۱، ص۳۵۵، حدیث۲۳۲۶)؛ شرح جامع الصغیر، مناوی، ج۲، ص۲۷۰

۵۔ تاریخ ابن عساکر، (ج۲۵، ص۳۳۴، نمبر۳۰۴۶)؛ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج۱۱، ص۲۴۹)؛ شرح المواہب، ج۸، ص۱۲۸؛ کنز العمال، ج۴، ص۳۴۱، (ج۸، ص۶۵۳، حدیث۲۴۵۸۱)۔

۶۔ ابوداؤد نے عطاء بن ابی ریاح سے نقل کیا ہے کہ عروہ بن زبیر نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا: کیا رسول خداؐ ماہ رجب میں روزہ رکھتے تھے؟ جواب دیا: ہاں اور اسے بہت اہمیت دیتے تھے، تین مرتبہ اس کی تکرار کی۔ (۱)

۷۔ مکحول سے مروی ہے: ایک شخص نے ابوداؤد سے ماہ رجب کے روزوں کے متعلق سوال کیا، اس نے کہا: ایسے مہینے کے بارے میں سوال کیا ہے جسے ایام جاہلیت میں لوگ اہمیت دیتے تھے اور اسلام نے اس کی فضیلت و بزرگی میں مزید اضافہ کر دیا ہے، جو اس مہینے میں بندگی اور عبادت خدا کی غرض سے ایک دن روزہ رکھے، اس کے ذریعہ خدا کے اجر وثواب کو پیش نظر رکھے اور خالصتاً خدا کی رضایت وخوشنودی کا طلبگار ہو تو اس دن کا روزہ غضب الٰہی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہوگا، اس کی وجہ سے اس کے اوپر جہنم کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ (۲)

ماہ رجب کے روزوں کی فضیلت واہمیت سے متعلق بہت سی احادیث پائی جاتی ہیں خاص طور سے اس مہینے میں جمعرات اور ۲۷ویں دن کا روزہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

ابی سعید خدری، سبطین رسولؐ (حضرت حسنؑ وحسینؑ)، انس بن مالک، ابو ہریرہ، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، سلاہ بن قیس اور ابن عباس کے طریق سے متذکرہ روایت مروی ہے، جلد اول ملاحظہ ہو، چنانچہ بعض کتابوں میں ان احادیث کو قلمبند کیا گیا ہے۔ (۳)

رفاعی نے بعض احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ طبقات سبکی (۴) میں مذکور ہے کہ شافعی نے روزۂ ماہ رجب کے سلسلے میں مروی حدیث منع کی تضعیف کی ہے، اس کے بعد شافعی نے ''الام القدیم'' سے حکایت کی ہے کہ اس نے کہا: اگر کوئی شخص ماہ رمضان کے علاوہ پورے مہینے روزہ رکھے تو میری نظر میں کراہت رکھتا ہے اس لئے کہ کہیں جاہل اس کے وجوب کا گمان نہ کرنے لگیں۔

۱۔ شرح المواہب، ج۸، ص۱۲۸؛ ضوء الشمس، ج۲، ص۶۷

۲۔ الغنیۃ، ج۱، ص۱۹۸، (ص۲۷۸)

۳۔ الغنیۃ ج۱، ص۲۰۵۔۱۹۶، (ص۲۸۳/۲۷۷/۲۸۸/۲۸۶)

۴۔ طبقات الشافعیہ (ج۴، ص۱۲، نمبر۲)

شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں: ماہ رجب کے روزوں کی ممانعت کرنے والا جاہل وانپڑھ ہے، بلکہ مستحب روزے حرام مہینوں میں منقول ہیں اور وہ مہینے چار ہیں:

۱۔رجب	۲۔ذی قعدہ
۳۔ذی الحجہ	۴۔محرم

رسول خداؐ سے مروی ہے کہ ماہ رجب اللہ کا مہینہ ہے، بعض لوگوں نے دریافت کیا: اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا: کیوں کہ یہ مغفرت سے مخصوص ہے، اس میں خون محفوظ رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ جب ماہ رجب کی پہلی شب آتی ہے تو خداوند عالم فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ بآواز بلند کہیں: جان لو کہ ماہ رجب کا آغاز ہو چکا ہے، خوشا بہ حال اس شخص کے جو اس مہینے میں توبہ واستغفار کرے۔

مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے کہا: خدایا! مجھے اپنے رابطے کے لئے محبوب ترین دن اور محبوب ترین اوقات کی نشاندہی فرما۔

فرمایا: میرے نزدیک محبوب ترین دن پندرھویں رجب ہے، جو شخص اس دن روزہ ونماز اور صدقات کے ذریعہ مجھ سے تقرب حاصل کرتا ہے میں اسے مانگنے والی ہر شئے عطا کرتا ہوں اور استغفار کرنے کی صورت میں معاف کردیتا ہوں۔اے آدمؑ! اگر کوئی پندرھویں رجب کو حالت روزہ میں صبح کرے، میری یاد میں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرے اور اپنے اموال میں سے صدقہ دے تو اس کی جزا جنت ہے۔

جی ہاں چاروں مذاہب کے فقہاء ماہ رجب کے روزوں کے استحباب کا عقیدہ رکھتے ہوئے انھیں مستحب روزے میں شمار کرتے تھے سوائے حنبلیوں کے۔

ان کی نظر میں رجب کے پورے مہینے میں روزہ رکھنا مکروہ ہے، ہاں! اگر درمیان میں افطار کرے تو کوئی کراہت نہیں۔(۱)

۱۔الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج۱، ص۲۳۹، (ج۱، ص۵۵۷)

شاید انہوں نے احیاء العلوم (۱) میں مذکور ایک حدیث کی وجہ سے کہا ہے، اس میں ہے کہ بعض اصحاب رجب کے پورے مہینے کے روزوں کو مکروہ سمجھتے تھے اس لئے کہ کہیں وہ ماہ رمضان سے مشابہ نہ ہو جائے۔

حصہ دوم احادیث:

۱۔ معاذ عدویہ سے منقول ہے: میں نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ کیا رسول خداؐ ہر مہینہ تین روزہ رکھتے تھے؟ کہا: ہاں۔ میں نے پوچھا: مہینے کے کون سے دنوں میں؟ جواب دیا: کوئی دن مشخص نہیں تھا۔

ابوداؤد اور بیہقی کے الفاظ ہیں: مشخص نہیں تھا کہ کس مہینے کے کس دن روزہ رکھتے ہیں۔ (۲)

۲۔ ابوذر سے روایت ہے کہ جو شخص ہر مہینہ روزہ رکھتا ہے تو وہ تمام عمر کا روزہ محسوب ہوتا ہے۔

دوسری تعبیر: میرے حبیب نے تین چیزوں کی سفارش و تاکید فرمائی ہے، انشاء اللہ میں کبھی ترک نہیں کروں گا: نماز عید، سونے سے قبل کی نماز کی تاکید، ہر مہینہ تین روزوں کی تاکید۔ (۳)

۳۔ عثمان بن ابوعاص سے روایت ہے: ہر مہینہ تین دن روزہ رکھنا بہتر ہے۔ (۴)

۴۔ ابوہریرہ سے روایت ہے: ماہ رمضان کا روزہ صبر ہے اور ہر مہینہ میں روزہ رکھنا روزۂ دنیا ہے۔

۱۔ احیاء العلوم، ج۱، ص۲۳۲، (ج۱، ص۲۱۲)

۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۲۱، (ج۲، ص۵۲۰، حدیث۱۹۴، کتاب الصیام)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۴۷، (ج۳، ص۱۳۵، حدیث۷۶۳)؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۸۴، (ج۲، ص۳۲۸، حدیث۲۴۵۳)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۲۳ (ج۱، ص۵۴۵، حدیث۱۷۰۹)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۲۹۵؛ مشکاۃ المصابیح، ص۱۷۱، (ج۱، ص۶۳، حدیث۲۰۴۶)

۳۔ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۴۶، (ج۳، ص۱۳۵، حدیث۷۶۲)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۲۲، (ج۱، ص۵۴۵، حدیث۱۷۰۸)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۱۸، ۲۱۹، (ج۲، ص۱۳۳، حدیث۲۷۱۲)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۱، (ج۲، ص۱۲۱، حدیث۹)؛ جامع الاصول، (ج۷، ص۲۲۶، حدیث۴۴۸۶)؛ تیسیر الوصول، ج۲، ص۲۳۰، (ج۲، ص۳۹۴، حدیث۴)۔

۴۔ صحیح ابن خزیمہ، (ج۳، ص۳۰۱، حدیث۲۱۲۵۲)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۱۹، (ج۲، ص۳۹۴، حدیث۲۷۱۹)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۱۳، (ج۲، ص۸۳، حدیث۱۳)

انہیں سے مروی ہے کہ میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی سفارش کی ہے:

ا۔ ہر مہینہ میں تین روزہ.....۔(۱)

۵۔ ابودرداء سے مروی ہے: میرے حبیب نے تین باتوں کی سفارش کی ہے، میں اپنی زندگی میں اسے ہرگز ترک نہیں کرسکتا: ا۔ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنا....۔(۲)

۶۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بطور مرفوع منقول ہے: ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنا تمام عمر کا روزہ ہے۔

دوسری تعبیر: کیا تیرے لئے ہر مہینے میں تین دن روزے کافی نہیں ہیں۔

تیسری تعبیر: تیرے لئے ہر مہینے کے تین روزے کافی ووافی ہیں۔

چوتھی تعبیر: کیا میں تمھیں تمام عمر دنیا کے روزوں کی رہنمائی کروں، وہ ہر مہینہ میں تین روزہ ہے۔

پانچویں تعبیر: ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھو۔(۳)

۷۔ قرہ بن ایاس سے روایت ہے: ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنا تمام عمر دنیا کا روزہ ہے۔(۴)

ا۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۲۲۰، (ج۲، ص۶۹۹، حدیث ۱۸۸۰)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۲۰۰، (ج۲، ص۱۶۳، حدیث ۸۵)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۱۸ : مسند احمد، ج۲، ص ۲۶۳، (ج۲، ص۵۱۷، حدیث ۷۵۲۳)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۴۶، (ج۳، ص۱۳۳، حدیث ۷۶۰)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۱۸، (ج۲، ص۱۳۴، حدیث ۲۷۱۶)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۰، (ج۲، ص۱۲۰، حدیث ۱)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۲۹۳؛ تاریخ بغداد، ج۷، ص۴۳۰

۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۲۰۰، (ج۲، ص۱۶۳، حدیث ۸۶، کتاب صلاۃ المسافرین)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۰، (ج۲، ص۱۲۰، حدیث ۲)

۳۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۲۱۹، (ج۲، ص۶۹۸، حدیث ۱۸۷۷)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۲۰، (ج۲، ص۵۱۴، حدیث ۱۸۱)؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۸۰، (ج۲، ص۳۲۲، حدیث ۲۴۲۷)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۱۰ / ۲۱۵، (ج۲، ص۱۲۸ / ۱۳۲، حدیث ۲۶۹۹ / ۲۷۰۹)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۰

۴۔ مسند احمد، ج۵، ص۳۴، (ج۶، ص۱۲، حدیث ۱۹۸۵۱)؛ مسند بزار، (ج۵، ص۲۱۵)؛ المعجم الکبیر، (ج۱۹، ص۲۶، حدیث ۵۳)؛ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، (ج۸، ص۴۱۳، حدیث ۳۶۵۳)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۱، (ج۲، ص۱۲۱، حدیث ۶)؛ الجامع الصغیر، ج۲، ص۷۸، (ج۲، ص۱۰۲، حدیث ۵۰۵۲)

۸۔ابن عباس سے روایت ہے: ماہ رمضان کا روزہ صبر ہے اور ہر مہینے کے تین روزے انسان کے سینے سے وحشت کو ختم کرتے ہیں۔

حافظ منذری ''الترغیب'' میں لکھتے ہیں: بزاز نے اس کی روایت کی ہے، تمام راوی ثقہ و معتبر ہیں، ابن حیان اور احمد وغیرہ نے اسے نقل کیا ہے۔(۱)

۹۔عمر بن شرحبیل سے بطور مرفوع منقول ہے: کیا میں تمھیں اس بات کی خبر دوں جو سینے کے خوف و ہراس کو ختم کر دیتی ہے: وہ ہر مہینہ کا تین روزہ ہے۔(۲)

۱۰۔ابی عقرب سے بطور مرفوع: ہر مہینے تین دن روزہ رکھو۔(۳)

۱۱۔عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول خداؐ ہر مہینے کی شروعات میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔(۴)

۱۲۔عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: رسول خداؐ ہر مہینے تین دن روزہ رکھتے تھے۔(۵)

۱۳۔ام سلمہ سے مروی ہے: رسول خداؐ ہر مہینے تین دن روزہ رکھتے تھے، حفصہ سے بھی یہی تعبیر روایت کی گئی ہے۔ام سلمہ سے دوسرے الفاظ مروی ہیں کہ رسول خداؐ امر فرماتے کہ ہر مہینے تین دن روزہ رکھوں۔(۶)

۱۔الترغیب والترہیب، ج۲،ص۳۱،(ج۲،ص۱۲۱،حدیث ۷)؛ مسند احمد،(ج۶،ص۴۹۹،حدیث ۲۲۵۶۱)؛ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان،(ج۱۴،ص۴۹۸،حدیث ۶۵۵۷)؛ سنن بیہقی،(ج۴،ص۲۹۳)؛ مسند بزار،(ج۲،ص۲۷۱،حدیث ۶۸۸)۔

۲۔سنن نسائی، ج۴،ص۲۰۸،(ج۲،ص۱۲۶،حدیث ۲۶۹۳)؛ الترغیب والترہیب، ج۲،ص۳۱،(ج۲،ص۱۲۲،حدیث ۱۱)

۳۔سنن نسائی، ج۴،ص۲۲۵،(ج۲،ص۱۳۸،حدیث ۲۷۴۰/۲۷۴۱)

۴۔سنن ابی داؤد، ج۱،ص۳۸۴،(ج۲،ص۳۲۸،حدیث ۲۴۵۰)؛ سنن ترمذی، ج۱،ص۱۴۳،(ج۳،ص۱۱۸،حدیث ۷۴۲)؛ سنن نسائی، ج۴،ص۲۰۴،(ج۲،ص۱۲۲،حدیث ۲۶۷۷)؛ سنن بیہقی، ج۴،ص۲۹۴؛ مشکاۃ المصابیح، ص۱۷۲،(ج۱،ص۵۶۴،حدیث ۲۰۵۸)

۵۔سنن نسائی، ج۴،ص۲۱۹،(ج۲،ص۱۳۴،حدیث ۲۷۲۱)؛ صحیح بخاری، ج۳،ص۲۱۸،(ج۲،ص۶۹۸،حدیث ۱۸۷۷)؛

۶۔سنن نسائی، ج۴،ص۲۰۳،(ج۲،ص۱۳۶،حدیث ۲۷۲۷)؛ سنن بیہقی،(ج۴،ص۲۹۵)؛ سنن ابی داؤد، ج۱،ص۳۸۴،(ج۲،ص۳۲۸،حدیث ۲۴۵۲)؛ مشکاۃ المصابیح، ص۱۷۲،(ج۱،ص۵۶۵،حدیث ۲۰۶۰)

ان تمام باتوں سے قبل ائمہ حدیث نے خود عمر سے مرفوعاً نقل کیا ہے: ہر مہینے تین روزے رکھنا تمام عمر دنیا کے روزے کے مانند ہیں۔(۱)

حصہ سوم احادیث:

۱۔ باہلی سے بطور مرفوع مروی ہے کہ ماہ صبر (ماہ رمضان) میں روزہ رکھو اور حرام مہینوں میں بھی۔ دوسرے الفاظ ہیں: حرام مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو، حرام مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو، حرام مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو۔

تیسرے الفاظ ہیں: ماہ حرام میں روزہ رکھو اور اسے ترک کرو، تین مرتبہ تکرار فرمائی۔(۲)

۲۔ انس سے بطور مرفوع منقول ہے: جو شخص حرام مہینوں میں تین دن ''جمعرات، جمعہ، سنیچر'' کو روزہ رکھے تو اس کے نامۂ اعمال میں دو سال کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔(۳)

۳۔ سنن ابو داؤد میں مذکور ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: حرام مہینوں میں روزہ رکھو، رجب ان میں سے ایک ہے۔(۴)

حصہ چہارم احادیث:

۱۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بطور مرفوع مروی ہے کہ خدا کے نزدیک محبوب ترین روزے، روزۂ داؤدؑ اور محبوب ترین نمازیں نماز داؤدؑ ہے۔ جناب داؤدؑ آدھی رات کو سونے اور آدھی رات قیام میں بسر

۱۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۲۱، (ج۲، ص۵۲۰، حدیث ۱۹۶/ ۱۹۷، کتاب الصیام)؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۸۰، (ج۲، ص۳۲۱، حدیث۲۴۲۵)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۰۹، (ج۲، ص۱۲۶، حدیث۲۶۹۵)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۱، (ج۲، ص۱۲۱، حدیث۵)؛ مشکاۃ المصابیح، ص۱۷۱، (ج۱، ص۵۶۲، حدیث۲۰۴۴)

۲۔ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۸۱، (ج۲، ص۳۲۲، حدیث ۲۴۲۸)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۳۰، (ج۱، ص۵۵۴، حدیث۱۷۴۱)؛ سنن بیہقی، (ج۴، ص۲۹۲)؛ المواہب الدنیہ، (ج۴، ص۳۷۵)؛ شرح المواہب زرقانی، ج۸، ص۱۲۷

۳۔ احیاء العلوم، ج۱، ص۲۴۴، (ج۱، ص۲۱۲)؛ الجامع الصغیر، (ج۲، ص۶۱۴، حدیث۸۷۸۵)

۴۔ سنن ابی داؤد، (ج۲، ص۳۲۳، حدیث۲۴۲۸/۲۴۳۰)؛ المواہب الدنیہ، (ج۴، ص۳۷۵)؛ شرح صحیح مسلم نودی مطبوع بر حاشیہ ارشاد الباری، ج۵، ص۱۵۰، (ج۸، ص۳۹)

کرتے تھے، وہ ایک دن کھاتے اور دوسرے دن روزہ رکھتے تھے۔

دوسری عبارت: روزۂ داوٗدؑ کی طرح روزہ رکھو، یعنی ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن کھاوٗ۔

اس حدیث کے مختلف الفاظ وتعبیریں ہیں، صحاح ومسانید میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔(۱)

۲۔ مسلم ونسائی نے اپنی سندوں سے عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جو شخص ایک دن روزہ رکھے دوسرے دن افطار کرے، وہ کیا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ داوٗدؑ کا روزہ ہے۔(۲)

حصہ پنجم احادیث:

۱۔ ابوامامہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہؐ! مجھے ایسے امر کا حکم فرمائیں جس کی وجہ سے خداوند عالم مجھے فائدہ پہونچے۔ فرمایا: روزہ رکھو، اس لئے کہ اس کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔(۴)

۲۔ ابوسعید سے بطور مرفوع مروی ہے: جو شخص خدا کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے تو خدا اس کی صورت کو ستر سال آتش جہنم سے دور رکھتا ہے۔(۵)

۱۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۳۱۷، (ج۱، ص۳۸۰، حدیث۱۰۷۹)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۱۹/۳۲۱، (ج۲، ص۵۱۴/۵۲۰، حدیث ۱۸۱/۱۸۳، حدیث ۱۹۳/۱۹۶)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۴۸، (ج۳، ص۱۴۰، حدیث۷۷۰)؛ مسند احمد، ج۲، ص ۲۰۵/۲۲۵، (ج۲، ص۴۱۷، حدیث۶۸۷۵/۶۸۷۶، ص۴۴۹، حدیث۷۰۵۸)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۲۰؛ سنن ابی داوٗد، ج۱، ص۳۸۳، (ج۲، ص۳۲۷، حدیث ۲۴۴۸)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۱۵، ۲۰۹، (ج۲، ص۱۱۸/۱۲۳، حدیث۲۶۵۳/۲۶۸۱)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۲۳، (ج۱، ص۵۴۶، حدیث۱۷۱۲/۱۷۱۳)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۲۹۶/۲۹۹)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۲/۳۶/۳۷، (ج۲، ص۱۲۲، حدیث۱۲، ص۱۲۹/۱۳۱، حدیث۱/۶)؛ مشکاۃ المصابیح، ص۱۷۱، (ج۱، ص۵۶۴، حدیث۲۰۵۴)۔

۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۲۱، (ج۲، ص۵۲۱، حدیث۱۹۶، کتاب الصیام)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۰۹، (ج۲، ص۱۲۶، حدیث۲۶۹۵)

۳۔ سنن نسائی، ج۴، ص۱۶۵، (ج۲، ص۹۲، حدیث۲۵۳۰/۲۵۳۳)؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۱۴، (ج۲، ص۸۵، حدیث۲۱)؛ تیسیر الوصول، ج۲، ص۳۲۱، (ج۲، ص۳۸۴، حدیث۴)

۴۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۱۸، (ج۲، ص۵۱۰، حدیث۱۶۸، کتاب الصیام)؛ مسند احمد، ج۳، ص۸۳، (ج۳، ص۵۰۴، حدیث۱۱۳۸۱)؛ سنن بیہقی، ج۹، ص۱۷۳؛ سنن نسائی، ج۴، ص۱۷۳، (ج۲، ص۹۷، حدیث۲۵۵۴/۲۵۵۸)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۲۵، (ج۱، ص۵۴۸، حدیث۱۷۱۷)؛ مصابیح السنۃ، ج۱، ص۱۳۵؛ مشکاۃ المصابیح، (ج۱، ص۵۶۵، حدیث۲۰۶۴)۔

۳۔ ابو ہریرہ سے بطور مرفوع منقول ہے: راہ خدا میں ایک دن روزہ رکھنے والے کی صورت کو خداوند عالم ستر سال آتش جہنم سے دور رکھتا ہے۔(۱)

۴۔ عبداللہ بن سفیان ازدی سے بطور مرفوع روایت ہوئی ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ ماہ خدا میں روزہ رکھے مگر یہ کہ خداوند عالم اس کے سبب سو سال تک اسے آتش جہنم سے محفوظ رکھتا ہے۔(۲)

ان میں ان روایتوں کو بھی شامل کرلیں جن کا اطلاق ماہ رجب کے روزوں کو شامل ہے انھیں میں بدھ، جمعرات اور جمعہ کے روزوں کے بارے میں مروی احادیث بھی ہیں۔

بعض روایات اتوار اور جمعرات کے روزوں سے مربوط ہیں تمام سال۔(۳)

میرے خیال میں ان تمام احادیث کے بعد اس روایت کی کوئی اہمیت نہیں جسے ابن ماجہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے ماہ رجب کے روزوں کی ممانعت کی ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر یہ ان متواتر روایتوں کے مخالف ہے جو ماہ رجب کے روزوں کے استحباب اور ان کی تشویق وترغیب کے سلسلے میں مروی ہیں، چنانچہ مذاہب اربعہ نے بھی اس کا فتویٰ دیا ہے، پھر کیسے اس روایت پر اعتماد کرلیا جائے اور خود داؤد بن عطار کی حیثیت بھی ضعیف ہے۔

احمد اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کچھ ہے ہی نہیں۔(۴)

۱۔ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۴۵، (ج۴، ص۱۴۲/۱۴۳، حدیث۱۶۲۲/۱۶۲۴)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۱۷۲، (ج۲، ص۹۷، حدیث۲۵۵۲)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۲۵، (ج۱، ص۵۴۸، حدیث ۱۷۴۱)؛ مشکاۃ المصابیح، ص۱۷۲، (ج۱، ص۵۶۵، حدیث۲۰۶۴)؛ تاریخ بغدادی، ج۴، ص۸۔

۲۔ المعجم الکبیر، (ج۸، ص۱۹۸، حدیث۷۸۰۶)؛ الاصابۃ، ج۲، ص۳۱۹۔

۳۔ صحیح بخاری، ج۳، ص۲۱۹، (ج۲، ص۶۹۹، حدیث۱۸۸۰)؛ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۲۱/۳۲۲، (ج۲، ص۵۲۰/۵۲۲، حدیث۱۹۴/۱۹۸)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۱۹؛ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۳۸۰/۳۸۳، (ج۲، ص۳۲۲، حدیث ۲۴۲۶، ص۳۲۵، حدیث۲۴۳۶)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۴۳/۱۴۴، (ج۳، ص۱۲۱، حدیث۷۴۵، ص۱۲۳، حدیث۷۴۸)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۲۲/۵۲۹، (ج۱، ص۵۵۴، حدیث ۱۷۰۷/۱۷۰۹)؛ سنن نسائی، ج۴، ص۲۱۷/۲۲۳، (ج۲، ص۱۳۳/۱۳۹، حدیث۲۷۱۲)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۲۹۴؛ الترغیب والترہیب، ج۲، ص۳۰/۳۷، (ج۲، ص۱۲۴/۱۲۶)۔

۴۔ العلل ومعرفۃ الرجال، (ج۲، ص۴۷، نمبر۱۵۰۹)۔

ابو حاتم کہتے ہیں: یہ روایت قطعی ضعیف ہے۔(۱)

بخاری اور ابوزرعہ کہتے ہیں: یہ منکر الحدیث ہے۔(۲) نسائی کا بیان ہے: یہ ضعیف ہے۔ دار قطنی اسے متروک کہتے ہیں۔

ابن حبان (۳) کہتے ہیں: وہ بہت زیادہ شک کرتا تھا اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس سے بہت زیادہ خطائیں اور لغزشیں سرزد ہوتی تھیں۔(۴)

سندی شرح سنن ابن ماجہ میں لکھتے ہیں: یہ شخص ضعیف ہے اور علمائے رجال اس کے ضعف اور عدم اعتبار پر متفق ہیں۔(۵)

زرقانی کی نظر میں ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' اس لئے کہ اس کا راوی ضعیف اور متروک ہے۔(۶)

اس روایت کو صرف ابن ماجہ نے نقل کیا ہے جس پر متن حدیث کا محقق ذرا بھی توجہ نہیں کر سکتا، ابوالحجاج مذی کہتے ہیں: جن احادیث کی ابن ماجہ نے تنہا روایت کی ہے وہ ضعیف ہیں۔(۷)

ان تمام باتوں کے بعد میں یہ نہیں جانتا کہ وہ لوگوں کو اتنا کیوں مارتے تھے کہ بے چارے کھانے اور افطار کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور ان کے اس قول کا مقصد و مطلب کیا ہے کہ ''رجب اور کیا رجب ہاں! رجب وہ مہینہ ہے جسے جاہلی عہد کے لوگ اہمیت دیتے تھے جب اسلام جلوہ افروز ہوا تو اس نے اسے متروک کر دیا''۔(۸) آپ خلیفہ کے اس قول پر غور و فکر کریں۔

۱۔ الجرح والتعدیل، (ج۳،ص۴۲۱،نمبر۱۹۱۹)

۲۔ التاریخ الکبیر، (ج۳،ص۲۴۳،نمبر۸۳۶)

۳۔ کتاب المجروحین، (ج۱،ص۲۸۹)

۴۔ تھذیب التھذیب، ج۹،ص۵۳۱، (ج۹،ص۴۶۹)

۵۔ شرح سنن ابن ماجہ سندی، ج۱،ص۵۳۱

۶۔ شرح المواھب زرقانی، ج۸،ص۱۲۷

۷۔ تھذیب التھذیب، ج۹،ص۵۳۱، (ج۹،ص۴۶۹)؛ المواھب اللدنیہ، (ج۴،ص۳۷۵)؛ ارشاد الساری، ج۵،ص۱۴۸، (ج۴،ص۶۰۸)؛ شرح المواھب زرقانی، ج۸،ص۱۲۷

۸۔ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج۳،ص۱۰۲)؛ مجمع الزوائد، ج۳،ص۱۹۱؛ کنز العمال، ج۴،ص۳۴۱، (ج۸،ص۶۵۳، حدیث ۲۴۵۸۰)

۹۰۔قرآن کے مشکل سوالات میں خلیفہ کا اجتہاد

ا۔سلمان بن یسار سے منقول ہے: صبیغ نامی شخص مدینہ میں داخل ہوا اور متشابہات قرآن کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا، چنانچہ عمر بن خطاب نے آدمی بھیج کر اسے بلوایا اور پہلے ہی سے درخت خرما کے دو شاخ مہیا کر لئے، جب وہ آیا تو پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں بندۂ خدا صبیغ ہوں۔ یہ سنتے ہی درخت خرما کی شاخ اٹھا کر مارا اور کہا: میں بندۂ خدا عمر ہوں۔

اس کے بعد اس کے سر وصورت پر اتنا مارا کہ سر سے خون جاری ہو گیا، اس نے کہا: اے امیر المومنین! بس کافی ہے میرے سر میں موجود ساری چیزیں رخصت ہو گئیں (یعنی میری عقل)۔

عبداللہ کے آقا نافع سے منقول ہے: صبیغ عراقی مسلمانوں کے مجمع میں قرآن مجید کی آیتوں کے بارے میں سوال کرتا ہوا مصر پہونچا، عمرو عاص نے اسے عمر کے پاس بھیج دیا، جب عمرو کا فرستادہ خط کے ساتھ آیا اور عمر نے اسے پڑھ لیا تو پوچھا: وہ شخص کہاں ہے؟ کہا: وہ اونٹ پر ہے۔ عمر نے کہا: دیکھو اگر وہ چلا گیا تو میں تمھیں دردناک سزا دوں گا۔ اُسے لایا گیا۔

عمر نے کہا: تو فتنہ وفساد کے لئے سوالات کرتا ہے۔ اس کے بعد تر و تازہ چھڑی منگوائی اور اس کی پیٹھ اور ہاتھ پر مارنا شروع کر دیا پھر اسے چھوڑ دیا، جب وہ صحیح ہوا تو اسے پھر مارنا شروع کیا یہاں تک کہ مجروح ہو کر بیہوش ہو گیا، انہوں نے اس کی صحت وسلامتی کے لئے پھر چھوڑ دیا، جب دوبارہ اذیت دینے کے لئے بلایا تو صبیغ گڑگڑانے لگا: اگر مارنا ہی چاہتے ہو تو مجھے قتل کر ڈالو اور اگر چاہتے ہو کہ دوا کرو تو خدا قسم! میں صحیح ہو گیا ہوں۔

یہ سُن کر عمر نے اپنے وطن عراق واپس جانے کی اجازت دے دی اور ابو موسیٰ اشعری کو لکھا: کسی کو بھی اس شخص کے ساتھ رفت وآمد اور ہمنشینی کا حق حاصل نہیں۔

جب اس بے چارے پر تنہا زندگی سخت ہونے لگی تو ابو موسیٰ نے عمر کو لکھا کہ اس شخص نے توبہ کر لی ہے اور اس کی توبہ بہتر ہے۔ نوشتہ پڑھنے کے بعد عمر نے لکھا: ہاں! اب لوگ اس کے ساتھ رفت وآمد اور ہمنشینی کر سکتے ہیں۔

سائب بن یزید سے منقول ہے کہ میں عمر بن خطاب کے پاس آیا، وہاں لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! ہم نے ایک جوان کو دیکھا ہے جو قرآن مجید کی مشکل تاویلات کے بارے میں سوال کرتا ہے، یہ سن کر عمر نے کہا: خدایا! مجھے اس پر مسلط فرما۔ چنانچہ انھیں ایام میں جب عمر لوگوں کے ہمراہ بیٹھ کر ناشتہ کر رہے تھے، ایک شخص آیا، اس کے سر پر عمامۂ صفدی بندھا ہوا تھا۔

اس سے برجستہ کہا: اچھا تو ہے وہ شخص ....؟ پھر اٹھ کر ان کے پاس آئے اور اس کی کلائی پکڑ کر مسلسل مارتے رہے یہاں تک کہ اس کا عمامہ گر گیا، انھوں نے کہا: قسم اس کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے اگر تجھے گنجا پاتا تو میں تیرا سر بدن سے جدا کر دیتا۔

پھر لوگوں کی جانب رخ کر کے کہا: اسے لباس پہناؤ اور اونٹ پر سوار کر کے باہر کر دو تا کہ اپنے وطن واپس چلا جائے۔ پھر ایک خطیب اٹھ کر کہنے لگا کہ صبیغ نے علم طلب کیا اور مرتکب خطا ہوا، وہ بے چارہ ہمیشہ کے لئے اپنی قوم میں بدنام ہو گیا پھر ہلاک ہو گیا حالانکہ وہ اپنی قوم کا بزرگ تھا۔

انس سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے صبیغ کوفی کو قرآن مجید سے مربوط مسئلہ پر کوڑا مارا، جس کی وجہ سے اس کی پشت خون آلود ہو گئی۔

زہری سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے حروف قرآن کے بارے میں سوال کرنے کی وجہ سے اسے اتنا مارا کہ پشت سے خون جاری ہو گیا۔ (۱)

غزالی کا بیان ہے: عمر نے ہی بحث وجدل کے باب کو بند کر دیا اور صبیغ کو اس وقت کوڑا مارا جب اس نے کتاب خدا کی دو آیتوں کے تعارض کے بارے میں سوال کیا تھا، انہوں نے اسے ترک کر دیا اور لوگوں کو ترک کرنے پر مجبور کیا۔ (۲)

۱۔ سنن دارمی، ج۱، ص۵۴، ۵۵؛ تاریخ ابن عساکر، ج۶، ص۳۸۴، (ج۲۳، ص۴۱۱، نمبر ۲۸۴۶)؛ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج۱۱، ص۴۶)؛ سیرۂ عمر ابن ابن جوزی، ص۱۰۹، (ص۱۱۷)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص۲۳۲؛ اتقان سیوطی، ج، ص۵، (ج۳، ص۷)؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۲۸، ۲۲۰، (ج۲، ص۳۳۱، حدیث ۴۱۶۱)؛ درمنثور، ج۶، ص۱۱۱، (ج۷، ص۶۱۴)؛ فتح الباری، ج۸، ص۱۷، (ج۸، ص۲۱۱)؛ الفتوحات الاسلامیہ، ج۲، ص۴۴۵، (ج۲، ص۲۸۸)۔

۲۔ احیاء العلوم، ج۱، ص۳۰، (ج۱، ص۲۸)

۲۔ابوعدلیس سے مروی ہے کہ ہم عمر کے پاس موجود تھے کہ ایک شخص نے آکر ان سے سوال کیا: اے امیرالمومنین! الجوار الکنس کیا ہے؟ یہ سنتے ہی عمر نے اتنے زور سے کوڑا مارا کہ اس کے سر پر موجود عمامہ گر گیا اور کہا: قسم اس کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے اگر تجھے گنجا دیکھتا تو سر کو تیرے بدن سے ضرور الگ کر دیتا۔(۱)

۳۔عبدالرحمٰن سے منقول ہے: ایک شخص نے عمر سے ''فاکهة و ابا'' کے بارے میں سوال کیا، یہ سنتے ہی انہوں نے اپنے کوڑے سے اس پر حملہ کر دیا۔(۲)

تبصرۂ علامہ امینیؒ

میرے خیال میں درخت خرما کی شاخیں، تیز وتند زبان اور خلیفۂ محترم کا مخصوص کوڑا ہی ہر اس انسان کا آخری ہتھیار ہوتا ہے جو علم ومعارف سے بے بہرہ اور ناواقف ہوتا ہے۔

چنانچہ اس کی طرف خلیفہ نے بھی اشارہ کیا ہے کہ نهینا عن التكلف ''ہمیں تکلف اور پریشانیوں میں گرفتار ہونے کی ممانعت کی گئی ہے''۔ یہ اس آسان سوال کے جواب میں کہا تھا جس سے ایک عام عرب واقف ہے، اور وہ کلمہ ''اب'' کا مطلب ہے، جس کی خود قرآن کی اس آیت کے ذریعہ تفسیر کی گئی ہے ''متاعاً لکم و لا مقامکم''(۳)

میں نہیں جانتا کہ دانشور اور سوال کرنے والے کس عنوان کے تحت خون آلودگی اور دردناک عتاب کے مستحق صرف اس لئے ہوئے کہ انہوں نے مشکلات قرآن سے عدم واقفیت یا معانی لغت کے مخفی رہنے کی بناء پر سوال کیا لیکن یہ ایسی بات نہیں جو کفر والحاد کا موجب بنے لیکن افسوس کہ جو ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔

۱۔کنزالعمال، ج۱، ص۲۲۹، (ج۲، ص۳۳۴، حدیث ۴۱۷۱)؛ درمنثور، ج۶، ص۳۲۱، (ج۸، ص۴۳۳۔۴۳۲)

۲۔فتح الباری، ج۱۳، ص۲۳۰، (ج۱۳، ص۲۷۱)؛ درمنثور، ج۶، ص۳۱۷، (ج۸، ص۴۲۲)

۳۔عبس/۳۲

شاید اسی کوڑے کی برکت تھی کہ لوگ علم و دانش اور ترقی سے محروم رہے، چنانچہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ ابن عباس جیسی شخصیت بھی خوف کی وجہ سے خلیفہ سے آیۂ مبارکہ ﴿وان تظاهرا علیه﴾(۱) کے متعلق سوال نہ کرسکی۔ ابن عباس کا بیان ہے: **مکثت سنتین ارید ان اسال عمر بن الخطاب عن حدیث ما منعنی منه الا هیبة** ''میں دو سال سے سوچ رہا تھا کہ عمر بن خطاب سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کروں لیکن خوف نے مجھے سوال کرنے سے باز رکھا''۔ (۲)

ابن عباس ہی کہتے ہیں: **مکثت سنة و انا ارید ان اسال عمر بن الخطاب رضوان الله علیه عن آیة فلا استطیع ان اساله هیبة** ''میں ایک سال سے سوچ رہا تھا کہ عمر بن خطاب سے ایک آیت کے متعلق سوال کروں لیکن خوف کی وجہ سے نہیں پوچھ سکا''۔ (۳)

۹۱۔ عدم الوقوع چیز کے متعلق سوال کے بارے میں خلیفہ کی رائے

مشکلات قرآن کے سلسلے میں اس انوکھے اجتہاد کے ساتھ ساتھ عدم الوقوع چیز کے سوال کے بارے میں خلیفہ کی مخصوص رائے اور ذاتی اجتہاد کا بھی اضافہ کرلیں، وہ ایسے سوال کی سختی سے ممانعت کرتے تھے۔

طاؤس کا بیان ہے: عمر نے منبر سے کہا: میں ایسے شخص کے ساتھ بری طرح پیش آؤں گا جو واقف نہ ہونے والی چیزوں کے بارے میں سوال کرے، اس لئے کہ خداوند عالم نے صرف انھیں چیزوں کو بیان کیا ہے جو واقع ہوئی ہیں۔ (۴)

۱۔ تحریم/۴؛ ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد، حافظ ہیثمی ج۵ ص۸۔ ثعلبی اپنی تفسیر ج۹ ص۳۴۸ پر اسماء بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیۂ مبارکہ ﴿ وان تظاهرا علیه فان الله هو مولاه و جبریل و صالح المومنین ﴾ نازل ہوئی تو میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: صالح المومنین علی بن ابی طالب'' ملاحظہ ہو: الغدیر ج۱ ص۶۸۴

۲۔ کتاب العلم، ابوعمر ص۵۶ (ص۱۳۵ ح/۲۶۴)

۳۔ سیرۃ عمر، ابن جوزی ص۱۱۸ (ص۱۲۶)

۴۔ سنن دارمی، ج۱، ص۵۰؛ جامع بیان العلم، ج، ص۱۴۱، (ص۳۷۲، حدیث ۱۸۰۸)

اور کہا: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو واقع نہیں ہوئی ہے، بے شک خداوند عالم نے انھیں چیزوں کے بارے میں حکم فرمایا ہے جو واقع ہوئی ہیں۔

اور کہا: اگر تم نے عدم الوقوع چیزوں کے بارے میں سوال کیا تو میں تمھارے ساتھ بڑی سختی سے پیش آؤں گا اس لئے کہ جو چیزیں واقع ہوئی ہیں ہمیں صرف انہیں سے سروکار ہے۔

ایک دن ایک شخص نے ابن عمر کے پاس آ کر ایک چیز کے بارے میں سوال کیا کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے؟

ابن عمر نے کہا: ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو واقع نہیں ہوئی ہیں، میں نے سُنا ہے کہ عمر ایسے شخص پر لعنت کرتے تھے جو عدم الوقوع چیزوں کے بارے میں سوال کرتا تھا۔(۱)

اور اس طرح یہ لعنت تمام بزرگ صحابہ کو شامل ہوگئی چنانچہ انھوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ عدم الوقوع شی کے سوال کا جواب نہیں دیں گے۔

یہ ابی بن کعب ہیں، ایک شخص نے ان سے پوچھا: اے ابوالمنذر! اس کے اور اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اے لڑکے! جس شی کے بارے میں سوال کیا، کیا وہ واقع ہوئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ کہا: تو پھر اس کے واقع ہونے تک انتظار کرو تا کہ ہم خود اس کی تحقیق کر لیں پھر تمھیں اطلاع دیں گے۔(۲)

مسروق کا بیان ہے: ہم ابی بن کعب کے ہمراہ راستہ چل رہے تھے کہ ایک جوان نے پوچھا: اے چچا! اس کے اور اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ ابی نے کہا: بھتیجے! کیا یہ واقع ہوا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو پھر مجھے اس وقت تک معاف رکھو جب تک واقع نہ ہو جائے۔(۳)

۱۔ سنن دارمی، ج۱، ص۵۰؛ کتاب جامع بیان العلم، ج۲، ص۱۴۳، (ص۳۶۹، حدیث ۱۷۹۴)؛ مختصر جامع بین العلم، ص۱۹۰، (ص۳۲۶، حدیث ۲۳۲)؛ فتح الباری، ج۱۳، ص۲۲۵، (ج۱۳، ص۲۶۶)؛ کنز العمال، ج۲، ص۱۷۴، (ج۳، ص۸۳۹، حدیث ۸۹۰۶)

۲۔ سنن دارمی، ج۱، ص۵۶

۳۔ سنن دارمی، ج۱، ص۵۶

۹۲۔حدیث سے خلیفہ کی ممانعت

مشکلات قرآن اور عدم الوقوع چیز کے بارے میں سوال جیسی بدعتوں کے ساتھ ساتھ ایک تیسری بدعت کا اضافہ کرلیں جوان دونوں سے بھی زیادہ شرمناک ہے اوروہ ہے: ''حدیث رسولؐ اور اسے زیادہ بیان کرنے سے متعلق خلیفہ کی ممانعت اوراس کی وجہ سے صحابہ کوزدوکوب کرنا''۔

قرظ بن کعب کا بیان ہے: جب عمرہمیں عراق روانہ کررہے تھےتو چندقدم چھوڑنے کے لئے آئے اور کہا: جانتے ہومیں تمھیں رخصت کرنے کے لئے یہاں کیوں آیا ہوں؟

ہم نے کہا: ہاں ہماری اہمیت اجاگر کرنے کے لئے۔کہا: اور (اسلئے کہ) تم لوگ ایسے دیہات کے لوگوں کے پاس جارہے ہوجوقرآن مجید کا ایسازمزمہ کرتے ہیں جیسے شہد کی کھیاں، لہٰذا نقل حدیث کے ذریعہ ان کے اس کام میں مداخلت نہ کرنا، انھیں اس کام میں مشغول رکھنا اور رسول خداؐ کی حدیثیں کم بیان کرنا، اس عمل میں میں تمہارا شریک ہوں۔

جب قرظ بن کعب وہاں پہونچا تو لوگوں نے کہا: ہم سے حدیث رسولؐ بیان کریں۔اس نے کہا: عمرنے اس کی ممانعت کی ہے۔(۱)

ابوعمر کے الفاظ ہیں: قرظ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے رسول خداؐ کی ایک بھی حدیث بیان نہیں کی۔

طبری کے الفاظ ہیں: عمر کہتے تھے کہ قرآن کوالگ رکھو، اس کی تاویل وتفسیر نہ کرواوررسول خداؐ کی روایتیں نقل نہ کرو، میں اس میں تمہارا شریک کارہوں۔(۲)

ابوموسیٰ کوعراق روانہ کرتے وقت عمر نے کہا: تم ان لوگوں کے پاس جارہے ہو جو مسجدوں میں قرآن مجید کا اس طرح زمزمہ کرتے ہیں جس طرح شہد کی کھیاں بھنبھناتی ہیں، لہٰذا انھیں ان کی حالت پر

۱۔سنن دارمی، ج۱،ص۸۵؛ سنن ابن ماجہ، ج۱،ص۱۶، (ج۱،ص۱۲، حدیث ۲۸)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۱،ص۱۰۲، (ج۱، ص۱۸۳، حدیث ۳۴۷)؛ جامع بیان العلم، ج۲،ص۱۲۰، (ص۳۴۷، حدیث۱۶۹۰)؛ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۷، (نمبر۲)

۲۔تاریخ طبری، (ج۴،ص۲۰۴، حوادث ۲۳ھ)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳،۱۲۰، (ج۱۲،ص۹۳، خطبہ۲۲۳)

چھوڑ دو اور انھیں احادیث کے ذریعہ مشغول نہ کرو، میں اس کام میں تمہارا شریک ہوں۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اسے نقل کر کے لکھا ہے کہ عمر بن خطاب سے حدیث کی ممانعت کافی مشہور ہے۔ (۱)

طبرانی نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ عمر نے تین لوگوں کو قید کر دیا: ابن مسعود، ابوداؤد اور ابومسعود انصاری۔ اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے بہت زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں، وہ لوگ ان کی موت تک قید خانے میں پڑے رہے۔ (۲)

مستدرک حاکم میں ہے: عمر نے ابن مسعود، ابوداؤد اور ابوذر سے کہا: ''کیا حدیث رسولؐ، حدیث رسولؐ کی رٹ لگا رکھی ہے، اس کی کیا اہمیت ہے''۔ پھر میرے خیال میں عمر نے ان لوگوں کو مدینہ بلا کر مقید کر دیا یہاں تک کہ وہ خود ہی ہلاک ہو گئے۔ (۳)

جمال الدین حنفی کے الفاظ ہیں: عمر نے ابن مسعود، ابودرداء اور ابوذر کو محبوس کر دیا یہاں تک کہ خود ہی ہلاک ہو گئے اور کہا: یہ حدیث رسول کیا ہے؟ پھر لکھا: اور یہ بھی مروی ہے کہ عمر نے ابن مسعود اور ابوذر سے کہا: یہ حدیث کیا ہے؟ میرے خیال میں عمر نے ان لوگوں کو اپنی موت تک مقید رکھا۔

جمال الدین کا بیان ہے کہ اسی طرح وہ ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ پیش آئے یعنی ان کو بھی نقل حدیث کے جرم میں مقید کر دیا جب کہ یہ لوگ ان کے نزدیک عادل و پرہیزگار تھے۔ (۴)

عمر نے ابوہریرہ سے کہا: تمہارے لئے ضروری ہے کہ حدیث رسولؐ نقل کرنا چھوڑ دو ورنہ پھر میں زمین دوس میں جلاوطن کر دوں گا۔ (۵)

عمر نے کعب الاحبار سے کہا: حدیث رسولؐ بیان کرنا ترک کرو ورنہ میں تمھیں زمین بوزینہ سے ملحق

۱۔ البدایۃ النہایۃ، ج۸، ص۱۰۷، (ج۸، ص۱۱۵، حوادث ۵۹ھ)

۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۷، (نمبر۲)؛ مجمع الزوائد، ج۱، ص۱۴۹

۳۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۱، ص۱۱۰، (ج۱، ص۱۹۳، حدیث ۳۷۴)

۴۔ المعتصر، ج۱، ص۴۵۹، (ج۲، ص۳۸۰)

۵۔ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج۲۹، ص۱۹۲)؛ کنز العمال، ج۵، ص۲۳۹، (ج۱۰، ص۲۹۱، حدیث ۲۹۴۷۲)؛ البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ۱۰۶، (ج۸، ص۱۱۵، حوادث ۵۹ھ)

کردوں گا۔(۱)

ذہبی نے ابی سلمہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو ہریرہ سے کہا: کیا عمر کے عہد میں بھی اسی طرح حدیث بیان کرتے تھے؟ کہا: اگران کے زمانے میں بھی ایسے ہی حدیث بیان کرتا تو وہ اپنے مخصوص اور خطرناک کوڑے سے زدوکوب کرتے۔(۲)

ابوعمر نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ جس طرح میں نے تو لوگوں سے حدیث بیان کی ہے اگر اسی طرح عہد عمر میں بیان کرتا تو وہ کوڑے مارتے۔(۳)

زہری کے الفاظ ہیں: جس طرح میں نے تم لوگوں کے سامنے حدیث بیان کی ہے اگر عہد عمر میں بیان کرتا تو خدا کی قسم! ان کے دردناک کوڑے سے مجروح ہونا یقینی تھا۔

ابن وہب کے الفاظ ہیں: بے شک جو احادیث بیان کر رہا ہوں اگر وہ عمر کے سامنے بیان کرتا تو خدا کی قسم! وہ سرکو زخمی کردیتے۔(۴)

اس واقعہ کے بعد شعبی کا بیان ہے کہ میں دو یا ڈیڑھ سال تک ابن عمر کے پاس بیٹھا رہا لیکن میں نے اس سے صرف ایک ہی حدیث رسولؐ سنی۔(۵)

سائب بن یزید کا بیان ہے: میں مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے سعد بن مالک کا ہمسفر تھا، اس دوران اس سے ایک بھی حدیث نہیں سنی۔(۶)

ابوہریرہ کہتے ہیں: عمر کے زمانے میں ہمیں اتنی بھی جرأت نہیں تھی کہ کہیں: رسول خداؐ نے فرمایا ہے، پھر وہ مر گئے۔(۷)

۱۔البدایۃ والنہایۃ، ج۸،ص۱۰۶، (ج۸،ص۱۱۵،حوادث ۵۹ھ)

۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۷

۳۔جامع بیان العلم، ج۲،ص۱۲۱، (۳۴۸، حدیث ۱۶۹۴)

۴۔البدایۃ والنہایۃ، ج۸،ص۱۰۷، (ج۸،ص۱۱۵،حوادث ۵۹ھ)

۵۔سنن داری، ج۱،ص۸۴؛ سنن ابن ماجہ، ج۱،ص۱۵، (ج۱،ص۱۱، حدیث ۲۶)

۶۔سنن ابن ماجہ، ج۱،ص۱۶، (ج۱،ص۱۲، حدیث ۲۹)

۷۔البدایۃ والنہایۃ، ج۸،ص۱۰۷، (ج۸،ص۱۱۵،حوادث ۵۹ھ)۔

تبصرۂ علامہ امینیؒ

کیا خلیفہ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ظواہر قرآن لوگوں کو سنت سے بے نیاز نہیں کر سکتے اور سنت، قرآن سے ہرگز جدا نہیں ہے، یہ دونوں حوض کوثر پر ایک ساتھ رسول خداؐ سے ملاقات کریں گے، لوگ قرآن ہی کی طرح سنت کے بھی محتاج ہیں بلکہ اوزاعی اور مکحول کے مطابق لوگوں کو قرآن سے زیادہ سنت کی ضرورت ہے۔ کیا یہ ساری باتیں خلیفہ کو معلوم نہیں تھیں؟!(۱)

یا یہ کہ جب انھوں نے دیکھا کہ بعض لوگ رسول خداؐ کی طرف جھوٹی اور جعلی حدیثوں کی نسبت دے کر سنت کے ساتھ کھلواڑ کر رہے ہیں اور یہ صحیح بھی تھا اسی لئے انہوں نے رسولؐ پر افترا پردازی کرنے والے جسور کو سزا دینے اور ان کے ان گناہ آلود ہاتھوں کو قطع کرنے کا ارادہ کیا جو سنت برخلاف بر سر پیکار تھے۔ تو پھر اگر ایسا یا ویسا ہوتا تو ابوذر غفاری جیسے صادق جن کی صداقت زباں زد خاص و عام تھی بقول رسولؐ: **مااظلت الخضراء والا اقلت الغبراء علی رجل اصدق لهجة بن ابی ذر** "آسمان نے سایہ نہیں کیا، زمین نے پھل نہیں اگائے ایسے انسان کے لئے جو ابوذر غفاری سے زیادہ سچا ہو" (پر یہ سختی کیوں؟!)۔(۲)

یا عبداللہ بن مسعود جیسے رازدار رسولؐ جن کا علم قرآن سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع تھا انہوں نے حلال قرآن کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھا اور دین خدا و سنت رسول کے فقیہ (پر یہ سختی کیوں؟!)(۳) یا پھر ابودرداء جیسے بزرگ صحابی اور رسول خداؐ کے رفیق (پر قید و بند کی زندگی کیوں برداشت کی)۔(۴)

یہ عظیم شخصیتیں مرگ خلیفہ تک بغداد میں مقید رہیں، کیوں انھوں نے مسلمانوں کے اجتماع میں ایسے عظیم صحابہ کی بے حرمتی اور اہانت کی اور کیوں انھیں لوگوں کی نظروں میں ذلیل کیا؟!

۱۔ جامع بیان العلم، ج۲، ۱۹۱، (ص ۴۲۹، حدیث ۲۰۷۱، ۲۰۷۳)
۲۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص ۳۴۲، ۳۴۴، (ج۳، ص ۳۸۵، حدیث ۵۴۶۰، ص ۳۸۷، حدیث ۵۴۶۷)
۳۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص ۳۱۲، ۳۱۵، (ج۳، ص ۳۵۳، حدیث ۵۳۶۲، ص ۳۵۷، حدیث ۵۳۸۰)
۴۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص ۳۳۷، (ج۳، ص ۳۸۱، حدیث ۵۴۵۰)

کیا جعل سازوں میں ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ سرفہرست تھے جو تہدید و عتاب اور قید خانے کے مستحق قرار پائے ؟! جی ہاں! یہ سب وقتی اور سیاسی نظریہ تھا جس نے امت پر علوم و معارف کے دروازے بند کر کے انھیں جہل و نادانی اور خواہشات نفسانی کی گہری کھائی میں گرادیا، ممکن ہے خلیفہ نے اس کا ارادہ نہ کیا ہو لیکن یہ طے ہے کہ انھیں کی وجہ سے یہ دن دیکھنے کو آیا اور اس طرح انھوں نے مشکلات کی گرفتاری میں اپنا دفاع کیا اور انھیں کے وسیلے سے اپنے آپ کو مشکل مسائل سے نجات دلایا۔

امت مسلمہ کو علم قرآن سے منع کرنا، ان کو کتاب خدا کے عظیم معانی و مطالب اور حیات آفرین اسباق جیسے علم و ادب، دین و سیاست، اجتماع اور تاریخ و اخلاق سے دور رکھنا، باب تعلیم و تربیت کو بند کرنا، عدم الوقوع چیزوں کے احکام کے حصول کی ممانعت کرنا، واقعہ کے وقوع سے قبل دین خدا پر عمل پیرا ہونے کی ممانعت کرنا، علم الحدیث کے حصول کی مخالفت کرنا اور لوگوں کے درمیان اس کی نشر و اشاعت کی سخت ترین مخالفت وغیرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم سوچنے پر مجبور ہیں کہ بے چاری امت کس مفید علم اور حکمت کے سہارے امم عالم کے سامنے ترقی کا پرچم نصب کرے، کس کتاب و سنت اور روش زندگی کو پیش نظر رکھ کر کائنات پر حکومت کرنے کا خواب دیکھے؟!

لہٰذا خلیفہ کی اس سیرت و روش نے امت مسلمہ، ان کے علوم و معارف اور ان کی شرافت و بزرگی اور ترقی پر کاری ضرب لگائی ہے، چاہے خلیفہ اس سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔

چنانچہ انہیں موضوعات سے مربوط ہے: تحریر سنن کی حدیث؛ لیجئے اسے بھی ملاحظہ فرمائیے:

۹۳۔ تحریر سنن کا واقعہ

عروہ سے منقول ہے: عمر بن خطاب نے سنتوں کو لکھنے کا ارادہ کیا، چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے اصحاب رسولؐ سے سوال کیا، انہوں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ آپ یہ نیک کام ضرور کریں۔ عمر نے اس سلسلے میں ایک مہینہ خدا سے استخارہ کیا اور ایک دن یہ کام کرنے پر کمر بستہ ہو گئے، انہوں نے کہا: بے شک میں روایتوں اور سنت رسول کو لکھنا چاہتا ہوں، لیکن جب گذشتہ اقوام و ملل کی تاریخ پڑھی تو

دیکھا کہ تم میں سے بعض لوگوں نے کتاب لکھی اور اسی میں مشغول ہو گئے اور کتاب خدا کو بالکل ہی چھوڑ دیا، لیکن خدا کی قسم! میں خدا کی کتاب کو ہرگز ہرگز کسی چیز سے مخلوط نہیں کروں گا۔(۱)

بعض افراد خلیفہ کے اس عمل کی پیروی کرتے ہوئے تحریر سنن کی ممانعت کے معتقد ہو گئے جب کہ شارع مقدس کی مسلمہ سنت کے برخلاف ہے۔(۲)

۹۴۔ کتابوں کے متعلق خلیفہ کی رائے

ان چاروں واقعات: مشکلات قرآن کا واقعہ، عدم الوقوع چیز کے سوال کا واقعہ، حدیث رسول کا واقعہ اور سنن رسولؐ کی تحریر کا واقعہ'' کے ساتھ ساتھ کتابوں اور تالیفات کے بارے میں خلیفہ کے اجتہاد کا بھی اضافہ کرلیں۔

ایک مسلمان نے عمر کے پاس آ کر کہا: ہم نے شہر مدائن کی فتح کے دوران چند کتابیں حاصل کی ہیں جن میں عجمی علوم اور حیرت انگیز کلام موجود ہیں، یہ سنتے ہی عمر نے اپنا کوڑا منگوایا اور اس بے چارے کو مارنا شروع کر دیا پھر قرائت کی: ﴿نحن نقص علیک احسن القصص﴾۔(۳)

وہ کہتے: تجھ پر افسوس! کیا کتاب خدا سے بہتر حکایت ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تم سے قبل افراد اس لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے علماء کی کتابوں پر اپنی توجہات مرکوز رکھیں اور توریت وانجیل کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ بوسیدہ ہو گئیں اور ان میں موجود علوم نیست و نابود ہو گئے؟

دوسری صورت:

عمر بن میمون نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کو عمر بن خطاب کے پاس لایا گیا، اس نے

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۲۰۶، (ج ۳، ص ۲۸۷) مختصر جامع بیان العلم، ص ۳۳، (ص ۶۲، حدیث ۵۸)

۲۔ سنن داری، ج ۱، ص ۱۲۵؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۱، ص ۱۰۶۔۱۰۴، (ج ۱، ص ۱۸۷۔۱۸۶، حدیث ۳۵۹۔۳۵۷)؛ مختصر جامع بیان العلم، ص ۳۶، ۳۷، (ص ۷۲۔۷۸، حدیث ۶۱/ ۶۳)

۳۔ یوسف/ ۳

کہا: اے امیر المومنین! فتح مدائن کے وقت چند کتابیں دستیاب ہوئیں جن میں حیرت انگیز کلام و گفتار مذکور ہیں، عمر نے کہا: کیا وہ کتاب خدا سے متعلق ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، یہ سنتے ہی اپنا کوڑا منگوایا اور اسے مارنا شروع کر دیا اور ان آیات کی تلاوت کرنے لگے:

﴿تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْمُبِینِ ☆ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِیًّا لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُونَ﴾۔(۱)

پھر کہا: بے شک تم سے قبل لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کیوں کہ انھوں نے علماء کی کتابوں پر اپنی توجہات مرکوز رکھیں اور توریت وانجیل کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ بوسیدہ ہوگئیں اور تمام علوم ومعارف ختم ہوگئے۔

عبدالرزاق (۲) نے ابن ضریس سے نے فضائل قرآن میں اور عسکری نے الواعظ میں ذکر کیا ہے کہ خطیب نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا: کوفہ میں ایک شخص تھا جو دانیال نبی کی کتابوں کی تحقیق میں مصروف تھا کہ عمر کا خط پہونچا: اسے میرے پاس بھیج دیا جائے۔ جب وہ عمر کے پاس پہونچا تو انھوں نے اپنا کوڑا بلند کر کے اس کے سر پر مارا اور اس آیت کی تلاوت کی: ﴿تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَاب.....﴾۔

عمر نے پوچھا: تجھے قرآن کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے چھوڑ دیجئے، خدا کی قسم! میں ان کتابوں کا ایک حرف بھی نہیں رکھوں گا، سب کو نذر آتش کر دوں گا اس اقرار کے بعد عمر نے اسے چھوڑ دیا۔(۳)

ابوالفرج ملطی (متوفی ۶۴۸ھ) کی کتاب ''مختصر الدول'' کی عبارت ہے:

''یحییٰ غا ماطیقی زندہ رہا یہاں تک کہ عمرو عاص نے شہر اسکندریہ فتح کر لیا، وہ عمرو عاص کے پاس پہونچا، عمرو کو اس کی علمی جلالت ومنزلت کی قدرے معرفت حاصل تھی، اس نے اس کا کافی احترام واکرام کیا، اس نے ان منطقی کلمات کو سُنا جن سے عرب قطعی نامانوس تھے اس لئے اس کا شیدائی بن گیا۔

۱۔ یوسف ۱/۲،۱

۲۔ المصنف عبدالرزاق، (ج ۶، ص ۱۱۴، حدیث ۱۰۱۱۶)

۳۔ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص ۱۰، (ص ۱۱۶)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۲۲، (ج ۱۲، ص ۱۰۱، خطبہ ۲۲۳)؛ کنز العمال، ج ۱، ص ۵۹، (ج ۱، ص ۳۷۴، حدیث ۱۶۳۲)

عمرو چونکہ ایک چالاک، خوش طبع اور صحیح الفکر انسان تھا اس لئے وہ اس کا ملازم بن گیا اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا تھا، ایک دن یحییٰ نے اس سے کہا: بے شک آپ اسکندریہ کے خزانوں اور محصولات پر حاکم ہیں اور ان میں موجود ہر چیز پر مہر لگا دی ہے، لہٰذا جو چیزیں آپ کے لئے مفید ہوں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں لیکن جو چیزیں آپ کے لئے مفید نہیں ہیں انہیں آپ ہمیں عنایت فرمائیں تا کہ ہم ان سے استفادہ کریں۔

عمرو نے پوچھا: وہ کون سی چیزیں ہیں جن کی تمہیں ضرورت ہے؟ اس نے کہا: شاہی خزانے میں موجود فلسفی کتابیں۔ عمرو نے اس سے کہا: تم نے ایسی چیز کا مطالبہ کیا ہے جس کے متعلق عمر کی اجازت کے بغیر حکم صادر کرنا ممکن نہیں ہے۔

عمرو عاص نے عمر کو خط لکھا اس میں یحییٰ کا باتیں خصوصیت سے تحریر کی۔

عمر نے خط ملتے ہی جواب میں لکھا: اور ہاں! جن کتابوں کا تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ کتاب خدا کے موافق ہیں تو کتاب خدا میں وہ چیزیں ہونے کی وجہ سے ان کتابوں کی قطعی ضرورت نہیں اور اگر ان کتابوں میں موجود مطالب کتاب خدا کے مخالف ہیں تو پھر ان کتابوں کی کوئی حاجت نہیں لہٰذا انھیں نیست و نابود کر دو۔

جیسے ہی عمرو عاص کو عمر کا خط ملا، اس نے ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کروایا کہ انھیں نذر آتش کر دیا جائے، چنانچہ چھ مہینے تک ان کتابوں کے وسیلے سے حماموں کو گرم رکھا گیا۔

اس واقعہ کو ملاحظہ فرمایئے اور حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے لگایئے۔

ملطی کے اس کلام کو جرجی زیدان نے تمدن اسلام میں تفصیل سے تحریر کر کے حاشیہ پر لکھا ہے: بیروت کے مطبع سے شائع ہونے والے نسخوں میں ان تمام جملوں کو حذف کر دیا گیا ہے، کیوں..؟ میں نہیں جانتا۔ (۱)

عبد اللطیف بغدادی (متوفی ۶۲۹ھ) ''الافادہ والاعتبار'' میں لکھتے ہیں:

۱۔ تاریخ تمدن اسلامی، مؤلفات جرجی زیدان، ج ۳، ص ۴۰، (مجلد ۱۱، ص ۶۳)

نیز میں نے اس محل کے ستونوں کے اطراف میں کچھ باقی ماندہ نشانیوں کو بھی دیکھا جن میں کچھ صحیح وسالم اور بعض شکستہ تھے اور اس کی حالت سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کبھی مسقف بھی رہا ہوگا، یہ ستون چھت کو محفوظ رکھے ہوئے تھے، میں نے اس بڑے حال کو بھی دیکھا جن میں ارسطا طالیس اور اس کے شاگرد وپیرو کار درس وتدریس کرتے تھے، وہ خانۂ معلم تھا جسے اسکندر نے شہر اسکندریہ کی بنیاد کے وقت تعمیر کروایا تھا، اس میں کتابخانہ تھا جسے عمرو عاص نے عمر بن خطاب کے حکم سے جلاڈالا۔(۱)

واقعہ کی تفصیل:

قاضی اکرم جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف قفطی (متوفی ۶۴۶ھ) اپنی کتاب ''تراجم حکماء'' (کے خطی نسخے)(۲) میں یحییٰ نحوی کی سوانح حیات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''یحییٰ نحوی کی زندگی میں عمرو عاص نے مصر واسکندریہ کو فتح کیا، وہ عمرو کے پاس آیا، عمرو کو اس کی علمی جلالت اور اعتقادی منزلت کی معرفت تھی لہٰذا اس نے اس کا کافی احترام واکرام کیا اور اس کے لئے خاص طور سے ایک مکان آراستہ کروایا۔

ابطال تثلیث سے متعلق اس کی باتیں سن کر سخت متعجب ہوا اور بے ثباتی دنیا سے مربوط اس کے اقوال نے اس کا بری طرح شیدائی بنادیا، نیز منطقی دلائل وبراہین اور فلسفی الفاظ وکنایات بھی سنے جن سے عرب قطعی نامانوس تھے، چونکہ عمرو ایک ہوشمند، چالاک اور سلیم الفکر انسان تھا اس لئے اس نے اس کا ساتھی بن کر اس سے جدا نہ ہونے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

ایک دن یحییٰ نے کہا: تم اسکندریہ کے تمام محصولات پر مسلط ہو اور ان پر اپنی مہر لگادی ہے لہٰذا جو چیزیں تمہارے منفعت کی ہیں اسے اپنے پاس رکھ لو لیکن جن چیزوں میں تمہارے لئے فائدہ نہیں ہے اسے ہمارے حوالے کردو، حکم دو کہ ہم انہیں الگ کرلیں۔

عمرو نے پوچھا: وہ کون سی چیزیں ہیں جن کی تم کو ضرورت ہے؟

۱۔ الافادۃ والاعتبار، ص ۲۸، (ص ۱۳۲)

۲۔ ۷۱۹۱ھ کا خطی نسخہ دار الکتب الخدیویۃ میں موجود ہے ملاحظہ ہو تاریخ تمدن اسلامی، ج ۳، ص ۴۲، (مجلد ۱۱، ص ۶۳۵)۔

اس نے کہا: شاہی خزانے میں موجود فلسفی کتابیں اور رسائل، جن پر تم نے تسلط حاصل کرلیا ہے ،ہمیں ان کی ضرورت ہے مجھے یقین ہے کہ ان میں تمہارے لئے کوئی فائدہ نہیں۔

عمرو نے پوچھا: ان کتب و رسائل کو کس نے جمع کیا ہے، اس کا اصل واقعہ کیا ہے؟

یحیٰی نے بیان کرنا شروع کیا:

''بطولوماوس فیلادلفوس نامی شخص اسکندریہ کے تخت بادشاہت پر براجمان ہوا، وہ علم وعلماء کا دوستدار اور علمی کتابوں کا شیدائی تھا۔

اس نے علمی کتابوں کو جمع کرنے کا حکم دیا اور الگ سے اخراجات بھی معین کیئے، ابن زہرہ (زمیرہ) نامی شخص کو اس کا متولی مقرر کر کے اسے کتابوں کی تحصیل کی تشویق وترغیب دلائی، چنانچہ اس نے بھی بحسن وخوبی اپنا عہدہ سنبھال کر تھوڑی مدت میں پچاس ہزار ایک سو بیس (۵۰۱۲۰) کتابیں جمع کرلیں۔

جب بادشاہ ان کتابوں کی جمع آوری اور مقدار رقم کی حقیقت سے باخبر ہوا تو اس نے زمیرہ کو بلا کر پوچھا: کیا تمہاری نظر میں روئے زمین پر علمی کتابیں ایسی بھی ہیں جو ہمارے پاس نہیں؟

زمیرہ نے کہا: جی ہاں! سندھ، ہندوستان، فارس، جرجان، ارمینہ، بابل اور موصل میں ایسی کتابیں ہیں جو ہمارے پاس موجود نہیں۔

بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اس نے کہا: تم تحصیل کتب کا کام جاری رکھو۔ چنانچہ وہ شخص کتاب کی جمع آوری کرتے ہوئے فوت ہوگیا اور یہ کتابیں اس طرح مصون ومحفوظ رہیں جو شخص بھی اس کا متولی مقرر ہوتا ان کتابوں کے سلسلے میں خصوصی اہتمام کرتا یہاں تک کہ ہمارا عہد آ گیا۔

عمرو عاص نے تمام واقعہ سن کر یحیٰی کی باتوں کو مبالغہ پر محمول کیا، اس نے کہا: میرے لئے ممکن نہیں کہ عمر بن خطاب کے اجازت کے بغیر تمہارے لئے کوئی حکم صادر کروں۔

چنانچہ اس نے عمر کو خط لکھا، اس میں تمام باتیں رقم کر کے پوچھا کہ ان کتابوں کا کیا کروں؟ عمر نے جواب میں لکھا: جن کتابوں کا تم نے تذکرہ کیا ہے اگر وہ کتاب خدا کے مخالف ہیں تو ان کی ہمیں کوئی

ضرورت نہیں ہے، لہٰذا انھیں نیست ونابود کردو۔خط کا جواب ملتے ہی عمرو عاص نے ان کتابوں کو اسکندریہ کے حمام میں تقسیم کرکے انھیں جلانے کا کام شروع کردیا۔

اس وقت اسکندریہ میں موجود حماموں کا ذکر نہیں کیا جاسکتا میرے ذہن میں محفوظ نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ ان کتابوں کی وجہ سے چھ مہینے تک وہاں کے حمام گرم رہے،علم وثقافت کے اس واقعہ کو سنئے اور تعجب کیجئے۔

ابن ندیم ''فہرست'' (۱) میں کتابخانہ کے واقعہ نذر آتش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسحاق راہب نے اپنی تاریخ میں حکایت کی ہے کہ اسکندریہ کے بادشاہوں میں جب بطولوماوس فیلادلفوس تخت پر بیٹھا تو اس نے علمی کتابوں کی تلاش میں کافی جدوجہد کی اور اس کی ذمہ داری زمیرہ نامی شخص کے سپرد کی۔

لوگوں کے مطابق اس نے پانچ ہزار ایک سوبیس (۵۱۲۰) جلد کتابیں جمع کیں اور بادشاہ سے کہا: اے بادشاہ! اس کے باوجود بھی سندھ، ہندوستان، فارس، جرجان، ارمان، بابل اور موصل وغیرہ کی کتابیں باقی رہ گئیں ہیں۔

اس کتابخانہ کا موسس بطلیموس اول وہی شخص ہے جس نے اسکندریہ کے معروف مدرسہ کی رداق کے نام سے بنیاد ڈالی اور اس میں اس عہد کے فلسفہ، ریاضیات، طب، حکمت، آداب اور ہیئت وغیرہ جیسے تمام علوم کو جمع کیا۔

یہ مدرسہ قصر شاہی سے متصل تھا، اس کے فرزند بطلیموس دوّم کی اس کے باپ کی موت کے دوسال قبل ۲۸۵ھ میں بیعت کی گئی، اُس وقت اس کی عمر ۲۴ سال کی تھی اس کی مدّت حکومت ۳۸ سال تھی۔ یہ بھی اپنے باپ کی سیرت وروش پر قائم رہتے ہوئے علم اور صاحبان علم کا شیدائی تھا، اس نے بھی اسکندریہ کے کتابخانہ اور کتابوں کی جمع آوری پر خصوصی توجہات مرکوز رکھی۔ (۲)

۱۔فہرست، ابن ندیم، ص ۳۳۴، (۳۰۱)

۲۔الکافی فی تاریخ مصر، ج۱، ص ۲۱۰۔۲۰۸

خلیفہ کی یہ رائے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے والے تمام شہروں اور ملکوں کے لئے عام تھی۔

چنانچہ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: جب مسلمانون نے فارس کے شہروں کو فتح کیا اور وہاں کی کتابیں نظروں سے گذریں تو سعد بن ابی وقاص نے عمر بن خطاب کو خط لکھ کر پوچھا کہ ان کتابوں کا کیا کروں؟ کیا انھیں مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردوں؟

عمر نے جواب میں لکھا: انھیں دریا برد کردو اگر ان میں ہدایت ہے تو خداوند عالم نے بہتر انداز میں ہماری ہدایت کردی ہے اور اگر وہ کتب ضلال ہیں تو چہ بہتر۔ ہمارے لئے خدا کافی ہے۔

چنانچہ ان کے حکم سے ان کتابوں کو دریا برد یا نذر آتش کردیا گیا اور اس طرح فارس کے علوم ومعارف تباہ وبرباد ہوگئے۔(۱)

ایک دوسری جگہ اہل اسلام اور ان کے علوم کے متعلق لکھتے ہیں: انہوں نے فتح شدہ تمام شہروں کی کتابیں جلا کر تباہ وبرباد کردیں۔(۲)

ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: علوم بہت زیادہ ہیں اور بنی نوع انسان کے حکماء بھی بہت زیادہ ہیں، جو علوم ومعارف ہم تک نہیں پہونچے وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں لہٰذا فارس کے علوم ومعارف جنہیں عمر نے فتح کے موقع پر نیست ونابود کرنے کا حکم دیا تھا کہاں گئے؟!۔(۳)

تبصرۂ علامہ امینیؒ

ایسا کوئی نظریہ نہیں کہ گذشتہ افراد کی کتابیں بطور مطلق ممنوع ہوں، خاص طور سے جب وہ کتابیں علمی، صنعتی، فلسفی، اخلاقی، طبی، فلکی، ریاضی جیسے علوم پر مشتمل ہوں، ان کتابوں میں پیغمبروں سے منسوب

۱۔کشف الظنون، ج۱،ص۴۴۶، (ج۱،ص۶۷۹)

۲۔کشف الظنون، ج۱،ص۲۵، (ج۱،ص۳۳، مقدمہ)

۳۔تاریخ ابن خلدون، ج۱،ص۳۲، (ج۱،ص۵۰)

کتابیں خصوصیت کی حامل ہیں جیسے دانیالؑ نبی، اگر یہ نسبت صحیح ہو اور ان میں تحریف نہ کی گئی ہو تو یہ قطعی ممنوع نہیں ہوسکتیں۔ ہاں! اگر جھوٹا دعویٰ کرنے والے باطل رہبروں اور منسوخ شدہ دین کی گمراہ کن کتابیں ہوں یا ان میں ایسے اعتراضات مذکور ہوں جو اسلامی اصول ومبانی کے برخلاف ہوں تو ان میں سے ایسے افراد کے لئے غور وفکر کرنا حرام ہے جو ان کے جواب اور ان کی تحقیق سے قاصر و عاجز ہوں۔ ایسی کتابوں کو نذر آتش کرنا یا دریا برد کرنا ضروری ہے، لیکن اگر کسی کے پاس استدلال و براہین اور دفاع کی صلاحیت ہو تو ابطال باطل اور احقاق حق کے لئے ان میں غور وفکر کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

اس سلسلے میں قرآن احسن قصص اور ان کتابوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے جو مفید علم وحکمت اور ایسے موضوعات کی حامل ہوں جن میں بنی نوع بشر کو فائدہ پہونچ سکتا ہے یا ان میں ایسے علوم ومعارف ہوں جن سے بنی نوع انسان بھر پور طریقہ سے استفادہ کر سکے اگر چہ قرآن مجید کے مطالب ومفاہیم ان کتابوں سے کہیں زیادہ عمیق و دقیق ہیں لیکن انسان کا ذہن اس یقین کے باوجود کہ ہر خشک وتر اور ہر چھوٹی بڑی شی قرآن کے دامن میں محفوظ ہے، پھر بھی اس کتاب کے مطالب اور اعلیٰ ترین مقاصد تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر و عاجز ہے۔

لہٰذا ان کتابوں میں غور وفکر کرنے کی ممانعت کرنا انسانوں کے اوپر عظیم ظلم وجنایت اور انھیں علوم ومعارف سے دور بہت دور لے جانے کا حربہ ہے اور اس سلسلے میں کوڑوں کی بارش کرنا اسلام کے عالمی قانون سے سازگاری نہیں رکھتا، نہ قرآن کے اعتبار سے اور نہ ہی حدیث کے اعتبار سے۔

خدا بہتر جانتا ہے کہ اسکندریہ کے اس علمی خزانے کو نذر آتش کرنے اور انہیں عجمی شہروں میں منتشر کرنے سے مسلمانوں کو کتنے بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے جن کا ہدایت وضلالت سے قطعی کوئی ربط نہیں تھا جیسا کہ خلیفہ نے فارس کی کتابوں کے بارے میں تصور کیا۔ یہ کتابیں قرآن مجید کی مخالفت یا موافقت سے بھی مربوط نہیں تھیں جیسا کہ خلیفہ نے اسکندریہ کے کتابخانے کے بارے میں سوچا۔

ہاں!! اگر مسلمان اس علمی دولت سے بہرہ مند ہو جاتے تو ان کی ترقی میں یقیناً معاون ثابت ہوتا۔

جی ہاں! خلیفہ کا یہ نفرت آمیز عمل علوم و معارف میں عقب نشینی اور دنیا میں تنگدستی و بدنامی کا سبب بنا جو اسلام و عربیت سے ملحق ہوگیا، تحقیق و جستجو کرنے والے افراد نے اس عمل کو وحشت آمیز اور ظلم و خیانت خیال کر کے اسے ایک جاہل کا عمل بتایا ہے، ہم اس کا حکم عقل سلیم پر چھوڑتے ہیں۔

علاوہ بریں اگر خلیفہ چاہتے تو ان کتابوں سے اجتماع بشریت سے مربوط مفید باتوں کو نکال کر کفر والحاد سے تعلق رکھنے والے مطالب کو نابود کر دیتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا اور جو کیا وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔

۹۵۔ خلیفہ اور قرائتیں

ا۔ محمد بن کعب قرنی سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب ایک ایسے شخص کے پاس سے گذرے جو آیۂ مبارکہ: ﴿السَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ ''اور مہاجرین وانصار میں سے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کا اتباع کیا ہے ان سب سے خدا راضی ہوگیا''۔(۱) کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس آیت کو سنتے ہی عمر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا: کس نے تمھیں اس طرح تلاوت کرنے کی تعلیم دی ہے؟

اُس نے جواب دیا: ابی بن کعب نے۔ عمر نے کہا: جب تک ابی میرے پاس نہ آجائے تم مجھ سے جدا نہ ہونا۔ جب ابی بن کعب آئے تو عمر نے کہا: کیا تم نے اس آیت کی اس طرح قرائت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ عمر نے پوچھا: کیا رسول خداؐ سے ایسے ہی سنا ہے؟ کہا: ہاں۔ تب عمر نے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم ایسے مقام پر ہیں جہاں کوئی اور نہیں پہونچ سکتا۔

حاکم اور ابو شیخ نے ابو سلمہ اور محمد تیمی سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب ایک ایسے شخص کے پاس سے گذرے جو پڑھ رہا تھا: ''...وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ...'' واو کے ساتھ۔(۲)

عمر نے کہا: کس نے تمھیں اس طرح تعلیم دی ہے؟

۱،۲۔ توبہ/۱۰۰

کہا: ابی نے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ابی کے پاس لے گئے اور کہا اے ابو المنذر! اس شخص نے بتایا کہ تم نے اسے اس طرح تعلیم دی ہے؟

ابی نے کہا: اس نے سچ کہا ہے اور میں نے بھی رسول خداؐ سے اسی طرح سیکھا ہے۔ عمر نے پوچھا: کیا تم نے رسول خداؐ سے ایسے ہی سیکھا ہے؟ کہا: ہاں۔

یہ سن کر عمر غصے سے بولے: ہاں، خدا کی قسم! خدا نے اسے جبرئیل امین پر نازل کیا اور جبرئیل نے قلب پیغمبرؐ پر لیکن اس سلسلے میں خطاب اور اس کے بیٹے سے اجازت نہ لی۔

عمر اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے کہتے ہوئے باہر نکلے: اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

عمر بن عامر انصاری کے طریق سے مروی ہے: ابی نے کہا: خدا کی قسم! رسول خداؐ نے ہمارے سامنے اسی طرح تلاوت فرمائی ہے اور اس وقت تم رسیاں فروخت کر رہے تھے۔

عمر نے کہا: ہاں! ایسی صورت میں بہتر ہے لہٰذا ہمیں ان کی پیروی کرنی چاہئے۔

ایک تعبیر ہے: عمر نے قرائت کی: والانصارُ (پیش کے ساتھ) الذین (للانصار کی صفت قرار دی یعنی واؤ کو حذف کر دیا)۔ چنانچہ زید بن ثابت نے عمر سے کہا کہ وہ واؤ کے ساتھ ہے۔ عمر نے اس سلسلے میں ابی بن کعب سے سوال کیا، انہوں نے زید کی تصدیق کی تو عمر نے زید کی قرائت کو اختیار کیا۔

ایک عبارت ہے: یہ سن کر عمر نے کہا: ہاں! ایسی صورت میں ہمیں ابی کی پیروی کرنی چاہئے۔

طبری کے الفاظ ہیں: ایسی صورت میں ہم ابی کی پیروی کرتے ہیں۔

ایک تعبیر ہے: عمر نے سنا کہ ایک شخص متذکرہ آیت کو واؤ کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ عمر نے کہا: اس طرح کس نے قرائت کی؟

اس نے کہا: ابی نے۔ عمر نے ابی کو بلایا تو ابی نے کہا: رسول خداؐ نے میرے سامنے اسی طرح قرائت کی ہے اور آپ اس وقت بقیع میں کھانے پینے کا سامان بیچ رہے تھے۔

عمر نے کہا: سچ کہا، اگر چاہو تو کہو: ہم حاضر تھے اور تم غائب، ہم نے نصرت کی اور تم نے انہیں تنہا چھوڑ دیا، ہم نے منزل و مکان دیا اور تم نے انھیں نکال باہر کر دیا۔ اس کے بعد عمر نے کہا: میں دیکھ رہا

ہوں کہ ہم اس مقام پر ہیں کہ بعد والے اس تک نہیں پہونچ سکتے۔(۱)

۲۔احمد نے اپنی سند میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے عمر کے پاس آ کر کہا: اکلتنا الضبع ''باتوں نے ہمیں زچ کر دیا ہے''۔ مسعر کا بیان ہے کہ یہ سن کر عمر نے پوچھا: تم کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے اپنا تعارف کرایا، چنانچہ عمر نے پہچان لیا کہ وہ موسیٰ ہے۔ اس کے بعد عمر نے کہا: بے شک اگر کسی کے پاس ایک یا دو صحرا ہو تو وہ تیسرے کی طلب میں کوشاں رہے گا۔

یہ سن کر ابن عباس نے کہا: ابن آدمؑ کے شکم کو مٹی کے علاوہ کوئی اور چیز پر نہیں کرسکتی پھر خداوند عالم توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

عمر نے ابن عباس سے پوچھا: اسے کس سے سنا؟ کہا: ابی سے۔

عمر نے کہا: جب صبح نمودار ہو تو اسے میرے پاس لاؤ۔

راوی کا بیان ہے کہ ابن عباس ام الفضل کے پاس گئے اور تمام واقعہ بیان کیا، وہ خوف زدہ تھے کہ کہیں ابی بن کعب نے فراموش نہ کر دیا ہو، چنانچہ ان کی ماں نے کہا: ابی نے اسے فراموش نہ کیا ہوگا۔

علی الصباح عمر پہونچے، ان کے ہمراہ ان کا کوڑا بھی تھا، ہم دونوں ابی بن کعب کے پاس گئے، اس وقت وضو کر رہا تھا باہر آ کر کہا: مذی خارج ہوگئی تھی اس لئے اپنی شرمگاہ کو دھو رہا تھا۔

عمر نے تعجب سے پوچھا: کیا رسول خداؐ سے سنا ہے؟ کہا: ہاں۔

اس کے بعد ابن عباس والی بات دریافت کی اور ابی نے اس کی تصدیق وتائید کی۔

مسند میں ابن عباس ہی سے مروی ہے: ایک شخص عمر کے پاس آیا اور سوال کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر عمر نے اس کے سر و پیر کو بغور دیکھا کہ کہیں اس پر سستی و کسالت کا غلبہ تو نہیں، پھر اس سے پوچھا: تمہارے

۱۔تفسیر طبری، ج۱، ص۷، (مجلد۷، ج، ص۱۸)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۳۰۵، (ج۳، ص۳۴۵، حدیث ۵۳۲۹)؛ تفسیر قرطبی، ج۸، ص۲۳۸، (ج۸، ص۱۵۱/۱۵۲)؛ تفسیر کشاف، ج۲، ص۴۶، (ج۲، ص۳۰۴)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۳۸۳؛ درمنثور، ج۳، ص۲۶۹؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۷۸، (ج۲، ص۲۰۵، حدیث ۴۸۵۸، ص۵۹۷، حدیث ۴۸۲۳)؛ فتح القدیر، ج۲، ص۳۷۹، (ج۲، ص۳۹۸)؛ روح المعانی، ج۱۱، ص۸۔

پاس کتنا مال ومتاع ہے؟

اس نے کہا: چالیس اونٹ۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے کہا: خدا اور رسولؐ نے سچ فرمایا ہے کہ اگر انسان کے پاس سونے کے دو باغ ہوں تو وہ تیسرے کی طلب میں کوشاں رہے گا، اس انسان کے پیٹ کو خاک کے علاوہ کوئی اور چیز پر نہیں کرسکتی، جو توبہ کرتا ہے خدا اس پر توبہ کرتا ہے (اس کی توبہ قبول کرتا ہے)۔

عمر نے تعجب سے پوچھا: یہ کیا ہے؟

میں نے کہا: ابی بن کعب نے اسی طرح قرائت کی ہے۔

عمر نے کہا: چلو اسی کے پاس۔ ابی کے پاس آ کر عمر نے کہا: یہ ابن عباس کیا کہتے ہیں؟

ابی نے کہا: رسول خداؐ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

عمر نے کہا: اگر تمہاری نظر میں ثابت ہے تو ثابت ہی رکھو۔

احمد سے حکایت ہوئی ہے کہ عمر نے پوچھا: اسی طرح اپنے مصحف میں ثابت رکھو گے؟

کہا: ہاں۔

ابن ضریس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس کا بیان ہے: میں نے کہا: اے امیر المومنین! ابی بن کعب کا خیال ہے کہ آپ نے آیات خدا میں اس آیت کو ترک کیا ہوا ہے جسے آپ نے تحریر نہیں کیا۔

عمر نے کہا: خدا کی قسم! میں ابی سے پوچھوں گا اگر اس نے انکار کیا تو تیری تکذیب ہوگی، چنانچہ نماز صبح کے بعد ابی کے پاس گئے اور کہا: یہ ابن عباس کہتے ہیں کہ تمہارے خیال میں، میں نے کتاب خدا کی ایک آیت کو چھوڑ دیا ہے اور اسے تحریر نہیں کیا؟

ابی نے کہا: میں نے رسولخداؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر ابن آدمؑ کے پاس دو باغ و بیابان ہوں تو وہ تیسرے کی طلب میں رہتا ہے تاکہ اس میں زیادتی کر سکے، اس کے شکم کو خاک کے علاوہ کوئی اور چیز پر نہیں کرسکتی، خدا توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبولیت عطا فرماتا ہے۔

عمر نے پوچھا: کیا میں اسے تحریر کروں؟ ابی نے کہا: میں آپ کو منع نہیں کروں گا۔

راوی کا بیان ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ ابی کو یہ کہنے میں شک وتردید ہوا کہ یہ رسول خداؐ سے سنا ہے یا قرآن میں نازل ہوا ہے۔(۱)

۳۔ابی ادریس خولانی سے مروی ہے کہ اس نے کہا: ابی بن کعب نے آیت کی تلاوت کی: ﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ...﴾۔(۲)

''یہ اس وقت کی بات ہے جب کفار نے اپنے دلوں میں زمانۂ جاہلیت جیسی ضد قرار دے دی تھی اور اگر اس طرح ضد وتعصب کرتے جیسا انھوں نے کیا تھا تو مسجد الحرام ضرور ویران ہو جاتا لہٰذا خدا نے اپنے رسول پر سکون واطمینان نازل فرمایا''۔

جب یہ خبر عمر کی سماعت سے ٹکرائی تو سخت آشفتہ خاطر اور پریشان ہوئے، ایک آدمی بھیج کر اسے بلوایا اور چند اصحاب کو بھی طلب کیا ان میں زید بن ثابت بھی تھے، عمر نے پوچھا: تم میں کون سورۂ فتح کی تلاوت کر سکتا ہے؟

زید نے قرائت کی تو عمر سخت ناراض ہوئے، یہ دیکھ کر ابی نے کہا: کیا میں کچھ عرض کروں؟

کہا: کہو۔ ابی نے کہا: آپ جانتے ہیں کہ میں ہمیشہ رسول خداؐ کی خدمت میں رہتا تھا اور وہ مجھے قرائت کی تعلیم دیتے تھے، اس وقت آپ دروازے پر ہی موجود رہتے لہٰذا اگر آپ کو پسند ہے کہ میں لوگوں کو اس طرح تعلیم دوں جس طرح رسول خداؐ نے مجھے سکھایا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں ایک حرف کی بھی تلاوت نہیں کروں گا، عمر نے کہا: نہیں، تم لوگوں کو تعلیم دو۔

ایک عبارت میں ہے: ابی نے کہا: خدا کی قسم! اے عمر! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں رسولخداؐ کی خدمت میں موجود رہتا تھا، میں بلایا جاتا اور تم غائب رہتے تھے، خدا کی قسم! اگر تم یہی پسند کرتے ہو تو

۱۔مسند احمد، ج۵، ص۱۱۷، (ج۶، ص۱۳۶، حدیث ۲۶۰۷، ۲۶۰۸)؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۷۹ (ج۲، ص۵۶۹، حدیث ۴۷۴۷)؛ درمنثور، ج۶، ص۱۳۷۸، (ج۸، ص۵۸۷)۔

۲۔فتح/۲۶

ٹھیک ہے میں گوشہ نشین ہو جاؤں گا اور کسی سے کوئی بات نہیں کروں گا۔(۱)

۴۔ابن مجلز سے مروی ہے: ابی نے قرائت کی: ﴿مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ﴾۔(۲) یہ سن کر عمر نے کہا: تو نے جھوٹ بکا ہے۔

ابی نے کہا: تم مجھ سے زیادہ جھوٹے ہو، ایک شخص پاس ہی میں بیٹھا تھا کہنے لگا: تم امیر المومنین کی تکذیب کر رہے ہو۔ ابی نے کہا: میں تم سے زیادہ امیر المومنین کی اہمیت کا قائل ہوں لیکن میں نے کتاب خدا کی تصدیق کے سلسلے میں ان کی تکذیب کی ہے، یہ سن کر عمر نے کہا: ابی ٹھیک ہیں (میں غلط ہوں)۔(۳)

۵۔خرشہ بن حر ا کا بیان ہے: عمر بن خطاب نے میرے ہمراہ ایک تختی دیکھی جس پر تحریر تھا: ﴿إِذَا نُودِي لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ﴾۔(۴)

پوچھا: اسے کس نے لکھوایا: میں نے کہا: ابی بن کعب نے۔ عمر نے کہا: بے شک ابی ہم سے اچھے قاری اور ہم سے زیادہ نسخ سے زیادہ واقف ہیں، اس نے ''فَامْضُوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ'' پڑھا ہے۔

عبد اللہ بن عمر کا بیان ہے: میں نے عمر سے ہمیشہ ''فَامْضَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ'' ہی سنا ہے۔

ابراہیم سے منقول ہے کہ لوگوں نے عمر سے کہا: ابی بن کعب نے ''فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ'' پڑھا تھا۔ عمر نے کہا: ہم سے زیادہ نسوخ قرآن سے آگاہ ہے، وہ پڑھتا تھا: ''فَامْضَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ''۔

ابو عبیدہ نے فضائل قرآن میں نقل کیا ہے اور سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، ابن منذر، ابن انباری،

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص۱۹۴؛ درمنثور، ج۶، ص۷۹، (ج۷، ص۵۳۵)؛ سنن نسائی، (ج۶، ص۴۶۳، حدیث۱۱۵۰۵)؛ المستدرک علی الصحیحین، (ج۲، ص۲۴۵، حدیث۲۸۹۱)؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۸۵، (ج۲، ص۵۶۸، حدیث۴۷۴۵)۔

۲۔ مائدہ/۱۰۷

۳۔ تفسیر طبری، (مجلد۵، ج۷، ص۱۱۹)؛ درمنثور، ج۲، ص۳۴۴، (ج۳، ص۲۲۶)؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۸۵

۴۔ جمعہ/۹

عبدالرزاق،(۱) شافعی، (۲) قربانی، عبد بن حمید، ابن جریر (۳) ابن ابی حاتم اور بیہقی (۴) نے سنن میں نقل کیا ہے جیسا کہ درمنثور اور کنز العمال میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (۵)

۶۔ بجالہ سے حکایت ہوئی ہے کہ اس نے کہا: عمر بن خطاب کا ایسے جوان کے پاس سے گذر ہوا جو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ رہا تھا: ﴿ اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾ ''بے شک نبی تمام مومنین سے ان کے نفس کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے اور ان کی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں''۔ (۶)

عمر نے کہا: اے جوان! اسے مٹا دو۔ اس نے کہا: یہ ابی کا قرآن ہے، چنانچہ عمر اس کے پاس گئے اور سوال کیا تو ابی نے کہا: رسول خداؐ ہمیں قرآن میں مشغول رکھتے تھے، اس وقت تمہیں بازاروں میں ہیر پھیر اور دلاّلی سے فرصت نہیں تھی، یہ بات عمر کو کافی ناگوار گذری۔ (۷)

۷۔ ابی بن کعب نے پڑھا: ﴿ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة ومتعنا وساء سبيلا الذين تاب، فان الله كان غفوراً رحيماً﴾۔

اسے عمر کے سامنے بیان کیا یا وہ ابی کے پاس آئے اور سوال کیا تو ابی نے کہا: میں نے اسے رسول خداؐ کے دو مبارک لب سے سنا ہے، اس وقت تمہیں دلاّلی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں تھا۔ (۸)

۱۔ المصنف عبدالرزاق، (ج ۳، ص ۲۰۷، حدیث ۵۳۵۰)

۲۔ کتاب الام، (ج ۱، ص ۱۹۶)

۳۔ تفسیر طبری، (مجلد ۱۴، ج ۲۸، ص ۱۰)

۴۔ سنن بیہقی، (ج ۳، ص ۲۲۷)

۵۔ درمنثور، ج ۶، ص ۲۱۹، (ج ۸، ص ۱۶۱)؛ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۸۵، (ج ۲، ص ۵۹۷، حدیث ۴۸۲۲)

۶۔ احزاب/۶

۷۔ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۶۹؛ تفسیر قرطبی ج ۱۴، ۱۲۶، (ج ۱۴، ص ۸۴)؛ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۷۹، (ج ۲، ص ۵۶۹، حدیث ۴۷۴۶)

۸۔ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۷۸، (ج ۲، ص ۵۶۷، حدیث ۴۷۴۱)، (ج ۲، ص ۵۶۸، حدیث ۴۷۴۴)

۸۔سور بن مخرمہ سے مروی ہے: عمر بن خطاب نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: کیا تم نے ہم پر نازل شدہ آیت کو ملاحظہ نہیں کیا: ﴿ان جاھدوا کما جاھدتم اول مرۃ﴾ ”جس طرح پہلی مرتبہ جہاد کیا تھا اسی طرح جہاد کرو“۔

عبدالرحمٰن نے کہا: جو قرآن میں نہیں ہے اسے چھوڑ دو۔(۱)

۹۔ابن عباس اور عدی بن عدی نے عمر سے نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا: ہم قرآن کی اس آیت کی تلاوت کرتے تھے: ﴿ان لاترغبوا عن آبائکم فانہ کفر بکم ”یا“ان کفر بکم ان ترغبوا عن آبائکم﴾ پھر زید بن ثابت سے کہا: کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔(۲)

۱۰۔مالک وشافعی سے سعید بن مسیب اور اس نے عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک خطبہ میں کہا: پرہیز کرو، کہیں آیہ رجم وحد کے ذریعہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔

کہنے والے نے کہا: ہم نے قرآن میں دو حد کا مشاہدہ نہیں کیا کیوں کہ رسول خداؐ نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی سنگسار کیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اگر لوگوں کی بات کا خوف نہ ہوتا کہ عمر نے کتاب خدا میں زیادتی کی ہے تو میں ضرور لکھتا: الشیخ والشیخہ فارجموھما“۔

البتہ احمد کی عبارت ہے: عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ اگر کہنے والوں کا خوف نہ ہوتا کہ عمر نے کتاب خدا میں ایسی چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے جو اس میں نہیں ہیں تو میں جس طرح نازل ہوا ہے اسی طرح تحریر کرتا۔

ابوداؤد کے الفاظ ہیں: خدا کی قسم! اگر کہنے والے کا خوف نہ ہوتا کہ عمر نے کتاب خدا میں اضافہ کیا ہے اسے قرآن میں ضرور لکھتا۔

بیہقی کی تعبیر: اگر مجھے کتاب خدا میں زیادتی ناپسند نہیں ہوتی تو میں اپنے مصحف میں ضرور تحریر کرتا،

۱۔الاتقان، ج۲،ص۴۲، (ج۳،ص۸۴)؛ کنز العمال، ج۱،ص۲۷۸، (ج۲،ص۵۶۷، حدیث ۴۷۴۱)

۲۔صحیح بخاری، ج۱۰،ص۴۴، (ج۶،ص۲۵۰۵، حدیث۶۴۴۲)؛ الاتقان، ج۲،ص۴۲(ج۳،ص۸۴)

اس لئے کہ خوف زدہ ہوں کہ میرے بعد لوگ آ کر اسے نہ دیکھیں اور ایمان نہ لائیں۔ (۱)

تبصرۂ علامہ امینیؒ:

یہ تمام روایات و واقعات ترتیل قرآن کے سلسلے میں خلیفہ کی کم علمی و کم مائیگی آشکار کر رہے ہیں اور یہ کہ متذکرہ تمام افراد ان سے کہیں زیادہ قرآن مجید کے جانکار اور عالم تھے اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ بازاروں میں معاملات کی دلّالی، ریسمان فروشی اور قرعہ کشی کی مشغولیت نے تعلیمات قرآن سے بے بہرہ کر دیا تھا بقول ابی بن کعب: خرید و فروش کی دلالی کے علاوہ انھیں کوئی کام ہی نہیں تھا۔

ایسے خلیفہ کا کیا مصرف جو کتاب و سنت میں عوام الناس کا رہبر ہونے کے باوجود لوگوں کے عقائد و نظریات کی پیروی کرتا ہے، ان کے کہنے پر مصحف شریف میں حذف و اضافہ کرتا ہے، کتاب و سنت میں جدائی کا قائل نہیں، لوگوں کے کہنے پر اپنی ساعت کو ادھر ادھر کر دیتا ہے، قرآن کی کسی آیت کو حذف کرنے میں دوسرے کی رائے کی تصدیق کرتا ہے، تحریف شدہ آیات کو قرآن میں شامل کرنے سے صرف اس لئے منع کرتا ہے کہ اسے لوگوں کی باتوں سے خوف محسوس ہوتا ہے۔

ہاں! یہ وہی تحریف ہے جس کی نسبت وہ شیعوں کی طرف دیتے ہیں اور اس کے وسیلہ سے وہ حملہ آور ہوتے ہیں حالانکہ شیعہ پہلے ہی دن سے اس بدنامی سے پاک و منزہ اور ان کے محققین نفی تحریف پر متفق ہیں۔ (۲)

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص۲۹، (ج۱، ص۴۹، حدیث ۱۹۸)؛ ص۸۱، حدیث ۳۵۴)؛ اختلاف الحدیث شافعی مطبوع بر حاشیہ کتاب الام شافعی، ج۷، ص۲۵۱، (ص ۵۳۳)؛ موطا مالک، ج۲، ص۱۶۸، (ج۲، ص۸۲۴، حدیث ۱۰)؛ صحیح بخاری، ج۱۰، ص۴۴، (ج۶، ص۲۵۰۴، حدیث ۶۴۴۲)؛ صحیح مسلم، ج۲، ص۳۲، (ج۳، ص۵۲۴، حدیث ۱۵، کتاب الحدود)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۲۹۹، (ج۴، ص۲۹، حدیث ۱۴۳۱)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۱۷۹؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۱۱۵، (ج۲، ص۸۵۳، حدیث ۲۵۵۳)؛ سنن ابی داؤد، ج۲، ص۲۳۰، (ج۴، ص۱۴۵، حدیث ۴۴۱۸)؛ مسند طیالسی، ص۶؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۲۱۱/۲۱۲؛ احکام القرآن جصاص، ج۳، ص۳۱۷، (ج۳، ص۲۵۷)۔

۲۔ عقائد شیخ صدوق، (ص۵۹، باب ۳۳)؛ اوائل المقالات شیخ مفیدؒ، (ص۹۵۔۹۳)؛ امالی سید مرتضی، (ج۲، ص۸۴) التبیان شیخ طوسیؒ، (ج۱، ص۳، مقدمہ)؛ مجمع البیان طبرسی، (ج۶، ص۵۰۸)۔

اس صاحب عمل اور اس انسان کے درمیان کتنا فرق ہے جس کے بارے میں بزرگ تابعی ابو عبدالرحمٰن قاری (علماء نے ان کی وثاقت پر اتفاق کیا ہے) کہتے ہیں: میں نے ایسی ماں کے فرزند کو نہیں دیکھا جو حضرت سے زیادہ کتاب خدا کا قاری ہو، یہ بھی کہا کہ میں نے حضرت علیؑ سے اچھا قاری کسی کو نہیں دیکھا، انہوں نے رسول خداؐ کے سامنے قرآن پیش کیا، وہ ان افراد میں سے تھے جنھوں نے ہمارے نزدیک بغیر کسی شک وشبہ کے قرآن حفظ کیا۔(۱)

۹۶۔اسماء اور کنیت کے بارے میں خلیفہ کا اجتہاد

۱۔زید بن اسلم نے اپنے والد سے حکایت کی ہے کہ عمر بن خطاب نے ایک لڑکے کو مارا جس کی کنیت ابوعیسیٰ تھی۔

مغیرہ بن شعبہ کی کنیت بھی ابوعیسیٰ تھی، عمر نے اس سے کہا: کیا ابوعبداللہ کی کنیت تیرے لئے کافی نہیں؟ اس نے کہا: رسول خداؐ نے مجھے ابوموسیٰ کی کنیت سے سرفراز فرمایا ہے۔

عمر نے کہا: بے شک رسول خداؐ کے گذشتہ اور آئندہ تمام گناہوں کی بخشش ہو چکی ہے لیکن ہماری بات دوسری ہے۔ اس کے بعد عمر اپنی موت تک اسے ابوعبداللہ کی کنیت سے آواز دیتے تھے۔

دوسری صورت:

مغیرہ نے عمر کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی، عمر نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: ابوعیسیٰ۔ پوچھا: ابوعیسیٰ کون ہے؟ کہا: مغیرہ بن شعبہ۔ عمر نے کہا: کیا جناب عیسیٰ کا کوئی باپ بھی تھا، اس غصیلے انداز کو دیکھ کر بعض اصحاب نے گواہی دی کہ رسول خداؐ نے اسے ابوعیسیٰ کی کنیت عطا فرمائی ہے۔ یہ سن کر عمر نے کہا: بے شک رسول خداؐ کی بخشش ہو چکی ہے لیکن ہم اس بات سے ناواقف ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا

۱۔طبقات القراء، ج۱، ص۵۴۶؛ مفتاح السعادۃ، ج۱، ص۳۵۱، (ج۲، ص۹)۔

ہوگا، پھر اسے ابوعبداللہ کی کنیت دے دی۔(۱)

۲۔عبیداللہ بن عمر کی کنیز اور معشوقہ عمر کے پاس آئی تا کہ اس کی شکایت کرے۔اس نے کہا: کیا مجھے ابوعیسیٰ سے نجات نہیں دلائیں گے؟ عمر نے پوچھا: یہ ابوعیسیٰ کون ہے؟ کہا: آپ کا بیٹا عبیداللہ۔ عمر نے کہا: تجھ پر لعنت ہو تو اسے ابوعیسیٰ بلاتی ہے، پھر عبیداللہ کو بلا کر کہا: وائے ہو تجھ پر تو نے اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی ہے۔

عمر کے تیور کو دیکھ کر وہ سخت خوف زدہ ہوئے اور ناراض بھی، عمر نے اتنی زور سے اس کا ہاتھ پکڑا کہ اس کی چیخ نکل گئی پھر اسے کوڑے سے مار کر کہا: تجھ پر افسوس! کیا عیسیٰ کا کوئی باپ تھا؟ کیا تو واقف نہیں کہ عرب کی کنیت کیا ہوتی ہے: ابوسلمہ، ابوحنظلہ، ابوعرفطہ، ابومرہ.....(۲)

۳۔عمر نے اہل کوفہ کو لکھا: کسی کو پیغمبرؐ کے نام سے موسوم نہ کرو اور اس جماعت کو حکم دیا جس نے اپنے فرزندوں کا نام محمد رکھا تھا کہ ان کے نام بدل دیئے جائیں، یہ دیکھ کر اصحاب کی ایک جماعت نے کہا: خود آنحضرت نے اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ اپنے فرزندوں کے نام آنحضرتؐ کے نام پر رکھیں، یہ سن کر انہوں نے چھوڑ دیا۔(۳)

۴۔حمزہ بن صہیب سے حکایت ہوئی ہے کہ صہیب کی کنیت ''ابویحییٰ'' تھی، وہ کہتے تھے: عربی تھا اور لوگوں کو بہت زیادہ کھانا کھلایا کرتا تھا۔

عمر نے اس سے کہا: اے صہیب! تیرا کیا کیا جائے، تو نے اپنی کنیت ابویحییٰ رکھی ہے حالانکہ تیرا کوئی فرزند نہیں اور خود کو عربی کہتا ہے، بے تحاشہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا ہے یہ مال کا اسراف ہے۔

۱۔سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۳۰۹، (ج ۴، ص ۲۹۱، حدیث ۴۹۶۳)؛ سنن بیہقی، ج ۹، ۳۱۰؛ استیعاب، ج ۱، ص ۲۵۰، (القسم الرابع، ص ۱۴۴۵، نمبر ۲۴۸۳)؛ تیسیر الوصول، ج ۱، ص ۳۹، (ج ۱، ۴۷)؛ الکنی والاسماء دولابی، ج ۱، ص ۸۵؛ زاد المعاد ابن قیم، ج ۱، ص ۲۶۲، (ج ۲، ص ۸)؛ نہایۃ ابن اثیر، ج ۱، ص ۱۹۸، (ج ۱، ص ۲۸۳)؛ الاصابۃ، ج ۲، ص ۴۱۳، ج ۳، ص ۴۵۳۔

۲۔شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۰۴، (ج ۱۲، ص ۴۴، خطبہ ۲۲۳)۔

۳۔عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۱۴۳، (ج ۱۵، ص ۳۹)۔

صہیب نے کہا: خود رسول خداؐ نے اس کنیت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جہاں تک حسب ونسب کا سوال ہے تو بے شک میں نمر بن قاسط کی فرد ہوں، ایام طفلی میں مجھے اسیر کیا گیا اور میں اپنے اہل سے بچھڑ گیا، کھانے کے متعلق آپ کی بات بھی لغو ہے اس لئے کہ خود رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ اطعام طعام کرو اور سلام کا جواب دو، لہٰذا اس ارشاد کے پیش نظر میں اطعام طعام کرتا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ابوعمر سے مروی ہے: عمر نے کہا: تمہاری صرف تین خصلتیں لائق اعتراض ہیں اگر یہ خصلتیں نہ ہوتیں تو کسی اور کو تم پر فوقیت نہ دیتا، کیا تم اس کی نشاندہی کرو گے۔ صہیب نے کہا: میں تیرے ہر سوال کا صحیح جواب دوں گا۔

عمر نے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خود کو عرب سے منسوب کرتے ہو حالانکہ تمہاری ماں عجمی ہے؛ اپنی کنیت ابو یحییٰ ایک پیغمبر کے نام پر قرار دی ہے اور اپنے اموال میں اسراف کرتے ہو۔

اس نے کہا: جہاں تک اسراف کا سوال ہے تو میں اسے صرف راہ خدا میں خرچ کرتا ہوں اور ابو یحییٰ کی کنیت کے متعلق سن لو کہ خود رسول خداؐ نے اس کنیت سے سرفراز فرمایا ہے، کیا میں اسے آپ کے لئے چھوڑ دوں۔

اور جہاں تک عرب سے میری نسبت کا سوال ہے تو بے شک رومیوں نے مجھے ایام طفلی میں اسیر کرلیا اور میں نے ان کی زبان سیکھ لی، دراصل نمر بن قاسط کی ایک فرد ہوں، اگر میری نسبت کے بارے میں چھان بین کری تو میں اس سے خود کو منسوب کرلوں گا۔(۱)

۵۔ عمر بن خطاب نے سنا کہ ایک شخص ''یا ذوالقرنین'' کی آواز لگا رہا ہے۔ کہا: کیا پیغمبروں کے نام ختم ہوں چکے ہیں جو فرشتوں کے نام سے پکارا جارہا ہے۔(۲)

۱۔ مسند احمد، ج۶، ص۱۶، (ج۷، ص۲۶/۲۷، حدیث ۲۳۳۰۸/۲۳۳۱۱)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۸، ص۲۸۸، (ج۳، ص۳۱۰، حدیث ۷۷۳۹)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۰۶، (ج۲، ص۱۲۳۱، حدیث ۳۷۳۸)؛ استیعاب، ج۱، ص۳۱۵، (القسم الثانی، ص۷۳۰/۷۳۱، نمبر ۱۲۲۶)؛ مجمع الزوائد، ج۸، ۱۶۔

۲۔ حیات الحیوان، ج۲، ص۲۱، (ج۱، ص۵۵۶)؛ فتح الباری، ج۶، ص۲۹۵، (ج۶، ص۳۸۳)۔

تبصرہ علامہ امینیؒ:

متذکرہ روایات جہل و نادانی کے کئی گوشے واضح و آشکار کر رہی ہیں:

۱۔ خلیفہ کا رسولؐ کے نام پر نام رکھنے کی ممانعت کرنا اور محمد نام رکھنے والے افراد کو تغییر و تبدل کا حکم دینا۔ حالانکہ خود رسول خداؐ کا ارشاد گرامی ہے: جس کے پاس تین فرزند ہوں اور ان میں سے ایک کا نام محمد نہ رکھے تو اس نے نادانی کی ہے۔ (۱)

آنحضرتؐ نے فرمایا: جب کسی کے بچہ کا نام محمد رکھو تو اسے نہ مارو اور کسی چیز سے محروم نہ رکھو۔ (۲)

اور فرمایا: جب اپنے فرزندوں کا نام محمد رکھو تو ان کا احترام کرو، اپنی مجلسوں میں ان کو جگہ دو اور ان پر اپنے چہرے نہ بگاڑو۔ (۳)

اور فرمایا: خداوند عالم محمد و احمد نامی بندوں کو روز قیامت روک کر فرمائے گا: میرے بندے! کیا تمہیں شرم نہیں آئی کہ تم میری معصیت کے مرتکب ہوئے حالانکہ تمہارے نام محمدؐ میرے حبیب کا نام ہے، یہ سن کر بندہ شرم سے اپنا سر جھکا کر کہے گا: خدایا! (جو مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا) وہ میں نے انجام دیا۔

خدا آواز دے گا: اے جبرئیل! میرے اس بندے کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کر دو، بے شک مجھے شرم آتی ہے کہ میں اسے نذر آتش کروں جس کا نام میرے حبیب کے نام پر ہے۔ (۴)

اور آنحضرتؐ نے فرمایا: جس کے یہاں بچہ پیدا ہو اور وہ میری محبت و برکت کے پیش نظر اس کا نام محمد رکھے تو وہ دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (۵)

۱۔ المعجم الکبیر، (ج ۱۱، ص ۵۹، حدیث ۱۱۰۷۷)؛ الکامل فی ضعفاء الرجال، (ج ۶، ص ۸۹، نمبر ۱۶۱۷)؛ مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۴۹؛ الجامع الصغیر، (ج ۲، ص ۶۵۴، حدیث ۹۰۸۴)۔

۲۔ مجمع الزوائد، ج ۸، ۴۸؛ سیرۂ حلبیہ، ج ۱، ص ۸۹، (ج ۱، ص ۸۳)۔

۳۔ تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۹۱۔

۴۔ المدخل ابن الحاج، ج ۱، ص ۱۲۹۔

۵۔ فیض القدیر، ج ۶، ص ۲۳۷؛ سیرۂ حلبیہ، ج ۱، ص ۸۹، (ج ۱، ص ۸۲)۔

عائشہ کا بیان ہے: ایک عورت رسول خداؐ کی خدمت میں آ کر کہتی ہے: یا رسول خداؐ! میرے یہاں ایک بچے کی پیدائش ہوئی ہے جس کا میں نے محمدؐ نام رکھا ہے اور اس کی کنیت ابوالقاسم قرار دی ہے لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اسے پسند نہیں فرماتے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیوں میرے نام کو حلال اور میری کنیت کو حرام قرار دیا ہے اور کس نے اس کے برعکس حکم دیا ہے۔(۱)

آنحضرتؐ نے محمد بن طلحہ بن عبیداللہ کا نام محمد رکھا اور اس کی کنیت ابوالقاسم قرار دی۔(۲) یہ محمد ان افراد میں سے ہے جن کے نام عمر نے بدل دیا تھا۔(۳)

رسول خداؐ نے اپنے زمانے میں بعض لوگوں کا نام محمد رکھا تھا، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

محمد بن ثابت بن قیس انصاری۔(۴)

محمد بن عمرو بن حزم انصاری۔(۵)

محمد بن عمارہ بن حزم انصاری۔(۶)

محمد بن انس بن فضالہ انصاری۔(۷)

۱۔ سنن بیہقی، ج۹، ۳۱۰؛ مصابیح السنۃ، ج۲، ص۱۴۹، (ج۳، ص۳۰۹، حدیث۳۷۱۶)؛ زادالمعاد، ج۱، ص۲۶۲، (ج۲، ص۸)؛ تاریخ ابن عساکر، (ج۳، ۴۲)۔

۲۔ استیعاب، ج۱، ص۲۳۶، (القسم الثالث، ص۱۳۷۱، نمبر۲۳۳۴)؛ اسدالغابۃ، ج۴، ص۳۲۲، (ج۵، ص۹۸، نمبر۴۷۳۸)۔

۳۔ مجمع الزوائد، ج۸، ص۴۸/۴۹۔

۴۔ استیعاب، ج۱، ص۲۳۳، (القسم الثالث، ص۱۳۶۷، نمبر۲۱۳۲)؛ اسد الغابۃ، ج۴، ص۳۱۳، (ج۵، ص۸۳، نمبر۴۷۰۵)؛ الاصابۃ، ج۲، ص۴۷۲، (نمبر۸۲۹۵)۔

۵۔ استیعاب، ج۱، ص۲۳۷، (القسم الثالث، ص۱۳۷۵، نمبر۲۳۳۹)؛ اسد الغابۃ، ج۴، ص۳۲۷، (ج۵، ص۱۰۶، نمبر۴۷۵۱)؛ الاصابۃ، ج۳، ص۴۷۶، (نمبر۸۳۱۰)۔

۶۔ الاصابۃ، ج۳، ص۴۷۶، (نمبر۸۳۰۹)۔

۷۔ استیعاب، ج۱، ص۲۳۴، (القسم الثالث، ص۱۳۶۵، نمبر۲۳۱۷)؛ اسد الغابۃ، ج۴، ص۳۱۲، (ج۵، ص۸۱، نمبر۴۶۹۸)؛ الاصابۃ، ج۳، ص۳۷۰، (نمبر۷۷۵۷)۔

محمد بن یفد یدویہ ہروی۔(۱)

ایک مرد انصاری نے اپنے فرزند کا محمد رکھنا چاہا لیکن لوگوں کو یہ بات پسند نہیں تھی، انہوں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا تو فرمایا: میرے نام پر اپنے نام رکھو۔(۲)

ایک ایسے شخص کے بارے میں جس نے اپنے نومولود فرزند کا نام قاسم رکھا تھا، لوگوں نے کہا: ہم تمہیں ابوالقاسم کہہ کرنہیں پکاریں گے۔ جب آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا تو فرمایا: میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت قرار نہ دو۔(۳)

علاوہ بریں اچھے نام رکھنے کی شریعت نے تشویق وترغیب دلائی ہے اور محمد ان میں سے بہترین نام ہے اور بہترین اسماء وہ ہیں جن کے ذریعہ سے عبادت ہو اور تعریف وتمجید کی جائے جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم، عبدالکریم و......

چنانچہ آنحضرتؐ سے مروی ہے: قیامت کے دن تم لوگ اپنے اور اپنے آباء واجداد کے ناموں کے ذریعہ سے بلائے جاؤ گے لہٰذا اپنا اچھا نام رکھو۔(۴)

اور فرمایا: فرزند کا حق باپ پر یہ ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تربیت کرے۔(۵)

اور فرمایا: میرے پاس خوش شکل اور بہترین نام والا قاصد روانہ کرو۔(۶)

عائشہ سے مروی ہے کہ رسول خداؐ برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔(۷)

۱۔اسد الغابۃ، ج۴، ص۳۳۲، (ج۵، ص۱۱۵، نمبر۴۷۶۷)؛ الاصابۃ، ج۳، ص۳۸۵، (نمبر۷۸۱۱)۔

۲۔مسند احمد، ج۳، ص۳۶۹/۳۸۵، (ج۴، ص۳۴۶، حدیث۱۴۵۴۷، ص۳۷۳، ۱۴۷۱۰)۔

۳۔مسند احمد، ج۳، ص۳۰۳، (ج۴، ص۲۳۵، حدیث۱۳۸۳۷)۔

۴۔سنن ابی داؤد، ج۲، ص۳۰۷، (ج۴، ص۲۸۷، حدیث ۴۹۴۸)؛ سنن بیہقی، ج۹، ۳۰۶؛ مصابیح السنۃ، ج۲، ص۱۴۸، (ج۳، ص۳۰۶، حدیث۳۷۰۴)۔

۵۔مجمع الزوائد، ج۸، ص۴۷۔

۶۔مجمع الزوائد، ج۸، ص۴۷؛ زاد المعاد، ج۱، ص۲۵۸، (ج۲، ص۵)۔

۷۔سنن ترمذی، (ج۵، ص۱۲۴، حدیث۲۸۳۹)۔

آنحضرتؐ نے جن لوگوں کے نام تبدیل کیۓ ان میں عمر کی بیٹی ''عاصیہ'' بھی تھیں، آپ نے ان کا نام جمیلہ رکھا۔(۱)

۲۔انبیاء کے نام پر نام رکھنے کی خلیفہ کی ممانعت: حالانکہ خدا کے اسمائے حسنہ سے مشتق ''محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین'' (علیہم السلام) کے بعد انبیاء کے نام بہترین نام ہیں، رسول خداؐ سے مروی ہے: کوئی ایسا گھر نہیں جس میں کسی پیغمبر کا نام ہو مگر یہ کہ خداوند عالم ان کی جانب ایک فرشتہ منتخب کرتا ہے کہ وہ صبح وشام تقدیس کرے۔(۲)

آنحضرتؐ نے فرمایا: انبیاء کے نام پر اپنے نام رکھو، خدا کے نزدیک بہترین نام عبدالرحمٰن اور عبداللہ ہیں، ان میں صحیح ترین حارث وہمام اور قبیح ترین حرب ومرّہ ہیں۔(۳)

۳۔خلیفہ کا اس شخص کو سرزنش کرنا جس کی کنیت ''ابوعیسیٰ'' تھی اس لئے کہ کیا عیسیٰ کے باپ بھی تھے (تا کہ ابوعیسی ''عیسی کا باپ'' صحیح ہو)۔کیا خلیفہ یہ خیال کرر ہے تھے کہ جس کی بھی کنیت ابوعیسیٰ ہے وہ خود کو جناب عیسیٰ بن مریم کا باپ سمجھتا ہے،تا کہ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکے کہ کیا عیسی کا کوئی باپ بھی تھا ؟!یا یہ کہ خلیفہ محترم اس عیسیٰ کے لئے جس کے باپ کی کنیت اس کے نام پر رکھی گئی ہے اسے اس کا باپ نہیں سمجھتے تھے اور خیال کرر ہے تھے کہ اس کا باپ اپنے فرزندوں کے نام پر یہ لقب وکنیت رکھ رہا ہے، اسی لئے صہیب سے کہا: تم نے اپنی کنیت ابویحییٰ کیوں رکھا، حالانکہ تمہارا کوئی فرزند نہیں۔

۴۔سب سے زیادہ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ خلیفہ نے مغیرہ سے یہ سننے کے بعد بھی کہ رسول خداؐ نے اسے ابوعیسیٰ کی کنیت عطا فرمائی ہے، اپنی رائے سے صرف نظر نہیں کیا، خود انہوں نے اپنے قول کے ذریعہ اس کی تصدیق کی لیکن اسے رسول خداؐ کے معاف شدہ گناہوں میں شمار کیا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ

۱۔سنن ترمذی، ج۲،ص۱۳۷،(ج۵،ص۱۲۳،حدیث ۲۸۳۸)؛مصابیح السنۃ، ج۲،ص۱۴۸،(ج۳،ص۳۰۴،حدیث ۳۶۹۶)۔

۲۔المدخل ابن الحاج، ج۱،ص۱۲۸۔

۳۔سنن ابی داؤد، ج۲،ص۳۰۷، (ج۴،ص۲۸۷، حدیث ۴۹۵۰)؛ سنن بیہقی، ج۹، ۳۰۶؛ استیعاب، ج۲،ص۷۰۰، (القسم الرابع،ص۱۷۷۵،نمبر ۲۳۱۸)؛زاد المعاد، ج۱،ص۲۵۸/۲۶۰،(ج۲،ص۴/۶)۔

اوران کا صمیمی دوست مغیرہ اس گناہ میں ملوث نہ ہوں؛ اس لئے کہ وہ نہیں جانتے کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟!

۵۔ جہالت ونادانی کی پانچویں کڑی یہ ہے کہ انہوں نے ان دونوں القاب کو گناہ تصور کرنے کے بعد زدوکوب کرنا اور ہاتھ کے فشار کے ذریعہ آزار واذیت پہونچانا شروع کردیا حالانکہ ایسی سخت، ناگوار اور حیرت انگیز حد (سزا) کی روداد آج تک سننے میں نہیں آئی۔

۶۔ خلیفہ محترم نے عرب کے جن القاب کا انتخاب کیا، ان میں ''ابومرّہ'' بھی ہے۔ حالانکہ گذشتہ صفحہ میں بیان کیا گیا کہ رسول خداؐ نے اس نام پر نام رکھنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، علاوہ ازیں ابومرہ شیطان کی کنیت ہے، چنانچہ کتب تاریخ ولغات میں موجود ہے۔ (۱)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شیطان کا لقب ابومرہ اس لئے پڑا کیوں کہ اس کی بیٹی کا نام مرّہ تھا۔ اور رسول نے حیات پر نام رکھنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ حیات شیطان ہے۔

ابوداؤد نے مسروق سے نقل کیا ہے: میں نے عمر بن خطاب سے ملاقات کی۔ انہوں نے پوچھا: تو کون ہے؟ میں نے کہا: مسروق بن اجدع۔ یہ سنتے ہی کہا: میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ اجدع شیطان ہے۔ (۲)

ایسا لگتا ہے کہ ابومرہ کی کنیت کا حکم صادر کرتے وقت اس حدیث کو فراموش کرگئے یا یہ کہ انھیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ابومرہ شیطان کا لقب ہے یا پھر وہ اپنے اجتہاد کے ذریعہ رسول خداؐ کی رائے کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے، واللہ اعلم۔

اسی طرح ابوحنظلہ کی کنیت بھی ہے، ابن قیم نے حنظلہ کو بدترین اسماء میں شمار کیا ہے۔ (۳)

۷۔ ان کا خیال کہ ذوالقرنین فرشتوں کا نام ہے، ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ ذوالقرنین ایک رومی جوان تھا، خداوند عالم نے اسے سلطنت عطا فرمائی جیسا کہ طبری نے اسے نقل کیا۔ (۴)

۱۔ قاموس اللغۃ، ج ۲، ص ۱۳۳، (ص ۶۱۰)؛ تاج العروس، ج ۲، ص ۵۳۹؛ لسان العرب، ج ۷، ص ۱۸، (ج ۱۳، ص ۷۶)۔

۲۔ سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۳۰۸، (ج ۴، ص ۲۸۹، حدیث ۴۹۵۷)۔

۳۔ زادالمعاد، ج ۱، ص ۲۶۰، (ج ۲، ص ۶)۔

۴۔ تاریخ طبری، (ج ۱، ص ۵۷۵)۔

ایک صحیح روایت میں امیر المومنین علیؑ سے مروی ہے کہ وہ خدا دوست انسان تھا، خدا بھی اسے پسند فرماتا تھا، اس نے خدا کے لئے وعظ و نصیحت کی اور خدا نے بھی اس کے لئے خیر و برکت کا ارادہ کیا، وہ نہ نبی تھا اور نہ ہی فرشتہ۔(۱)

قرآن مجید میں بھی ذوالقرنین کے سلسلے میں مفید اور صریحی آیات موجود ہیں ایسا لگتا ہے جیسے یہ تمام باتیں ان کے ذہن سے غائب ہوگئیں اور یہ بات بھی پوشیدہ رہ گئی کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو مجمع عام میں ذوالقرنین کا نام عطا فرمایا۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: **یاایھا الناس اوصیکم بحب ذی قرنیھا اخی و ابن عمی علی بن ابی طالب فانه لایحبه الّا مومن و لایبغضه الّا منافق من احبّه فقد احبّنی و من ابغضه فقد ابغضنی** ''اے لوگو! میں تمھیں اپنے بھائی، ابن عم علی بن ابی طالبؑ ذوالقرنین کی محبت کی تاکید کرتا ہوں، بے شک اس سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور اس سے عداوت نہیں کرے گا مگر منافق، جس نے اس کی محبت دل میں بسائی گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جو اس سے عداوت رکھتا ہے اس نے مجھ سے دشمنی و عداوت کی ہے''۔(۲)

حضرت علیؑ سے فرمایا: بے شک جنت میں تمہارے لئے ایک گھر ہے (خزانہ بھی مروی ہے) تم جنت کے ذوالقرنین ہو۔

شارحین حدیث کہتے ہیں: یعنی بہشت کے دوسمتوں کے مالک ہو، اس کی ملکیت و مساحت بہت عظیم ہے، تم تمام بہشت میں اس طرح سیر کروگے جس طرح ذوالقرنین تمام روئے زمین پر سیر کرتے ہیں یا تم امت کے صاحب دوقرن ہو، ظاہر کلام سے لفظ حذف ہوگیا ہے اگرچہ اس سے قبل اس کا ذکر موجود نہیں جیسے خدا کا قول: ﴿حتی تورات بالحجاب﴾(۳) (یہاں تک کہ پشت پردہ چھپ گیا)

۱۔فتح الباری، ج۶، ص۲۹۵، (ج۶، ص۳۸۳)؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۵۴، (ج۲، ص۴۵۷، حدیث۴۳۹۳)۔

۲۔ریاض النضرۃ، ج۲، ص۲۱۴، (ج۳، ص۱۶۶)؛ تذکرۃ الخواص، ص۱۷، (ص۲۸)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۲، ص۴۵۱، (ج۹، ص۱۷۲، خطبہ۱۵۴)۔

۳۔سورۂ ص/۳۲

اس میں آفتاب کا ارادہ کیا گیا ہے جب کہ ظاہر آیت میں اس کا کوئی ذکر نہیں، ابوعبیدہ کا بیان ہے: میں پہلی تفسیر پر دوسری تفسیر کو ترجیح دیتا ہوں۔

لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ سے مروی ہے: آپ نے ذوالقرنین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: انہوں نے اپنے اعزہ واقرباء کو عبادت خدا کی دعوت دی لیکن لوگوں نے ان کے سر پر دو ضربت لگائی اور ذوالقرنین ہی کی طرح تمہارے درمیان بھی موجود ہے۔

ہماری نظر میں حضرت نے خود اپنے آپ کو ارادہ کیا ہے یعنی میں لوگوں کو حق کی دعوت دیتا ہوں لیکن ایک دن وہ آئے گا کہ میرے سر پر ضربت لگائیں گے جس کی وجہ سے میری شہادت واقع ہوگی۔

ثعلب سے منقول ہے کہ مراد یہ ہے کہ حضرت علیؑ، امت کی دو عظیم شخصیتوں ''حسنؑ وحسینؑ'' کے والد ہیں۔ یا ذوالقرنین کا یہ مطلب ہے: ذو شجنتین فی قرنی راسه ''یعنی وہ دو شگاف جوان کے سر میں ہوا، ایک جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کے ذریعہ اور دوسرا ابن ملجم (لعن) کی ضربت کے ذریعہ۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ (۱)

چلئے خلیفہ پر کتاب وسنت کی باتیں مخفی رہ گئیں لیکن شعراء اور عہد جاہلیت کے افراد کے قصائد سے بھی خلیفہ نادان اور جاہل تھے۔

چنانچہ امرءالقیس، اوس بن حجر اور طرفہ بن عبد نے اپنے اشعار میں ذوالقرنین کا تذکرہ کیا ہے۔

اعشی بن ثعلبہ کہتا ہے:

والصعبُ ذوالقرنین أمسیٰ ثاویاً   بالحنو فی جدثٍ هناک مقیم

ربیع بن ضبیع کہتا ہے:

والصعبُ ذوالقرنین عمّر ملکه   ألفین أمسیٰ بعد ذاک رمیماً

۱۔ نوادر الاصول، حکیم ترمذی ص ۳۰۷ (ج ۲ ص ۱۱۸۷ اصل ۲۴۱)؛ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۲۳ (ج ۳ ص ۱۳۳ ح ۴۶۲۳)؛ ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۱۰ (ج ۳ ص ۱۶۱)؛ النہایۃ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۸ (ج ۴ ص ۵۱)؛ لسان العرب ج ۱۷ ص ۲۱۰ (ج ۱۱ ص ۱۳۶)؛ کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۴ (ج ۲ ص ۴۵۶۔۴۵۷ ح ۴۴۹۱۔۴۴۹۳)

قیس بن ساعدہ کا شعر ہے:

والصعبُ ذوالقرنین أصبح ثاویا بـاللحد بین ملاعبِ الأریاح

تبع حمیری کا شعر ہے:

قد کان ذوالقرنین قبلی مسلماً ملکاً تدین له الملوکُ وتحشد

پھر یہ کہ فرشتوں کے نام پر نام رکھنے میں کون سی قباحت ہے، کتنے ہی ایسے افراد ہیں جو عظیم فرشتوں کے نام سے موسوم ہیں جیسے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل۔

یہ عبری الفاظ ہیں اور عربی میں اس کا ترجمہ عبداللہ، عبیداللہ اور عبدالرحمٰن ہوتا ہے۔

جیسا کہ ابن حجر(۱) نے نقل کیا ہے، صحیح بخاری میں عکرمہ سے منقول ہے کہ جبر، میک اور سراف کے معنی عبد اور ایل کا معنی اللہ ہے۔(۲)

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک محبوب ترین اسماء ''عبداللہ اور عبدالرحمٰن'' ہیں۔(۳) اور نیز کوئی قباحت نہیں کہ عبرانی الفاظ پر نام رکھے جائیں۔

۸۔ خلیفہ کا یہ خیال کہ کھانا کھلانا اور لوگوں کو کھانا دینا، اسراف ہے۔

چنانچہ صہیب نے رسول خداؐ کا ارشاد پیش کر کے اپنی دلیل سے انھیں ساکت کر دیا، آنحضرتؐ سے مروی ہے: **یاایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام**" سلام کا اظہار کرو (بلند آواز سے کرو)، اطعام طعام کرو اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آؤ''۔

عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول خداؐ سے سوال کیا: یارسول اللہؐ! کون سا اسلام

۱۔ الاصابۃ، (ج۲، ص۳۹۹، نمبر۵۱۲۶)

۲۔ صحیح بخاری باب من کان عدواً لجبریل، کتاب التفسیر، (ج۴، ص۱۶۲۸، حدیث۴۲۱۰)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۳۴۰، (ج۵، ص۱۲۱، حدیث۲۸۳۳/۲۸۳۴)؛ فتح الباری، ج۸، ص۱۳۴، (ج۸، ص۱۶۵)

۳۔ مسند احمد، (ج۵، ص۴۵۶، حدیث۱۸۵۵۳)؛ صحیح ابن حیان، (ج۱۳، ص۱۴۲، حدیث۵۸۲۸)؛ الاصابۃ، ج۲، ص۳۹۹، (نمبر۵۱۲۶)

بہتر ہے؟ فرمایا: اطعام طعام کرو اور ہر انسان کو چاہے پہچانو یا نہ پہچانو، سلام کرو۔ (۱)

خطیب نے ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: بلند آواز سے سلام کرو، اطعام طعام کرو اور جیسا خدا چاہتا ہے ویسے بندے بنو۔ (۲)

صہیب سے اس کے لقب و کنیت اور اس کے صاحب فرزند نہ ہونے کے سلسلے میں باز پرس کرنا بھی جہالت کی ایک کڑی ہے حالانکہ صاحب فرزند ہونا لقب و کنیت کے شرائط میں سے نہیں۔

یہ عبداللہ بن مسعود ہیں جنہیں رسول خداؐ نے ان کے فرزند کی ولادت سے قبل ہی ابوعبدالرحمٰن کا لقب عطا فرمایا۔ (۳)

یہ محمد بن طلحہ ہیں؛ رسول خداؐ نے ان کی کنیت ابوالقاسم قرار دی۔

یہ انس بن مالک کے بھائی خود ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے جنھیں آنحضرت نے اس وقت ابوعمر کی کنیت دی جب وہ سن بلوغ تک بھی نہیں پہونچے تھے۔

یہ خود انس ہیں؛ رسول خداؐ نے ان کی کنیت ابوحمزہ رکھی حالانکہ حمزہ نامی ان کا کوئی فرزند نہیں تھا۔

عائشہ کے علاوہ بھی ازواج رسولؐ صاحب کنیت تھیں چنانچہ رسول خداؐ نے ان کو امّ عبداللہ کی کنیت عطا فرمائی حالانکہ ایک کے علاوہ تمام ازواج رسولؐ اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ (۴)

۹۷۔ خلیفہ نے اپنے بیٹے پر حد کے بعد حد جاری کی

عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میرے بھائی عبدالرحمٰن نے شراب نوشی کی، ابوسروعہ

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۳۹۹، (ج ۲، ص ۱۲۱۸، حدیث ۳۶۹۴)؛ تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۱۶۹، (نمبر ۴۲۷۹)؛ زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۷۷، (ج ۲، ص ۲۲)؛ صحیح مسلم، (ج ۱، ص ۹۵، حدیث ۶۳، کتاب الایمان)

۲۔ تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۲۱۲

۳۔ المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۳۱۳، (ج ۳، ص ۳۵۴، حدیث ۵۳۶۶)

۴۔ صحیح بخاری، (ج ۵، ص ۲۲۹۱، حدیث ۵۸۵۰)؛ صحیح مسلم، (ج ۳، ص ۳۵۸، حدیث ۳۰، کتاب الآداب)؛ مصابیح السنۃ، ج ۲، ص ۱۴۹، (ج ۳، ص ۳۰۷، حدیث ۳۷۰۷)؛ سنن بیہقی، ج ۹، ص ۳۱۰؛ زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۶۱، (ج ۲، ص ۷/۹)؛ استیعاب (القسم الرابع، ص ۱۸۸۲، نمبر ۴۰۲۹)؛ اسد الغابہ، (ج ۱، ص ۱۵۱، نمبر ۲۵۸)؛ الاصابہ، (ج ۳، ص ۲۷۶، نمبر ۱۷۷۸)

عقبہ بن حارث نے بھی اس فعل میں اس کا ساتھ دیا، ہم اس وقت عمر کی خلافت کے زمانے میں مصر میں مقیم تھے، یہ دونوں شراب نوشی کے بعد مستی کا شکار ہوئے جب مستی سے افاقہ ہوا تو دونوں والی مصر عمرو عاص کے پاس گئے اور کہا: ہم پر حد جاری کر کے جلدی ہمیں پاک ومنزہ کریں کیوں کہ ہم شراب نوشی کے بعد مستی کا شکار ہوئے ہیں۔

عبداللہ کا بیان ہے کہ ایسا لگتا ہے جیسے وہ نہیں سمجھ پائے کہ وہ لوگ عمرو عاص کے پاس آئے ہیں، میرے بھائی نے مجھ سے کہا: وہ مست تھا، یہ سن کر میں نے کہا: گھر کے اندر چلو تا کہ میں تمہیں پاک کروں، اس نے کہا: بے شک خود امیر نے بھی شراب نوشی کی ہے۔

عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: خدا کی قسم! آج میں سب کے سامنے سر تراشوں گا گھر کے اندر چلو تا کہ تیرا سر گنجا کر دوں۔

اس دن حد کے ساتھ ساتھ سر بھی تراشے گئے، چنانچہ وہ میرے ہمراہ گھر میں داخل ہوا، میں نے اپنے ہاتھوں سے بھائی کا سر مونڈا، پھر عمرو نے شراب کی حد جاری کی۔

چنانچہ یہ خبر عمر بن خطاب کو معلوم ہوئی تو عمرو عاص کو لکھا کہ عبدالرحمٰن بن عمر کو ایک ننگے اونٹ پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ عمرو نے اسی طرح عبدالرحمٰن کو روانہ کر دیا، جب عبدالرحمٰن عمر کے پاس پہونچا تو اسے کوڑے مارا اور اس عنوان کے تحت سخت اذیت دی کہ وہ خلیفہ زادہ ہے، پھر اسے واپس بھیجا۔

اس واقعہ کے بعد وہ چند ہی دنوں تک زندہ رہا پھر مر گیا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ عمر کے کوڑے نے اسے موت کے گھاٹ اتارا ہے حالانکہ وہ ان کے کوڑے سے نہیں مرا تھا۔

ایک حدیث میں عمرو عاص سے حکایت کی گئی ہے کہ دربان نے کہا: یہ عبدالرحمٰن بن عمر اور ابو سروعہ دروازے پر کھڑے اجازت کے طلبگار ہیں، میں نے کہا: بلاؤ، چنانچہ وہ لوگ گھر میں داخل ہوئے اور کہا: ہم پر حد جاری کریں کیوں کہ ہم گذشتہ شب شراب نوشی کے بعد مستی کے شکار ہو گئے تھے۔

عمرو عاص کا بیان ہے کہ میں نے انھیں اپنے پاس سے بھگانا چاہا لیکن عبدالرحمٰن نے کہا: اگر حد جاری کر کے ہمیں پاک و منزہ نہیں کیا تو مدینہ پہونچ کر اپنے باپ سے آپ کی شکایت کروں گا۔

میں نے سوچا: اگر میں نے اقامۂ حد نہیں کیا تو عمر مجھ پر غضبناک ہوں گے اور مجھے میرے عہدے سے معزول کر دیں گے، ابھی میں اس فکر میں تھا کہ عبداللہ بن عمر داخل ہوا، میں نے اٹھ کر خوش آمدید کہا اور اپنی جگہ بٹھانا چاہا لیکن اس نے قبول نہیں کیا، کہا: میرے باپ نے ممانعت کی ہے کہ میں تیرے پاس آؤں مگر بربنائے مجبوری۔ میرے بھائی کے سر کو لوگوں کے سامنے نہ تراشو۔ ہاں! جہاں تک کوڑے کا سوال ہے تو جس قدر بہتر سمجھو انجام دو۔

عمرو عاص کا بیان ہے کہ میں نے ان لوگوں پر صحن خانہ میں حد جاری کی اور ابن عمر نے اپنے بھائی اور ابو سروعہ دونوں کے سر تراشے۔

خدا کی قسم! میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں لکھا لیکن عمر کا خط میرے پاس آیا جس میں تحریر تھا: یہ خط پہونچتے ہی عبدالرحمٰن کو عبا میں لپیٹ کر ایک ننگے اونٹ پر روانہ کر دو تاکہ معلوم ہو کہ کتنے برے فعل کا مرتکب ہوا ہے، چنانچہ میں نے عمر کے خط کے بعد ابن عمر کو روانہ کر دیا اور خط کو عبداللہ کے سامنے پڑھا اور پھر ایک خط عمر کے پاس لکھا جس میں عذر خواہی کرتے ہوئے بتایا کہ میں نے اسے صحن خانہ میں کوڑا مارا ہے اور خدائے پاک کی قسم! میں گھر کے علاوہ کہیں اور اقامۂ حد نہیں کرتا۔ پھر خط کو عبداللہ بن عمر کے ہمراہ روانہ کر دیا۔

اسلم کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن عمر کے پاس پہونچا، اس پر ایک عبا موجود تھی اور اونٹ کے ذریعہ پہونچی اذیتوں کی وجہ سے اسے راستہ چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی، عمر نے کہا: اے عبدالرحمٰن! تو نے ایسا ویسا کیا ہے۔ پھر چلانے لگے: کوڑا کوڑا.....

عمر کی حالت دیکھ کر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اے امیرالمومنین! اس پر ایک مرتبہ حد جاری کی جا چکی ہے لیکن عمر نے اس کے کلام پر کوئی توجہ نہیں دی اور اسے سخت آزار و اذیت پہونچائی، اس وقت عبدالرحمٰن فریاد کرتا رہا: میں مریض ہوں تو میرا قاتل ہے، لیکن لاکھ فریاد و فغاں کے بعد بھی عمر نے اس پر

دومرتبہ اقامۂ حد کیا اور زندان میں ڈال دیا۔

اس واقعہ کے بعد وہ سخت بیمار ہوا اور موت کی آغوش میں چلا گیا۔(۱)

ابوعمر کا بیان ہے: عبدالرحمٰن اوسط بن عمر یا ابوشحمہ وہی ہے جس پر عمرو عاص نے مصر میں شراب نوشی کی حد جاری کی، پھر اسے مدینہ بھیج دیا، اس کے باپ نے بھی تربیت کی خاطر اسے مارا، اس کے بعد وہ سخت بیمار ہوا اور ایک مہینے بعد ہی جاں بحق ہو گیا۔

اسی طرح معمر نے زہری اور سالم سے روایت کی ہے لیکن اہل عراق کا کہنا ہے کہ وہ عمر کے کوڑوں کی اذیت سے مرا ہے جب کہ یہ غلط ہے۔ زبیر کا کہنا ہے کہ عمر نے اس پر حد جاری کی جس کی وجہ سے وہ مریض ہوا اور پھر مر گیا۔(۲)

ابن حجر نے ابوعُمر کے کلام کو نقل کر کے کہا ہے کہ عبدالرزاق نے مذکورہ سند کے ذریعہ معمر کے حوالے سے طویل واقعہ کو نقل کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔(۳)

طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے لکھا ہے اور اس سال (۱۴ھ) میں عمر نے اپنے بیٹے اور ایک جماعت کو شراب کی وجہ سے مارا اور کوڑوں کی بارش کی۔(۴)

تبصرۂ علامہ امینیؒ

یہ مسئلہ کئی اعتبار سے قابل اعتراض اور لائق تنقید ہے اس لئے کہ حد گناہوں کا کفارہ ہے، حد کے

۱۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۱۲؛ العقد الفرید، ج۳، ص۴۳۰، (ج۶، ص۲۶۵)؛ تاریخ بغداد، ج۵، ص۴۵۵؛ سیرۂ عمر، ابن جوزی، ص۷۰، (ص۲۱۳)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۳۲، (ج۲، ص۳۰۱)؛ ارشاد الساری، ج۹، ص۴۳۹، (ج۱۴، ص۲۱۶)

۲۔ استیعاب، ج۲، ص۳۹۴، (القسم الثانی، ص۸۴۲، نمبر۱۴۴۳)

۳۔ الاصابہ، ج۳، ص۷۲

۴۔ تاریخ طبری، ج۴، ص۱۵۰، (ج۳، ص۵۹۷، حوادث ۱۴ھ)؛ تاریخ کامل، ج۲، ۲۰۷، (ج۲، ص۱۲۴، حوادث ۱۴ھ)؛ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص۴۸، (ج۷، ص۷۵، حوادث ۱۴ھ)

بعد انسان کے اوپر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا کہ اس پر دوبارہ حد جاری کی جائے، سنت شریفہ سے یہی بات ثابت ہے۔

۱۔ خزیمہ بن ثابت سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جس شخص پر حد جاری کی جاتی ہے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

دوسری عبارت: جو شخص گناہ کا مرتکب ہو اور اس پر حد جاری کی جائے تو وہی اس کا کفارہ بن جاتا ہے۔(۱)

۲۔ عبدہ بن صامت سے مرفوعاً مروی ہے کہ اگر تم میں کسی پر حد کی جائے تو گویا اس کی عقوبت و سزا میں عجلت سے کام لیا گیا ہے یہی اس کا کفارہ ہے ورنہ اگر حد جاری نہ کی جائے تو اس کا کام خدا کے ذمہ ہے۔

عبادہ کی دوسری تعبیر ہے: اگر تم میں کوئی ایسے افعال کا مرتکب ہو جن کی خداوند عالم نے ممانعت فرمائی ہے اور اس پر حد جاری کر دی جائے تو یہی اس کا کفارہ ہے اور جس پر حد جاری کرنے میں تاخیر ہو اور اقامۂ حد نہ کیا جائے تو اس کا کام خدا کے ذمہ ہے اگر خدا نے چاہا تو عذاب کرے گا اور چاہا تو بخش دے گا۔

اس کی تیسری عبارت ہے: اگر کوئی شخص گناہ کا مرتکب ہو اور حد کی صورت سزا دے دی جائے تو وہی اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔(۲)

۳۔ شافعی نے ایک مرفوع حدیث میں نقل کیا ہے: شاید تم واقف نہیں ہو کہ حدود خدا گناہوں کا کفارہ ہیں۔(۳)

۱۔ مسند احمد، ج۲، ص۲۱۴، ۲۱۵، (ج۶، ص۲۸۰، ۲۸۱، حدیث ۲۱۳۵۹، ۲۱۳۹۶)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۱۸۲؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲۸؛ مشکاۃ المصابیح، ص۳۰۸، (ج۲، ص۳۲۵، حدیث ۳۶۲۸)

۲۔ صحیح بخاری، ج۱۰، ص۲۵، (ج۲، ص۲۴۹۰، حدیث ۶۴۰۲)؛ صحیح مسلم، ج۲، ص۳۹، (ج۳، ص۵۴۰، حدیث ۴۱، کتاب الحدود) سنن ترمذی، ج۱، ص۱۷۱، (ج۴، ص۳۶، حدیث ۱۴۳۹)؛ مسند ابوداؤد، ص۷۹؛ سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۱۲۹، (ج۲، ص۸۶۸، حدیث ۲۶۰۳)؛ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲۸

۳۔ سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲۸

۴۔امیر المومنین حضرت علیؑ سے مروی ہے آپؑ نے فرمایا: اگر کوئی شخص حدود خدا سے تجاوز کرے اور اس پر حد جاری کی جائے تو وہ اس کا کفارہ ہے۔(۱)

۵۔عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک شخص پر حد جاری کی، اس کے بعد لوگوں نے اس پر لعن وطعن کرنا اور اسے برا بھلا کہنا شروع کردیا، یہ سن کر حضرت نے فرمایا: کیا ان گناہوں کی باز پرس نہیں ہوئی ہوگی؟(۲)

۶۔عبداللہ بن معقل سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک شخص پر حد جاری کی، لیکن جلاد نے اس پر دو کوڑا زیادہ مارا تو حضرت نے دو کوڑوں کو جلاد کی طرف واپس کردیا۔(۳)

خلیفہ کا یہ خیال کرنا کہ عمرو عاص کی حد کی کوئی اہمیت نہیں، وہ بے اثر ہے اس لئے کہ اس نے صحن خانہ میں حد جاری کی تھی تو ایک شخص نے اسے باخبر کیا کہ اقامہ حدود اس کی روزمرّہ کی عادت ہے۔

اور خود حدود کے شرائط میں یہ نہیں کہ مجمع عام اور لوگوں کی آنکھوں کے سامنے حد جاری کی جائے بلکہ پوشیدہ طور پر اقامۂ حد کرنا بھی کافی ووافی ہے۔جیسا کہ قسطلانی نے جمہور اور اکثر علماء کی جانب اس کی نسبت دی ہے۔(۴)

اگر خلیفہ کا یہ خیال صحیح ہوتو پھر واجب ہے کہ ابوسروعہ پر بھی دومرتبہ حد جاری کی جائے اور ان تمام افراد پر جن پر عمرو عاص کے صحن خانہ میں حد جاری کی ہے۔

اور اگر اس حد کے ذریعہ انہوں نے تادیب کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ بیہقی، ابوعمر اور قسطلانی نے خلیفہ کی طرف سے عذر خواہی اور بہانہ تراشی کی ہے۔(۵) تو پھر عبدالرحمٰن بن عوف کی مخالفت کے باوجود کہ اس پر اقامۂ حد ہو چکا ہے اور دو مرتبہ حد جاری کرنا زیادتی ہے، اسے چھوڑا کیوں نہیں؟

۱۔سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲۹

۲۔سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲۹

۳۔سنن بیہقی، ج۸، ص۳۲۲

۴۔ارشاد الساری، ج۹، ص۴۳۹، (ج۱۴، ص۲۱۶)

۵۔سنن بیہقی، ج۸، ص۳۱۳؛ ارشاد الساری، ج۹، ص۴۳۹، (ج۱۴، ص۲۱۶)

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ حد کفارہ ہے اور ایک مرتبہ مورد حد واقع ہونے والے انسان سے اس کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا لہٰذا نہ اس پر کوئی حد ہے، نہ تعزیر گناہ اور نہ ہی تادیب۔

بالفرض اگر تربیت کے لئے تعزیر صحیح ہو تو بے شک سنت میں دس کوڑے معین کئے گئے ہیں (حد تادیب کی توضیح گذر چکی ہے) لہٰذا ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ خلیفہ نے تعزیر و حد کو مساوی اور یکساں درجہ کیوں دیا؟!

اس جہالت پر عمر و عاص کو دیئے گئے حکم کا بھی اضافہ کرلیں کہ اسے ایک عبا میں ننگے لپیٹ کر اونٹ پر روانہ کردو، وہ عمر کے پاس پہونچا درحالیکہ اونٹ کی اذیت کی وجہ سے راستہ چلنے کی سکت نہیں تھی۔

بے شک یہ وہ اذیتیں ہیں جن کی حد نے تردید کی ہے اور شریعت مقدس نے قطعی اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

اس کے بعد بیماری و کسالت کی وجہ سے اس جدید حد کے اجتہادی شگوفے کو مؤخر کرنے میں کون سی ممانعت تھی اور انہوں نے اسے بہتر اور سالم ہونے تک مؤخر کیوں نہ کیا حالانکہ سنت رسولؐ میں ہے کہ جس پر حد لگائی جارہی ہے اگر وہ بیمار ہے تو اتنا صبر کرے کہ وہ اچھا ہوجائے۔

ان تمام باتوں کے بعد اگر آپ کو تعجب ہی کرنا ہے تو ابن جوزی کی بات پر تعجب کریں وہ سیرۃ عمر میں لکھتے ہیں: ''یہ گمان کرنا صحیح نہیں کہ عبداللہ بن عمر نے شراب پی تھی بلکہ اس نے انگور کا جوس پیا تھا، یہ سوچ کر کہ وہ شراب نہیں ہے اور اس کے پینے سے مستی نہیں آئے گی، اسی طرح ابوسروعہ بھی ہیں، یہ بدری صحابی ہیں، چنانچہ جب وہ مستی کا شکار ہوئے تو حد کے ذریعہ پاک ہونا چاہا، حالانکہ خدا کی ممانعت کے سلسلے میں گناہ پر صرف ندامت و پشیمانی ہی ان کے لئے کافی تھی لیکن انہوں نے خدا کے لئے اپنے نفس پر زیادتی کی وجہ سے غضب کیا اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو حد کے لئے پیش کیا، ہاں! عمر کا اس حد کی تکرار کرنا حد نہیں ہے بلکہ انھوں نے اپنے بیٹے کو صرف اور صرف تادیب کے عنوان سے مارا تھا ورنہ پھر حد کی تکرار نہیں ہوتی''۔(۱)

۱۔ سیرۂ عمر، ابن جوزی، (ص ۲۱۵)

اگر یہ خیال صحیح مان لیا جائے تو پھر عمر اور عمرو پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر حد لگائی۔اس کے علاوہ خود ان افراد پر اعتراض ہوتا ہے جن پر حد جاری کی گئی کہ انہوں نے بغیر کسی سبب وعلت کے اپنے آپ کو حد کے لئے پیش کیا۔ان کے لئے ندامت ہی کافی تھی، جیسا کہ ابن جوزی نے گمان کیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ندامت کی بھی ضرورت نہیں تھی اس اعتقاد کے بعد کہ آب انگور مست آور نہیں ہوتا اور اس کے لئے توبہ بھی لازم نہیں ہے، اگر چہ ایسے افعال کی وجہ سے مکمل ایمان ضعف کا شکار ہوتا ہے۔

۹۸۔روز عید پڑھنے والے سورہ سے خلیفہ کی جہالت

عبید اللہ سے منقول ہے: نماز کے ارادے سے عید کے دن عمر گھر سے باہر آئے اور ایک آدمی کو ابی واقد لیثی کے پاس بھیج کر پوچھوایا کہ رسول خدا ان دنوں کیا پڑھتے تھے؟لیث نے جواب دیا: سورۂ ق اور اقترب۔(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: یہ ایسی صحیح روایت ہے جسے ائمہ حدیث نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔بنابریں مرسل کہہ کر یہ بہانہ تراشی کرنا کہ عبید اللہ بن عبد اللہ نے عمر کا زمانہ درک نہیں کیا ہے، قطعی مردود ہے، اس لئے کہ صحیح مسلم میں عبید اللہ بن عبد اللہ نے ابو واقد سے روایت کی ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عبید اللہ نے ابو واقد کا زمانہ درک کیا ہے اس لئے بیہقی، سندی، سیوطی اور اکثر محدثین نے نسبت ارسال کو مردود اور باطل قرار دیا ہے۔

میرے ساتھ آیئے تا کہ ہم خلیفہ سے سوال کریں کہ اس بات کا علم ان سے کیوں پوشیدہ رہ گیا کہ

۱۔صحیح مسلم، ج۱،ص۲۴۲، (ج۲،ص۲۸۸، حدیث۱۴، کتاب العیدین)؛ سنن ابی داؤد، ج۲،ص۲۸۰، (ج۱،ص۳۰۰، حدیث۱۱۵۴)؛ موطا مالک، ج۱،ص۱۴۷، (ج۱،ص۱۸۰، حدیث۸)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱،ص۱۸۸، (ج۱،ص۴۰۸، حدیث۱۲۸۲)؛ سنن ترمذی، ج۱، ص۱۰۶، (ج۲،ص۴۱۵، حدیث۵۳۴)؛ سنن نسائی، ج۳،ص۱۸۴، (ج۱،ص۵۴۶، حدیث۱۷۷۳)۔

رسول خداؐ نماز عیدین میں کیا پڑھتے تھے؟ کیا وہ فراموشی کا شکار ہوئے اور تحقیق وتفحص کرنا چاہتے تھے جیسا کہ سیوطی نے ''تنویر الحوالک'' میں یہ عذر لنگ پیش کیا ہے۔(۱) یا یہ کہ بازار میں ہیرا پھیری اور ولالی نے اس سے دور رکھا تھا جیسا کہ انھوں نے خود ہی کئی مقامات پر اس بہانہ کے ذریعہ طلب معافی کی ہے۔(۲) علاوہ ازاین عنقریب ذکر کیا جائے گا کہ بہت سے افراد نے ان کے نسیان کی عادت کو بیان کیا ہے حالانکہ فراموشی ونسیان بعید ہے اس لئے کہ یہ اتنا مشہور ومعروف حکم ہے کہ ہر سال دو مرتبہ تمام لوگوں کے سامنے تکرار ہوتا ہے جسے بھولا نہیں جا سکتا۔

جہاں تک سیوطی کے دوسرے احتمال کا سوال ہے کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کو بتا دیتے تھے (کہ فلاں فلاں سورہٗ کی قرائت کروں گا یا ان سوروں کو بلند آواز سے پڑھتے تا کہ لوگ سن سکیں) ایسی صورت میں کوئی ضرورت نہیں کہ ابو واقد کے پاس آدمی بھیج کر اس سلسلے میں سوال کیا جائے۔

۹۹۔معانی الفاظ اور خلیفہ

ا۔عمر سے مروی ہے، انہوں نے منبر پر جا کر کہا: آیۂ مبارکہ: ﴿ أَوْ يَأْخُذَهُم عَلَىٰ تخوف ﴾ ''یا انھیں خوف کی حالت میں پکڑا جائے''۔(۳) سے تم لوگ کیا سمجھتے ہو؟

سب خاموش رہے تو قبیلۂ ہزیل کے ایک پیر مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یہ ہماری لغت ہے اور تخوف کا مطلب تنقص (کمی) ہے۔عمر نے پوچھا: کیا عرب کے کسی شاعر نے اپنے شعر میں استعمال کیا ہے؟ کہا: ہاں ہمارے شاعر ابو کبیر ''زہیر'' نے مکہ کے بعد راستہ طے کرتے ہوئے اپنے اونٹ کی کیفیت بیان کی ہے۔

ا۔تنویر الحوالک، ج ا، ص ۱۴۷، (ج ا، ص ۱۹۱)۔

۲۔صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۳۴، (ج ۴، ص ۳۶۱، حدیث ۳۶، کتاب لآ داب)؛ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۸۳۷، (ج ۲، ص ۷۲۷، حدیث ۱۹۵۶)؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۹، (ج ۳، ص ۳۹۶، حدیث ۱۰۷۶۱)؛ سنن داری، ج ۲، ص ۲۷۴؛ سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۳۴۰، (ج ۴، ص ۳۳۶، حدیث ۵۱۸۲)؛ مشکل لآ ثار، ج ا، ص ۴۹۹۔

۳۔نحل/۴۷

تخوف الرحل منها تامکا قروا   کما تخوف عود النعبه السفن

یہ سن کر عمر نے کہا: اے لوگو! میں تمہیں تمہارے دیوان کے بارے میں تاکید کرتا ہوں کہ وہ گم نہ ہو جائے۔ لوگوں نے پوچھا: ہمارا دیوان کیا ہے؟ کہا: عہد جاہلیت کے اشعار: اس لئے کہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی و مطالب مذکور ہیں۔ (۱)

۲۔ ابوصلت ثقفی سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب نے اس آیت کی تلاوت کی: ﴿وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (زبر کے ساتھ) ''(پس خدا) جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ اور دشوار بنا دیتا ہے''۔ (۲)

ان کے پاس موجود بعض اصحاب نے زیر کے ساتھ (حرِج) پڑھا تو عمر نے کہا: بنی کنانہ کے ایک شخص کو لے آؤ جو چوپان ہو۔ چنانچہ لوگوں نے اسے حاضر کیا، عمر نے اس سے پوچھا: اے جوان! حرجہ کیا ہے؟ کہا: ہمارے نزدیک حرجہ وہ درخت ہے جس تک کوئی انسان، وحشی حیوان یا کوئی دوسری چیز رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔

یہ سنتے ہی عمر نے کہا: منافق کا دل بھی اسی طرح ہے، ذرا بھی خیر و برکت اس تک نہیں پہونچ سکتی۔ (۳)

۳۔ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے: عمر بن خطاب نے اس آیت کی تلاوت کی: ﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ''اور دین میں تمہارے لئے کوئی زحمت قرار نہیں دی گئی ہے''۔ (۴)

۱۔ تفسیر کشاف، ج۲، ص۱۶۵، (ج۲، ص۶۰۸/۶۰۹)؛ تفسیر قرطبی، ج۱۰، ص۱۱۰، (ج۱۰، ص۷۳)؛ تفسیر بیضاوی ج۱، ص۶۶۷، (ج۱، ص۵۴۵)۔

۲۔ انعام/۱۲۵

۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۱۷۵؛ تفسیر خازن، ج۲، ص۵۳، (ج۲، ص۵۱)؛ درمنثور، ج۳، ص۴۵، (ج۳، ص۳۵۶)؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۸۵، (ج۲، ص۵۹۶، حدیث ۴۸۲۰)

۴۔ حج/۷۸

پھر کہا: بنی مدلج کے ایک شخص کو میرے پاس لاؤ (جب حاضر ہوا تو) عمر نے پوچھا: تم لوگوں کے نزدیک حرج کیا ہے؟ کہا: ضیق، تنگی۔ (۱)

۴۔ حاکم نے سعید بن میسب سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب نے اس آیت کی تلاوت کی: ﴿الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم﴾ ''وہ لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا''۔ (۲)

وہ ابی بن کعب کے پاس آئے اور سوال کیا کہ ہم میں کون ہے جو ظلم کا مرتکب نہیں ہوا ہے؟ ابی نے کہا: اے امیر المومنین! یہاں ظلم سے مراد ''شرک'' ہے، کیا آپ نے قول لقمان نہیں سنا: ''**یابنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم**'' اے میرے فرزند! اللہ کا شریک قرار نہ دو بے شک یہ ظلم عظیم ہے۔ (۳)

میں اس بات کے لئے خلیفہ کو معذور سمجھتا ہوں کہ کتاب وسنت کا علم ان سے پوشیدہ رہ گیا یا قضاوت میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے؛ اس لئے کہ کرایہ داری، مال ومتاع کے سلسلے میں ان کی بے لوث خدمت، بازاروں میں دلّالی اور رسیوں کی خرید وفرخت نے انھیں اتنا مشغول کر رکھا تھا کہ وہ علوم ومعارف کے حصول سے قاصر وعاجز تھے۔ (۴)

لیکن جس زبان ولغت سے وہ چوبیس گھنٹے سروکار رکھتے تھے، اس کی عدم معرفت کے سلسلے میں انہیں معذور قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۱۔ کنز العمال، ج۱، ص۲۵۷، (ج۲، ص۴۷۰، حدیث ۴۵۲۳)

۲۔ انعام/۸۲

۳۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۳۰۵، (ج۳، ص۳۴۵، حدیث ۵۳۳۰؛ سورۂ لقمان، آیت ۱۳)

۴۔ تفسیر طبری، ج۱، ص۷، (مجلد ۷، ج۱۱، ص۸)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۳۰۵، (ج۳، ص۳۴۵، حدیث ۵۳۲۹)؛ تفسیر قرطبی، ج۸، ص۲۳۸، (ج۸، ص۱۵۱/۱۵۲)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۳۸۳؛ تفسیر کشاف، ج۲، ص۴۶، (ج۲، ص۳۰۴)؛ درمنثور، ج۳، ص۲۹۶؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۸۷، (ج۲، ص۶۰۵، حدیث ۴۸۵۸/ص۵۹۷، ۴۳۴۸)؛ فتح القدیر شوکانی، ج۲، ص۳۷۹، (ج۲، ص۳۹۸)؛ روح المعانی، ج۱۱، ص۸

۱۰۰۔ تمام سال کے روزوں کے متعلق خلیفہ کی رائے

ابو عمر شیبانی سے منقول ہے: اس کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب کو ایسے شخص کے متعلق بتایا گیا جو ہر روز روزہ رکھتا ہے، یہ سنتے ہی عمر نے اپنے مخصوص کوڑے کی بارش شروع کر دی، وہ کہتے جاتے: اے دہریہ، اے دہریہ! کھا۔(۱)

تبصرۂ علامہ امینیؒ:

مجھے اس مسئلہ نے سخت مشوش کیا ہوا ہے، نہیں معلوم دو روایتوں میں سے کس پر اعتماد کروں: کیا اس روایت پر جسے ابن جوزی نے حدیث تازیانہ (کوڑے) کے عنوان سے نقل کیا ہے یا اس کی دوسری روایت (۲) پر جس میں مذکور ہے کہ عمر بن خطاب ہر روز روزہ رکھتے تھے، طبری اور جعفر فریابی نے اپنی سنن میں اس کی روایت کی ہے، سیوطی نے ان دونوں سے حکایت کی ہے۔(۳)

سنن بیہقی میں منقول ہے کہ عمر بن خطاب اپنی وفات سے قبل ہر روز روزہ رکھتے تھے اور عبداللہ بن عمر بھی اپنی زندگی کے آخر ایام میں ہر دن روزہ رکھتے تھے۔(۴)

ابن کثیر اور محب طبری نے اس کی روایت کر کے اس سے استدلال کیا ہے کہ ہر دن روزہ رکھنا، ایک دن کھانے اور ایک دن روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔(۵)

یہاں سنت شریفہ میں تمام سال روزہ رکھنے کی ممانعت نہیں کی گئی ہے اور آنحضرتؐ کے ارشاد مبارک کے ظاہری مطلب سے بھی کوئی ممانعت سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص ہر دن روزہ رکھے اس کا روزہ

۱۔ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص ۱۴۷، (ص ۱۷۹)

۲۔ سیرۂ عمر، ص ۱۴۶، (ص ۱۵۳)

۳۔ کنز العمال، ج ۴، ص ۳۳۲، (ج ۸، ص ۶۱۹، حدیث ۲۴۳۱۷)

۴۔ سنن بیہقی، ج ۴، ص ۳۰۱

۵۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۱۳۵، (ج ۷، ص ۱۵۲، حوادث ۲۳ھ)؛ ریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۳۸ (ج ۲، ص ۳۰۹)

صحیح نہیں یا آپ کا یہ فرمان کہ جو شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس نے نہ روزہ رکھا ہے اور نہ ہی افطار کیا ہے۔

یہ اقوال ان دائمی روزے پر جاری ہوں گے جوایام حرام (مثلاً عید فطر وقربان) کو بھی شامل کریں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یا پھر روزہ رکھنے سے کسی کا حق پامال ہو۔

اس کے علاوہ روزہ رکھنے کی ممانعت نہیں ہے چنانچہ صحیح مسلم، سنن بیہقی اور دوسری بہت سی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ (۱)

ابن جریر نے ام کلثوم سے نقل کیا ہے کہ عائشہ سے کہا گیا: آپ ہر دن روزہ رکھتی ہیں حالانکہ رسول خداؐ نے ہر دن روزہ رکھنے کی ممانعت کی ہے؟

انہوں نے کہا: ہاں! میں نے سنا ہے کہ رسول خداؐ تمام سال روزہ کی ممانعت فرماتے تھے لیکن جس نے عید فطر وقربان کے دن افطار کرلیا اس نے تمام سال روزہ نہیں رکھا ہے۔ (۲)

نووی شرح مسلم (۳) میں لکھتے ہیں:

''تمام سال روزے کی ممانعت کے باب میں متذکرہ روایات کے پیش نظر تمام سال روزہ کے متعلق علماء نے اختلاف کیا ہے:

علماء ظاہریہ (اہل ظاہر) ظواہر حدیث کے پیش نظر تمام سال روزہ کی ممانعت کے قائل ہیں۔

قاضی وغیرہ کہتے ہیں کہ اکثر علماء جواز کے معتقد ہیں اگر ممنوع دنوں میں روزہ نہ رکھا جائے اور وہ ایام: روز فطر، روز قربان اور ایام تشریق (گیارہویں وبارہویں ذی الحجہ جو مکہ میں مقیم ہیں) ہیں۔

شافعی اور ان کے ماننے والوں کا نظریہ ہے کہ اگر روز فطر وقربان اور ایام تشریق میں افطار کرے تو

۱۔ صحیح مسلم، ا، ص۳۱۹، (ج۲، ص۵۱۷، حدیث ۱۸۶، ۱۸۷، کتاب الصیام)؛ سنن بیہقی، ج۴، ص۲۹۹)

۲۔ کنز العمال، ج۴، ص۳۴۴، (ج۸، ص۶۲۷، حدیث ۲۴۴۵)؛ تہذیب الآثار طبری، (ج۱، ص۳۱۵، حدیث ۵۰۷، مسند عمر بن الخطاب)

۳۔ شرح صحیح مسلم مطبوع برحاشیہ ارشاد الساری، ج۵، ص۵۱، (ج۸، ص۴۰/۴۲)

تمام سال روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ وہ مستحب ہے اگر ضرر رساں نہ ہو اور کسی کا حق پامال نہ ہو، ہاں! اگر وہ روزہ نقصان دہ ہو یا تضیع حق کا موجب بنے تو مکروہ ہے۔ انھوں نے حمزہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی مسلم و بخاری نے روایت کی ہے۔

اُس (حمزہ) نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں ہر روز مسلسل روزہ رکھتا ہوں کیا سفر میں روزہ رکھوں؟ فرمایا: اگر چاہو تو روزہ رکھ سکتے ہو۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں کہ آنحضرتؐ نے اسے مسلسل روزہ رکھنے کی تشویق کی اگر مکروہ ہوتا تو اس کام کی تشویق نہ فرماتے خاص طور سے سفر میں۔

اور ابن عمر سے بھی ثابت ہے کہ وہ مسلسل روزہ رکھتے تھے، اسی طرح ابوطلحہ، عائشہ اور بہت سے گذشتہ افراد جن کا میں نے شرح مہذب باب روزۂ مستحی میں تذکرہ کیا ہے اور حدیث ''لا صام من صام الابد'' کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اس کی حقیقت وواقعیت پر محمول ہے اس عنوان سے کہ وہ عید فطر، عید قربان اور ایام تشریق کو بھی روزہ رکھے۔ عائشہ نے بھی یہی جواب دیا ہے''

حدیث ''صم یوماً و افطر یوماً'' کی شرح میں لکھتے ہیں: علماء نے اس حدیث میں اختلاف کیا ہے، ہمارے اصحاب میں سے متوالی اور ان کے علاوہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلسل روزہ رکھنے سے بہتر ہے ظاہر حدیث سے یہی مستفاد ہے اور ان کے کلام میں عبداللہ بن عمر کے حوالے سے اس حدیث کی تخصیص و مسلسل روزہ کے متعلق تفصیلی اشارہ پایا جاتا ہے، اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ تمہارے حق میں یہ (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) روزۂ متوالی و مسلسل سے افضل نہیں ہے، اس کی تائید آنحضرتؐ کے ارشاد سے ہوتی ہے کہ آپ نے حمزہ بن عمرو کو ہر دن روزہ رکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی اور اسے ہر دن روزہ رکھنے کی ہدایت کی اگر (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) لوگوں کے حق میں بہتر ہوتا تو آنحضرتؐ اس کی رہنمائی فرماتے اس لئے کہ وقت حاجت سے بیان کو موخر کرنا جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔

ایک محقق، ائمہ فقہ اور شارحین کی تالیفات میں موجود ان کلمات سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

جن افراد سے عمر کے روزے کی روایت نقل ہوئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔عثمان بن عفان، مقتول ۳۵ھ۔(۱)

۲۔عبداللہ بن مالک ازری، متوفی ۵۶، ۵۹ھ۔(۲)

۳۔اسود بن یزید نخعی، متوفی ۷۵ھ۔(۳)

۴۔ابوبکر بن عبدالرحمن قرشی، متوفی ۹۲ھ۔(۴)

۵۔فقیہ ابوخالد مسلم مخزومی، متوفی ۱۰۸ھ۔(۵)

۶۔سعد بن ابراہیم مدنی، متوفی ۱۲۵ھ۔(۶)

۷۔وکیع بن حرام، متوفی ۱۹۶ھ۔(۷)

۸۔مصعب بن عبداللہ بن زبیر، متوفی ۲۳۳ھ۔(۸)

۹۔محمد بن علی ابوالعباس کرخی، متوفی ۳۴۳ھ۔(۹)

۱۰۔ابوبکر نجار؛ عراق میں حنبلیوں کے بزرگ، متوفی ۳۴۸ھ۔(۱۰)

۱۱۔احمد بن ابراہیم نیشاپوری، متوفی ۳۸۶ھ۔(۱۱)

۱۔استیعاب، ج۲، ص۴۷۷، (القسم الثالث، ص۱۰۴۳، نمبر۱۷۷۸)

۲۔البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۹۹، (ج۸، ص۱۰۷، حوادث ۵۹ھ)؛ الاصابہ، ج۲، ص۳۶۴

۳۔البدایۃ والنہایۃ، ج۹، ص۱۲، (ج۹، ص۱۷، حوادث ۷۵ھ)

۴۔البدایۃ والنہایۃ، ج۹، ص۱۱۶

۵۔طبقات الحفاظ، ج۱، ص۲۳۵، (ج۱، ص۲۵۵، نمبر۲۳۱)

۶۔خلاصۃ التہذیب خزرجی، ص۱۱۳، (ج۱، ص۳۶۷، نمبر۲۳۷۱)؛ شذرات الذہب، ج۱، ص۱۷۳، (ج۲، ص۱۱۹، حوادث ۱۲۷ھ)

۷۔تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۵۰۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۸۲، (ج۱، ص۳۰۷، نمبر۲۸۴)

۸۔میزان الاعتدال، ج۳، ص۱۷۲، (ج۴، ص۱۱۹، نمبر۸۵۵۸)

۹۔المنتظم، ج۶، ص۳۷۶، (ج۱۴، ص۹۶، نمبر۲۵۴۸)

۱۰۔المنتظم، ج۶، ص۳۹۰، (ج۱۴، ص۱۱۹، نمبر۲۵۸۶)؛ البدایۃ والنہایۃ، ج۱۱، ص۲۳۴، (ج۱۱، ص۲۶۶، حوادث ۳۴۸ھ)

۱۱۔البدایۃ والنہایۃ، ج۱۱، ص۳۱۹، (ج۱۱، ص۳۶۵، حوادث ۳۸۶ھ)

۱۲۔ ابالفرج معدل احمد بن محمد، متوفی ۴۱۵ھ۔ (۱)

۱۳۔ ابوالقاسم، عبداللہ بن احمد حرجی، متوفی ۴۱۲ھ۔ (۲)

۱۴۔ ابوالعباس احمد ابیوری، متوفی ۴۲۵ھ۔ (۳)

۱۵۔ ابوعبداللہ صوری محمد بن علی، متوفی ۴۴۱ھ۔ (۴)

۱۶۔ عبدالملک بن حسن، متوفی ۴۷۲ھ۔ (۵)

۱۷۔ ابوالبرکات یحییٰ انباری، متوفی ۵۵۲ھ۔ (۶)

۱۸۔ حافظ عبدالغنی مقدسی، متوفی ۶۰۰ھ۔ (۷)

۱۹۔ فقیہ محمود بغدادی حنفی، متوفی ۶۰۹ھ۔ (۸)

۲۰۔ شیخ محی الدین نووی، متوفی ۶۷۷ھ۔ (۹)

۲۱۔ عبدالعزیز بن وتف حنبلی بغدادی۔ (۱۰)

یہ سب اس لئے متفق ہیں کیوں کہ انہوں نے تمام سال روزہ رکھنے کے جواز کو شریعت اسلام سے اخذ کیا ہے اور اس کی معرفت حاصل کی ہے۔ یہ تمام باتیں اپنی جگہ پر لیکن ان کا مخصوص کوڑا خود خلیفہ کے

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۵، ص ۶۷؛ البدایہ والنہایہ، ج ۱۲، ص ۱۸، (ج ۱۲، ص ۲۲، حوادث ۴۱۵ھ)؛ المنتظم، ج ۸، ص ۱۷، (ج ۱۵، ص ۱۶۴، نمبر ۳۱۲۳)

۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۰، ص ۳۸۲؛ المنتظم، ج ۸، ص ۴، (ج ۱۵، ص ۱۴۷، نمبر ۳۰۹۹، بجائے عبداللہ بن احمد کے محمد بن عمر ہے)

۳۔ تاریخ بغداد، ج ۵، ص ۵۱

۴۔ تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۱۰۳؛ المنتظم، ج ۸، ص ۱۴۳، (ج ۱۵، ص ۳۲۲، نمبر ۳۲۹۳)

۵۔ البدایہ والنہایہ، ج ۱۲، ص ۱۲۰، (ج ۱۲، ص ۱۴۷، حوادث ۴۷۲ھ)

۶۔ البدایہ والنہایہ، ج ۱۲، ص ۱۲۳، (ج ۱۲، ص ۲۹۶، حوادث ۵۵۲ھ)

۷۔ البدایہ والنہایہ، ج ۱۳، ص ۳۹، (ج ۱۳، ص ۱۴۷، حوادث ۶۰۰ھ)

۸۔ شذرات الذہب، ج ۵، ص ۳۹، (ج ۷، ص ۴۲، حوادث ۶۰۹ھ)

۹۔ البدایہ والنہایہ، ج ۱۳، ص ۲۷۹، (ج ۱۳، ص ۳۲۶، حوادث)

۱۰۔ شذرات الذہب، ج ۵، ص ۱۸۴، (ج ۷، ص ۳۲۳، حوادث ۶۳۷ھ)

اجتہاد کا شگوفہ ہے، یہ حکم صرف انہیں کے یہاں دیکھنے میں آیا دوسرے اس سے قطعی مبرہ اور پاک ہیں، ورنہ ایک ایسے انسان کو اپنا مخصوص کوڑا مارنے کا کیا جواز ہے جو روزہ کے ذریعہ عبادت گذارتا...؟!

﴿ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ﴾ ''یہی حقیقی اور واقعی قصہ ہے''۔(۱)

﴿وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَى عِلْمٍ ﴾ ''ہم نے ان کے لئے ایک کتاب پیش کی ہے، جس کے (اسرار و رموز) کو پوری طرح واضح کر دیا ہے''۔(۲)

﴿ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴾ ''وہ لوگ جو بات کہہ رہے ہیں اس کا علم نہیں رکھتے ، وہ تو صرف گمان کر رہے ہیں''۔(۳)

﴿ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴾ ''گمان، انسان کو حق و حقیقت سے بے نیاز نہیں کر سکتا''۔(۴)

۱۔سورہ آل عمران/۶۲

۲۔سورہ اعراف/۵۲

۳۔سورہ جاثیہ/۲۴

۴۔سورہ یونس/۳۶

بحث کے نتائج

یہ تھے علم عمر کے مضحکہ خیز کارناموں کے چند نمونے۔ہم اس کے کئی گنا زیادہ بھی پیش کر سکتے تھے لیکن مقتضائے حال کی رعایت کرتے ہوئے اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں، ہم آئندہ جلدوں میں قارئین کی خدمت میں ایسے بہت سے کارنامے پیش کریں گے، انشاء اللہ۔ جن مطالب کو اوپر پیش کیا گیا، ان کا خلاصہ یہ بعض نکات ہیں:

ا۔خلیفہ اپنے مسائل بعض اصحاب سے سیکھتے اور حل کرتے تھے؛اس لئے کہ ان کے پاس وہ علم نہیں تھا جو صحابہ کے پاس تھا، ان میں بعض علمی اعتبار سے مشہور بھی نہیں تھے مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔عبدالرحمٰن بن عوف؛

۲۔معاذ بن جبل؛

۳۔عبداللہ بن عباس؛

۴۔زید بن ثابت؛

۵۔عمار بن یاسر؛

۶۔ابوعبیدہ جراح؛

۷۔عبداللہ بن مسعود؛

۸۔مغیرہ بن شعبہ؛

۹۔محمد بن مسلمہ؛

۱۰۔ابوموسیٰ اشعری؛

۱۱۔ابوسعید خدری؛

۱۲۔ابی بن کعب؛

۱۳۔صہیب ابویحییٰ؛

۱۴۔ضحاک بن سفیان؛

۱۵۔حمل بن نابغہ؛

۱۶۔عبداللہ بن عمرو بن عاص؛

۱۷۔ابوواقد لیثی؛

۱۸۔ایک قریشی عورت؛

۱۹۔ایک انصاری جوان؛

۲۰۔ایک نامعلوم انسان؛

۲۱۔ایک سیاہ پوش غلام؛

۲۲۔مدینہ کی بوڑھی عورت؛

۲۳۔بنی ہذیل کا ایک پیرمرد؛

۲۴۔بنی مدلج کا ایک شخص؛

۲۵۔شامی مرد؛

ان صحابہ میں سرفہرست امیرالمومنین حضرت علیؑ تھے، انہوں نے دوسروں سے زیادہ حضرت سے علم و دانش دریافت کیا ہے، اس سے قبل ان کی تھوڑی بہت آشنائی حاصل کی گئی، اسی لئے وہ ہمیشہ کہتے تھے: **لولا علی لهلک عمر** ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتے''۔

ان کا قول: **لولا علی لضل عمر** ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر گمراہ ہوجاتے''۔(۱)

۱۔تمہید باقلانی ص۱۹۹

ان کا قول:اللّٰھم لاتبقنی لمعضلہ لیس لھا ابی ابی طالب ''خدایا! مجھے ایسی مشکل میں قرار نہ دے جس کے لئے علیؑ ابن ابی طالب نہ ہوں''۔

ان کا قول:لا ابقانی اللہ بارض لست منھا یا ابالحسن ''خدایا! مجھے ایسی زمین میں باقی نہ رکھے جس میں اے ابوالحسنؑ آپ نہ ہوں''۔

ان کا قول:اللّٰھم لاتنزل بی شدیدۃ الّا وابوحسن الی جنبی ''خدایا! مجھے کوئی مشکل درپیش نہ ہو مگر یہ کہ ابوالحسنؑ میرے پاس موجود ہوں''۔

ان کا قول: کاد یھلک ابن الخطاب لو لا علی بن ابی طالب ''اگر علیؑ بن ابی طالب نہ ہوتے تو خطاب کا بیٹا جلد ہی ہلاک ہو جاتا''۔

ان کا قول:اعوذ باللہ من معضلہ لا علی بھا ''میں ایسی مشکل سے پناہ چاہتا ہوں جس میں علیؑ بن ابی طالب نہ ہوں''۔

ان کا قول:عجزت النساء ان تلدن مثل علی بن ابی طالب،لو لا علی لھلک عمر ''علیؑ بن ابی طالب جیسا فرزند پیدا کرنے سے عورتیں قاصر و عاجز ہیں،اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا''۔

ان کا قول:ردّوا قول عمر الی علی، لو لا علی لھک عمر ''قول عمر کو علیؑ کی جانب پلٹا دو،اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا''۔

ان کا قول:لاابقانی اللہ بعد ابن ابی طالب ''خدایا! علیؑ بن ابی طالب کے بعد مجھے زندہ نہ رکھ''۔

ان کا قول:یاابالحسن انت لکل معضلہ وشدۃ تدعی ''اے ابوالحسنؑ! آپ ہر مشکل اور پریشانی کے وقت بلائے جاتے ہیں''۔

ان کا قول:ھل طنخت حرۃ عتلہ وآبر عنہ ''کیا کسی آزاد عورت نے ان کے مانند اور ان کی مہارت کی طرح کسی کو پیدا کیا ہے''۔

ان کا قول: هيهات هناك شجنه من بني هاشم وشجنه من الرسول واثر من على يوتى لها ولا ياتى ''ہیہات! یہاں بنی ہاشم اور پیغمبر کی شاخ اور علم کا سرمایہ ہے لوگوں کو چاہئے کہ اس کے پاس آئیں، اسے لوگوں کے پاس نہیں جانا چاہئے، اس کے گھر سے حکمت حاصل ہوتی ہے''۔

ان کا قول: ابا حسن لاابقاني الله لشدة لست لها ولا في بلد لست فيه ''ابوالحسنؑ! خدا مجھے ایسی مشکل میں نہ چھوڑے جس کے لئے آپ نہ ہوں اور ایسے شہر میں باقی نہ رکھے جس میں آپ نہ ہوں''۔

ان کا قول: یاابن ابی طالب فمازلت کاشف کل شبهة وموضع کل حکم ''اے ابوطالبؑ کے فرزند! آپ ہمیشہ ہر شبہہ کو برطرف کرنے والے اور ہر حکمت کی جائگاہ ہیں''۔

ان کا قول: لولاک لافتضحنا ''اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ذلیل ورسوا ہوجاتے''۔

ان کا قول: اعوذ بالله من معضلة ليس لها ابو الحسن ''ایسی مشکل سے پناہ مانگتا ہوں جس کے لئے ابوالحسنؑ نہ ہوں''۔

حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا قول: هذا اعلم بنبینا وبکتاب بنبینا ''یہ شخص ہمارے رسولؐ اور ہمارے رسولؐ کی کتاب سے سب سے زیادہ واقف ہے''۔

وہ بہت سے مقامات اور مسائل میں صحابہ اور ان کے علم کے اتنے زیادہ محتاج تھے کہ تمام صحابہ سے سوالات کرتے، ان کی جانب رجوع کرتے اور احکامات کے سلسلے میں ان سے مشورہ کرتے تھے؛ مندرجہ ذیل کلمات حقیقت حال سے پردہ اٹھانے کے لئے کافی ہیں:

ان کا قول: کل احد افقه من عمر ''ہر انسان عمر سے زیادہ دانا ہے''۔

ان کا قول: تسمعونني اقول مثل القول فلا تنكرونه حتى ترد على امراة ليست من اعلم النساء ''تم لوگ مجھ سے ایسی باتیں سن کر ان کا انکار نہیں کرتے یہاں تک کہ ایک کم علم عورت ان کی تردید کردیتی ہے''۔

ان کا قول: ''کل احد اعلم من عمر''۔

ان کا قول: ''کل الناس افقه منک یا عمر''۔

ان کا قول: ''کل الناس افقه من عمر حتی ربات الجمال''۔

ان کا قول: ''کل واحد افقه منک حتی العجائز یا عمر''۔

ان کا قول: ''کل احد افقه منّی''۔

ان سب کی تفصیل گذر چکی ہے۔

متذکرہ احادیث اوران کے مانند بہت سی دوسری احادیث و روایات ہمیں باخبر کر رہی ہیں کہ خلیفہ کے پاس وہ شرائط وخصوصیات نہیں تھے جنہیں علمائے امت نے امامت کے سلسلے میں بیان کئے ہیں:

امام الحرمین جوینی ''الارشاد دال قواطع الادله فی اصول الاعتقاد'' میں لکھتے ہیں:

امام کے شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ مجتہد ہو، اس طرح کہ وہ مسائل ومشکلات میں دوسروں کا محتاج نہ ہو اور یہ شرط متفق علیہ اوراجماعی ہے''۔(۱)

اس متفق علیہ شرط کے پیش نظر اس شخص کی کیا منزلت رہ جاتی ہے جو آسان مسائل سے واقف نہیں اورلوگوں سے بے نیاز بھی نہیں ہے؟! بلکہ اس کے برعکس خود لوگ اس کے علم سے بے نیاز تھے، ان مسائل ومشکلات کے واقعات تاریخ وسیرت کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ ﴿فماذا بعد الحق الا الظلال﴾ ''حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں''۔(۲)

ان مطالب کے پیش نظر آپ ابن حزم کی بکواس کی حقیقت کو خود ہی پہچان سکتے ہیں، وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

۱۔کتاب الارشاد ص ۴۲۶ (ص ۳۵۸)

۲۔سورہ یونس/۳۲

علم کل ذی حسن علما ضروریا ان الذی کان عند عمر من العلم اضعاف ما کان عند علی من العلم ''ہر صاحب شعور کے پاس یہ واضح علم ہے کہ عمر کا علم، علیؑ کے علم کے کئی گنا زیادہ تھا''۔(۱)

اور ابن تیمیہ کی بکواس (بھی آپ پر پوری طرح روشن ہو جائے گی):

''لوگوں نے ابوبکر، عمر، عثمان اور علیؑ کے کئی فیصلوں اور فتوؤں کو جمع کیا اور دیکھا کہ ابوبکر کے امور دواقعات ان کے علمی اعتبار سے سب سے زیادہ صادق اور نصی ہیں، اس کے بعد عمر ہیں، یہی وجہ ہے کہ علیؑ کی بہ نسبت عمر سے نص ودلیل کے برخلاف امور کم دیکھے گئے ہیں، ہاں! جہاں تک ابوبکر کا سوال ہے تو کوئی نص ودلیل یا خبر صحیح ان کے امور کے برخلاف نہیں ہے''۔

اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

''ابوبکر وعمر یا دوسرے صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جنہوں نے خاص طور سے علیؑ سے سوال کیا ہو، ہاں! مشہور یہ ہے کہ علیؑ نے ابوبکر سے علم حاصل کیا ہے، چنانچہ علیؑ کے حوالے سے سنن میں مذکور ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب بھی کوئی رسول خداؐ کی حدیث بیان کرتا تو میں اسے قسم دیتا تھا اگر وہ قسم کھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا تھا۔ چنانچہ ابوبکر نے مجھ سے حدیث بیان کی اور سچ کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اگر وہ صحیح وضو کرے، پھر کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اس کے بعد خدا سے استغفار کرے تو اس کے گناہوں کو ضرور بخش دیتا ہے''۔(۲)

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب اس شخص پر کوئی امر مشتبہ ہوا تو اس نے سوچا کہ دوسرے افراد بھی اس سے بے خبر رہیں۔ اگر حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے (حالانکہ کئی حفاظ نے اسے مجہول تسلیم کیا ہے)(۳) تب بھی کیا متذکرہ حدیث صرف یہ بتا رہی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی نظر میں ابوبکر کی

۱۔ الفصل فی الملل والنحل (ج۴ص۱۳۸)

۲۔ منہاج السنۃ ج۳ص۱۲۸

۳۔ تھذیب التھذیب، ج۱،ص۲۶۸، (ج۱،ص۲۳۴)

روایت موثق اور قابل اعتماد تھی۔

لہٰذا یہ بات کہاں اور حصول علم کی بات کہا؟ کیا حضرت کا علم صرف اس ایک حدیث پر منحصر تھا جو آداب شریعت میں سے صرف ایک ادب کی حیثیت رکھتی ہے؟ اور کیا حضرت اس حدیث کی موقعیت سے ناواقف تھے جو ابوبکر نے انھیں سکھایا، یا یہ کہ ابوبکر احکام وقضایا کے بنیادی اصول سے ناواقف تھے اس لئے حضرتؑ نے ان کی راہنمائی فرمائی، ہم نے ایسی بہت سی باتوں کو ان کے نایاب کارناموں میں بیان کیا ہے۔

اس بات کا احتمال ہے کہ اس روایت میں حضرتؑ سے ابوبکر کی تصدیق اس لئے مذکور ہو کہ حضرت نے رسول خداؐ سے حدیث سنی ہو لیکن مصلحت کے پیش نظر واسطہ کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت، ابوبکر سے علم حاصل کریں، حالانکہ وہ شہر علم رسولؐ کے دروازہ (۱) اور علوم ومعارف رسولؐ کے وارث ہیں۔ (۲)

۱۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۲۶/۱۲۸، (ج۳، ص۱۳۷/۱۳۹، حدیث۴۶۳۷/۴۶۳۹)؛ تاریخ بغداد، (ج۱۱، ص۴۹، نمبر۵۷۲۸)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج۷، ص۳۵۸، (ج۷، ص۳۹۵، حوادث ۴۰ھ)؛ مناقب احمد، (ص۱۳۸، حدیث۲۰۳)؛ کفایۃ الطالب، (باب۵۸، ص۲۲۰)؛ سنن ترمذی، (ج۵، ص۵۹۶، حدیث۳۷۲۳)؛ جامع الاصول، (ج۹، ص۴۷۳، حدیث۶۴۸۹)؛ تہذیب الآثار، (ص۱۰۵، نمبر۱۷۳، مسند علی)؛ مناقب ابن مغازلی، (ص۸۰/۸۴، حدیث۱۲۰/۱۲۵)؛ المعجم الکبیر، (ج۱۱، ص۵۵، حدیث۱۱۰۶۱)؛ معرفۃ الصحابہ ابونعیم اصفہانی، (ج۱، ص۳۰۸)؛ تذکرۃ الحفاظ، ج۴، ص۲۸، (ج۴، ص۱۲۳۱، نمبر۱۰۴۷)؛ الفردوس بماثور الخطاب، (ج۱، ص۴۴، حدیث۱۰۶)؛ الفائق، ج۱، ص۲۸، (ج۲، ص۳۶)؛ الانساب سمعانی، (ج۳، ص۴۷۵)؛ اسد الغابۃ، ج۲، ص۲۴، (ج۴، ص۱۰۰، نمبر۳۷۸۳)؛ مطالب السؤال، ص۲۲؛ ینابیع المودۃ، ص۶۵، (ج۳، ص۶۷، باب۶۹)؛ تذکرۃ الخواص، ص۲۹، (ص۴۸)؛ ریاض النضرۃ، ج۱، ص۱۹۲، (ج۳، ص۱۴۰)؛ فرائد السمطین، (ج۱، ص۹۸، حدیث۶۷، باب۱۸)؛ نظم درر السمطین، (ص۱۱۳)؛ کنز العمال، ج۶، ص۴۰۱، (ج۱۳، ص۱۴۸، حدیث۳۶۴۶۳/۳۶۴۶۴)؛ الصواعق المحرقہ، ص۷۳، (ص۱۲۲)؛ المرقاۃ فی شرح المشکاۃ، (ج۱۰، ص۴۷۰، حدیث۶۰۹۶)؛ فیض القدیر شرح جامع الصغیر، ج۳، ص۴۶۔

۲۔ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۲۶، (ج۳، ص۱۳۶، حدیث۴۶۳۴)؛ خصائص نسائی، ص۱۸، (ص۸۳، حدیث۶۵)؛ السنن الکبریٰ نسائی، (ج۵، ص۱۲۵، حدیث۸۴۵۰)؛ کتاب صفین ابن مزاحم، ص۱۳۳، (ص۱۱۹)؛ مروج الذھب، ج۲، ص۵۹، (ج۳، ص۲۱)

چاہے شیخ الاسلام ہونے کا دعویٰ کرنے والا ''ابن تیمیہ'' اپنے میدان میں گھوڑا دوڑا تا رہے۔اس کی عبارت میں بقیہ جھوٹ کے پلندے کو اسی کلام پر پرکھ لیں اور اس کا جواب حاصل کریں۔ابن حزم اور ابن تیمیہ کے بعد الوشیعہ کا مولف ہے جس نے ایسی ہی ہوائی چھوڑی ہے۔

۲۔متذکرہ مطالب کے پیش نظر آپ اس تاویل وتوجیہ کی حقیقت بھی معلوم کرلیں گے جسے اہل سنت نے رسول خداؐ کی صحیح روایت کے سلسلے میں پیش کیا ہے: **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهديين فتمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة** ''میری اور میرے ہدایت شدہ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی تمہارے اوپر ضروری ہے لہٰذا ہوش وہواس کے ساتھ ان سے متمسک رہو اور مستحکم طور پر محفوظ رکھو۔تمہارے لئے ضروری ہے کہ جدید چیزوں سے پرہیز کرو اس لئے کہ ہر نئی اور جدید چیز بدعت ہے اور ہر بدعت اختراع وگمراہی ہے''۔(۱) اہل سنت نے اس حدیث کو ان افراد پر کیوں حمل کردیا ہے جو لوگوں کے اختیار اور ابوبکر وشوری کے انتخاب کے ذریعہ مسند خلافت پر براجمان ہوئے ہیں،انہوں نے مجبوراً حضرت علیؑ کو بھی ان کے ساتھ ذکر کردیا ہے۔

اس لئے کہ معقول نہیں کہ رسول خداؐ ایسے انسان کی سیرت وروش کی پیروی کا حکم دیں گے جس کی کوئی سیرت ہی نہیں،جس نے فقہ وقرآن اور سنت کو دوسروں سے سیکھا اور جو اپنی ذاتی رائے کے مطابق فتویٰ دے کر کہے: **ساقول فيها برايى فان يک صوابا فمن الله وان يک خطا فمنى ومن الشيطان** ''میں جلد ہی اپنا نظریہ بیان کروں گا،اگر وہ صحیح ہوا تو خدا کی طرف سے اور اگر غلط ہوا تو میری طرف سے''۔

اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ رسول خداؐ نے لوگوں کی سیرت اور دین خدا میں ذاتی نظریہ کی پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ ان مجتہدین کی پیروی کے حکم سے ذرا بھی مشابہ نہیں ہے جو اپنے احکام وفتاویٰ

۱۔سنن ابن ماجہ،ج۱،ص۲۰،(ج۱،ص۱۵،حدیث۴۲)؛سنن ابوداؤد،ج۲،ص۲۶۱،(ج۴،ص۲۰۰،حدیث۴۶۰۷)؛سنن داری،ج۱،ص۴۵؛المستدرک علی الصحیحین،ج۱،ص۹۶،(ج۱،ص۱۷۵،حدیث۳۲۹)

کو کتاب وسنت اور اجماع (یا آپ قیاس کہہ سکتے ہیں) کی معرفت و شناخت کے مطابق حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مجتہد انہیں مطالب سے احکام کا استخراج کرتا ہے جن کی اس نے شناخت حاصل کی ہے اب اگر کسی کے پاس شناخت ہی نہ ہو، واضح ترین سوال کے جواب سے قاصر رہ جائے، قسم کھائے کہ نہیں جانتا کیا کروں اور اس کے ذہن سے تیمم، شکیات، غسل، نماز، روزہ وغیرہ جیسے روز مرہ کے معروف اور معمولی مسائل بھی دور ہوں، وہ امت کی رہبری کر ہی نہیں سکتا اور زمام خلافت کو اپنے اختیار میں لے ہی نہیں سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے بیان کئے گئے علمی نمونوں میں علماء نے عمر کی سیرت وروش کی صرف اس لئے مخالفت کی ہے کہ وہ رسول خداؐ کے صریحی بیان کے مخالف تھے۔

اگر اس تاویل کو صحیح مان لیا جائے تو پھر اس حدیث میں اور عمر کے مخالف فتاویٰ میں تناقض لازم آئے گا، اس طرح خود اس حدیث کے دو جزء میں تناقض پایا جاتا ہے اور وہ آنحضرتؐ کا قول ہے کہ ''تمہارے لئے میری اور میرے بعد خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے'' اور ہمارا مفروض یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی سنت وروش اس انسان (عمر) کی سنت کے قطعی مخالف ہے۔

اس حدیث کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اس سے خلفاء کا قصد فرمایا ہے مگر وہ خلفاء جن کی تصریح ہمیشہ ان کے نام کے ساتھ فرماتے رہے اور اپنے قول میں انھیں قرآن مجید کا ہم پلہ اور ہم وزن قرار دیا: "**انی تارکم فیکم الخلیفتین**" یا "**متخلف فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی من یفترق حتی یردا علی الحوض**"۔(۱) چنانچہ لام عہد اسی بات کا تقاضا کر رہی ہے۔

آنحضرت نے علم وہدایت کی حیثیت سے ان کی تعریف وتوصیف کی، یہی وہ افراد ہیں جن کی سیرت وروش ہر لحہ اور ہر قدم آنحضرت کی سیرت وروش کے مطابق ہے، یہ افراد مراد ہیں وہ افراد نہیں جن کے بارے میں کچھ بھی نہیں فرمایا، ان کے بارے میں کوئی تاکید نہیں کی یا ایسی کسی عدد کا تذکرہ نہیں کیا جو ان افراد پر منطبق ہو۔

۱۔ نوادر الاصول، ص ۱۲۹، (ص ۱۸۴)

ہاں! جن اوصاف کا تذکرہ فرمایا وہ ان افراد پر صادق آتے ہیں جو اہل بیت معصومؑ ہیں۔

۳۔ اس مقام پر عمر کے فضائل کے سلسلے میں کچھ جعلی اور جھوٹی حدیثیں بھی منقول ہیں جو ان امور سے قطعی مطابقت نہیں رکھتیں جنھیں ہم نے موثق اور قابل اعتماد سندوں کے ذریعہ نقل کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسری کی تکذیب کر رہی ہے۔

لیجئے کچھ روایات ملاحظہ فرمایئے جو رسول خداؐ سے جھوٹ منسوب کر دی گئی ہیں:

آنحضرتؐ کی جانب ایک حدیث کی نسبت دی گئی ہے آپؐ نے فرمایا:

لو لم ابعث فیکم لبعث عمر ''اگر میں مبعوث بہ رسالت نہ ہوتا تو عمر مبعوث ہوتے''۔(۱)

لو لم ابعث لبعثت یا عمر ''اگر میں مبعوث نہ کیا گیا ہوتا تو اے عمر! تم ضرور مبعوث ہوتے۔(۲)

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب ''اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہی ہوتے''۔(۳)

قد کان فی الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فھو عمر ''گذشتہ امتوں میں محدثین ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی ہوتا تو وہ عمر ہوتے''۔(۴)

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر ''خدا نے حق کو عمر کی زبان و دل پر قرار دیا ہے''۔(۵)

ان اللہ ضرب بالحق علی لسان عمر و قلبہ ''بے شک خداوند عالم نے حق کو عمر کی زبان

۱۔ الموضوعات، ابن جوزی (ج۱ص۳۲۰)

۲۔ ملاحظہ ہو: اسی کتاب کا ص۴۷۱/

۳۔ ریاض النضرہ ج۱ص۱۹۹ (ج۲ص۲۴۵)

۴۔ ملاحظہ ہو: اسی کتاب کا ص۴۲۶/

۵۔ حلیۃ الاولیاء ج۱ص۴۲

ودل کا تابع قرار دیا ہے''۔(۱)

انھیں جعلی اور جھوٹی روایتوں میں وہ روایتیں بھی شامل ہیں جو امیر المومنینؑ سے منسوب کر دی گئی ہیں، جیسے یہ:

کنا نتحدث ان ملکا ینطق علی لسان عمر ''ہم آپس میں گفتگو کرتے تھے کہ فرشتہ عمر کی زبان میں گفتگو کرتا تھا''۔(۲)

یا ان کا قول: **ما کنا نبعد ان السکینة تنطق علی لسان عمر** ''ہم ایسے نہیں کہ زبان عمر پر سکینہ(۳) کو بعید خیال کریں''۔(۴)

ابن مسعود سے منسوب یہ روایت: **لو وضع علم عمر فی کفة وعلم اهل الأرض فی کفة لرجح علم عمر** ''اگر علم عمر کو ترازو کے ایک پلّے میں رکھا جائے اور تمام انسانوں کا علم دوسرے پلّے میں رکھا جائے تو عمر کا علم سنگین ہو جائے گا''۔

اور اسی طرح کے جھوٹ کے پلندے۔ اس لئے کہ جو شخص اتنے عظیم درجے پر فائز ہو کہ مبعوث بہ رسالت ہونے کے قریب ہو، وہ ضرورت کے وقت واضح ترین مسائل سے ناواقف نہیں ہو سکتا اور ایسا شخص بارہ سال کے طویل عرصے میں صرف سورۂ بقرہ کی تعلیم حاصل نہ کرتا۔(۵)

یہ حق، فرشتہ اور سکینہ اس دن کہاں تھے جب عمر ابتدائی مسائل سے بھی ناواقف تھے، ان کا جواب عمر کی زبان سے جاری کیوں نہ ہوا اور ان کے دل میں حق جاگزیں کیوں نہ ہوا؟!

اتنی اہم خصوصیات کا حامل انسان، تمام لوگوں حتی پردہ نشین خاتون کو خود سے بہتر اور جانکار کیسے سمجھ

۱۔ الاموال ابی عبید، ص ۵۴۳، (ص ۶۵۲، حدیث ۱۷۰۲)

۲۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۴۲

۳۔ خداوند عالم سورۂ فتح ۴ میں فرماتا ہے: ﴿هو الذی انزل السکینة فی قلوب المومنین﴾ ''اسی نے مومنین کے قلوب پر سکون کو نازل فرمایا ہے''۔ بعض لوگوں کے مطابق سکینہ وہ فرشتہ ہے جو مومن کے دل کو سکون عطا کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ تفسیر آلوسی ج ۲۶ ص ۹۲۔

۴۔ الاموال ابی عبید، ص ۵۴۳، (ص ۶۵۲، حدیث ۱۷۰۲)

۵۔ اس سے قبل صفحات ملاحظہ کریں۔

سکتا ہے؟!

اس نے کتاب وسنت کے علم کو امت کی عورتوں اور پست ترین اوباش لوگوں سے حاصل کیوں کیا، عظیم افراد کی بات ہی چھوڑ دیئے؟!

جس لفظ کی قرآن مجید نے خود ہی وضاحت کردی ہے، اس نے اسے تکلف سمجھ کر یہ کیوں کہا:

''هذا لعمر الله هو التكلف ما عليك يابن ام عمر ان لا تدری ما الاب''

''خدا کی قسم! یہ وہی تکلف ہے، اے عمر کی ماں کے فرزند! تم اگر نہ جان سکو کہ ''اب'' کیا ہے، تو کوئی حرج نہیں''۔(۱)

وہ اپنے علم کو صحابہ سے کیوں حاصل کرتا ہے اور احکام میں ان کی رائے معلوم کرتا ہے؟!

وہ واضح ترین روایت سے عدم واقفیت کی صورت میں یہ عذر تراشی کیوں کرتا ہے: **الهانی عنه الصفق بالاسواق** ''بازاری سرگرمیوں نے مجھے اس سے غافل رکھا''۔(۲)

وہ کلالہ اور دادا کی میراث کی صورتوں سے ناواقف کیوں رہا، رسول خداؐ اس کے اور اس مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ما اراه يعلمها ،وما اراه يقيمها ''مجھے یقین ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں سمجھ پائے گا''، مجھے معلوم ہے کہ وہ اسے قائم نہیں کر پائے گا''۔

یہ بھی فرمایا:

انی اظنک تموت قبل ان تعلم ذلک ''مجھے یقین ہے کہ تم اسے یاد کرنے سے

۱۔اس کے حوالے اس سے قبل پیش کئے گئے۔

۲۔صحیح مسلم، باب، ج۲، ص۲۳۴، (ج۲، ص۱۶۹۴، حدیث۳۶، کتاب الآداب)؛ صحیح بخاری، ج۳، ص۸۳۷، (ج۲، ص۷۲۷، حدیث۱۹۵۶)؛ مسند احمد، ج۳، ص۱۹، (ج۳، ص۳۹۶، حدیث۱۰۷۶۱)؛ سنن دارمی، ج۲، ص۲۷۴؛ سنن ابی داؤد، ج۲، ص۳۴۰، (ج۴، ص۳۴۶، حدیث۵۱۸۲)؛ مشکل الآثار، (ج۱، ص۴۹۹)۔

پہلے ہی مرجاؤ گے"۔(۱)

ابی بن کعب جیسے لوگ ان پر سختی اور تندی کا مظاہرہ کیوں کرتے تھے، ان کی نظر میں بازاری معاملات، رسیوں کی خرید وفروش اور درخت سلم (۲) کے پتے نے ان کو قرآن مجید کے علم سے دور رکھا تھا؟!

امیر المومنین اسے قرآن مجید کی تاویل وتفسیر سے لاعلم کیوں سمجھتے تھے؟!(۳) کیوں؟!...کیسے؟!اور ایسے ہی سیکڑوں کیوں اور کیسے آپ کے سامنے ہیں؟!

۱۔المعجم الاوسط، (ج۵،ص۱۳۵، حدیث۳۹۱۴)؛ مجمع الزوائد، ج۴،ص۲۲۷؛ کنز العمال، ج۶،ص۱۵، (ج۱۱،ص۵۷، حدیث۳۰۶۱۱)؛ مسند طیالسی، ج۱،ص۱۲؛ احکام القرآن جصاص، ج۲،ص۱۰۵، (ج۲،ص۸۷)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۱،ص۵۹۴؛ درمنثور، ج۲،ص۲۴۹، (ج۲،ص۷۵۳)؛ سنن ابن ماجہ، ج۲،ص۱۶۴، (ج۲،ص۹۱۱، حدیث۲۷۲۷)؛ تفسیر طبری، ج۶،ص۳۰، (مجلد۴، ج۶،ص۴۳)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲،ص۳۰۴، (ج۲،ص۳۳۳، حدیث۳۱۸۸)؛ تفسیر قرطبی، ج۶،ص۲۹، (ج۶،ص۲۱)

۲۔ابی نے عمر سے کہا: انه كان يلهيني القرآن ويلهيك الصفق بالاسواق "مجھے قرآن نے مشغول رکھا اور آپ کو بازار نے"۔سنن بیہقی ج۷ص۶۹؛ کنز العمال ج۱ص۲۷۸(ج۲ص۵۶۷ ح/۴۷۳۶)؛ عمر سے کہا: ليس لك عمل الا الصفق بالبيع "معاملات اور بازاری کاموں کے علاوہ آپ کو کوئی کام نہیں"۔کنز العمال ج۱ص۲۷۸(ج۲ص۵۶۷ ح/۴۷۴۱)؛ ان سے کہا: والله اقرنيها رسول الله وانت تبيع الخبط "خدا کی قسم! جب آپ رسیاں بیچ رہے تھے، اس وقت رسول خداؐ نے اس کی قرأت فرمائی"۔ایک دوسری عبارت ہے: اقرانيه رسول الله وانك لتبيع القرظ بالبقيع "جب آپ بقیع میں درخت سلم بیچ رہے تھے تب رسولؐ خدا نے مجھے سکھایا"۔ملاحظہ ہو: جامع البیان ج۱ص۷(مجلد۷ ج۱۱ص۸)؛ مستدرک حاکم ج۳ص۳۰۵(ج۳ص۳۴۵ ح/۵۳۲۹)؛ الجامع لاحکام القرآن ج۸ص۲۳۸ (ج۸ص۱۵۱۔۱۵۲)؛ تفسیر ابن کثیر ج۲ص۳۸۳؛ الکشاف ج۲ص۲۶(ج۲ص۳۰۴)؛ درمنثور ج۳ص۲۶۹؛ کنز العمال ج۱ص۲۸۵، ۲۸۷(ج۲ص۶۰۵ ح/۴۸۵۸؛ ص۵۹۷ ح/۴۸۲۳)؛ فتح القدیر ج۲ص۳۷۹(ج۲ص۳۹۸)؛ روح المعانی، طبع منیریہ ج۱۱ص۸

۳۔المستدرک علی الصحیحین، ج۱،ص۴۵۷، (ج۱،ص۶۲۸، حدیث۱۶۸۲)؛ سیرۂ عمر ابن جوزی، ص۱۰۶، (ص۱۱۵)؛ تاریخ مکہ ازرقی، (ج۱،ص۳۲۳)؛ ارشاد الساری، ج۳،ص۱۹۵، (ج۴،ص۱۳۵، حدیث۱۵۹۷)؛ عمدۃ القاری، ج۴،ص۶۰۶، (ج۹، ص۲۴۰)؛ کنز العمال، ج۳،ص۳۵، (ج۵،ص۱۷۷، حدیث۱۲۵۲۱)؛ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، (ج۹،ص۱۳۰، حدیث۳۸۲۱/۳۸۲۲)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳،ص۱۲۲، (ج۱۲،ص۱۰۰، خطبہ۲۲۳)؛ الفتوحات الاسلامیہ زینی دحلان، ج۲۰، ص۴۸۶، (ج۲،ص۳۱۸)۔

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلاتَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَا﴾

''لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ راہ خدا سے منحرف کردیں، بیشک جو لوگ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے کہ انہوں نے روز حساب کو یکسر نظرانداز کردیا ہے''۔(۱)

آیئے! شمس الدین مالکی کے شعری تتبع کی طرف لوٹ چلیں:

۳۔ شمس الدین مالکی نے اپنے اشعار میں امیرالمومنین حضرت علیؑ کے جن مناقب کا تذکرہ کیا ہے ان میں حدیث ولایت ہے، ہماری کتاب غدیر کا موضوع یہی حدیث ہے۔

۴۔ حدیث منزلت: **انت بمنزلة هارون من موسیٰ الّا انّه لا نبیٌ بعدی** ''(اے علیؑ!) تم میرے نزدیک ویسے ہی ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے نزدیک تھے سوائے نبوت و پیامبری کے اس لئے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔

مالکی نے متذکرہ حدیث کو اس طرح نظم کیا ہے:

وانک منّی خالیا من نبوه　　　کهارون موسیٰ وحسبک فاحمد

ہم نے تیسری جلد میں اس حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے، وہیں بیان کیا کہ حفاظ وائمہ حدیث نے اس حدیث کی صحت وثبوت کی تصریح کی ہے۔(۲)

ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں: صحابہ کی ایک جماعت نے اس کی روایت کی ہے، یہ رسول خداؐ سے مروی صحیح ترین اور ثابت ترین حدیث ہے، سعد بن وابی وقاص نے اس کی روایت کی ہے، اس

۱۔ سورۂ ص/۲۶

۲۔ شرح التقریب، ج۱، ص۸۵؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۶۳، (ج۳، ص۱۰۵)؛ الصواعق المحرقۃ، ص۷۲، (ص۱۲۰)؛ الاصابۃ، ج۲، ص۵۰۷، (نمبر ۵۶۸۸)؛ السیرۃ الحلبیۃ، ج۳، ص۱۴۸، (ج۳، ص۱۳۳)؛ الاسعاف، ص۱۴۹۔

حدیث کے طرق بہت زیادہ ہیں، ابن ابی خثیمہ وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے نیز ابن عباس، ابوسعید خدری، ام سلمہ، اسماء بنت عمیس، جابر بن عبداللہ اور ایک گروہ جن کے اسماء کی فہرست طولانی ہے اس حدیث کی روایت کی ہے۔(۱)

۵۔حدیث سبقت اسلام: حضرت امیرالمومنینؑ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے، شاعر نے اس کی جانب اشارہ کیا ہے:

وکان من الصبیان اوّل سابق   الدین لم یبع بطائع مرشد

''آپ اطفال میں اولین فرد تھے جس نے دین میں سبقت کی اور سات سال کی عمر میں اپنے رہبر کے مطیع وفرمانبردار ہوگئے''۔

اس موضوع کی تفصیلی بحث جلد سوّم میں گذر چکی ہے۔(۲)

۶۔حدیث لقب وکنیت: رسول خداؐ نے حضرت امیرالمومنینؑ کو ابوتراب کا لقب عطا فرمایا۔ اس سلسلے میں مالکی کہتے ہیں:

وجاء رسول اللہ مرتضیا لہ   وکان عن زھرا بالمتشرد

۱۔الاستیعاب مطبوع برحاشیہ الاصابۃ، ج۳،ص۳۲،(القسم الثالث،ص۱۰۹۷،نمبر۱۸۵۵)؛ تذکرۃ الخواص،ص۱۲،(ص۱۹)۔

۲۔المستدرک علی الصحیحین، ج۳،ص۱۱۲/ ۱۳۶، (ج۳،ص۱۲۱، حدیث۴۵۸۵/ص۱۴۷، حدیث۴۶۶۲)؛ تاریخ بغداد، ج۲، ص۸۱؛ استیعاب، ج۲،ص۴۴۸/ ۴۵۶/ ۴۵۷/ ۴۵۸، (القسم الثالث،ص۱۰۹۱/ ۱۰۹۵، نمبر۱۸۵۵)؛ مناقب ابن مغازلی، (ص۱۴/۱۶، حدیث۱۷/۱۹/۲۲)؛ مناقب خوارزمی، (ص۵۲/۵۳، حدیث۱۵/۱۷)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳،ص۲۵۸، (ج۱۳، ص۲۲۹/ ۲۳۰، خطبہ۲۳۸)؛ فرائد السمطین، باب۴۷، (ج۱،ص۲۴۲، حدیث۱۸۷،ص۲۴۵، حدیث۱۹۰)؛ اسد الغابۃ، ج۴، ص۱۸، (ج۴،ص۹۴، نمبر۳۷۸۳)؛ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج۱۲،ص۶۵، حدیث۱۲۱۳۳)؛ سنن نسائی، (ج۵،ص۱۰۷، حدیث۸۳۹۵)؛ خصائص امیرالمومنین نسائی، (ص۲۵، حدیث۷)؛ مجمع الزوائد، (ج۹،ص۱۰۳)؛ سنن ابن ماجہ، (ج۱،ص۴۴، حدیث۱۲۰)؛ ریاض النضرۃ، ج۲،ص۱۵۸، (ج۳،ص۱۰۰)؛ المعجم الاوسط، (ج۲،ص۴۴۴، حدیث۱۷۶۷)؛ تاریخ طبری ج۲، ص۱۲۱۲، (ج۲،ص۱۱)؛ تاریخ کامل، ج۲،ص۲۲، (ج۱،ص۴۸۴)؛ المواھب الدینیۃ، ج۱،ص۴۵، (ج۱،ص۲۱۶)؛ المعجم الکبیر طبرانی، (ج۱،ص۳۲۰، حدیث۹۵۲)؛ شرح التقریب، ج۱،ص۸۵؛ شرح المواھب زرقانی، ج۱،ص۲۴۲؛ الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۱۰۳، (ج۱،ص۱۰۶)، ص۱۲۲، (ج۱،ص۱۲۶)۔

''رسول خداؐ تشریف لائے حالانکہ آپ ان سے راضی وخوشنود تھے اور وہ (تنگ دستی کی وجہ سے) جناب زہرا سے پریشان''۔

فمسح عنه التراب اذ مس جلده وقد قام منها آلفا للتفرد

''چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے چہرے سے مٹی صاف کی جس نے ان کے بدن کو آلودہ کیا ہوا تھا، وہ زمین سے بلند ہوئے حالانکہ وہ اس سے تنہائی کی وجہ سے کافی مانوس تھے''۔

وقال له قول التلطف قم ابا تراب كلام المخلص المتودد

''آنحضرتؐ نے از روئے مہربانی فرمایا: اے ابوتراب اٹھو، اس وقت آپ نے خالصانہ اور دوستانہ لہجے میں ان سے گفتگو کی''۔

یہ لقب ۲ھ کے جمادی الاول یا جمادی الثانی میں واقع غزوۂ عشیرہ میں عطا کیا، جب رسول خداؐ نے امیر المومنینؑ اور عمار یاسرؓ کو نرم زمین پر محو خواب دیکھا تو انہیں بیدار کیا اور حضرت علیؑ کو ہلا کر فرمایا: اے ابوتراب! اٹھو، کیا میں تمھیں دو بدبخت ترین اور ذلیل انسانوں سے مطلع کروں: ایک ناقہ صالح کو قتل کرنے والا، دوسرا وہ جو تمہارے فرق مبارک پر تلوار مار کر تمہاری ریش اقدس رنگین کرے گا''۔(۱)

طبرانی نے اوسط وکبیر میں ابی طفیل سے نقل کیا ہے: رسول خداؐ تشریف لائے، حضرت علیؑ اس وقت زمین پر سوئے ہوئے تھے، یہ دیکھ کر فرمایا: تمہارے اسماء میں صحیح ترین اور مناسب ترین نام ''ابوتراب'' ہے۔

۱۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۶۳/۲۶۴، (ج ۵، ص ۳۲۶/۳۲۷، حدیث ۱۷۸۶۲)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۴۰، (ج ۳، ص ۱۵۱، حدیث ۴۶۷۹)؛ تاریخ طبری ج ۲، ص ۲۶۱، (ج ۲، ص ۴۰۸، حوادث ۲ھ)؛ سیرۂ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۶، (ج ۲، ص ۲۴۹)؛ البدایہ والنھایہ، ج ۳، ص ۲۴۷، (ج ۳، ص ۳۰۳، حوادث ۲ھ)؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۳۶؛ کنز العمال، ج ۶، ص ۲۹۹، (ج ۱۳، ص ۱۴۱، حدیث ۳۶۴۴۳)؛ حالات امام علیؑ از تاریخ ابن عساکر، تحقیق شدہ، (نمبر ۱۳۹۸)؛ عمدۃ القاری، ج ۲۲، ص ۲۶۳، (ج ۷، ص ۶۳۰)؛ طبقات ابن سعد، ص ۵۰۹، (ج ۲، ص ۱۰)؛ عیون الاثر ابن سید الناس، ج ۱، ص ۲۲۶، (ج ۱، ص ۳۰۰)؛ الامتاع مقریزی، ص ۵۵؛ سیرۂ حلبیہ، ج ۲، ص ۱۴۲، (ج ۲، ص ۱۲۷)؛ تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۳۶۴؛ فتح الباری، (ج ۷، ص ۵۸)۔

ہیثمی نے اسے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کے تمام راوی لائق اعتماد ہیں۔(۱)

بزاز واحمد وغیرہ نے عمار یاسر سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو ابوتراب کے لقب سے سرفراز فرمایا، یہ ان کے نزدیک محبوب ترین لقب تھا، ہیثمی نے اسے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ احمد کے رواۃ موثق اور قابل اعتماد ہیں۔(۲)

طبرانی نے اوسط وکبیر میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب رسول خداؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت و برادری قائم کی لیکن حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا تو آپ غم واندوہ کے عالم میں باہر آئے اور ایک چھوٹی نہر کے پاس پہونچ کر اپنے ہاتھوں کو تکیہ بنایا اور اس پر اپنا سر رکھ کر سو گئے اور ہواؤں نے گرد وغبار سے آپ کو ڈھانپ دیا۔

رسول خداؐ آپ کی تلاش میں باہر آئے، جب آپ نظر آئے تو اپنے پیر سے ٹھوکر مار کر فرمایا: اٹھو، تمہارے لئے ابوتراب کا لقب بہت مناسب ہے، مجھ سے ناراض ہو کہ میں نے مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت و برادری قائم کی لیکن تمہیں کسی کا بھائی نہیں بنایا، کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے لئے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، جان لو کہ تم سے محبت کرنے والا مجھ سے ملحق ہو جائے گا اور جو تم سے دشمنی وعناد رکھے گا خدا اسے جاہلیت کی موت مارے گا اور اسلام میں کئے گئے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔(۳)

ابویعلی نے اپنی سند(۴) سے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ:

آپ نے فرمایا: رسول خداؐ نے مجھے طلب فرمایا، پھر وہ میری تلاش میں نکلے اور مجھے ایک نہر کے پاس محوخواب دیکھا، فرمایا: کتنا اچھا دن ہے کہ لوگ تمہیں ابوتراب کے نام سے آواز دیں۔

۱۔ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۰۰

۲۔ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۰۰

۳۔ المعجم الکبیر طبرانی، (ج۱۱، ص۶۲، حدیث۱۱۰۹۲)؛ المعجم الاوسط، (ج۸، ص۲۳۵، حدیث۷۸۹۰)؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۱۱؛ مناقب خوارزمی، ص۲۲، (ص۳۹، حدیث۷)؛ الفصول المہمۃ، ص۲۲، (ص۳۷/۳۸)

۴۔ مسند ابی یعلی، (ج۱، ص۴۰۲، حدیث۵۲۸)

جب انہوں نے دیکھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے میرے ذہن میں کوئی بات ہے تو فرمایا: اٹھو کہ خدا کی قسم! میں تمھیں راضی وخوشنود کروں البتہ تم میرے بھائی اور میرے فرزند کے والد ہو، تم میری سنت کے لئے قتال کروگے اور میرے قرض کی ادائیگی کروگے۔ جس نے میرے عہد میں انتقال کیا، اس نے خدا کو بزرگ وبرتر خیال کیا اور اللہ اکبر کہا اور جو تمہارے زمانے میں دنیا سے رخصت ہوا اس نے حقیقتاً جان دی ہے، جو مر جائے اور تمہاری موت کے بعد تم سے محبت رکھے خدا اس کے ایمان کو اس وقت تک جاری رکھتا ہے جب تک آفتاب طلوع وغروب کرتا ہے اور جو تمہاری دشمنی لے کر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے، اس کا اسلام میں کئے گئے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

سیوطی نے اسے نقل کر کے لکھا ہے کہ بوصیری کا بیان ہے کہ اس کے تمام راوی موثق ہیں۔ (۱)

ابن عساکر (۲) نے سماک بن حرب سے نقل کیا ہے: میں نے جابر بن عبداللہ سے کہا: ان لوگوں نے مجھے حضرت علیؑ کو برا بھلا کہنے کی دعوت دی ہے، جابر نے کہا: اور تم سے ممکن ہی نہیں کہ تم علیؑ کی بدگوئی کرو یا وہ کون سی بات ہے جس کو عنوان بنا کر علیؑ کو برا کہہ سکتے ہو؟ کہا: میں ان کو ابوتراب کے لقب سے پکاروں گا۔ جابر نے کہا: خدا کی قسم! حضرت علیؑ کی نظر میں ابوتراب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب کوئی اور لقب نہیں تھا، رسول خداؐ نے لوگوں کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا لیکن حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا، جس کی وجہ سے ناراض ہو کر باہر آئے اور ریگزار پر سو گئے۔ پھر رسول خداؐ نے ان کے پاس آ کر فرمایا: اے ابوتراب! اٹھو، کیا تم اس بات پر ناراض ہو کہ میں نے تمہیں کسی کا بھائی نہیں بنایا؟

انہوں نے کہا: ہاں! یا رسول اللہؐ۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا: تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی ہوں۔ (۳)

۱۔ کنز العمال، ج ۶، ص ۴۰۴، (ج ۱۳، ص ۱۵۹، حدیث ۳۶۴۹۱)

۲۔ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج ۱۷، ص ۳۰۲)؛ حالات امام علیؑ از تاریخ ابن عساکر، تحقیق شدہ، (نمبر ۳۱)

۳۔ کفایۃ الطالب، ص ۸۲ (ص ۱۹۳، ۱۹۴، باب ۴۷)

اس مقام پر ایک صحیح روایت بھی مذکور ہے جسے مسلم (۱) و بخاری (۲) نے اپنی صحیح میں دو مقامات پر نقل کیا ہے:

۱۔ باب مناقب امیر المومنینؑ میں؛

۲۔ کتاب نماز، باب خواب در مسجد میں؛

طبری (۳) نے اسے اپنی تاریخ میں عبدالعزیز بن ابی حازم کے حوالے سے نقل کیا ہے، اس کا بیان ہے کہ میں نے سہل بن سعد سے کہا کہ مدینہ کے بعض حکام نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تم منبر سے حضرت علیؑ کی مقدس شخصیت پر طعن و تشنیع کرو اور ان کی اہانت کرو۔

اس نے کہا: اس سلسلے میں کیا کہوں؟ اس نے کہا: تم ''لعن اللہ اباتراب'' کہہ سکتے ہو۔

سہل نے کہا: خدا کی قسم! رسول خداؐ نے اس نام سے ان کو سرفراز فرمایا ہے۔

اس کا بیان ہے کہ میں نے کہا: اے ابوالعباس! اس کا پورا ماجرا بیان کرو۔

اس نے کہنا شروع کیا: ''حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کی خدمت میں پہونچے پھر باہر آ کر مسجد کے سائے میں سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد خود رسول خداؐ ان کے پاس آئے دیکھا کہ ان کی عبا پشت سے گر چکی ہے اور پیٹھ خاک آلود ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے ان کی پشت سے مٹی صاف کی اور فرمایا: اے ابوتراب! اٹھ جاؤ۔

خدا کی قسم! حضرت کو اس نام سے رسول خداؐ نے سرفراز فرمایا ہے اور خدا کی قسم! ان کے نزدیک اس نام سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ کوئی اور نام نہیں تھا''۔

بیہقی کی عبارت ہے: منقول ہے آلِ مروان کی فرد کو مدینہ کا عامل مقرر کیا گیا، اس نے سہل بن سعد کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ کو برا بھلا کہے، سہل نے صاف انکار کر دیا، اس نے کہا: اگر یہ نہیں کہنا چاہتے تو

۱۔ صحیح مسلم (ج ۵، ص ۲۷، حدیث ۳۸، کتاب فضائل الصحابہ)

۲۔ صحیح بخاری (ج ۳، ص ۱۳۵۸، حدیث ۳۵۰۰، ج ۱، ص ۱۷۰۔۱۶۹، حدیث ۴۳۰)

۳۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۶۳ (ج ۲، ص ۲۰۹، حوادث ۲ھ)

''لعن الله ابا تراب '' کہو۔ یہ سن کر سہل نے کہا: حضرت کے نزدیک ابوتراب سے زیادہ کوئی اور نام محبوب نہیں تھا، جب بھی اس نام سے بلایا جاتا وہ بہت زیادہ خوش ہوتے تھے۔

حاکم نے یہ سن کر کہا: حضرت کو اس لقب سے ملقب کرنے کا پورا واقعہ بیان کرو۔(۱)

اس حدیث اور ان صحیح احادیث میں کوئی معارضہ نہیں جو غزوۂ عشیرہ یا مواخات کے موقع پر یہ لقب عطا کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ ان تمام احادیث سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ رسول خداؐ نے باقاعدہ طور پر آپ کو ابوتراب کے نام سے موسوم فرمایا اور شاید سہل نے جس موقع کی نشاندہی کی ہے ممکن ہے وہ اس کے علاوہ دوسرے مواقع اور موارد سے ناواقف ہو، لہٰذا ان تمام احادیث کے ثبوت پر کوئی مانع نہیں پایا جاتا۔ اور جس نے یہ گمان کیا ہے کہ اس حدیث اور دوسری حدیث میں تعارض وعناد پایا جاتا ہے(۲) اس نے اپنے طور پر ایک شوشہ چھوڑا ہے، ایسا کر کے اس نے اپنی کج فہمی وکم عقلی کا پردہ فاش کیا ہے۔

ہاں! سہل بن سعد کے متن حدیث میں حفاظ حدیث کے نزدیک اضطراب پایا جاتا ہے، جو حدیث شریف میں ہوا وہوس کی دخالت کی نشاندہی کرتی ہے۔

بعض لوگوں نے یہ بکواس کی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اور معصومۂ کونینؑ (س) کی ازدواجی زندگی اچھی نہیں تھی، ان میں جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔

چنانچہ شمس الدین مالکی نے اپنے اشعار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے: ''وكان عن الزهراء بالمتشرد'' حالانکہ یہ دونوں شخصیتیں ان خرافات سے قطعی منزہ تھیں اس لئے کہ خداوند عالم نے انھیں عصمت کی نعمت عطا فرمائی تھی، قرآن میں اس کی تصریح موجود ہے۔

ابن اسحاقؒ نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے: رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو اس لئے ابوتراب کا لقب عطا فرمایا کیوں کہ وہ جب بھی کسی بات پر فاطمہؑ پر اعتراض کرتے تو ان پر ناراضگی کا مظاہرہ کرتے، ان سے بات نہیں کرتے اور ان کو پریشان کرنے والی کوئی بات بھی نہیں کرتے تھے، صرف مٹی کا کچھ حصہ

۱۔ سنن بیہقی، ج ۲، ص ۴۴۶۔

۲۔ شرح المواہب الدنیة، زرقانی، ج ۱، ص ۳۹۵

اپنے سر کے نیچے لگا کر لیٹ جاتے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے: رسول خداؐ انہیں زمین پر جب بھی لیٹا ہوا دیکھتے تو سمجھ جاتے کہ آج فاطمہؑ سے جھگڑا ہوا ہے، اسی لئے ان سے فرماتے: مالک یا اباتراب ''اے ابوتراب! تمھیں کیا ہوا ہے''؟(۱)

علامہ امینیؒ فرماتے ہیں: یہ بکواس ان کینہ توز اور ذلیل افراد کا پروپیگنڈہ ہے جنھوں نے حضرت امیرالمومنینؑ کے پاک و پاکیزہ دامن کو آلودہ کرنے کے لئے بے مقصد ہی گڑھ لیا ہے اور صدیقہ طاہرہؑ کے ساتھ حضرتؑ کی معاشرت کو داغدار کریں، اس میں فاطمہ زہرا (س) اور صدیق اکبر حضرت علیؑ کو اخلاقی اعتبار سے ان کے بلند ترین مقام سے نیچے گرانے کی سازش ہے؛ اس لئے کہ یہ دونوں شخصیتیں قرآن مجید کی تصریح کے مطابق عصمت کی وجہ سے ہر طرح کی کینہ ودشمنی سے دور ہیں۔

جن کینہ توز اور ذلیل دشمنوں نے ان جعل سازیوں سے کل اپنے ہاتھ آلودہ کئے تھے اس کا نتیجہ آج اس صورت میں برآمد ہو رہا ہے کہ آج کے مورخ نے اپنی تاریخ کے صفحات کو اس بکواس سے سیاہ کیا ہے کہ علیؑ ناپسندیدگی اور ناراحتی کے بعد غضبناک ہو جاتے تھے اور مسجد میں سونے کی غرض سے باہر چلے جاتے تھے، ان کے چچیرے بھائی ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر انھیں حوصلہ دیتے، وعظ ونصیحت کرتے اور ان کے اور زوجہ کے درمیان ایک مدت تک اتحاد قائم کر دیتے تھے؛ ان کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن رسول خداؐ گھر میں آئے اور دیکھا کہ فاطمہؑ ان کے گھر میں ہیں اور علیؑ نے ان کو جو طمانچہ مارا تھا اس کی وجہ سے گریہ کر رہی ہیں''۔ (تیسری جلد ملاحظہ فرمائیں)

حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

''رسول خداؐ نے علی کو جو نام دیا تھا، بنی امیہ نے اسے علیؑ کا عیب شمار کیا، وہ اپنی حکومت کے زمانے میں منبروں سے ان پر لعنت کرتے اور اس نام کی وجہ سے ان کا مضحکہ اڑاتے تھے، جی ہاں! وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے جس نے ان کا یہ نام رکھا تھا، خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ

۱۔ سیرۂ ابن ہشام، ج۲، ص۲۳۷، (ج۲، ص۲۵۰) عمدۃ القاری، ج۷، ص۶۳۰، (ج۲، ص۲۱۴، ۲۶۳)

تَسْتَهْزِئُونَ ،لاتَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ ''کہہ دیجئے کہ کیا اللہ اور اس کی آیات اور رسول کے بارے میں مذاق اڑا رہے تھے، تو اب معذرت نہ کرو۔ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے''۔(۱)

سبط ابن جوزی لکھتے ہیں: حاکم کی بات صحیح ہے اس لئے کہ وہ (بنی امیہ) اس عمل سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھے۔ اس دلیل کی بنیاد پر جسے مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ میں معاویہ بن ابی سفیان کے پاس پہونچا تو معاویہ نے کہا ابوتراب کی عیب جوئی اور دشنام طرازی سے تمہیں کس چیز نے روک رکھا ہے۔(۲) اس روایت کے سیاق وسباق میں مناقب پائے جاتے ہیں۔

شیخ علاء الدین سکتواری ''محاضرۃ الاوائل'' (۳) میں لکھتے ہیں:

''علی بن ابی طالبؑ وہ پہلے شخص ہیں جو ابوتراب کے نام سے موسوم ہوئے رسول خداؐ نے ان کو اس وقت یہ نام عطا فرمایا جب آپ نے دیکھا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ان کی پشت گرد آلود ہے، چنانچہ انہوں نے مہربان لہجے میں فرمایا: قم یا اباتراب ''اے ابوتراب اٹھو''۔ یہ ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ لقب تھا، نفس محمدی کی برکت کے بعد، ان کو ایک کرامت حاصل ہوئی مٹی ان کو گذشتہ وآئندہ واقعات کی اطلاع دیتی تھی، لہٰذا اس معنی کو درک کریں''۔(۴)

شاعر متبحر استاد عبدالباقی آفندی عمری نے ایک ظریف نکتہ بیان کیا ہے:

خلق اللہ آدما من تراب　　　فھو ابن لہ وانت ابوہ

''خداوند عالم نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا لہٰذا آدم مٹی کے فرزند ہیں اور تم مٹی کے باپ ہو''۔

۱۔ توبہ/۶۵/۶۶

۲۔ تذکرۃ الخواص، ص۴، (ص۶)

۳۔ سعد نے جواب میں حدیث منزلت پیش کی تھی ملاحظہ کیجئے: سنن ترمذی، ج۲، ص۲۱۳، (ج۶، ص۵۹، حدیث۳۷۲۴)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۰۸، (ج۳، ص۱۱۷، حدیث۴۵۷۵)؛ صحیح مسلم، (ج۵، ص۲۳، حدیث۳۲، کتاب فضائل الصحابہ)؛ کفایۃ الطالب، ص۲۸، (ص۸۵، باب۱۰)؛ نزل الابرار، ص۱۵، (ص۴۷) الاصابہ، ج۲، ص۵۰۹، (۵۶۸۸)

۴۔ محاضرۃ الاوائل، ص۱۱۱، (۱۲۳)؛ دلائل النبوۃ، بیہقی (ج۳، ص۱۲)

۷۔شمس الدین مالکی نے اپنے اشعار میں امیر المومنینؑ کے جن مناقب کی جانب اشارہ کیا ہے، ان میں ''حدیث برائت اور اس کی تبلیغ'' بھی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

و ارسلـه الـرسـول مبـلـغـا　　و خـص بهـذا الامر تخصيص مفرد

وقـال :هـل التبـلـيـغ عنى ينبغى　　لمن ليس من بيتى من القوم فاقتدى

اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول خداؐ نے سورۂ برائت کی ابتدائی آیات کو اہل مکہ کے سامنے پڑھنے کے لئے ابوبکر کو مکہ روانہ کیا، اسی وقت جبرئیل امین نازل ہوئے اور کہا: اس امر کے لئے کوئی اور نہیں جاسکتا یا آپ جائے یا وہ شخص جو آپ سے ہے۔ یہ سن کر رسول خداؐ نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو ناقۂ عضاء کے ہمراہ ابوبکر کے تعاقب میں روانہ کیا اور فرمایا: ان سے جہاں بھی ملاقات ہو خط لے کے تم خود مکہ جاؤ اور لوگوں کے سامنے آیات کی تلاوت کرو۔

حضرت علیؑ مقام عرج، دار الخلیفہ، یاضجنان یا پھر مقام جحفہ میں ان کے پاس پہونچے، ان سے خط لیا، حج کی ادائیگی کی اور تبلیغ کے لئے اذان کہی (یا اعلان برائت کیا)۔

اس تاریخی واقعہ کو بہت سے حفاظ اور ائمہ حدیث نے متعدد اور مختلف طرق سے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے:

۱۔ابومحمد اسماعیل سدی کوفی (متوفی ۱۲۸ھ)؛

۲۔ابومحمد عبدالملک بن ہشام بصری (متوفی ۲۱۸ھ)؛

۳۔ابوعبداللہ محمد بن سعد زہری (متوفی ۲۲۰ھ)؛

۴۔حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ عیسیٰ کوفی (متوفی ۲۳۹ھ)؛

۵۔حافظ ابوالحسن ابن ابی شیبہ کوفی (متوفی ۲۳۹ھ)؛

۶۔امام الحنابلہ احمد بن بن حنبل شیبانی (متوفی ۲۴۱ھ)؛

۷۔حافظ ابومحمد عبداللہ دارمی صاحب سنن (متوفی ۲۵۵ھ)؛

۸۔حافظ ابوعبداللہ بن ماجہ قزوینی صاحب سنن (متوفی ۲۷۳ھ)؛

۹۔ حافظ ابوعیسیٰ ترمذی صاحب سنن (متوفی ۲۷۹ھ)؛

۱۰۔ حافظ ابوبکر احمد بن ابی عاصم شیبانی (متوفی ۲۸۷ھ)؛

۱۱۔ حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد نسائی صاحب سنن (متوفی ۳۰۳ھ)؛

۱۲۔ حافظ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)؛

۱۳۔ حافظ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری (متوفی ۳۱۱ھ)؛

۱۴۔ حافظ ابوعوانہ یعقوب نیشاپوری صاحب مصابیح (متوفی ۳۱۶ھ)؛

۱۵۔ حافظ ابوالقاسم عبداللہ بغوی؛ (متوفی ۳۱۷ھ)

۱۶۔ حافظ عبداللہ ابن ابی حاتم تمیمی (متوفی ۳۱۷ھ)؛

۱۷۔ حافظ ابوحاتم محمد بن حبان تمیمی (متوفی ۳۵۴ھ)؛

۱۸۔ حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ)؛

۱۹۔ حافظ ابوالشیخ (متوفی ۳۶۹ھ)؛

۲۰۔ حافظ علی بن عمر دارقطنی (متوفی ۳۶۱ھ)؛

۲۱۔ حافظ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک (متوفی ۴۰۵ھ)؛

۲۲۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ اصفہانی (متوفی ۴۱۶ھ)؛

۲۳۔ حافظ ابونعیم احمد اصفہانی صاحب حلیہ (متوفی ۴۳۰ھ)؛

۲۴۔ حافظ ابوبکر احمد بن حسن بیہقی صاحب سنن (متوفی ۴۵۸ھ)؛

۲۵۔ فقیہ ابوالحسن علی بن مغازلی شافعی (متوفی ۴۸۳ھ)؛

۲۶۔ حافظ ابومحمد حسین بغوی شافعی (متوفی ۵۱۶ھ)؛

۲۷۔ نجم الدین ابوحفص حنفی سمرقندی حنفی (متوفی ۵۳۷ھ)؛

۲۸۔ ابوالقاسم جاراللہ زمخشری شافعی (متوفی ۵۳۸ھ)؛

۲۹۔ ابوعبداللہ یحییٰ قرطبی صاحب تفسیر کبیر (متوفی ۵۶۷ھ)؛

۳۰۔حافظ ابوالمؤید موفق بن احمد خوارزمی حنفی (متوفی ظ۵۷۱ھ)؛

۳۱۔ابوالقاسم بن عساکر دمشقی شافعی (متوفی ۵۷۱ھ)؛

۳۲۔ابوالقاسم عبدالرحمٰن خثعمی سہیلی (متوفی ۵۸۱ھ)؛

۳۳۔ابوعبداللہ محمد بن عمر فخر رازی شافعی (متوفی ۶۰۶ھ)؛

۳۴۔ابوالسعادات بن اثیر شیبانی شافعی (متوفی ۶۰۶ھ)؛

۳۵۔حافظ ابوالحسن علی بن اثیر شیبانی (متوفی ۶۳۰ھ)؛

۳۶۔ابوعبداللہ ضاءالدین محمد مقدسی حنبلی (متوفی ۶۴۳ھ)؛

۳۷۔ابوسالم محمد بن طلحہ قریشی نصیبی شافعی (متوفی ۶۵۲ھ)؛

۳۸۔ابوالمظفر یوسف سبط بن جوزی حنفی (متوفی ۶۵۵ھ)؛

۳۹۔عزالدین ابن ابی الحدید معتزلی (متوفی ۶۵۵ھ)؛

۴۰۔حافظ ابوعبداللہ گنجی شافعی (متوفی ۶۵۸ھ)؛

۴۱۔قاضی ناصرالدین ابوالخیر بیضاوی شافعی (متوفی ۶۸۵ھ)؛

۴۲۔حافظ ابوالعباس محب الدین طبری شافعی (متوفی ۶۹۵ھ)

۴۳۔شیخ الاسلام ابواسحاق ابراہیم حموی (متوفی ۷۲۲ھ)؛

۴۴۔ولی الدین محمد خطیب عمری تبریزی صاحب مشکاۃ المصابیح (متوفی ۷۲۷ھ)؛

۴۵۔علاءالدین علی بن محمد خازن صاحب تفسیر (متوفی ۷۴۱ھ)؛

۴۶۔اثیرالدین ابوحیان اندلسی صاحب تفسیر (متوفی ۷۴۵ھ)؛

۴۷۔حافظ شمس الدین محمد ذہبی شافعی (متوفی ۷۴۸ھ)؛

۴۸۔نظام الدین حسن نیشاپوری صاحب تفسیر؛

۴۹۔حافظ عمادالدین اسماعیل بن کثیر دمشقی شافعی (متوفی ۷۷۴ھ)؛

۵۰۔حافظ ابوالحسن علی بن ابی بکر ہیثمی شافعی (متوفی ۸۰۷ھ)؛

۵۱۔ تقی الدین احمد بن علی مقریزی حنفی (متوفی ۸۴۵ھ)؛
۵۲۔ ابوالفضل بن حجر احمد عسقلانی شافعی (متوفی ۸۵۲ھ)؛
۵۳۔ نورالدین علی بن محمد بن صباغ مالکی (متوفی ۸۵۵ھ)؛
۵۴۔ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی (متوفی ۸۵۵ھ)؛
۵۵۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی مقیم حرمین (متوفی ۹۰۲ھ)؛
۵۶۔ حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی شافعی (متوفی ۹۱۱ھ)؛
۵۷۔ حافظ ابوالعباس احمد قسطلانی شافعی (متوفی ۹۲۳ھ)؛
۵۸۔ حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ربیع شیبانی شافعی (متوفی ۹۴۴ھ)؛
۵۹۔ مورخ دیار بکری صاحب تاریخ الخمیس (متوفی ۹۶۶ھ)؛
۶۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی شافعی (متوفی ۹۷۴ھ)؛
۶۱۔ متقی علی بن حسام الدین قرشی ہندی مقیم مکہ (متوفی ۹۷۵ھ)؛
۶۲۔ حافظ زین الدین عبدالرؤف مناوی شافعی (متوفی ۱۰۴۱ھ)؛
۶۳۔ فقیہ شیخ بن عبداللہ عیدروس حسینی (متوفی ۱۰۴۱ھ)؛
۶۴۔ شیخ احمد بن باکثیر مکی شافعی صاحب وسیلہ (متوفی ۱۰۴۷ھ)؛
۶۵۔ ابوعبداللہ محمد زرقانی مصری مالکی (متوفی ۱۱۲۲ھ)؛
۶۶۔ میرزا محمد بدخشی صاحب مفتاح النجا؛
۶۷۔ سید محمد بن اسماعیل صنعان حسینی (متوفی ۱۱۸۲ھ)؛
۶۸۔ ابوالعرفان شیخ محمد صبان شافعی صاحب اسعاف الراغبین (متوفی ۱۲۰۶ھ)؛
۶۹۔ قاضی محمد بن علی شوکانی صنعانی (متوفی ۱۲۵۰ھ)؛
۷۰۔ ابوالثناء شہاب الدین سید محمود آلوسی شافعی (متوفی ۱۲۷۰ھ)؛
۷۱۔ شیخ سلمان بن ابراہیم قندوزی حسینی حنفی (متوفی ۱۲۹۳ھ)؛

۷۲۔ سید احمد زین وحلال مکی شافعی (متوفی ۱۳۰۴ھ)؛

۷۳۔ سید مومن شبلنجی مؤلف (نور الابصار)

ہم نے جلد اوّل میں ان میں سے بہت سے اسماء کے حالات زندگی میں بیان کیا ہے کہ اعلان برائت اور اس کی تبلیغ سے متعلق ان کے مدارک اور اسانید چند اصحاب کرام پر منتہی ہوتے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ **حضرت امیر المومنینؑ**؛ آپ زید بن یثیع کے طریق سے فرماتے ہیں: جب سورۂ برائت کی دس آیات پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوئیں تو آپ نے ابوبکر کو بلایا کہ اہل مکہ میں اس کی تلاوت کریں، پھر مجھے بلا کر فرمایا: جاؤ اور ابوبکر سے جہاں بھی ملاقات ہو، خط لے کر اہل مکہ کے سامنے ان آیات کی تلاوت کرو۔

چنانچہ میں روانہ ہوا، مقام جحفہ میں ابوبکر سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے خط لے لیا، ابوبکر نے واپس آ کر کہا: اے رسول خداؐ! میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ فرمایا: نہیں، لیکن جبرئیل نے میرے پاس آ کر کہا: آپ کی جانب سے ہرگز کوئی نہ جائے مگر خود آپ یا آپ میں سے کوئی شخص۔(۱)

دوسری صورت:

فرمایا: سورۂ برائت نازل ہوا تو رسول اکرمؐ نے ابوبکر کو روانہ کر دیا، پھر حضرت علیؑ کو بھیجا، انہوں نے راستہ ہی میں ابوبکر سے خط لے لیا، جب ابوبکر واپس ہوئے تو کہا: کیا میرے بارے میں

۱۔ زوائد مسند عبداللہ بن احمد، (ص ۳۵۳، حدیث ۱۴۶)؛ در منثور، ج ۳، ص ۲۰۹، (ج ۴، ص ۱۲۲)؛ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۴۷، (ج ۲، ص ۴۲۲، حدیث ۴۴۰۰)؛ فتح القدیر، ج ۲، ص ۳۱۹، (ج ۲، ص ۳۳۴)؛ ریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۱۴۷، (ج ۳، ص ۱۱۹)؛ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۹؛ البدایۃ والنھایۃ، ج ۵، ص ۳۸، ج ۷، ص ۳۵۷، (ج ۵، ص ۴۴، حوادث ۹ھ، ج ۷، ص ۳۹۴، حوادث ۴۰ھ)؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۳۳؛ مناقب خوارزمی، ص ۹۹، (ص ۱۶۵، حدیث ۱۹۶)؛ فرائد السمطین، (ج ۱، ص ۶۱، باب ۸)؛ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۹؛ عمدۃ القاری، ج ۸، ص ۶۳۸، (ج ۱۸، ص ۲۶۰)؛ وسیلۃ المآل، (ص ۱۴۴)؛ شرح المواهب زرقانی، ج ۳، ص ۹۱؛ تفسیر المنار، ج ۱۰، ص ۱۵۷۔

کچھ نازل ہوا ہے؟ فرمایا: نہیں، لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ میں خود اس کی تبلیغ کروں یا میرے خاندان کی کوئی فرد۔

چنانچہ حضرت علیؑ مکہ گئے اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر مذکورہ آیات کی تلاوت فرمائی۔(۱)

تیسری صورت:

بے شک رسول خداؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کے ہمراہ اہل مکہ کی جانب روانہ کیا، اس کے بعد ان کے تعاقب میں حضرت علیؑ کو بھیجا اور ان سے فرمایا: خط لے کر خود اہل مکہ کی طرف جاؤ۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت نے اثناء راہ ابوبکر کو دیکھا اور ان سے خط لے لیا، ابوبکر غمگین و محزون واپس آ کر رسول خداؐ سے کہنے لگے: کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ میں مامور کیا گیا ہوں کہ خود اس کی تبلیغ کروں یا وہ شخص جو میرے اہل بیت اور خاندان سے ہے۔(۲)

چوتھی صورت:

امیر المومنینؑ کی حنش کے طریق سے زید بن یثیع کے الفاظ میں مروی عبارت لفظ بہ لفظ منقول ہے۔(۳)

پانچویں صورت:

حنش کا بیان ہے کہ جس وقت رسول خداؐ نے امیر المومنینؑ کو سورۂ برائت کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا تو آپ نے فرمایا: اے رسول خداؐ! میں خطیب نہیں ہوں۔

۱۔ تفسیر طبری، ج۱۰، ص۴۶، (مجلد۶، ج۱۰، ص۶۴)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۳۳۳۔

۲۔ سنن نسائی، (ج۵، ص۱۲۸، حدیث ۸۴۶۱)؛ خصائص نسائی، ص۲، (ص۹۲، حدیث ۷۶)؛ الاموال ابی عبیدہ، ص۱۶۵، (ص۲۱۵، حدیث ۴۵۷)

۳۔ مسند احمد، ج۱، ص۱۵۱، (ج۱، ص۲۴۳، حدیث ۱۲۹۹)؛ کفایۃ الطالب، ص۱۲۶، (باب ۶۲، ص۲۵۵)؛ حالات امام علیؑ از تاریخ ابن عساکر، تحقیق شدہ (نمبر ۸۹۰)؛ مجمع الزوائد، ج۷، ص۲۹

فرمایا: اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ میں خود جاؤں یا تم ان کے ہمراہ جاؤ، یہ سن کر فرمایا: اگر کوئی صورت نہیں تو میں چلا جاؤں گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: جاؤ، خدا تمہاری زبان کو ثابت واستوار اور تمہارے قلب کو ہدایت کرے گا۔

حضرت کا بیان ہے کہ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھوں کو میرے منہ پر رکھا۔(۱)

چھٹی صورت:

فرمایا: رسول خداؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کے ہمراہ اہل مکہ کی طرف روانہ کیا، پھر مجھے ان کے تعاقب میں روانہ کیا، میں نے ان سے ملاقات کی اور ان سے سورۂ برائت کو لے لیا، یہ دیکھ کر ابوبکر نے کہا: میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں؟ فرمایا: تم میرے رفیق اور حوض پر میرے ہمراہ رہو گے، اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہ میرے علاوہ کوئی اور اس کی تبلیغ نہ کرے یا وہ جو مجھ سے ہے۔(۲)

۲۔ **ابوبکر بن ابی قحافہ کا بیان ہے:** بے شک رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: مجھے سورۂ برائت کی آیات کے ساتھ اہل مکہ کی جانب روانہ کیا کہ وہ اس سال کے بعد حج نہیں کر سکتے، برہنہ طواف کعبہ نہیں کر سکتے، صرف مسلمان ہی بہشت میں داخل ہوں گے اور خدا اور رسولؐ مشرکین سے بیزار ہیں۔

چنانچہ ابھی تین دن یا تین میل ہی راستہ طے کیا تھا کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: خود کو ابوبکر کے پاس پہونچاؤ اور انہیں میرے پاس بھیج کر تم خود سورۂ برأت کی تبلیغ کرو۔

ان کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمان رسولؐ پر عمل کیا، جب ابوبکر رسول خداؐ کے پاس پہونچے تو رو رہے تھے کہا: یا رسول اللہؐ! میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے؟ فرمایا: تمہارے بارے میں خیر کے علاوہ

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص۱۵۰، (ج۱، ص۲۴۲، حدیث۱۲۸۹)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۷۴، (ج۳، ص۱۱۹)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۳۳۳؛ درمنثور، ج۳، ص۲۱۰، (ج۴، ص۱۲۵)؛ کنزالعمال، ج۱، ص۲۴۷، (ج۲، ص۴۲۲، حدیث۴۴۰۱)

۲۔ تفسیر طبری، ج، (مجلد۶، ج۱۰، ص۶۴)؛ فتح الباری، ج۸، ص۲۵۶، (ج۸، ص۳۱۸)

کچھ اور نازل نہیں ہوا ہے، لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ کوئی اور اس کی تبلیغ نہ کرے مگر میں خود یا وہ شخص جو مجھ سے ہے۔(۱)

۳۔ابن عباس کہتے ہیں: رسول خداؐ نے ابوبکر کو روانہ کیا چنانچہ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ رسول خداؐ کے اونٹ ''قطواء'' کی آواز سنی، وہ خوف کی حالت میں یہ سوچ کر باہر آئے کہ کہیں رسول خداؐ تو نہیں آگئے، ناگاہ دیکھا کہ حضرت علیؑ ہیں، انہوں نے رسول خداؐ کے نامۂ مبارک کو حضرت علیؑ کے حوالے کیا اور کہا کہ ان کی تبلیغ کر دیں۔(میری طرف سے وہی تبلیغ کرے گا جو مجھ سے ہوگا) چنانچہ دونوں ایک ساتھ گئے، حضرت علیؑ نے ایام تشریق (۱۰،۱۱،۱۲ ذی الحجہ) کو کھڑے ہو کر بانگ دہل فرمایا: خدا اور رسولؐ ہر مشرک سے بیزار ہیں۔(۲)

دوسری صورت:

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کی آیات کے ساتھ بھیجا، ان کے بعد حضرت علیؑ کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انہوں نے سورۂ برائت لے لیا، یہ دیکھ کر ابوبکر نے کہا: اے رسول خداؐ! میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ فرمایا: نہیں، تم میرے یار غار ہو، لیکن میری جانب سے کوئی ابلاغ نہیں کر سکتا مگر میں خود یا علی......(۳)

ابن عباس سے ایک دوسری حدیث: ایک طویل حدیث میں امیر المومنینؑ کے بعض فضائل مذکور ہیں، چنانچہ جو مناقب تمام امت کی نظر میں قابل قبول ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول خداؐ نے

۱۔مسند احمد، ج۱، ص۳، (ج۱، ص۷، حدیث۴)؛ کنز العمال، ج۱، ص۱۲۶، (ج۲، ص۴۱۷، حدیث ۴۳۸۹)؛ کفایۃ الطالب، ص۱۲۵، (ص۲۵۴)؛ مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج۱۸، ص۶)؛ حالات امام علیؑ از تاریخ ابن عساکر تحقیق شدہ، (نمبر۸۸۹)؛ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص۳۵۷، (ج۷، ص۳۹۴، حوادث ۴۰ھ)

۲۔سنن ترمذی، ج۲، ص۱۳۵، (ج۵، ص۲۵۷، حدیث ۳۰۹۱)؛ سنن بیہقی، ج۹، ص۲۲۴؛ مناقب خوارزمی، ص۹۹، (ص۱۶۴، حدیث ۱۹۵)؛ مطالب السؤال، ص۱۷؛ فتح القدیر، ج۲، ص۳۱۹، (ج۲، ص۳۳۴)؛ المستدرک علی الصحیحین، (ج۲، ص۳۶۱، حدیث ۳۲۷۵)؛ فتح الباری، ج۸، ص۲۵۶، (ج۸، ص۳۱۸)

۳۔تفسیر طبری، ج۱۰، ص۴۶، (مجلد۶، ج۱۰، ص۶۴)

فلاں شخص کو سورۂ توبہ کی آیات کے ہمراہ روانہ کیا، اس کے بعد حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے بھیجا کہ سورۂ توبہ ان سے لے لیں اور فرمایا: اسے کوئی شخص نہیں لے جاسکتا مگر وہ جو مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔(۱)

ابن عباس کی ایک دوسری حدیث: ابن عساکر(۲) نے حافظ عبدالرزاق کے طریق سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ میں اور عمر بن خطاب مدینہ کی گلیوں میں چہل قدمی کر رہے تھے۔عمر نے کہا: اے ابن عباس! میرے خیال میں تمہارے صاحب (علیؑ) کو تمہارے امور کا متولی قرار نہ دے کر لوگوں نے ان کے ساتھ ناانصافی کی ہے، لوگوں نے انہیں چھوٹا سمجھا؟ میں نے کہا: خدا کی قسم! جب رسول خداؐ نے سورۂ برائت کی تبلیغ کے لئے ان کا انتخاب فرمایا تو اس وقت آنحضرت نے انہیں چھوٹا نہیں سمجھا۔

یہ سن کر عمر نے مجھ سے کہا: تم نے سچ کہا، خدا کی قسم! میں نے سنا ہے کہ رسول خداؐ نے علی بن ابی طالبؑ سے فرمایا: ''من احبک احبنی ومن احبنی احب اللہ ومن احب اللہ ادخلہ الجنۃ مدلّاً''۔(۳)

۴۔جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے: جب رسول خداؐ عمرۂ جعرانہ سے واپس ہوئے تو ابوبکر کو حج کے لئے روانہ کیا۔ہم ان کے ساتھ آئے یہاں تک کہ مقام حج پر پہونچے، نماز صبح کے لئے آمادہ

۱۔مسند احمد، ج۱، ص۳۳۱، (ج۱، ص۵۴۴، حدیث۳۰۵۲)؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۳۲، (ج۳، ص۱۴۳، حدیث۴۶۵۲)؛ مناقب خوارزمی، ص۷۵، (ص۱۲۵، حدیث۱۴۰)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۲۰۳، (ج۳، ص۱۵۳)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۸۷؛ فرائد السمطین، (ج۱، ص۳۲۷، حدیث۲۵۵، باب۵۹)؛ المعجم الکبیر طبرانی، (ج۱۲، ص۷۷، حدیث۱۲۵۹۳)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج۷، ص۳۳۷، (ج۷، ص۳۷۳/۳۷۴، حوادث ۴۰ھ)؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۱۹؛ کفایۃ الطالب، ص۱۱۵، (باب ۶۲، ص۲۴۱)؛ الاصابۃ، ج۲، ص۵۰۹

۲۔مختصر تاریخ دمشق، (ج۲۰، ص۶۸)

۳۔کنز العمال، ج۶، ص۳۹۱، (ج۱۳، ص۱۰۹، حدیث۳۶۳۵۷)؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۱۰۵، (ج۱۲، ص۴۶، خطبہ۲۲۳)

ہوئے، جب ابوبکر تکبیر کے لئے کھڑے ہوئے تو عقب سے اونٹ کے چلانے کی آواز آئی، آواز سن کر تکبیر کا ارادہ ترک کردیا اور کہا: یہ رسول خداؐ کے اونٹ ''جدعا'' کی آواز ہے، شاید آنحضرت تشریف لائے ہیں، ہم انہیں کے ہمراہ نماز پڑھیں گے۔

ناگاہ دیکھا کہ آنحضرتؐ کے ناقہ پر حضرت علیؑ موجود ہیں، ابوبکر نے ان سے پوچھا: آپ امیر کی حیثیت سے آئے ہیں یا قاصد و پیامبر کی حیثیت سے؟ فرمایا: نہیں بلکہ میں پیامبر ہوں، رسول خداؐ نے نے مجھے سورۂ برائت کی آیات کے ہمراہ روانہ فرمایا ہے تاکہ حج کے ایام میں لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت کروں۔

چنانچہ ہم مکہ میں داخل ہوئے جب ترویہ میں ایک دن باقی تھا، ابوبکر کھڑے ہوئے، خطبہ پڑھا اور لوگوں کے سامنے حج کے مناسک بیان کئے، پھر حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے سورۂ برائت کی تلاوت فرمائی، یہ مرحلہ تین مرتبہ تکمیل پایا، عرفہ کے دن اور طواف کعبہ سے قبل۔(۱)

۵۔ انس بن مالک کا بیان ہے: رسول خداؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کے ہمراہ اہل مکہ کی جانب روانہ کیا پھر انھیں واپس بلا کر فرمایا: مناسب نہیں کہ کوئی اس کی تبلیغ کرے مگر یہ کہ میرے اہل بیت کی کوئی فرد، اس کے بعد حضرت علیؑ کو بلا کر سورۂ برائت انھیں عطا فرمایا۔

احمد کے دوسرے الفاظ ہیں: رسول خداؐ نے ابوبکر صدیق کو سورۂ برائت کے ہمراہ روانہ کیا، جب مقام ذی الحلیفہ پر پہونچے تو فرمایا: میرے اور میرے خاندان کی کسی فرد کے علاوہ کوئی اوراس کی تبلیغ

۱۔ سنن دارمی، ج۲، ص۶۷؛ خصائص نسائی، ص۲۰، (ص۹۳، حدیث ۷۸)؛ سنن نسائی، (ج۵، ص۱۲۹، حدیث ۸۴۶۳)؛ صحیح ابن خزیمہ، (ج۴، ص۳۱۹، حدیث ۲۹۷۴)؛ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، (ج۱۵، ص۱۹، حدیث ۶۶۴۵)؛ تفسیر طبری، (مجلد۶، ج۱۰، ص۶۵)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۷۳، (ج۳، ص۱۱۸)؛ تیسیر الوصول، ج۱، ص۱۳۳، (ج۱، ص۱۵۸، حدیث۱۰)؛ تفسیر قرطبی، ج۸، ص۶۷، (ج۸، ص۴۴)؛ شرح المواہب زرقانی، ج۳، ص۹۱؛ المواہب الدینیۃ، (ج۱، ص۶۴۰)؛ تاریخ الخمیس، ج۲، ص۱۴۱؛ سیرۂ زینی دحلان، ج۲، ص۳۶۵، (ج۲، ص۱۴۰)؛ تفسیر روح المعانی، ج۳، ص۲۶۸، (ج۱۰، ص۴۴)؛ تفسیر المنار، ج۱۰، ص۱۵۶

نہیں کرسکتا، پھر حضرت علیؑ کو سورۂ برائت کے ہمراہ روانہ کیا۔(۱)

۶۔ابوسعید خدری کا بیان ہے: رسول خداؐ نے ابوبکر کو روانہ کیا کہ ان کی جانب سے سورۂ برائت کی تبلیغ کریں، اس کے بعد حضرت علیؑ کو بھیجا اور فرمایا: اے علیؑ! کسی کو اس کی تبلیغ کا حق حاصل نہیں مگر خود مجھے یا تمہیں۔ پھر حضرت علیؑ کو ناقۂ عضبا پر سوار کر کے روانہ کردیا، وہ ابوبکر کے پاس پہونچے ان سے سورۂ برائت لے لیا۔

ابوبکر رسول خداؐ کی خدمت میں پہونچے، اس موضوع کے سلسلے میں ان پر خوف و وحشت طاری تھی کہ شاید ان کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں پہونچے تو عرض کی: یارسول اللہؐ! میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا، کیا بات ہے؟ فرمایا: خیر ہے، تم میرے بھائی اور میرے یار غار ہو، لیکن میرے علاوہ کوئی دوسرا اس کی تبلیغ نہیں کرسکتا یا وہ جو مجھ سے ہے۔(۲)

۷۔ابورافع کا بیان ہے: رسول خداؐ نے ابوبکر کو ایام حج میں سورۂ برائت کی آیات کے ہمراہ مکہ روانہ کیا۔ اسی وقت جبرئیل امین نازل ہوئے اور کہا: صرف آپ یا وہ جو آپ جیسا ہے وہی اس کی تبلیغ کرسکتا ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا، وہ مکہ و مدینہ کے درمیان ان کے پاس پہونچے اور سورۂ برائت لے کر ایام حج میں لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی۔(۳)

۱۔مسند احمد، ج۳، ص۲۱۲/۲۸۳، (ج۴، ص۷۷، حدیث۱۲۸۰۲، ص۱۹۸، حدیث۱۳۶۰۵)؛ سنن ترمذی، ج۲، ۱۳۵، (ج۵، ص۲۵۶، حدیث۳۰۹۰)؛ خصائص نسائی، ص۲۰، (ص۹۲، حدیث۷۵)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج۵، ص۳۸، (ج۵، ص۴۶، حوادث ۹ھ)؛ تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۳۳۳؛ مناقب خوارزمی، ص۹۹، (ص۱۶۵، حدیث۱۶۷)؛ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، ج۷، ص۱۳۶، (ج۱۰، ص۲۸۳)؛ فتح الباری، ج۸، ص۲۵۶، (ج۸، ص۳۱۸)؛ عمدۃ القاری، ج۸، ص۶۳۸، (ج۴، ص۷۸)؛ مطالب السؤال، ص۱۷؛ درّ منثور، ج۳، ص۲۰۹، (ج۴، ص۱۲۳)؛ کنز العمال، ج۱، ص۲۴۹، (ج۲، ص۴۳۱، حدیث۴۴۲۱)؛ شرح المواھب زرقانی، ج۳، ص۹۱؛ فتح القدیر، ج۲، ص۳۱۹، (ج۲، ص۳۳۴)؛ روح المعانی، ج۳، ص۲۶۸، (ج۱۰، ص۴۵)؛ تفسیر المنار، ج۱۰، ص۱۵۷

۲۔الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، (ج۱۵، ص۱۶، حدیث۶۶۴۴)؛ درّ منثور، ج۳، ص۲۰۹، (ج۴، ص۱۲۴)؛ روح المعانی، ج۳، ص۲۶۸؛ فتح الباری، ج۸، ص۲۵۶، (ج۸، ص۳۱۸)؛

۳۔درّ منثور، ج۳، ص۲۱۰، (ج۴، ص۱۲۴)؛ فتح الباری، ج۸، ص۲۵۶، (ج۸، ص۳۱۸)

۸۔سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے: رسول خداؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کے ہمراہ روانہ کیا پھر راستے میں حضرت علیؑ کو روانہ کیا، انہوں نے ابوبکر سے سورۂ برائت لے لیا اور ان کے ہمراہ مکہ پہونچے۔

اس واقعہ سے ابوبکر نے اپنے دل میں کسک محسوس کی تو رسول خداؐ نے فرمایا: اس کی تبلیغ صرف میں کرسکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہے۔(۱)

ابن عساکر(۲) نے حرث بن مالک سے نقل کیا ہے: میں مکہ آیا تو سعد بن ابی وقاص سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا: کیا حضرت علیؑ کی کوئی فضیلت و منقبت سنی ہے؟

کہا: میں ان کی چار فضیلتوں کی گواہی دوں گا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی میرے حصے میں آتی تو وہ میرے نزدیک اس دنیا سے زیادہ محبوب ہوتی جس میں نوح کی مانند پانچ سو سال کی زندگی کرتا۔

بے شک رسول خداؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کے ہمراہ مشرکین مکہ کی جانب روانہ کیا(۳)...... حدیث برائت کی تفصیل۔

۹۔ابوہریرہ کا بیان ہے: میں اس وقت حضرت علیؑ کے ساتھ تھا جب رسول خداؐ نے انھیں روانہ کیا، چنانچہ انہوں نے چار موضوعات کو بانگ دہل بیان فرمایا، یہاں تک کہ ان کی آواز گھوڑے کی ہنہناہٹ کے مانند تیز و تند ہوگئی۔(۴)

محب الدین طبری نے ابی حاتم کے طریق سے ابوسعید یا ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے ابوبکر کو روانہ کیا، جب مقام ضجنان میں پہونچے تو حضرت علیؑ کے اونٹ کی آواز سنی، قریب آکر پوچھا: میرا کام کیا ہے؟

۱۔سنن نسائی، (ج۵، ص۱۲۹، حدیث۸۴۶۲)؛ خصائص نسائی، ص۲۰، (ص۹۳، حدیث۷۷)؛ درّ منثور، ج۳، ص۲۰۹، (ج۴، ص۱۲۲)؛ فتح القدیر، ج۲، ص۳۱۹، (ج۲، ص۳۳۳)؛ فتح الباری، ج۸، ص۲۵۵، (ج۸، ص۳۱۸)

۲۔مختصر تاریخ ابن عساکر، (ج۱۷، ص۳۳۳)؛ حالات امام علیؑ از تاریخ ابن عساکر تحقیق شدہ (نمبر۲۷۸)

۳۔کفایۃ الطالب، ص۱۵۱ (ص۲۸۵)

۴۔سنن دارمی، ج۲، ص۲۳۷؛ بقول سیوطی سنن نسائی، ج۵، ص۲۳۴، (ج۲، ص۴۰۷، حدیث۳۹۴۹)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۷۳، (ج۳، ص۱۱۸)؛ ذخائر العقبیٰ، ص۶۹

فرمایا: خیر ہے، رسول خداؐ نے سورۂ برائت کی تبلیغ کے لئے مجھے روانہ کیا ہے، جب ہم واپس آئے تو ابوبکر نے رسولؐ کی خدمت میں پہونچ کر کہا: یارسول اللہؐ! میرا کام کیا ہے؟ کہا: سب بہتر ہے، لیکن میرے علاوہ کوئی اور تبلیغ نہیں کرسکتا یا وہ شخص جو مجھ سے ہے یعنی علیؑ۔

۱۰۔ عبداللہ بن عمر: ابن حجر نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔(۱)

۱۱۔ حبشی بن جنادہ کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں، میری جانب سے کوئی تبلیغ نہیں کرسکتا مگر میں خود یا علیؑ۔(۲)

۱۲۔ عمران بن حصین ایک مرفوع حدیث میں کہتے ہیں:

رسول خداؐ نے فرمایا:

علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں، میری جانب سے علیؑ کے علاوہ کوئی اور تبلیغ نہیں کرسکتا۔ سبط ابن جوزی کے مطابق: اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔(۳)

۱۔ فتح الباری، ج۸، ص۲۵۶، (ج۸، ص۳۱۸)

۲۔ مسند احمد، ج۴، ص۱۶۴/۱۶۵، (ج۵، ص۱۷۰، حدیث۱۷۰۵۱)؛ سنن ترمذی، ج۲، ص۲۱۳، (ج۵، ص۵۹۴، حدیث۳۷۱۹)؛ سنن نسائی، (ج۵، ص۱۲۸، حدیث۸۴۵۹)؛ خصائص نسائی، ص۲۰، (ص۹۱، حدیث۷۴)؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۵۷، (ج۱، ص۴۴، حدیث۱۱۹)؛ مصابیح السنۃ، ج۲، ص۲۷۵، (ج۴، ص۱۷۲، حدیث۴۷۶۸)؛ مشکاۃ المصابیح، ص۵۵۶، (ج۳، ص۳۵۶، حدیث۶۰۹۲)؛ مناقب ابن مغازلی، (ج۲۲۲، ص۲۶۷)؛ کفایۃ الطالب، ص۵۵۷، (ص۲۷۶، باب۶۷)؛ تھذیب الاسماء واللغات نودی، (ج۱، ص۳۴۸)؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص۷۴، (ج۳، ص۱۱۹)؛ تذکرۃ الخواص، ص۲۳، (ص۳۶)؛ تذکرۃ الحفاظ، (ج۲، ص۴۵۵، نمبر۴۶۲)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج۷، ص۳۵۶، (ج۷، ص۳۹۴، حوادث ۴۰ھ)؛ القاصد الحسنۃ، (ص۱۴۴، حدیث۱۸۹)؛ کنوز الدقائق، ص۹۲، (ج۲، ص۱۶)؛ فرائد السمطین، باب۷، (ج۱، ص۵۹، حدیث۲۴)؛ الجامع الصغیر سیوطی، (ج۲، ص۱۷۷، حدیث۵۵۹۵)؛ کنز العمال، ج۶، ص۱۵۳، (ج۱۱، ص۶۰۳، حدیث۳۲۹۱۳)؛ الصواعق المحرقۃ، ص۷۳، (ص۱۲۲)؛ نزل الابرار، ص۹، (ص۳۸)؛ المصنف ابن ابی شیبہ، (ج۱۲، ص۵۹، حدیث۱۲۱۲۰)؛ المعجم الکبیر طبرانی، (ج۴، ص۱۶، حدیث۳۵۱۱/۳۵۱۳)؛ الروضۃ الندیۃ، (ص۲۵۷)؛ ینابیع المودۃ، (ج۱، ص۵۲، باب۷)؛ نور الابصار، ص۷۸، (ص۱۶۰)؛ الاسعاف مطبوع بر حاشیہ نور الابصار، ص۱۵۵۔

۳۔ تذکرۃ الخواص، ص۲۲، (ص۳۶)

۱۴۔ابوذر غفاری کا بیان ہے: علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں، سورۂ برائت کی تبلیغ میرے علاوہ کوئی اور نہیں کرسکتا یا وہ جو مجھ سے ہے یعنی علیؑ۔(۱)

مرسلات

۱۔ ابوجعفر محمد بن علی (امام باقرؑ) فرماتے ہیں: جب رسول خداؐ پر سورۂ برائت کی آیتیں نازل ہوئیں تو اس وقت ابوبکر اقامہ حج کے لئے مامور ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ سے کہا گیا: یارسول اللہؐ! ابوبکر کے ساتھ ہی یہ آیتیں ارسال فرمادیں۔ آپؐ نے فرمایا: اس کی تبلیغ صرف میں کرسکتا ہوں یا وہ جو میرے خاندان سے ہے۔

پھر حضرت علی بن ابی طالبؑ کو بلا کر فرمایا:

جاؤ اور سورۂ برائت کی ابتدائی آیات کی اس وقت تبلیغ کردو جب لوگ عید قربان کے دن میدان منیٰ میں جمع ہوں، اس وقت تم اعلان کردو کہ:

انہ لایدخل الجنة کافر ''کافر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا''۔

ولایحج بعد العام مشرک ''اس سال کے بعد مشرک حج نہیں کرسکیں گے''۔

وان لا یطوف بالبیت عریان ''وہ برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف نہیں کرسکتے''۔

ومن کان لہ عند رسول اللہ فھو لہ الی مدتہ ''رسول خداؐ کے پاس جس کا کوئی عہد وپیان ہے وہ اسی مدت معین تک باقی رہے گا''۔

چنانچہ حضرت علیؑ ناقۂ رسول ''عضبا'' پر سوار ہو کر باہر آئے، راستے میں ابوبکر سے ملاقات ہوئی۔

ابوبکر نے پوچھا: امیر ہیں یا مامور؟

فرمایا: مامور ہوں، پھر وہ ساتھ گئے، ابوبکر نے لوگوں کے لئے حج قائم کیا، اس سال تک عرب

۱۔مطالب السؤال، ص۱۸

جاہلی روش پر حج بجالاتے تھے یہاں تک کہ عید قربان کا دن آیا، حضرت علیؑ کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان فرمان رسولؐ کے مطابق اعلان برائت کیا۔(۱)

۲۔مروی ہے کہ جب ابوبکر نے کچھ راستہ طے کیا تو جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا:

اے محمدؐ! آپ کی رسالت کی تبلیغ آپ کے اہل کے علاوہ کوئی اور نہیں کرسکتا، یہ سنتے ہی حضرت علیؑ کو روانہ کیا، ابوبکر نے عرض کی: یارسول اللہؐ! کیا میرے بارے میں آسمان سے کچھ نازل ہوا ہے، فرمایا: ہاں! تم حج کے لئے جاؤ اور علیؑ آیات برائت کی تبلیغ کریں گے۔(۲)

۳۔سدی سے مروی ہے: جب سورۂ برائت کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں تو رسول خداؐ نے ابوبکر کے ہمراہ روانہ کیا اور حج کا حکم دیا۔

چنانچہ جب وہ درخت الحلیفہ تک پہونچے تو حضرت علیؑ کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا، انہوں نے آیات کو ان سے لیا۔ ابوبکر نے واپسی پر رسول خداؐ سے کہا: اے رسول خداؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے؟

فرمایا: نہیں، لیکن میری جانب سے کوئی تبلیغ نہیں کرسکتا مگر میں خود یا وہ شخص جو مجھ سے ہے۔ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم غار میں میرے ہمراہ تھے، حوض پر میرے ساتھ رہوگے؟

کہا: ہاں! یارسول اللہؐ۔

پھر ابوبکر حج کے لئے روانہ ہوئے اور حضرت علیؑ نے سورۂ برائت کی تبلیغ فرمائی۔(۳)

امیر المومنینؑ کی اس فضیلت ومنقبت کی اصحاب گذشتہ نے اس وقت بھی نشاندہی کی تھی جب حضرتؑ نے اصحاب شوریٰ کو قسم دے کر پوچھا تھا: کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا نہیں ہے جس کے بارے

۱۔سیرۂ ابن ہشام، ج۴، ص۲۰۳، (ج۴، ص۱۹۰)؛ تفسیر طبری، ج۱۰، ص۴۷، (مجلد ٦، ج۱۰، ص٦۵)؛ تفسیر کشاف، ج۲، ص۲۳، (ج۲، ص۲۴۳)؛ البدایۃ والنھایۃ، ج۲، ص۳۳۴، (ج۵، ص۴۴، حوادث ۹ھ)؛ عمدۃ القاری، ج۴، ص٦۳۳، (ج۴، ص۷۸)

۲۔تفسیر غرائب القرآن مطبوع برحاشیہ تفسیر طبری، ج۱۰، ص۳٦، (ج۳، ص۴۲۹)

۳۔تفسیر طبری، ج۱۰، ص۴۷، (مجلد ٦، ج۱۰، ص٦۵)؛ تاریخ طبری، ج۳، ص۱۵۴، (ج۳، ص۱۲۲ حوادث ۹ھ)۔

میں رسول خداؐ نے فرمایا ہو کہ بے شک میری جانب سے کوئی ابلاغ نہیں کرسکتا مگر خود میں یا وہ شخص جو مجھ سے ہے، کیا وہ میرے علاوہ کوئی اور تھا؟

انھوں نے کہا: نہیں۔

اس فضیلت کے سلسلے میں مروی احادیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ ابوبکر سے آیات کو لے لیا گیا اور امیر المومنینؑ اس کی تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے نیز واضح ترین وحی نازل ہوئی کہ آنحضرتؐ کی جانب سے کوئی تبلیغ نہیں کرسکتا مگر خود آنحضرتؐ یا وہ شخص جو آنحضرتؐ سے ہے۔

لہٰذا اس صریحی واقعہ کے بعد ہمیں ان باتوں کی وجہ سے پس و پیش میں پڑنے کی ضرورت نہیں جنہیں بعض راویوں نے تنہا ذکر کیا ہے کیوں کہ یہ بعض روایات، اخبار صحیحہ کو خبر واحد کی حیثیت نہیں دے سکتیں۔

یہ واقعات اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ جس شخص کو رسول خداؐ چند آیات کی تبلیغ کے لئے مناسب نہیں سمجھتے، اسے تمام دین کی تعلیم و ترویج اور تمام احکام و مصالح کی تبلیغ کا امین کیسے قرار دے سکتے ہیں؟!

شاعر کے حالات زندگی

نام ''ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن علی ہواری مالکی اندلسی معروف بہ ابن جابر اعمی'' ہے، مریہ (اسپین کے بزرگ شہر اندلس) کے رہنے والے تھے۔

میدان شعر و ادب کے شہسوار اور علم نحو، تاریخ، تراجم و حدیث میں متبحر استاد تھے، ۶۹۸ھ میں پیدا ہوئے، قرآن و نحو، محمد بن یعیش سے، فقہ، محمد بن سعید زندی سے اور علم حدیث کو ابوعبداللہ زواری سے حاصل کیا، پھر ابوجعفر احمد بن یوسف البری کی مصاحبت میں مشرق کا سفر کیا، ان دونوں نے علم و ادب میں مہارت حاصل کرنے کے بعد تاریخ کی طرف رخ کیا۔

لہٰذا متذکرہ شاعر تاریخی واقعات کو نظم کے قالب میں ڈھال کر اپنے رفیق ومصاحب کے سامنے پڑھتے تھے، اس طرح وہ ادبیات کے استاد اور نابغۂ روزگار ہوگئے اور دوسروں پر برتری حاصل کرلی۔

انہوں نے مصر میں ابوحیان سے حدیث سنی، دونوں ایک ساتھ حج کے لئے گئے، وہاں سے شام آئے اور وہاں ابوالحاج مزی دمشقی، جندی اور ابن کامیار سے استفادہ کیا پھر حلب میں اقامت اختیار کرلی اور وہاں حدیث بیان کی اس کے بعد (اندلس) کی جانب روانہ ہوگئے، ۷۸۰ھ جمادی الآخر میں وفات ہوئی۔

تالیفات:

۱۔ شرح الفیہ ابن مالک؛

سیوطی بغیہ میں لکھتے ہیں:

''مفید کتاب ہے، ادبیات عرب کے اعراب گذاری کے متعلق لکھی گئی ہے، یہ بہت وقیع ہے، ابتدائی طالب علموں کے لئے بہت زیادہ مفید ہے''۔

۲۔ نظم الفصیح؛

۳۔ نظم کفایہ محتفظ؛

۴۔ شرح الفیہ ابن معطی (۸ جلدیں)؛

سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ اور شذرات الذہب میں تین جلدوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۵۔ شعری دیوان؛

۶۔ رسول خداؐ کی مدح میں ۲۵۶ راشعار پر مشتمل قصیدہ، جس کا مطلع ہے:

بادر قلبی للهویٰ وما ارتأی　　　لمّا رأی من حسنها ما قد رأی

۷۔ ان کا مشہور قصیدۂ بدیعیہ بنام "الحلہ السیر فی مدح خیر الوریٰ"۔(۱)

ان کے حالات زندگی کی تفصیل "درالکامنہ، بغیۃ الوعاۃ، شذرات الذہب اور نفح الطیب" میں دیکھی جاسکتی ہے۔(۲)

ان کتابوں میں ان کے بہت سے اشعار بھی مرقوم ہیں، ان سے ایک قصیدہ بھی منسوب ہے جس میں انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کی مدح وستائش کی ہے اور اس میں قرآنی سوروں کو عنوان بنا کر آنحضرتؐ کے فضائل بیان کئے ہیں۔

اس کا مطلع ہے:

فی کُلّ فاتحۃٍ للقول معتبرہ　　حقُّ الثناء علیٰ المبعوث بالبقرَہ

قصیدہ کے آخر میں ان دس افراد کا تذکرہ کیا ہے جن کو آنحضرتؐ نے جنت کی بشارت دی تھی بالخصوص حمزہ، عباس، جعفر، عقیل، خدیجہ اور جناب فاطمہ زہراؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

حافظ قسطلانی کے مطابق جیسا کہ شرح مواہب میں ہے: یہ خاندان شرافت و بزرگی سے آراستہ تھا، جناب زہراؑ کی وجہ سے ان کو زیادہ ہی فضیلت ملی۔ انہوں نے لباس عظمت زیب تن کیا، جو انہیں احترام کی وجہ سے عطا کیا گیا ہے، بے شک (عباسیوں اور جعفریوں) کے درمیان ان کے سبز لباس، شرافت وعظمت کی علامت بن گئے اور لوگوں کے بقول اس کی علت یہ ہے کہ خلیفہ عباسی مامون نے خلافت کو اولاد زہراؑ کے حوالے کرنا چاہا۔ اس نے ان کے لئے سبز علامت کا انتخاب کیا اور انہیں سبز لباس پہنایا، اس لئے کہ سیاہی عباسیوں کی نشانی تھی، سفیدی تمام مسلمانوں کی علامت تھی، سرخی کراہت سے مخصوص ہے اور زردی یہودیوں کا شعار ہے، پھر وہ اپنے ارادہ سے پھر گیا اور خلافت بنی عباس کے حوالے کردی۔

۱۔ شذرات الذہب، ج۷، ص۱۰، (ج۹، ص۲۲، حوادث ۸۰۱ھ)

۲۔ درالکامنہ، ج۲، ص۲۳۹؛ بغیۃ الوعاۃ، ص۱۴، (ج۱، ص۳۴، نمبر ۵۵)؛ شذرات الذہب، ج۶، ص۲۶، (ج۸، ص۶۲، ۴، حوادث ۷۰۱ھ)؛ نفح الطیب، ج۴، ص۲۰۸۔۳۷۳، (ج۱۰، ص۲۳۱ھ ۱۶۶)

یہ سبز پوشی علویوں کی عظیم شخصیتوں کی علامت بن چکی ہے، وہ سبز کپڑے کا ایک ٹکڑا استعمال کرتے ہیں جو وہ اپنے عمامے پر لگاتے ہیں، جسے شفطہ کہا جاتا ہے، یہ ان کی سیادت کی نشانی ہے۔(۱)

۱۔المواہب اللدنیۃ (ج۳ص۳۷۴)

علاء الدین حلی

پورا قصیدہ ۱۹۱ اشعار پر مشتمل ہے، غدیر سے متعلق اشعار کا ترجمہ پیش ہے:

''اے اس کے رخساروں کے نچھاور جس کی صورت آگ میں ہمیشہ جلے گی، میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تجھ سے پہلے کوئی جہنم میں ہمیشہ جلے گا، مگر صرف وہی جو وصی رسول کا منکر ہو جن کے فضائل و مناقب کو رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن بیان فرمایا تھا۔ چنانچہ رسولؐ اعلان حق کے لئے اس طرح کھڑے ہوئے کہ آنحضرت کا دایاں ہاتھ علیؑ کے دائیں ہاتھ میں کجاوں کے اوپر سب کے سامنے تھا۔ فرشتے ان کا حصار کئے ہوئے تھے اور خداوند عالم اس واقعہ کا گواہ تھا۔ آپ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ حیدرؑ مولا ہیں، ان کے علاوہ کوئی بھی سید و سردار نہیں۔ خدایا! ان کے دوستوں کو دوست اور ان کے دشمنوں کو دشمن رکھ اور انہیں ذلیل و رسوا کر دے۔ خدا کی قسم! ان سے صرف صالح مومن محبت کرے گا اور صرف کافر و ملحد ہی نفرت و دشمنی کرے گا۔ اے لوگو! علیؑ کی مدد کرو، ان کی نصرت سے منہ نہ موڑو اور ان سے ہدایت حاصل کرو، ہدایت پا جاؤ گے۔ سب نے کہا: ہم نے آپ کا فرمان اور روح الامین نے جس سلسلے میں آپ کو تاکید کی ہے، اسے سنا، ہاں! یہ علیؑ ہمارے امام و ولی ہیں، ہم انہیں سے ہدایت طلب کریں گے تاکہ راہ راست کی ہدایت حاصل کر سکیں۔ پھر رسول خداؐ کا انتقال ہو گیا، آپ کی رحلت کے بعد کوئی ایک آدمی بھی نہ تھا جو تشییع جنازہ میں شریک ہو کر آپ کو سپرد لحد کرتا۔ ہاں! انہوں نے رسول کی سفارشوں سے خیانت کی اور بہترین انسان ''احمدؐ'' کے ارشادات کی مخالفت کی، انہوں نے صحیح راستہ پہچان کر بھی ہدایت کو ضلالت میں تبدیل کر لیا اور گمراہی کی گہری کھائی میں گر گئے۔ انہوں نے ابو قحافہ کو اپنا سید و سردار بنا لیا جو اس سے قبل کسی کام کے نہ تھے''۔

شاعر کا تعارف

ابوالحسن علاء الدین شیخ علی بن حسین حلی شہفی (۱) معروف بہ ''ابن شہفیہ''۔ یہ عالم و فاضل اور برجستہ ادیب تھے، علم و ادب پر مکمل دسترس حاصل تھی، صادق فکر و نظر اور واضح و آشکار فضیلت کے حامل تھے، یہ شعرائے اہل بیتؑ کے پرچم دار تھے۔ ان کے قصائد سامعتوں کو جذب کرنے والے اور لوگوں میں کافی مشہور و معروف ہیں، ان کے اشعار دلیل و برہان سے مملو، ظریف و درخشاں نکات سے بھرپور، دقیق اشارات سے پُر، علم بدیع کی خوبیوں سے درخشاں اور فصیح اور سلیس جملات، منفرد اسلوب اور نظم کے بہترین پیرائے میں ہوتے تھے۔ انہوں نے امیر المومنین حضرت علیؑ کی مدح و ستائش اور ان کے فرزند امام حسینؑ کے مرثیہ میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔

یہ بذات خود ان کی مہارت و بالادستی، بہترین اشعار میں ان کی سبقت، مذہبی قوانین کی پابندی اور ائمہ دین کی بے لوث پیروی کی واضح دلیل ہے۔ ان کے ہم عصر شہید اول (جو ۷۸۶ھ میں شہید ہوئے) نے ان کے ایک قصیدے کی شرح کی ہے، جب شہید اول کے شرح کی اطلاع ان کو ہوئی تو اس پر بہت زیادہ افتخار کیا اور فوراً ہی شہید اول کی مدح میں ایک قطعہ کہا۔

قاضی نے المجالس میں (۲)، شیخ حر عاملی نے ''امل الآمل'' میں (۳) اور میرزا نے ''ریاض العلماء'' (۴) میں ان کے حالات زندگی کو تحریر فرمایا ہے اور ان کے علم و فضل اور ادب کی بے پناہ تعریف و توصیف کی ہے۔

شاعر نے سات طویل قصیدے کہے ہیں جنہیں ابن فہد حلی کے شاگرد علامہ شیخ محمد بن علی بن حسن جباعی نے لکھا ہے، ہمیں ان کے کئی نسخے دستیاب ہوئے ہیں، پہلا قصیدہ وہی ہے جسے غدیریہ کے عنوان

۱۔ اس نسبت کی علت سمجھ میں نہیں آئی، نسخوں میں مندرج یہ نام بھی مختلف ہے: شہفی، شفہینی، شہفینی، شلمی اور شہیفینی۔

۲۔ مجالس المومنین (ج ۲ ص ۵۷۱)

۳۔ امل الآمل (ج ۲ ص ۱۹۰ نمبر ۵۶۵)

۴۔ ریاض العلماء (ج ۳ ص ۴۲۷)

سے پیش کیا گیا ہے، یہاں چھ قصائد کے مطالع پیش کئے جا رہے ہیں:

پہلا قصیدہ:

ذهب الصبا و تصرم العمر — و دنا الرحيل و قوض السفر

دوسرا قصیدہ:

ابرق تراء ى عن يمين ثغورها — ام ابتسمت عن لو لو من تغورها

تیسرا قصیدہ:

يا عين ما سفحت غروب دماک — الا بما الهمت حب دماک

چوتھا قصیدہ:

نم العذار بعارضيه و سلسلا — وتضمنت تلک المراشف سلسلا

پانچواں قصیدہ:

حلت عليک عقود المزن يا حلل — و صافحتک اکف الطل يا طلل

چھٹا قصیدہ:

عسى موعد ان صح منک قبول — توديه ان عز الرسول قبول (۱)

تمام شد

سید شاہد جمال رضوی

۲/رجب ۱۴۲۹ھ

۱۔ تمام قصائد اعیان الشیعہ جلد/۸ میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

حضرت علامہ عبدالحسین الامینی النجفی (طاب ثراہ)

ولادت: ۲۵ / صفر ۱۳۲۰ھ

وفات: ۲۸ / ربیع الثانی بروز جمعہ ۱۳۹۰

''الغدیر'' گیارہ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب لگ بھگ ۴۵۱۳ صفحات پر پھیلی ہوئی تحقیق وتتبع کی داد دیتی ہے، بقول شہید مرتضی مطہریؒ: یہ کتاب تمام زہر آگیں پروپیگنڈے کے برخلاف، یہ ثابت کرتی ہے کہ شیعیت قرآن وسنت کی منطق پر استوار ہے، تشیع پر لگائے گئے تمام اتہامات لچر اور بے بنیاد ہیں، اس کتاب نے حضرت علیؑ اور تمام آئمہ طاہر (علیہم السلام) کی مظلومیت کو حساس ترین انداز میں نمایاں کیا ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد ہر شخص اعتراف حق پر مجبور ہوجاتا ہے۔

اسی لئے کتاب کی اشاعت کے بعد عالم اسلام کے نامور علماء و محققین نے اس کتاب سے متعلق احساس قدردانی انگیز کر کے اپنے بہترین خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن کیالی حلبی کہتے ہیں: ہر مسلمان کے پاس یہ کتاب رہنا چاہئے۔

ڈاکٹر محمد غلاب مصری کہتے ہیں: یہ کتاب صاحبان تحقیق کی آرزو ہے۔

یہ عظیم کتاب اتنی قدردانی کی مستحق کیوں نہ ہو جب کی علامہ امینیؒ نے اس کی تالیف وتحقیق میں برسوں زحمتیں برداشت کی ہیں اور صرف تحقیقی مواد فراہم کرنے کے لئے ہندوستان، مصر، شام کے علاوہ کئی ملکوں کا چکر لگایا ہے۔ ان پرخلوص کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج شیعی دائرۃ المعارف کی حیثیت سے ''کتاب الغدیر'' افق تشیع پر چھائی ہوئی ہے۔ (ناشر)

ادیب عصر مولانا سید علی اختر رضوی شعور گوپال پوری مرحوم

ولادت: ۱۹۴۷ھ

وفات: ۲۶ / ذیقعدہ ۱۴۲۲ بمطابق ۱۰ / فروری ۲۰۰۲

کتاب ''الغدیر'' زمانۂ طالب علمی ہی سے مولانا مرحوم کی توجہات کا مرکز رہی ہے، آپ کے دل میں اسی وقت یہ جذبہ مدوجزر پیدا کرنے لگا تھا کہ اس علمی اور تحقیقی کتاب کو اردو جیسی ترقی یافتہ زبان میں ضرور منتقل ہونا چاہئے لیکن ہندوستان کے حالات اور طباعت کی سنگینی کے پیش نظر خاموش بیٹھ رہے۔

۱۹۹۰ میں جب مولانا مرحوم، مولانا سید نیاز علی رضوی بھیک پوری کی زحمت ومشقت اور کوششوں کے ذریعے مرجع عالی قدر آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ کی دعوت پر ایران آئے تو معظم لہ نے برصغیر کے حساس موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے تھوڑی تلخیص کے ساتھ ''الغدیر'' کا ترجمہ کرنے کو کہا، اہم کتاب اور حساس موضوع کے دیکھتے ہوئے ''نہیں'' کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ فوراً مثبت جواب دے دیا اور ترجمہ میں مشغول ہوگئے۔

یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے کہ مولانا مرحوم نے آج سے تقریباً پندرہ سال قبل، دیہات کی زندگی میں وسائل وآسائش حیات کی کمی کے باوجود الغدیر کی تمام جلدوں کا ترجمہ کر ڈالا تھا جس کی ایک جلد ۱۹۹۳ھ میں منظر عام پر آچکی ہے، لیکن پھر حالات نا مساعد ہوتے چلے گئے اور دوسری جلدوں کی طباعت کی نوبت نہ آسکی نیز دو جلدیں (چھٹی اور گیارہویں) حالات کی ستم ظریفی کی نذر ہوگئیں، جن کی تکمیل کا فریضہ ان کے فرزند'' مولانا سید شاہد جمال رضوی'' نے بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔ (ناشر)

گلستانِ زہرا پبلی کیشنز لاہور